نومبر 2012
ماہنامہ
کرن
اس شمارے کے ساتھ
کرن کتابچہ
پاک سوسائٹی
ڈاٹ کام
www.paksociety.com

انٹرویو

ناول

مکمل ناول

ناولٹ

افسانے

زرِ سالانہ بذریعہ رجسٹری

پاکستان (سالانہ) ----- 600 روپے

ایشیا، افریقہ، یورپ ----- 5000 روپے

امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا ----- 6000 روپے

مستقل سلسلے

خط و کتابت کا پتہ

کرن

37- اردو بازار کراچی

نومبر 2012

جلد 35 شمارہ 8

قیمت 50 روپے

خط و کتابت کا پتہ: ماہنامہ کرن، 37- اردو بازار، کراچی۔

پبلشر آزر ریاض نے ابن حسن پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر شائع کیا۔ مقام: بی 91، بلاک W، نارتھ ناظم آباد، کراچی

Phone: 32721777, 32726617, 021-32022494 Fax: 92-21-32766872

Email: kiran@khawateendigest.com Website: www.khawateendigest.com

نومبر کا کرن آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

رب کائنات نے کائنات کو جس تناسب و توازن کے ساتھ بنایا، اسی طرح اس نے کمال مہربانی سے انسان کی تخلیق کر کے اسے اشرف المخلوقات اور زمین پر اپنا نائب بنایا۔ ان تمام مہربانیوں کا مقصد یہ تھا کہ انسان اپنی ذات پر توجہ دے اور اپنی فلاح کے لیے نیک افعال و اعمال انجام دے لیکن یہ کام وہ تنہا نہیں کر سکتا بلکہ اس کے اعمال کا صحیح اندازہ تو اس وقت ہوتا ہے جب وہ اپنے جیسے دوسرے انسانوں کے ساتھ رہ کر زندگی گزارے۔ ایسے میں اس کی شخصیت کی تعمیر ہوتی ہے۔ شخصیت سے مراد اس کا مزاج، عقل و دانش اور معاشرتی رویہ ہے۔ اسلام کا منشا یہ ہے کہ انسان اعلا اخلاق کا مالک ہوتا کہ دوسرے لوگ اس سے آرام اور راحت پا سکیں۔ لیکن ہم اپنے اردگرد نظر ڈالیں تو سوائے افسوس اور دکھ کے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ انسان اپنی تخلیق کا مقصد بھول گیا ہے۔ خود غرضی اور دھوکا دہی عام ہو گئی ہے۔ انسان، انسانوں کو قتل کر رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہم سب کو انسانیت کا احترام کرنے کا سلیقہ عطا کرے اور آپس میں بھائی چارے اور محبت سے رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

اس شمارے میں،

- عیدالاضحیٰ کے موقع پر قارئین سے دلچسپ سروے،
- علی عمران سے شاہین رشید کی ملاقات،
- "آواز کی دنیا سے" کمپئیر علی سلمان سے ملاقات،
- اداکارہ مدیحہ رضوی دو گھے پہاڑے کے ساتھ،
- "دردِ دل"، نبیلہ عزیز کا سلسلے وار ناول،
- "دستِ کوزہ گر"، فوزیہ یاسمین کا سلسلے وار ناول،
- "ساڈا چڑیا دا چنبا"، نفیسہ سعید کے طویل مکمل ناول کا دوسرا حصہ،
- "دکھ کا دریا، سکھ کا بادل"، سعدیہ عزیز آفریدی کا مکمل ناول،
- "ام البنین"، میمونہ صدف کا مکمل ناول،
- ریحانہ امجد بخاری اور رضوانہ ارشاد احمد کے دلکش ناولٹ،
- رفاقت جاوید، حنا یاسمین اور صبیحہ اقبال کے افسانے،
- اور مستقل سلسلے،

مفت،

شادی کی تیاری اور رسومات پر مشتمل کرن کتاب "میں تو چلی پیا کے دیس"، کرن کے ہر شمارے کے ساتھ علیحدہ سے مفت پیشِ خدمت ہے۔

حمد باری تعالیٰ

اک پھول نے کونین کی دولت مجھے دے دی
آنسو سے ہتھیلی پہ لکھا اللہ ہی اللہ!

پھولوں میں بسی چاندنی راتوں کی نمازیں
خوشبو ہی ستاروں کی دعا اللہ ہی اللہ

پیڑوں کی صفیں پاک فرشتوں کی قطاریں
خاموش پہاڑوں کی ندا اللہ ہی اللہ

بادل کی عبادت ہے برستا ہوا پانی
آنسو کی غزل حمد و ثناء اللہ ہی اللہ

اک نام کی تختی کا مجھے شوق ہوا تھا
پانی پہ ہواؤں نے لکھا اللہ ہی اللہ

وہ سورہ یٰسین کہ کافور کی خوشبو
مہکے ہوئے پھولوں کی ردا اللہ ہی اللہ

بشیر بدر

تو جو اللہ کا محبوب ہوا، خوب ہوا
یا نبیؐ خوب ہوا، خوب ہوا، خوب ہوا

شب معراج یہ کہتے تھے فرشتے باہم
سخن طالب و مطلوب ہوا، خوب ہوا

اے شہنشاہ مرسل فخر رسل ختم رسل
خوب سے خوب خوش اسلوب ہوا، خوب ہوا

حشر میں امت عاصی کا ٹھکانا ہی نہ تھا
بخشوانا مجھے مرغوب ہوا، خوب ہوا

تھے سبھی پیش نظر معرکہ کرب و بلا
صبر میں ثانی ایوب ہوا، خوب ہوا

داغ ہے روز قیامت مری شرم اس کے ساتھ
میں گناہوں سے جو محجوب ہوا، خوب ہوا

داغ دہلوی

علی عمران سے ملاقات

شاہین رشید

شوبز میں کافی نئے چہرے آئے ہیں جو کہ بہت اچھا کام کر رہے ہیں۔ انہی میں عمران اسلم بھی ہیں جنہیں اس فیلڈ میں آئے بہت زیادہ وقت نہیں ہوا لیکن متواتر ہر چینل سے نظر آنے کی وجہ سے اب یہ نیا چہرہ نہیں رہے ان سے کی جانے والی گفتگو قارئین کی نذر ہے۔

☆ "کیسے ہیں عمران اسلم صاحب؟"

* "الحمدللہ۔۔۔۔ ٹھیک ہوں۔"

☆ "آج کل آپ کو کافی ڈراموں میں دیکھ رہے ہیں۔ ماشاء اللہ بہت مصروف رہتے ہیں۔ آپ یہ بتائیں کہ کیا وجہ ہے کہ آپ ڈراموں میں اکھڑ مزاج، بدمزاج اور غصے کے تیز نظر آتے ہیں۔ اصل حقیقت کیا ہے۔"

* "حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے۔ میں ایک نہایت خوش مزاج اور ہنس مکھ بندہ ہوں۔ ڈرامہ میں اس قسم کے کردار میرے لیے چیلنج کی حیثیت رکھتے ہیں اس لیے میں انہیں خوشی خوشی قبول کرتا ہوں۔"

☆ "آپ نے ایک ڈرامہ "دریچہ" میں ثنا عسکری پر ہاتھ اٹھایا ان کی پٹائی کی یہ کیمرے کا کمال تھا یا حقیقتاً سب کچھ ہوا تھا؟"

* "سب کچھ حقیقی تھا۔۔۔۔ میں نے آج تک کسی عورت پر ہاتھ نہیں اٹھایا لیکن ثنا کی خواہش تھی کہ سب کچھ حقیقت میں ہونا چاہیے اس لیے میں نے انہیں مارا اور آپ کو بتاؤں کہ جب پہلی بار انہیں تھپڑ مارنا تھا تو میرے ہاتھ کانپ رہے تھے۔۔۔۔ اور جب حقیقت کا رنگ دیا تو بہت زیادہ تھپڑ پڑ گئے انہیں گال سوج گئے میرے بھی ہاتھوں میں درد ہوا۔ میں نے بہت معافیاں مانگیں مگر قصور میرا نہیں تھا۔ بہت حقیقی سین ہوئے وہ۔"

باصلاحیت انسان کہیں بھی ہو اپنے آپ کو تسلیم کروا ہی لیتا ہے' اپنی صلاحیتوں کو منوا کر ڈھیروں لوگوں میں اپنی جگہ بنا ہی لیتا ہے۔ بس اس کے لیے تھوڑی محنت کی ضرورت ہے۔ کیونکہ گھر بیٹھ کر سب کچھ حاصل نہیں کیا جا سکتا۔۔۔۔ اور فیلڈ کوئی بھی ہو اپنے آپ کو منوانے کے لیے بہت جدوجہد کرنی پڑتی ہے۔ لیکن کچھ خوش نصیب ایسے بھی ہوتے ہیں جو محنت سے زیادہ نصیب کی بدولت کم عرصے میں اپنی پہچان بنا لیتے ہیں۔ بہرحال اللہ نے جس کو جہاں سے رزق دینا ہوتا ہے وہ اسے وہیں پہنچا دیتا ہے۔

☆ "حقیقت سے ہٹ کر جو کردار کیے جائیں وہ زیادہ بہتر رہتے ہیں یا جو آپ ہیں اسی طرح کے کردار کرنے میں مزا آتا ہے۔"

* "میں نے اس پروفیشن کا انتخاب ہی اس لیے کیا تھا کہ اپنے آپ کو بھولنے کا تھوڑا موقعہ مل جائے۔۔۔۔ اور پھر اس پروفیشن میں بہت سکون ہے۔ چھوٹی سی زندگی میں آپ بہت کچھ بن جاتے ہیں۔"

☆ "آپ کا نام عمران اسلم ہے آپ کے ہم نام بھی ایک مشہور شخصیت ہیں کبھی مسئلہ ہوا۔"

* "عمران اسلم صاحب سے میری بہت اچھی ملاقاتیں ہیں اور جب پہلی مرتبہ ان سے میری ملاقات ہوئی تو انہوں نے کہا کہ بیٹا تم نے میرا نام carry کیا ہے میں تم پر مقدمہ کر دوں گا۔ میں نے کہا سر بے شک کر دیں۔ اتنے سارے کیس ہیں ایک یہ بھی سہی۔ اتنے سال سے تو یہ نام میری ملکیت ہے۔ تو اب جب بھی ملاقات ہوتی ہے وہ اس بات کو ضرور یاد کرتے ہیں۔۔۔۔ میں ان سے انسپائرڈ تھا یہ تو نہیں کہوں گا کیونکہ جب میں اس فیلڈ میں آیا تو مجھے ان کے بارے میں کچھ نہیں معلوم تھا۔ کیونکہ میری اصل فیلڈ فیشن ڈیزائننگ کی ہے میں فیشن ڈیزائنر ہوں اسے پریکٹیکل اپلائی نہیں کر سکا۔ کیونکہ تعلیم مکمل کرنے کے فوراً ہی بعد شوبز میں کام کرنے کا موقع مل گیا۔"

☆ "اس فیلڈ میں حوصلہ افزائی کس نے کی؟"

* "یہاں میں معین اختر صاحب کا نام ضرور لینا چاہوں گا۔ جب میں پڑھ رہا تھا تو مجھے ان کی وجہ سے ایک "سوپ" کرنے کا موقعہ ملا نجی چینل پہ اس کو مکمل کرنے کے لیے میں نے چھٹیاں لیں اور سوپ کرنے کے بعد میں نے سوچا کہ پہلے تعلیم مکمل کروں گا پھر اس فیلڈ میں آؤں گا۔ اور پھر پڑھائی مکمل کرنے کے بعد میں اس فیلڈ میں مسلسل کام کر رہا ہوں اور جو

سوپ میں نے کیا تھا جب ٹیلی کاسٹ ہوا تو بہت پسند کیا گیا۔

اور میں آپ کو یہ بھی بتاؤں کہ میں نے ڈرامے بھی لکھے ہیں۔ ڈائریکشن بھی کی ہے۔ چینلز میں بھی کام کیا ہے۔ مگر سکون و اطمینان مجھے اداکاری کر کے ہی آیا ہے۔"

☆ "آپ کے ہم نام عمران اسلم بھی انہی خوبیوں کے مالک ہیں۔ پھر تو آپ جونیئر عمران اسلم ہو گئے؟ پھر وہی سوال کروں گی کہ کبھی مسئلہ ہوا؟"

* "جی بالکل اور جہاں تک مسئلہ کی بات ہے تو سلطانہ صدیقی نے میرا نمبر بھی عمران اسلم کے نام سے سیو کیا اور عمران اسلم صاحب کا بھی تو کام کے حوالے سے کافی اچھا ریلیشن ان سے بن گیا تو وہ اکثر فون کر کے کہتی تھیں "ارے عمران تم کہاں ہو" تو میں ان سے کہتا تھا کہ آپا آپ نے غلط فون کر دیا ہے آپ دوسرے عمران اسلم کو فون کریں تو اب بھی جب بھی ملتی ہیں تو کہتی ہیں "تم وہی ہو نا جس کو میں اکثر فون کرتی تھی" ہجی چینل کے لیے چونکہ کام کرتا رہتا ہوں تو سلطانہ آپا سے اکثر ملاقات ہو جاتی ہے۔ اب شاید انہوں نے جونیئر سینئر کر کے نمبر ڈالا ہے اب غلطی سے فون نہیں آتا۔"

☆ "مرحوم معین اختر صاحب سے آپ کی ملاقات کیسے ہوئی تھی؟"

* "کسی کام کے سلسلے میں شاید ان سے ملاقات ہوئی تھی میں کسی کے ساتھ گیا تھا اور اس زمانے میں میں ماڈلنگ کیا کرتا تھا تو معین اختر صاحب نے مجھے دیکھ کر کہا کہ شکل و صورت تو اچھی ہے تم اداکاری کیوں نہیں کرتے۔ تو میں نے کہا کہ اچھی آفر آئے گی تو کر لیں گے۔ پھر انہوں نے مجھے کسی سے ملوایا انہوں نے آڈیشن لیا اور تانیہ سیریل کے لیے مجھے منتخب کیا اور یوں تانیہ میرا پہلا سیریل تھا کاشف جعفری اس کے ڈائریکٹر تھے مجھے عابد علی اور کامران جیلانی کے ساتھ کام کرنے کا موقع ملا۔۔۔ میں نیا بندہ تھا اس سیریل کو کرنے کے بعد پڑھائی کی طرف لگ گیا اور پڑھائی مکمل کرنے کے بعد دوبارہ اس فیلڈ میں آ گیا۔"

☆ "کچھ اپنے بارے میں بتائیں؟"

* "چنیوٹ برادری سے تعلق ہے۔ میں 8 جولائی 1981ء میں پیدا ہوا' اس لحاظ سے اسٹار کینسر ہے۔ بہن بھائیوں میں آخری نمبر پر ہوں۔ مجھ سے بڑی دو بہنیں ہیں پھر ایک بھائی ہے۔ میں خیر سے شادی شدہ ہوں۔ میرے پنجابی دوست مجھے "بھاجی" اور دیگر لوگ پیار سے راجو کہتے ہیں۔"

☆ "شوبز میں آئے تو گھر والوں نے کچھ کہا؟"

* "اس فیلڈ میں آیا تو والد صاحب نے کافی سپورٹ کیا۔ باقی لوگوں کو اس فیلڈ کے بارے میں زیادہ پتا نہیں تھا۔۔۔ گھر میں ٹی وی دیکھنا تو پسند کیا جاتا ہے مگر اس میں کام کرنا پسند نہیں کرتے تھے تو گھر والوں کا رد عمل سوائے ابو کے نکٹو ہی تھا۔ ابو کی اجازت سے ہی میں اس فیلڈ میں آیا۔ امی نے کہا کہ بیٹا دیکھ لو جیسے تمہاری مرضی۔ بہنیں چونکہ بڑی ہیں تو انہوں نے اتنا ہی کہا کہ دیکھ لو۔ ویسے یہ اتنی اچھی فیلڈ نہیں ہے بہت قصے سنے ہیں۔۔۔ تو گھر والوں کو وسوسے تو تھے۔ ویسے اب تو اس فیلڈ میں کافی پڑھے لکھے لوگ آ گئے ہیں۔"

☆ "تانیہ" کے بعد آپ نے گیپ دیا۔ دوبارہ آنے میں مشکل ہوئی یا آسانی سے سب کچھ ہو گیا؟"

* "تانیہ" کے وقت تعلقات تو میرے سب سے ہی بن گئے تھے تو جب میں نے اس فیلڈ میں آنا چاہا تو انہی لوگوں سے میری ملاقات ہوئی اور سہیل ہاشمی صاحب جو کہ پی ٹی وی میں مارکیٹنگ کے شعبے سے وابستہ تھے تو وہ کچھ سیریز کر رہے تھے اور اس کے لیے انہیں ایک نیا لڑکا چاہیے تھا انہوں نے میرا سیریل "تانیہ" دیکھا ہوا تھا لہٰذا ان کا فون آیا اور مجھے بلایا اور تقریباً 18 بار میرا آڈیشن لیا کیونکہ ہر مرتبہ وہ کچھ نئے انداز میں مجھ سے آڈیشن لیتے تھے۔ خیر پھر مجھے ایک پروجیکٹ ملا۔۔۔ اسی زمانے میں مجھے لکھنے کا بھی شوق ہوا اور اس کا ذکر میں نے ان سے کیا۔۔۔ تو انہوں نے کہا کہ ضرور لکھو۔۔۔ یہ میری اسٹوری لائن ہیں تم بسم اللہ کرو۔ انہوں نے لکھنے کا سارا فارمیٹ مجھے سمجھایا۔۔۔ اور کہا کہ کتنے دن میں لکھ کر دو گے۔ میں نے نو دس دن مانگے اور نویں دن میں دو اسکرپٹ لکھ کر انہیں دے دیے انہوں نے اپروو کر دیے اور میں حیران پریشان کہ یہ کیا ہوا۔ خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔ چونکہ پروفیشن میں نیا نیا تھا تو انہوں نے پوچھا کہ اس کے علاوہ کیا کرتے ہو۔ میں نے انہیں بتایا کہ تعلیم مکمل کی ہے۔ اداکاری تو کرتا ہی ہوں' آپ نے مجھے رائٹر بھی بنا دیا ہے۔ کہنے لگے اچھا اور کیا کر لیتے ہو' کیا شوق ہیں۔ میں نے کہا کہ شوق تو بہت ہیں کیونکہ مجھے یہ کام مزے کا لگتا ہے کہنے لگے کہ مجھے ایک بندہ چاہیے جو میرے ساتھ رہے اور میرے کام میں میری مدد کرے۔۔۔ اور تمہیں شوق ہے تو تم کام کرو بھی اور سیکھو بھی گھر بیٹھنے سے تو بہتر ہے کچھ نہ کچھ کرتے رہو۔"

☆ "کام آپ نے اچھا خاصا کیا اور شہرت ملی آپ کو "میرا نصیب" سے ٹھیک کہا نا میں نے؟"

* "جی ہاں۔۔۔ بالکل اور میں سلام کرتا ہوں مومنہ درید کو کہ جن کے سیریل میں کام کر کے مجھے شہرت ملی۔ پہچان ملی' جہاں جاتا تھا اس سیریل کے حوالے سے پہچانا جاتا تھا۔ بے شک اس سیریل سے پہلے بھی لوگ مجھے جانتے تھے۔ مگر اتنا نہیں "میرا نصیب" کے وقت تو مجھے دیکھتے ہی لوگ کہتے تھے کہ وہ دیکھو "فہد" جا رہا ہے۔"

☆ "اب تو ماشاء اللہ اس فیلڈ میں سیٹ ہو گئے ہیں تو اب گھر والوں سے تعلقات کیسے ہیں؟"

* "گھر والوں سے تعلقات کبھی بھی خراب نہیں رہے۔ ہمیشہ سے ہی بہت پیار محبت ہے۔ اماں ابا کا انتقال ہو چکا ہے۔ بہنیں ہیں جو مجھے بہت پیاری ہیں اور بھائی ہیں۔ بہنیں شادی شدہ ہیں تو ان کے بچوں سے بہت پیار ہے اور بہت ہی خوب صورت فیملی ہے ہماری ہم سب دوستوں کی طرح سے رہتے ہیں۔ میں کام میں زیادہ ہی مصروف رہتا ہوں مگر جب سب سے ملاقات ہوتی ہے تو انجوائے کرتا ہوں۔"

☆ "بیرون ملک جانے کا اتفاق ہوتا ہے ڈراموں کی

وجہ سے یا خود سے؟"

* "ہم ایک مڈل کلاس فیملی سے تعلق رکھتے ہیں اس لیے ملک سے باہر جانے کا اتفاق نہیں ہوا۔ سوائے انڈیا کے ایک بار انڈیا گیا تھا۔ وہاں کے لوگ کافی حد تک اپنے سے لگے۔ مجھے یہ فرق نہیں لگا کہ میں کراچی میں ہوں یا ممبئی میں ہوں حالات' واقعات زبان و بیان ایک جیسی ہیں۔ اگر فرق ہے بھی زبان و بیان میں تو بہت معمولی سا ہے اور جب میں کوئی چیز خریدنے بازار جاتا تھا اور بتاتا تھا کہ میں پاکستان سے آیا ہوں تو وہ بہت محبت سے بات کرتے تھے اور اچھی خاصی مہنگی چیزوں پر بھی ڈسکاؤنٹ دے دیتے تھے۔ تو بس افسوس ہوا اس بات پر کہ ہم کیوں الگ ہو گئے۔ اگر یہاں شیعہ سنی فسادات ہیں تو وہاں ہندو مسلم فسادات ہیں۔ فرق تو کچھ بھی نہیں ہے۔ وہاں ہوتے تو ہندو مسلم کہلاتے' یہاں تو اپنے مسلمان ہی ایک دوسرے کو مار رہے ہیں۔"

☆ "اس فیلڈ میں آنے کے بعد کیا تبدیلی آپ کی زندگی میں آئی؟"

* "میرا تو خیال ہے کہ کوئی تبدیلی نہیں آئی بلکہ میں تو پہلے سے زیادہ لوگوں کے قریب ہو گیا ہوں۔ اس لیے کہ مجھے ان کے پاس بیٹھ کر کچھ سیکھنے کا موقع ملتا ہے

اور میں تو کہیں بھی جاؤں 'لوگوں میں سے کردار ڈھونڈ رہا ہوتا ہوں کہ اگر فلاں کردار ملا تو کس طرح کروں گا۔ میں بہت عام سا بندہ ہوں۔"

☆ "انسان کی خوب صورتی کتنا متاثر کرتی ہے آپ کو؟"

* "مجھے تو اللہ کی حسین تخلیق ہی انسان لگتا ہے۔۔۔ تو وہ جس حال میں بھی ہے خواہ کالا ہے۔ گورا چٹا ہے یا موٹا ہے مجھے سب انسان اچھے لگتے ہیں میں بنیادی طور پر روحانی آدمی ہوں میرے لیے اسلام روح سے تعلق رکھتا ہے۔ نماز اور دعا پہ یقین ہے، جو مانگنا ہے خود مانگیں کسی سے نہ کہیں کہ ہمارے لیے دعا کریں۔ میں اپنے سارے مسائل اللہ سے شیئر کرتا ہوں اور سکون محسوس کرتا ہوں۔"

☆ "گڈ۔۔۔ پھر بھی انسان کی کون سی خوبی متاثر کرتی ہے فوراً "متاثر ہوتے ہیں یا پرکھتے ہیں؟"

* "انسان میں بہت سی خوبیاں خامیاں ہوتی ہیں جو کہ آہستہ آہستہ واضح ہوتی ہیں۔ لیکن اتنا ضرور ہے کہ میں دو چار ملاقاتوں میں یہ ضرور اندازہ کر لیتا ہوں کہ میں اس کے ساتھ کتنا عرصہ چل سکتا ہوں اور اس سے کس طرح بات کرنی ہے مجھے اور یہ انسان میرے لیے کتنا اچھا ہے اور انسان سب ہی اچھے ہوتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ اگر کوئی انسان آپ کے ساتھ برا کر جاتا ہے تو قصور آپ کا ہی ہوتا ہے کیونکہ اس کو موقع آپ نے ہی دیا ہوتا ہے۔"

☆ "آپ کی کامیابی کے پیچھے کس کا ہاتھ ہے؟"

* "اپنی ان کامیابیوں پر تین لوگوں کا نام ضرور لوں گا۔ پہلا نام تو مرحوم معین اختر صاحب کا ہے۔ مجھ سے ایک چھوٹا سا سوال کر کے کہ ایکٹنگ کرو گے؟ میرے اندر کے فنکار کو جگایا انہوں نے' دوسرا نام سہیل ہاشمی کا ہے جنہوں نے مجھے دوبارہ اس فیلڈ میں متعارف کرایا کیونکہ پڑھائی کی وجہ سے کافی گیپ آچکا تھا۔۔۔ اور پھر مومنہ درید کا نام لوں گا کہ جن کی وجہ مجھے بے حد شہرت ملی۔ مجھے یاد ہے کہ جب میں ان سے میٹنگ کرنے گیا تھا اور انہوں نے مجھے کردار سمجھایا تھا تو میں نے کہا تھا کہ "مومنہ آپ جو کردار مجھے بتا رہی ہیں اور جو میں نے اسکرپٹ میں پڑھا ہے تو میں تو عورتوں کے بیچ میں ایک ریفری بن جاؤں گا۔ تو انہوں نے کہا کہ ایسا نہیں ہے مجھ پر بھروسہ کرو اور مجھے پوری امید ہے کہ یہ کردار تمہاری نئی زندگی میں بریک تھرو ثابت ہو گا اور یہ بات انہوں نے بہت وثوق سے کہی تھی اور آج میں ان کو سلوٹ کرتا ہوں' ان کے لیے میرے دل میں پہلے ہی بہت عزت تھی اب تو اور بھی زیادہ ہو گئی ہے اور یہ ڈرامہ بے حد مقبول ہوا۔"

☆ "ڈرامہ سیریل "منجھا" میں آپ ٹھنڈے مزاج کے دکھائے گئے ہیں۔ عام زندگی میں کیسے ہیں غصہ بہت آتا ہے یا کم؟"

* "میں بہت فرینڈلی ہوں۔ پھر بھی غصہ تو آتا ہے کہ انسان ہوں اور غصہ ایک فطری عمل ہے 'غلط باتوں پہ غصہ آتا ہے اور بھوک کے وقت اگر کھانا نہ ملے تو غصہ آتا ہے۔ شوٹ پر ہوتا ہوں اور بھوک لگ جائے تو مجھ سے کام نہیں ہوتا تب میرے ساتھی اور ڈائریکٹر سمجھ جاتے ہیں کہ عمران کو بھوک لگی ہو گی تب ہی غصہ بھی آ رہا ہے اور کام بھی نہیں ہو رہا۔ تو بس ایسا ہے میرا غصہ۔"

☆ "شوبز میں کافی عرصہ ہو گیا ہے آپ کو کیسا ہے یہ پروفیشن؟"

* "پروفیشن بہت اچھا ہے عزت 'شہرت اور دولت کے حساب سے مگر ایک برائی ہے اس فیلڈ میں جھوٹ بہت بولا جاتا ہے۔ شاید ایسا ہر فیلڈ میں ہوتا ہو گا۔ لیکن میرا تجربہ چونکہ اس فیلڈ کا ہے اس لیے میں اس کی بات کروں گا۔"

☆ "آپ نے کہا کہ "میرا نصیب" سے آپ کو بریک تھرو ملا۔ شہرت کی حفاظت کرنا آسان ہے یا مشکل؟"

* "بہت مشکل ہے۔ مجھے کبھی کبھی اپنی اس شہرت سے ڈر لگتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ زندگی سے زیادہ

بڑی ذمہ داری اب یہ شہرت ہے۔ بہت سے انسان آتے ہیں اور چلے جاتے ہیں ان کے بارے میں پتا بھی نہیں چلتا۔۔۔ لیکن میں اب وہ انسان بنتا جا رہا ہوں جن کے بارے میں سب کو پتا ہے اور میں اپنے کریکٹر کے ذریعے کسی کو رلا رہا ہوں تو کسی کو ہنسا رہا ہوں' کسی کو حوصلہ دے رہا ہوں تو میری کوشش ہوتی ہے کہ میری وجہ سے کوئی غلط چیز ناظرین تک نہ جائے کہ ان کی زندگی میں مسائل جنم لیں۔۔۔ اور عام زندگی میں بھی میری وجہ سے کوئی مسائل نہ ہوں کسی کے لیے۔"

☆ "عروج اور زوال انسان کی زندگی کا حصہ ہے۔ کبھی اس سے دوچار ہونا پڑا تو؟"

* "تو کوئی بات نہیں۔۔۔ وہ قادر مطلق ہے، جو مرضی کر لے۔ بس اللہ سے یہ دعا ہے کہ اس دنیا میں رہتے ہوئے انسان کی جو ضروریات ہیں وہ عزت کے ساتھ پوری ہوتی رہیں اس میں کبھی کمی نہ آئے۔ جب شہرت نہیں تھی تب بھی میں ایسا ہی تھا اور شہرت کے بعد بھی ایسا ہی ہوں۔"

☆ "سوری کرنے میں پہل کرتے ہیں؟"

* "بالکل کرتا ہوں۔ اگر میری غلطی ہو بلکہ میں تو اپنا جوتا اگلے کے ہاتھ میں پکڑا دیتا ہوں کہ مجھ سے غلطی ہو گئی ہے جو چاہے سلوک کریں۔ اس میں کوئی برائی نہیں ہے کہ اگر آپ اپنی غلطی تسلیم کر لیں۔"

☆ "اور آپ کی شادی کب ہوئی؟ پسند ہے یا ارینج؟"

* "شادی دسمبر 2011ء میں ہوئی ارینج ہے۔ بیگم کا نام "ثناء" ہے۔ شادی سے چھ ماہ قبل ہمارا نکاح ہو گیا تھا۔"

☆ "پھر تو ملاقاتیں اور باتیں ہوتی ہوں گی اور مزاج آشنائی بھی؟"

* "بالکل جی۔۔۔ باتیں ملاقاتیں ہوتی تھیں اور ہم دونوں ایک دوسرے کی بہت سی عادت و اطوار سے واقف ہو گئے تھے۔"

ان شاء اللہ بندھن کے لیے آپ کا تفصیلی انٹرویو کریں گے۔ اب اجازت دیں۔

دو کا پہاڑہ

ملیحہ رضوی

شاہین رشید

1 "خاندان کی دو شخصیات جو آپ کو بہت چاہتی ہیں؟"
"امی اور ابو۔"

2 "کوئی دو نام جن کے لیے آپ کی خواہش ہو کہ کاش یہ میرے ہوتے؟"
"زینب اور مشعل۔"

3 "آپ کے دو لکی نمبر؟"
"8 اور 9۔"

4 "دو باتیں جو آپ کو دوسروں میں ممتاز کرتی ہیں؟"
"میرا خیال ہے کہ میرا رویہ دوستانہ انداز اور دوسری بات یہ کہ میں سچ بولتی ہوں اور ایسا نہیں ہے کہ کوئی بندہ جھوٹ نہ بولتا ہو مگر میرا مسئلہ یہ ہے کہ میں لوگوں کے منہ پر جھوٹ بول نہیں سکتی کیونکہ لوگوں کو پتا چل جاتا ہے کہ میں جھوٹ بول رہی ہوں۔"

5 "دو تاریخی ادوار جن میں آپ جانا چاہتی ہیں؟"
"اس ملکہ کے دور میں جس کے لیے تاج محل بنوایا گیا تھا (ارجمند بانو) اور فاطمہ جناح کے دور میں جانا چاہتی ہوں۔"

6 "کوئی دو افراد جن کے ایس ایم ایس کے جواب آپ فوراً دیتی ہیں؟"
"بڑا مشکل سوال ہے..... بھائی اور بھابھی کے ایس ایم ایس کا جواب فوری دیتی ہوں۔"

7 "کوئی دو بری عادتیں جن سے آپ نجات چاہتی ہیں؟"

"مجھے غصہ بہت جلدی آتا ہے ایک منٹ نہیں لگتا غصہ آنے میں دوسری یہ کہ مجھ سے غلط بات برداشت نہیں ہوتی جھوٹے فقرے اور جو ان پر خول چڑھا ہوا ہوتا ہے وہ برداشت نہیں ہوتے شاید یہ بری عادت ہے جس پر مجھے تھوڑا کنٹرول کرنا چاہیے۔"

8 "جھوٹ جو آپ اکثر بولتی ہیں؟"
"ایک جھوٹ جو میں اکثر بولتی ہوں جان چھڑانے کے لیے وہ یہ کہ "میں شوٹ پہ ہوں" کچھ لوگ ایسے ہیں جن سے آپ فون پہ بات نہیں کرنا چاہ رہے ہوتے کیونکہ وہ بہت لمبی بات کرتے ہیں تو میں ان سے کہہ دیتی ہوں کہ میں شوٹ پہ ہوں اور دوسرا جھوٹ یہ ہے کہ چونکہ میں سوشل نہیں ہوں اور تقریبات میں زیادہ جانا پسند نہیں کرتی تو پھر یہ کہہ دیتی ہوں کہ میرے والدین کی اجازت نہیں ہے اس لیے نہیں آسکتی آپ کی تقریب میں۔"

9 "اپنے بارے میں کن دو باتوں کو سن کر آپ کو غصہ آجاتا ہے؟"
"ایک تو کوئی مجھ پر "جھوٹا بہتان لگائے" اور دوسرا یہ کہ "کوئی میری کوکنگ کی برائی کرے" کیونکہ میں بہت اچھا کھانا پکاتی ہوں۔"

10 "حالات حاضرہ کے دو اینکر جو آپ کو بالکل بھی پسند نہیں؟"
"کوئی بھی پسند نہیں کیونکہ کوئی بھی اچھی خبریں نہیں سناتا۔"

11 "مارننگ شو کے دو اینکر جو آپ کو بہت پسند ہیں؟"
"فیصل قریشی" سب سے اچھا شو انہی کا ہوتا ہے اور "ندا پاشا" یہ بھی بہت اچھا پروگرام کرتی ہیں۔"

12 "دو دوست جن پر آپ بھروسہ کر سکتی ہیں؟"
"میری دوست "نگینہ" یہ امریکہ میں رہتی ہے اور ایک دوست ہے "حسن" ان پر بلکہ دونوں پر اندھا بھروسہ ہے مجھے۔"

13 "دنیا کی دو مشہور شخصیات جن کے ساتھ آپ دنیا گھومنا چاہتی ہیں؟"
"میری امی..... اور رانی مکھرجی۔"

14 "دنیا کی دو ایسی شخصیات جن کی قسمت پر آپ کو رشک آتا ہے؟"
"ایشوریا رائے" اور "مارلن منرو" ان کا انتقال ہو چکا ہے۔"

15 "دو تہوار جو آپ بہت اہتمام سے مناتی ہیں؟"
"عید اور رجب کے کونڈے۔"

16 "دن کے چار پہر میں سے کون سے دو پہر اچھے لگتے ہیں؟"
"صبح اور شام۔"

17 "پہلی ملاقات میں کون سے دو جملے لازمی بولتی ہیں؟"
"السلام علیکم اور آپ سے مل کر بہت خوشی ہوئی۔"

18 "دو کھانے جن کو کھا کر آپ کبھی بور نہیں ہوتیں؟"
"چائنیز..... اور بریانی۔"

19 "دو کھانے جو آپ بہت اچھے پکاتی ہیں؟"
"بریانی" اور "بگھارے بینگن"

20 "وہ افراد جن سے معافی مانگنے میں شرم محسوس نہیں کرتیں؟"
"امی اور بھائی۔"

21 "وہ پسندیدہ کھلاڑی جن کی وجہ سے آپ کرکٹ دیکھتی ہیں؟"
"خطرناک سوال ہے۔ شاہد آفریدی اور پہلے کبھی جب وقار یونس کھیلا کرتے تھے۔"

22 "کن دو خوب صورت دنوں کا انتظار ہے؟"
"وہ دن جب ہم سب گھر والے اکٹھے ہوں کیونکہ میں کراچی میں ہوتی ہوں باقی گھر والے لاہور میں اور دوسرا اپنی شادی کے دن کی منتظر ہوں۔"

23 "دو خواہشات جو ابھی تک پوری نہیں ہوئیں؟"
"بحیثیت آرٹسٹ کے اپنے آپ کو بہت اعلا مقام پر دیکھنا چاہتی ہوں یہ خواہش ابھی پوری نہیں ہوئی اور دوسری خواہش یہ کہ اپنے امی ابو کو ایک بہت اچھی پرسکون زندگی دینا چاہتی ہوں۔"

24 "دو چیزیں جنہیں لیے بغیر آپ گھر سے نہیں نکلتیں؟"
"اپنا بیگ اور موبائل فون۔"

25 "دو الفاظ جو آپ بہت استعمال کرتی ہیں؟"
"شٹ اپ" اور "ہائے" کوئی بھی سامنے آجائے بے ساختہ ہائے نکلتا ہے۔"

26 "شوبز میں جگہ بنانے کے دو گر؟"
"یہ مشکل سوال ہے۔ ہر لڑکی کے اپنے اپنے گر ہوتے ہیں (قہقہہ) میرے لحاظ سے "نیت" اور "صبر ضبط و تحمل"

27 "سات دنوں میں کون سے دو دن اچھے لگتے ہیں؟"
"ہفتہ اور اتوار۔"

28 "بارہ مہینوں میں کون سے دو مہینے اچھے لگتے ہیں؟"
"مئی اور اکتوبر۔"

29 "اپنے گھر میں دو پسندیدہ جگہیں؟"
"میرا بیڈ روم اور میرا واش روم۔"

30 "گھر کے دو کام جن کے نہ کرنے پر ڈانٹ پڑتی ہے؟"
"ڈسٹنگ" اور کھانا نہ پکانے پر بہت ڈانٹ پڑتی ہے۔"

31 "دو ایسی شخصیات جن پر کسی قسم کا شک نہیں کر سکتیں؟"
"امی اور ابو۔"

33 "کن دو ممالک کی ترقی سے متاثر ہیں؟"
"بنگلہ دیش اور چین۔"

34 "کون سے دو رنگ کے لباس پسند ہیں؟"
"کالا اور لال۔"

35 "اپنے ملک کے دو پسندیدہ شہر؟"
"لاہور' اسلام آباد۔"

36 "اگر ایک دن کے لیے ساری دنیا سو جائے سوائے آپ کے تو آپ کیا دو چیزیں لینا چاہیں گی۔"
"میں ایک پوسٹ لینا چاہوں گی وزیر اعظم کی اور جب وزیر اعظم کی پوزیشن سنبھال لوں گی تو پھر سب کچھ میرا ہو جائے گا۔"

37 "لڑکوں کے لیے کوئی دو نصیحتیں؟"
"ایک تو یہ کہ لڑکیوں کے پیچھے بھاگنا چھوڑ دیں اور اپنے کام پر فوکس رہیں اور دوسری یہ کہ تعلیم حاصل کریں کیونکہ دنیا بہت آگے نکل چکی ہے اور لڑکیاں آج کل زیادہ تعلیم حاصل کر رہی ہیں۔"

38 "سال کے چار موسموں میں سے کون سے دو موسم پسند ہیں؟"
"سردیاں اور بہار۔"

39 "لڑکوں کی دو ناپسندیدہ عادتیں؟"
"لڑکیوں کو گھورنا اور خوامخواہ بات کرنے کی کوشش کرنا۔"

40 "صبح اٹھتے ہی کون سے دو کام پہلے کرتی ہیں؟"
"مجھے بیڈ ٹی کی عادت ہے تو بیڈ ٹی ضرور پیتی ہوں

اور پھر اپنا موبائل چیک کرتی ہوں۔"

41 "دو مرد جنھوں نے آپ کی زندگی بنانے میں اہم رول ادا کیا ہو؟"
"میرے والد اور میرا دوست جس کا نام نہیں بتاؤں گی۔"

42 "آپ کے نزدیک دنیا کے دو خوب صورت ترین مرد؟"
"عمران خان اور وحید مراد۔"

43 "دو پسندیدہ پروفیشن؟"
"انٹیریئر ڈیزائننگ اور کسٹمر کیئر کی جاب کرتی تھی ایک زمانے میں تو اسے یا اس پروفیشن کو پسند کرتی ہوں۔"

44 "دنیا کے دو بہترین سیاست دان؟"
"ذوالفقار علی بھٹو محمد علی جناح۔"

45 "دو چیزیں جن پر آپ بہت خرچ کرتی ہیں؟"
"چیزیں نہیں بلکہ میں اپنی امی کے لیے بہت خرچ کرتی ہوں ان کے لیے مجھے کچھ بھی پسند آجائے میں نہیں سوچتی اور گھر کی سجاوٹ پر اور ضرورت پر بہت خرچ کرتی ہوں۔"

46 "اپنے دو ڈرامے جو آپ بھول نہیں سکتیں؟"
"بن تیرے" اور پہلی فلم کی تھی "ایکٹریس" اس میں امی اور میں نے ایک ساتھ کام کیا تھا۔"

47 "دو قیمتی چیزیں جو آپ خریدنا چاہتی ہیں؟"
"اپنی پرسنل کار" کراچی میں آکر میں نے نہیں خریدی اور اپنا ذاتی گھر۔"

48 "اپنے کیے گئے دو فیصلے جو غلط ثابت ہوئے ہوں؟"

"بہت سے ایسے فیصلے کیے ہیں جو غلط ثابت ہوئے ہیں اور وہی فیصلے غلط ہوئے جن میں والدین کی مرضی شامل نہیں تھی۔"

49 "کن دو باتوں سے بچنے کی کوشش کرتی ہیں؟"
"لوگوں کی تعریف سے جو میری بہت زیادہ کررہے ہوتے ہیں اور ایسی جگہوں پہ جانے سے پرہیز کرتی ہوں جہاں کوئی جھوٹ بولنا پڑے۔"

50 "پانچ وقت کی نمازوں میں کون سے دو وقت کی نمازیں لازمی پڑھتی ہیں؟"
"جھوٹ نہیں بولوں گی مگر کچھ عرصے سے میں بالکل بھی نہیں پڑھ پا رہی لیکن میری کوشش ہوتی ہے کہ میں "فجر" اور "مغرب" ضرور پڑھوں۔"

51 "بیرون ملک شاپنگ میں کیا دو چیزیں لازمی خریدتی ہیں؟"
"بیگ اور کرتے۔"

52 "دو لوگ جن کی زندگی سے ڈر لگتا ہے؟"
"اپنے بڑے بھائی کے غصے سے جو کہ دبئی میں رہتے ہیں ان کا نام سلمان ہے ان کے غصے سے میں بچپن سے ڈرتی ہوں اور آج تک ڈر لگتا ہے اور میری ایک پھوپھو ہیں ان کے غصے سے بہت ڈر لگتا ہے۔"

53 "کن دو لوگوں کی تعریف میں کنجوسی سے کام نہیں لیتیں؟"
"اپنے بھائی کی اور اپنے دوستوں کی۔"

54 "دو پسندیدہ مشروب جن کے بغیر نہیں رہ سکتیں؟"
"چائے اور پاکولا۔"

55 "ملک میں کون سی دو تبدیلیاں ضروری ہیں؟"
"بجلی کا بحران ختم ہونا چاہیے اور تعلیم بہت ضروری ہے۔"

56 "آج کے دور کے دو پسندیدہ گلوکار؟"
"شفقت امانت علی اور راحت فتح علی۔"

57 "شادی کی کون سی دو رسمیں انجوائے کرتی ہیں؟"
"مہندی کی اور مایوں کی رسمیں بہت انجوائے کرتی ہوں۔"

58 "دو باتیں جو آپ کا موڈ خراب کردیتی ہیں؟"
"اک تو جب میں نے کچھ سوچا ہو اور وہ نہ ہوا ہو میں نے کہیں جانے کا سوچا اور میں نہ جاسکوں تب اور اگر ای اپ سیٹ ہوں تو میرا موڈ خراب ہوجاتا ہے۔"

59 "کن دو افراد کے ساتھ بارش انجوائے کرتی ہیں؟"
"میری پوری فیملی اور اپنے دوست کے ساتھ۔"

60 "کن دو کیڑوں سے ڈر لگتا ہے؟"
"چھپکلی اور چوہا۔"

61 "دو ریسٹورنٹ جہاں کھانا کھانا پسند کرتی ہیں؟"
"مجھے ویسے ریسٹورنٹ میں کھانا پسند نہیں ہے لیکن اگر جانا پڑے تو چار کول اور باربی کیو ٹونائٹ۔"

62 "اپنے ملک کے دو شاپنگ مال جہاں سے شاپنگ کرتی ہیں۔"
"ہائپر اسٹار" اور "پیس" لاہور میں ہے یہ۔"

63 "دو چینلز جو آپ شوق سے دیکھتی ہیں۔"
"ہم" کیونکہ اس پہ میرے سارے ڈرامے آتے ہیں اور نیشنل جیوگرافک۔"

64 "کھانے کی ٹیبل پہ کیا دو چیزیں نہ ہوں تو کھانے کا مزا نہیں آتا؟"
"سلاد اور رائتہ۔"

65 "دو تبدیلیاں جو آپ اپنی شخصیت میں لانا چاہتی ہیں؟"
"غصہ نہ آئے اور صبر و تحمل آجائے"

66 "کن دو شخصیات کو اغوا کرنا چاہیں گی اور تاوان میں کیا وصول کریں گی قہقہہ۔"
"بلاول زرداری کو اغوا کرکے زرداری مانگ لوں گی اور زرداری سے ملک سنوارنے کی درخواست کروں گی اور کسی کو اغوا نہیں کرنا مجھے۔"

☼ ☼

آواز کی دنیا سے

علی سلمان

شاہین رشید

جب ہم "آواز کی دنیا" کے لیے کسی "آر جے" کا انتخاب کرتے ہیں تو انٹرویو کے دوران "پیاز کے پرت" کی طرح وہ شخصیت کھلتی چلی جاتی ہے اور پھر اندازہ ہوتا ہے کہ یہ لوگ صرف آواز کی دنیا تک محدود نہیں بلکہ اپنی دیگر صلاحیتوں کی وجہ سے بھی میڈیا میں ایک خاص مقام رکھتے ہیں۔

میڈیا میں آج کل دو علی سلمان بہت شہرت رکھتے ہیں ایک وہ جو شعبہ اداکاری ——— سے منسلک ہیں اور اینکر پرسن ہیں اور دوسرے علی سلمان جو اسپورٹس آر جے اور کمنٹری کے حوالے سے شہرت رکھتے ہیں۔ آواز کے شعبے سے منسلک علی سلمان سے گفتگو آپ کی نذر ہے۔ بے حد مصروفیات کے باوجود انہوں نے — ٹائم دیا اس کے لیے بہت شکر گزار ہوں۔

* "کیسے ہیں علی سلمان ــــ اور یہ بتائیں کہ ایک علی سلمان آپ ہیں اور ایک علی سلمان اداکار اور ہوسٹ ہیں۔ کبھی لوگوں کو کنفیوژن ہوا۔"

☆ "میرے خیال سے تو لوگوں کو کنفیوژن نہیں ہوتا ہوگا۔ کیونکہ ان کی اپنی فیلڈ ہے اور میری اپنی فیلڈ ہے۔ اسپورٹس سے دلچسپی رکھنے والے سب مجھے بہت اچھی طرح جانتے ہیں اور کبھی مجھے کسی نے کہا بھی نہیں کہ آپ کون سے والے علی سلمان ہیں۔"

* "اچھا ــــ اب یہ بتائیں کہ آپ کی کیا کیا مصروفیات ہیں؟"

☆ "بنیادی طور پر میں کرکٹ کمنٹیٹر اور اسپورٹس اینکر ہوں ریڈیو ایف ایم 101 پر جب سے "جیو سپر" آیا ہے تب سے اس سے وابستہ ہوں۔ اس کے علاوہ پی ٹی وی اسپورٹس سے پروگرام کیے۔ نجی چینل سے کافی پروگرام کر چکا ہوں اور جہاں بھی کمنٹری کے لیے مجھے بلایا جاتا ہے میں وہاں جاتا ہوں خواہ وہ ایف ایم ون ہنڈریڈ ہو یا کوئی اور ایف ایم یا چینل۔"

* "گویا یہ آپ کا شوق بھی ہے اور پروفیشن بھی ہے۔ اس میں اتنا پرافٹ ہے؟"

☆ "بے شک یہ میرا پروفیشن ہے اور ساتھ ہی میں اپنا بزنس بھی کرتا ہوں کمنٹری میرا جنون ہے۔ جب اس فیلڈ میں آیا تو پیسے کی خاطر نہیں بلکہ اپنے جنون کی خاطر آیا اور جس زمانے میں بچے نرسری میں پڑھ رہے ہوتے ہیں اسی زمانے سے مجھے کمنٹری کا شوق تھا مجھے یاد ہے کہ ہمارے بچپن میں جب پی ٹی وی پہ ہاکی اور کرکٹ کے میچ آیا کرتے تھے تو پی ٹی وی والے کبھی ہاکی اور کبھی کرکٹ میچ دکھایا کرتے تھے تو جب میں کمنٹری سنتا تھا تو میرا بھی دل چاہتا تھا کہ میں کمنٹری کروں اور گھر میں ہی کبھی ہاکی پہ اور کبھی کرکٹ پہ کمنٹری کیا کرتا تھا۔ تو بس یہ بچپن کا شوق ہے۔"

* "یہ صلاحیتیں خداداد ہی ہوتی ہیں۔ کیا ٹریننگ کی بھی ضرورت ہوتی ہے؟"

☆ "بالکل یہ خداداد صلاحیتیں ہوتی ہیں اور ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ تو ہمارے یہاں ہیں ہی نہیں اور ویسے بھی سینئرز کو سن سن کر بھی بہت کچھ آجاتا ہے لیکن اصل بات قدرتی صلاحیت کی ہوتی ہے جو اللہ نے مجھے دی ہوتی ہے۔"

* "بچپن میں کن سے متاثر تھے، چشتی مجاہد، افتخار احمد صاحب، حسن جلیل اور دیگر؟"

☆ "حسن جلیل اور منیر حسین سے میں متاثر تھا اور میں آپ کو بتاؤں کہ میں نے اردو پڑھنا "کرکٹر" اور "اخبار وطن" سے سیکھی ہے لوگ "نونہال، بچوں کی دنیا، تعلیم و تربیت" پڑھ کر اردو سیکھتے ہیں لیکن میں نے ان میگزین کو پڑھ کر سب کچھ سیکھا ہے۔"

* "آپ کھلاڑی کیوں نہیں بنے کرکٹ کے اور کمنٹری کی فیلڈ میں کیسے آئے؟"

☆ "میں کراچی انڈر 19 سے کھیل چکا ہوں اور ابھی بھی کلب کرکٹ کھیلتا ہوں اور اس فیلڈ میں کیسے آیا تو ایک تو میرا شوق تھا دوسری یہ کہ 1996ء میں جب ورلڈ کپ ہو رہا تھا تو جنگ والوں نے کمنٹری کا مقابلہ کروایا تھا اور یہ کافی بڑے پیمانے پر ہوا تھا اور جیوری میں نیلوفر عباسی، صادق محمد اور دیگر لوگوں میں تسلیم عارف بھی شامل تھے۔ مقابلے میں تین لوگوں کا انتخاب ہوا جن میں ایک میں تھا ایک عاصم بشیر جو ایف ایم 101 میں ہوتے ہیں اور ایک فراست صاحب تھے۔ کچھ عرصے کے بعد عاصم بشیر اور فراست نے کمنٹری کی فیلڈ چھوڑ دی مگر میں نے نہیں چھوڑی اور سلسلہ آج تک چل رہا ہے۔"

* "کمنٹری لائیو ہوتی ہے۔ تو کبھی کوئی غلطی ہوئی بڑی چھوٹی تو ہوتی ہی ہوں گی؟"

☆ "لائیو کمنٹری میں چھوٹی موٹی غلطیاں تو ہو ہی جاتی ہیں لیکن کوئی بڑی غلطی نہیں ہوتی۔ چھوٹی غلطی تو ابھی T-20 ورلڈ کپ میں ہوئی اور وہ یہ کہ میں ایف ایم 100 پہ کمنٹری کر رہا تھا جبکہ میری وابستگی ایف ایم 101 سے ہے تو چونکہ ایف ایم 101 کہنے کی عادت ہے تو ایف ایم 100 پہ کمنٹری کرتے وقت منہ سے نکل گیا کہ 101 والوں کو خوش آمدید ــــ اس کے علاوہ کوئی بڑی غلطی نہیں ہوتی۔"

* ”اور کیا مصروفیات ہیں آپ کی؟ اپنی تعلیم اور اپنی فیملی کے بارے میں کچھ بتائیں؟“

☆ ”مزید مصروفیات یہ ہیں کہ میں اپنا بزنس کرتا ہوں۔ میں نے Envirommental sciences میں ڈگری لی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ ایم بی اے کیا ہے ”ایچ آر“ میں وہ نجی چینل کے ایڈمنسٹریشن میں میں تھا اور فیملی بیک گراؤنڈ کچھ یوں ہے کہ ہم اردو اسپیکنگ ہیں اور والدین کا تعلق تدریس کے شعبے سے رہا ہے والد کا نام واجد علی ہے اور والدہ کا نام صفیہ واجد ہے میں کراچی میں پیدا ہوا۔ 22 اکتوبر کو..... اور میری ایک ہی بہن ہے جو شادی شدہ ہے اور میں بھی شادی شدہ ہوں اور میرے ماشاء اللہ تین بیٹے ہیں۔ میری شادی 1997ء میں ہوئی— چھوٹی عمر میں شادی ہو گئی تھی اور اس کی وجہ یہ تھی کہ نا صرف میری تعلیم مکمل ہو گئی تھی بلکہ میری جاب بھی بہت اچھی تھی۔ میرا بڑا بیٹا ساتویں کلاس میں ہے دوسرا تیسری کلاس میں اور تیسرا بیٹا نرسری میں پڑھتا ہے۔“

* ”ریڈیو اور ٹی وی دونوں میں کون سا شعبہ آپ کو زیادہ پسند ہے؟“

☆ ”شعبے تو دونوں برابر ہی ہیں۔ ہاں ریڈیو کی تربیت ٹی وی میں بہت کام آتی ہے اور جب میں ٹی وی کا شو کرتا ہوں اور فی البدیہہ بولتا ہوں تو میرے پروڈیوسر مجھے کہتے ہیں کہ علی اپنا ریڈیو شروع کر دو۔ تب مجھے بہت خوشی ہوتی ہے۔ تو ریڈیو کی تربیت میں آواز کا زیر و بم، اتار چڑھاؤ، لفظوں کی ادائیگی، روانی اور تلفظ کا بہت حصہ ہوتا ہے اور یہ سب تربیت کرکٹ کمنٹری میں بہت کام آتی ہے اور بہت ہی معذرت کے ساتھ کہ اب ہمارے بہت سارے پرائیویٹ چینلز کمنٹری میں اتنی زیادہ ٹیکنیکل غلطیاں کرنے لگے ہیں کہ کیا بتاؤں اور کوئی اس کا خیال بھی نہیں رکھتا کہ یہ غلطیاں ہو رہی ہیں۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ بہت آسان فیلڈ ہے جبکہ ایسا نہیں ہے کیونکہ کمنٹری سننے والے ہم سے زیادہ معلومات رکھتے ہیں۔ تو جو چینلز کسی کو بھی لا کر کمنٹری باکس میں بٹھا دیتے ہیں وہ اپنی ساکھ خراب کر رہے ہیں۔“

* ”کبھی کسی نے بین الاقوامی طور پر کمنٹری کرنے کی آفر دی؟“

☆ ”بدقسمتی سے اب یہ ہو رہا ہے کہ پرائیویٹ چینلز کمنٹری کے لیے جن کو بلاتے ہیں ان کا سابق کھلاڑی ہونا یا سابق بین الاقوامی ٹیسٹ کرکٹر ہونا لازمی ہے وہ ہی کمنٹری کر سکتے ہیں ابھی ایک پرائیویٹ چینل نے مجھے بلایا تھا لیکن میں موجودہ چینل جوائن کر چکا تھا اس لیے بات بن نہیں سکی۔“

* ”ریڈیو پہ کیا کمنٹری کا شوق آپ کو لے کر آیا اور کس طرح بتدریج آپ آگے بڑھے؟“

☆ ”اک جہد مسلسل سے یہ مقام حاصل کیا ہے جیسا کہ آپ کو بتایا کہ ایک مقابلے میں منتخب ہوا مرحوم اسلم بلوچ صاحب مجھے ریڈیو تک لے کر آئے اور کمنٹری کا سلسلہ شروع ہوا اور پھر اسپورٹس کے پروگرام ملنے لگے اور میں بنیادی طور پر اسپورٹس کے ہی پروگرام کرتا ہوں مجھے جنرل پروگرامز کی بہت پیشکش ہوئیں لیکن وہ میرا مزاج نہیں ہے میرا مزاج کمنٹری ہے میری کمنٹری عام کمنٹیٹر سے بہت مختلف ہے میں نا صرف کمنٹری کے دوران کھیل کے بہت یونیک قسم کے ریکارڈ بتاتا ہوں بلکہ کوئی ایسی بات بھی کر دیتا ہوں جس کو سن کر لوگ نا صرف محظوظ ہوتے ہیں بلکہ ان کی معلومات میں اضافہ بھی ہوتا ہے۔ مثلاً ”میں ایک مرتبہ چشتی مجاہد کے ساتھ کمنٹری کر رہا تھا انگلینڈ کی سیریز تھی تو کمنٹری کرتے ہوئے میں نے کہا کہ ”سعید اجمل کی حکمت عملی بہت کامیاب ہے اور ان کی حکمت عملی کامیاب نہیں ہوگی تو کس کی ہوگی کیونکہ ان کے نام میں پاکستان کے دو بڑے حکیموں کے نام آتے ہیں حکیم سعید اور حکیم اجمل۔“ اور یہ جملہ بھی میرا ہے کہ جب ملنگا (سری لنکا کا کھلاڑی) کو کوئی بیٹسمین چوکا مارتا ہے تو میں یہ ضرور کہتا ہوں کہ ”نہ چھیڑ ملنگاں نوں“ اب یہ جملہ دوسرے کمنٹیٹر بھی استعمال کرنے لگے ہیں۔ تو اس طرح کے جملوں سے کرکٹ کمنٹری دلچسپ ہو جاتی ہے۔“

* ”بولنے کا ہنر گھر سے آیا؟ اور کیا لائیو کالز لیتے ہیں؟“

☆ ”بولنے کا ہنر گھر سے اور مطالعہ سے آیا۔ میں سمجھتا ہوں کہ اچھی معلومات کے لیے مطالعہ بہت ضروری ہے اور میری امی کو مطالعہ کا بہت شوق ہے اور میں بچپن سے ہی اپنے گھر میں خواتین، شعاع، کرن ڈائجسٹ اور دیگر میگزین دیکھ رہا ہوں..... اور میں لائیو کالز لیتا ہوں اور ایم ایف 101 میں واحد اسپورٹس شو ہے جو روزانہ ہوتا ہے اور اس کا دورانیہ ایک گھنٹہ ہوتا ہے اور اس کو بہت لوگ سنتے ہیں۔“

* ”کبھی ایسا ہوا کہ پروگرام کرنے کو دل نہ چاہ رہا ہو مگر کرنا پڑا ہو آپ کو؟“

☆ ”ہم جب پروگرام کر رہے ہوتے ہیں خواہ ریڈیو ہو یا ٹی وی عوام کے لیے کر رہے ہوتے ہیں اس وقت اپنی پریشانی اور اپنے موڈ کو ہم نہیں دیکھتے مجھے یاد ہے کہ جب میرے والد اسپتال میں تھے تو اس وقت بھی میں کمنٹری کر رہا تھا اور کمنٹری چھوڑ کر نہیں جا سکتا تھا۔ تو جاب میں ان باتوں کی قربانی تو دینی پڑتی ہے..... اور ویسے بھی ملک میں کوئی حادثہ ہو اور ہم کھیلوں کے پروگرام کر رہے ہوں تو پھر اپنے جذبات کو سنبھالنا مشکل ہو جاتا ہے مثلاً ”جب بلوائیر کا حادثہ ہوا۔ جب بلدیہ ٹاؤن فیکٹری کا حادثہ ہوا تو ہم کمنٹری کر رہے تھے تو ایسے موقع پر خود کو عجیب سا محسوس ہوتا ہے کہ ایک طرف تو لوگ مر رہے ہیں، جل رہے ہیں اور ہم پروگرام کر رہے ہیں۔ ہاں ایک بات واضح کر دوں کہ میں اپنے شو میں کبھی بھی گانے نہیں چلاتا۔ کیونکہ میرے سننے والوں میں مدرسے کے اور مسجدوں کے لوگ اور بچے بھی شامل ہوتے ہیں اور وہ مجھے کال کر کے کہتے ہیں کہ ہم آپ کا پروگرام سنتے ہی اس لیے ہیں کہ اس میں میوزک نہیں ہوتا۔ میں خود بھی میوزک کو بہت زیادہ پسند نہیں کرتا۔“

* ”لوگ آپ سے ملتے ہیں تو کیا سوال کرتے ہیں۔ کیونکہ لوگوں کو کرکٹ سے جنون کی حد تک لگاؤ ہے؟“

☆ ”بے شک لوگوں کو کرکٹ کا جنون ہے۔ لوگ ملتے ہیں اور تعریف کرتے ہیں اور میں سمجھتا ہوں کہ کرکٹ ایک ایسا کھیل ہے کہ جب کوئی ایونٹ ہو رہا ہوتا ہے تو سب لوگ متحد ہو جاتے ہیں..... ہاں ایک بات کبھی کبھی irritate کرتی ہے جب لوگ آکر پوچھتے ہیں کہ میچ کا کیا ہوگا۔ پاکستان جیتے گا یا ہارے گا تو ہر وقت ایسے سوالوں کے جواب دے دے کر تھوڑی سی الجھن ہونے لگتی ہے مگر یہ لوگوں کا حق ہے وہ ہم سے نہیں پوچھیں گے تو کس سے پوچھیں گے۔“

* ”کبھی ایسا ہوا کہ ریڈیو پہ کمنٹری کر رہے ہیں اور ایک دم ذہن خالی ہو گیا ہو کہ بولنا کیا ہے؟“

☆ ”نہیں ایسا کبھی بھی نہیں ہوا۔ کیونکہ میرا مطالعہ اتنا وسیع ہے کہ مجھے کبھی بھی ایسی مشکلات کا سامنا نہیں کرنا پڑا اور اسپورٹس ہی کیا آپ کسی بھی موضوع پہ کہیں میں بول سکتا ہوں آپ کو ہر فیلڈ کی معلومات ہونی چاہئیں اور آپ نے انڈیا کے میچز میں دیکھا ہوگا کہ ایک بندہ دکھاتے ہیں جس نے باڈی پہ انڈیا کے جھنڈے کو پینٹ کیا ہوا ہوتا ہے تو میں اس بندے کی ہسٹری بھی بتا چکا ہوں کہ وہ کون ہے اس کا کیا بیک گراؤنڈ ہے تو اس کے لیے بڑی ریسرچ کی ضرورت ہوتی ہے یہ اتنی آسان فیلڈ نہیں ہے جتنا لوگ اسے لیتے ہیں۔“

* ”کمنٹری کرتے ہیں ریڈیو پہ۔ لائیو کالز لیتے ہیں۔ بہت خوش اخلاقی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ اصل زندگی میں مزاج کے کیسے ہیں آپ؟“

☆ ”مزاج کا یہ حال ہے کہ مجھے بہت شدید غصہ آتا ہے، جلدی آتا ہے مگر اتر بھی جلدی جاتا ہے۔ مگر جب غصہ آتا ہے تو نہ میرا کسی سے بات کرنے کو دل چاہتا ہے اور نہ ہی میرا دل چاہتا ہے کہ کوئی مجھ سے بات کرے۔ بہت فرینڈلی نیچر کا انسان ہوں۔ اپنی عزت پر

کوئی کمپرومائز نہیں کرتا یہی وجہ ہے کہ بہت ہی سلیکٹڈ لوگوں کے ساتھ کام کرتا ہوں۔"

* "گھر میں کتنے گھنٹے گزارتے ہیں اور باہر کتنے گھنٹے گزارتے ہیں؟"

☆ "اگر میرے پاس کوئی اسائنمنٹ نہیں ہوتا تو میں گھر پر ہی وقت گزارتا ہوں میرے کچھ دوست ہیں جو میرے ساتھ ہی کرکٹ کھیلتے ہیں ان کے ساتھ وقت گزارتا ہوں۔ ویسے اس فیلڈ میں اتنا ٹائم کہاں ملتا ہے کہ میں گھر پر زیادہ وقت گزار سکوں ـــــ تو جتنا بھی وقت ہوتا ہے گھر میں ہی گزارتا ہوں۔ ایک تو میں والدین کا اکلوتا بیٹا ہوں پھر میرے والدین بھی تھوڑے بیمار ہیں۔"

* "کھانے پینے کے شوقین ہیں؟"

☆ "کھانے پینے کا تو بہت شوق ہے اور جب گھر سے باہر کام کے سلسلے میں ہوتا ہوں تو پھر باہر کا ہی کھانا کھاتا ہوں اور ویسے بھی میں بازار کے کھانوں کا زیادہ شوقین ہوں۔ کولڈ ڈرنک اور جنک فوڈ سے پرہیز کرتا ہوں کیونکہ ان چیزوں سے میرا وزن جلدی بڑھتا ہے۔"

* "سیاست سے بھی کچھ لگاؤ ہے۔ کھیلوں سے تو آپ کو بہت لگاؤ ہے۔"

☆ "دیکھیں جی کھیل میں سیاست اور سیاست میں کھیل آگیا ہے اور بہتر تو کچھ بھی نہیں ہے سیاست کا اپنا مقام ہے اور سیاست برائے خدمت ہونی چاہیے اور کھیل کو صرف کھیل ہونا چاہیے اس میں سیاست نہیں ہونی چاہیے۔"

* "میچ فکسنگ کی جو کہانیاں ہوتی ہیں ان میں کتنی حقیقت ہوتی ہے آپ کے خیال میں؟"

☆ "اب تو اکثر ایسا ہوتا ہے۔ اگر ہم کہیں گے کہ نہیں ہوتا تو یہ غلط ہوگا کیونکہ بطور اسپورٹس اینکر، بطور کرکٹ کمنٹیٹر بہت ساری ان سائیڈ اسٹوریز ہم جانتے ہیں لیکن ہم کنفرم کہہ نہیں سکتے کیونکہ پھر ایک بہت بڑا پنڈورا باکس کھل جائے گا اور ہمیشہ ایسا نہیں ہوتا کہ میچ فکس ہو دوسری ٹیم کو بھی کریڈٹ دینا چاہیے اگر ہم جیتتے ہیں تو دوسری ٹیم بھی اچھا کھیل کر جیتتی ہے۔"

* "حال ہی میں ہونے والے T-20 ورلڈ کپ کے لیے بھی کہا گیا کہ پورا ورلڈ کپ فکس تھا اور ویسٹ انڈیز کو ہی جیتنا تھا۔ ایسا ہے کیا!"

☆ "میرے خیال میں ایسا نہیں ہے ویسٹ انڈیز کو کریڈٹ دینا چاہیے کہ انہوں نے محنت کی اور آپ دیکھیں کہ کسی بھی ملک میں جب لیگ میچز ہوتے ہیں تو یہ بہت مہنگے داموں خریدے جاتے ہیں۔"

* "آپ بتائیں کہ آپ کو کون سے کھلاڑی پسند ہیں اور اس فیلڈ میں سب سے زیادہ سپورٹ کس نے کیا آپ کو۔"

☆ "کھلاڑیوں میں مجھے انڈیا کے "دھونی" سری لنکا کے سنگاکارہ، جے وردھنے اور پاکستان کے باسط علی اور معین خان بہت پسند ہیں۔ راشد لطیف بہت اچھے ہیں اور انہوں نے پاکستان کے لیے بہت کچھ کیا اور جن لوگوں نے مجھے اس فیلڈ میں سپورٹ کیا ان میں شاہدہ شعیب رضوی، ثاقب فرشوری اور حبیب علوی کا نام نمایاں ہے۔ ان کا میں بہت شکر گزار ہوں۔"

* "اور کچھ کہنا چاہیں گے آپ؟"

☆ "میرے خیال میں آپ نے مجھے پورا کھنگال لیا ہے۔ بس میں یہ کہنا چاہوں گا کہ کرکٹ کمنٹری کو آسان نہیں سمجھنا چاہیے یہ ایک ٹیکنیکل کام ہے اور ایسا نہیں ہے کہ ہر بندہ کمنٹری کرے یہ ٹیکنیکل کا ایک سمندر ہے ہر کوئی اس قابل نہیں ہوتا کہ آپ کسی کو بھی بلا کر کہہ دیں کہ بھئی آپ کمنٹری کر دیں اور میری گزارش ہے ٹی وی چینلز سے بھی اور ایف ایم چینلز سے بھی کہ کمنٹری کو آسان نہ لیں ہر ایک کو کمنٹیٹر بنانے کی کوشش نہ کریں جو اس کے ماہر ہیں انہی کو لے کر آئیں۔ تو کمنٹری کا معیار بلند ہوگا۔"

اور اس کے ساتھ ہی ہم نے علی سلمان سے اجازت چاہی۔

11 11

عیدالاضحیٰ ہمارا ایک مقدس مذہبی تہوار ہے۔ اس تہوار کا خاص مقصد قربانی ہے جو ہر آدمی اپنی حیثیت اور توفیق کے مطابق کرتا ہے۔ قربانی کا مقصد کیا ہے؟ اس کا مذہبی فلسفہ اور فریضہ کن چیزوں پر مشتمل ہے، یہ کسی کو یاد نہیں رہتا، اب اسے بھی لوگوں نے نمود و نمائش کا ذریعہ بنا لیا ہے۔ حالانکہ قربانی صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے کی جاتی ہے۔ ویسے بھی یہ حقیقت ہے کہ فی زمانہ بڑھتے ہوئے مالی مسائل نے لوگوں کو ان فرائض کو پورا کرنے میں بھی بہت سی دشواریوں میں مبتلا کر دیا ہے اور لوگوں کی بڑی تعداد نہ کافی وسائل اور مہنگائی کے ہاتھوں پریشان ہو کر اس اہم فرض کی ادائیگی کو پورا کرنے سے قاصر نظر آتی ہے۔ حسب روایت عیدالاضحیٰ کے موقع پر ہم نے قارئین سے اس ضمن میں کچھ سوالات کیے ہیں۔ آئیے دیکھیں ہماری قارئین نے ان کے کتنے دلچسپ جوابات دیے ہیں۔

سوالات

1 ۔ ہماری عام زندگی میں عیدالاضحیٰ کی اہمیت کیا ہے، کیا ہم اس فریضے کی روح پر عمل پیرا ہیں؟

2 ۔ عیدالاضحیٰ پر آپ کے کچن میں بننے والی خاص ڈش کی ترکیب؟

3 ۔ عیدالاضحیٰ کے موقع پر پیش آنے والا کوئی دلچسپ واقعہ جو آپ کے یا کسی عزیز کے ساتھ پیش آیا ہو، بیان کریں؟

عیدالاضحیٰ اور آپ

ادارہ

ہما جلیل ..... کراچی

1 ۔ قربانی کی اہمیت اور فضیلت اپنی جگہ مسلم ہے لیکن یہ بھی سچ ہے کہ ہم نے اس مقدس فریضہ کو بناوٹی بنا دیا ہے۔ ہماری اجتماعی سطحی سوچ نے اس فریضہ کی روح کو کچل ڈالا ہے نمائشی قربانی زیادہ ہو گئی ہے اور اسٹیٹس سمبل بنتی جا رہی ہے۔ مستحق لوگوں میں گوشت کی تقسیم منصفانہ طریقے سے نہیں کی جاتی اور "پی آر" بنانے کے لیے گوشت کا اچھا اور بڑا حصہ استعمال کیا جاتا ہے۔ جانوروں کی نمائشی کیٹ واک ضروری ہو گئی ہے۔ اور منچلے لڑکوں کا ایک جم غفیر فضول قسم کی ہاہاکار کرتا گلیوں میں گھومتا ہے جو عام لوگوں کے لیے کوفت کا سبب بنتا ہے۔ یہ باتیں اس فریضہ کی حقیقی روح کو کچل دیتی ہیں۔

2 ۔ یوں تو عید کے دنوں میں ہر گھر میں ہی خاص چیزوں کا اہتمام کیا جاتا ہے اور کچھ چیزیں تو باقاعدہ فرمائش کر کے بنوائی جاتی ہیں۔ ہمارے ہاں کے شامی کباب مہمانوں کو بہت پسند آتے ہیں ذیل میں ان کی ترکیب لکھ رہی ہوں۔

شامی کباب

اجزا :

گوشت	ایک کلو (بوٹیاں)
چنے کی دال	ایک پاؤ
ثابت مرچ	حسب پسند
ثابت گرم مسالا	حسب پسند
آلو	دو، تین عدد
انڈے	دو عدد

ہرا دھنیا	ایک گڈی
نمک	حسب پسند
پیاز	دو عدد (باریک کٹی ہوئی)
ہری مرچیں	اٹھارہ 'بیس عدد

ترکیب :

دو کلو پانی میں گوشت چنے کی دال گرم مسالا اور ثابت مرچ' آلو ڈال کر گلنے تک پکائیں۔ پھر آلو نکال کر الگ برتن میں چھیل کر رکھ دیں۔ گوشت اور چنے کی دال کو سل بٹے پر پیس لیں۔ پسے ہوئے آمیزے میں پسا ہوا گرم مسالا پیاز' ہری مرچیں' ہرا دھنیا' آلو اور انڈے شامل کرتے ہاتھوں سے اچھی طرح مکس کر کے کباب کی ٹکیاں بنالیں اور پھر انہیں توے پر فرائی کرلیں۔ پیش کی جانے والی ڈش میں رکھ کر روٹی یا چاولوں کے ساتھ تناول فرمائیں۔

3 ۔ واقعہ تو کوئی خاص نہیں ہے۔ بس ایک دفعہ یوں ہوا تھا کہ میرے والد اور بھائی گائے لے کر آئے ابھی اسے پک اپ میں سے اتارنے کا مرحلہ پیش آرہا تھا کہ اس گائے نے اترتے ہی دوڑ لگادی میرے بھائی پہلے تو حیران ہوئے اور پھر اس کے پیچھے دوڑے بلکہ وہی نہیں پوری گلی کے لڑکے دوڑے اور کافی تگ و دو کے بعد اسے قابو کر کے گھر لائے یہ واقعہ جب بھی یاد آتا ہے تو لبوں پر ہنسی آجاتی ہے۔

حریم علوی..... کراچی

1 ۔ عید الاضحیٰ مسلمانوں کا بہت بڑا تہوار ہے۔ اس تہوار میں مسلمان سنت ابراہیمی کی ادائیگی کرتے ہیں۔ لیکن بد قسمتی سے آج کل یہ سنت بھی دکھاوے کی نذر ہو گئی ہے۔ خاندان اور محلے میں کس کا جانور زیادہ تگڑا اور مہنگا ہے اس سوچ نے عام لوگوں کو بھی ایک دوسرے کے مقابلے پر لا کھڑا کیا ہے اور اس کے بعد قربانی کے گوشت کی منصفانہ تقسیم بھی دکھاوے اور نمائش کی نذر ہو چکی ہے۔ مجھے یہ گلہ ہے کہ لوگوں نے قربانی کے مذہبی فریضہ کو اللہ کی خوشنودی کے بجائے لوگوں کی خوشنودی کا ذریعہ بنا دیا ہے۔ اللہ نیت دیکھتا ہے جانور کو نہیں۔ اللہ ہم سب کو اچھی اور سچی نیت کے ساتھ قربانی کرنے کی توفیق عطا کرے اور ہماری قربانیوں کو قبول فرمائے۔ (آمین)

2 ۔ کٹا گوشت

اشیاء :

ران کا گوشت	1کلو
ادرک لہسن (کا پیسٹ)	2 کھانے کے چمچے
پیاز (موٹا موٹا کاٹ لیں)	1عدد
ٹماٹر	3عدد
کارن آئل	1کپ
سرخ مرچ	2 کھانے کے چمچے
ہلدی	1/2 چائے کا چمچہ
دھنیا	1 چائے کا چمچہ
نمک	حسب ذائقہ
پانی	چار کپ
کالا زیرہ اور	1/2 چائے کا چمچہ
ہری مرچ	4عدد
کالی مرچ	6عدد
ہرا دھنیا	چند پتے

ترکیب :

مٹی کی ہنڈیا میں ران کا گوشت ڈال دیں پھر اس میں ادرک لہسن کا پیسٹ' پیاز کو موٹا موٹا کاٹ کر ڈال دیں۔ پھر تین عدد ٹماٹر' کارن آئل' سرخ مرچ' ہلدی' دھنیا' نمک ڈال کر اس میں تین سے چار کپ پانی ڈال کر اسے ہلکی آنچ پر پکائیں دو گھنٹے بعد جب یہ گل جائے تو بھون لیں۔ آدھا کپ آٹا گھول کر ڈال دیں اور مکس کریں اس میں کالا زیرہ اور ہری مرچ ڈال کر ہلکی آنچ پر پندرہ منٹ رکھ دیں۔ تیار ہونے پر کالی مرچ گرم مسالا اور ہرا دھنیا چھڑک کر گرم گرم تندوری روٹی کے ساتھ پیش کریں۔

3 ۔ یادگار واقعہ تو کوئی خاص نہیں ہے۔ ہاں ہمارے ماموں کے ہاں جو بھی جانور آتا ہے۔ وہ بہت خطرناک ہوتا ہے اور ہمیشہ ماموں کے قربانی کے جانور بھاگ جاتے ہیں۔ پھر ان کے پیچھے پورا محلہ بھاگتا ہے۔

مسز یاسمین وقار..... کراچی

1 ۔ عام زندگی میں عید الاضحیٰ کی یہی اہمیت ہے کہ سنت ابراہیمی پر عمل کیا جائے' وقت کے ساتھ ساتھ اور مہنگائی کے ہوشربا طوفان کے بعد اس کی قدر میں

کمی تو نہیں آسکتی ہے (کیونکہ مذہبی فریضہ ہے) مگر جو لوگ آسانی سے گائے' بیل' بکرا وغیرہ خرید لیتے تھے ان کے لیے مشکلات پیدا ہو گئی ہیں زیادہ تر طبقہ سفید پوشی اور غربت کی زندگی گزارنے پر مجبور ہے' کہنے کا مطلب ہے کہ اب ایک حصہ (گائے' بیل وغیرہ میں) ڈالنا بھی محال ہوتا جارہا ہے مگر ضروری سمجھ کر جیسے بھی ممکن پڑے ڈالنا ہوتا ہے۔ یہ صورت حال صرف متوسط طبقے کے لیے ہے۔ جہاں تک اس سوال کا تعلق ہے کہ ہم اس فریضے کی روح پر عمل پیرا ہیں؟ تو میرا جواب ہاں میں ہے مگر نمود و نمائش بھی بڑھ گئی ہے۔ اس سال جانوروں کی قیمتیں ہزاروں میں نہیں بلکہ لاکھوں میں پہنچ گئی ہیں' وہ لوگ جن کے لیے لاکھوں میں قیمت ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا وہ لاکھوں کیا کروڑوں میں بھی ہو تو لے لیں گے۔ یہی وہ پوائنٹ ہے جہاں سے احساس کمتری کا گراف اوپر ہوتا جارہا ہے' فلاں کے گھر کیسا بیل آیا ہے فلاں کی گائے کیسی ہے' جس کے لیے شامیانہ لگایا جاتا ہے نوکر صفائی پر مامور ہوتے ہیں' یہ وہ چیزیں ہیں جو سال بہ سال بڑھتی جارہی ہیں اور اس فریضے کو اسٹیٹس سمبل بنا دیا ہے۔

2 ۔ کچن میں بقر عید کے دن بننے والی خاص ڈش تو کوئی نہیں کیونکہ اس دن ہر گھر میں کلیجی فرائی یا مسالے کے ساتھ بنا کر کھائی جاتی ہے' تکہ بوٹی کباب وغیرہ یہ سب تو دوسرے' تیسرے دن کے لیے رکھے جاتے ہیں۔

میری کلیجی بنانے کی ترکیب یہ ہے۔

کلیجی

اشیاء :

کلیجی	1کلو
(گردے اگر بنانے ہوں تو وہ بھی شامل کرلیں)	
میتھی دانے	چند عدد
نمک	حسب ضرورت
کٹی مرچ	حسب ضرورت
لہسن ادرک	2 کھانے کے چمچے
سوکھی میتھی	3 کھانے کے چمچے
دہی	1پاؤ
آئل	1/4کپ

میتھی دانے آئل میں ڈال کر کڑکڑائیں پھر کلیجی ڈالیں تھوڑی دیر اس کا پانی خشک ہو جانے کے بعد لہسن ادرک' کٹی مرچ نمک ڈال کر بھونیں پھر حسب ضرورت پانی ڈال کر پکنے دیں' گل جانے پر دہی ڈال کر خوب بھون کر پانی خشک ہو جانے پر سوکھی میتھی ڈالیں' دم پر رکھ کر نوش کریں' میں بناتی تو ہوں شوہر اور دوسرے لوگوں کے لیے مگر کھاتی نہیں ہوں۔

3 ۔ اب آتے ہیں بقر عید پر پیش آنے والے دلچسپ واقعے کی طرف' یہ اس وقت کی بات ہے جب میں میٹرک کر چکی تھی اور میرا بڑا بھانجا (جو کہ آج چارٹرڈ اکاؤنٹنٹ ہے) میری گود میں تھا (وہ دو سال کا تھا) ہمارے گھر ہر سال گائے آتی تھی۔ اس سال بھی آئی ہوئی تھی' میں دروازے کے پاس کھڑی تھی اسے گود

میں لیے ہوئے اور میرے دو چھوٹے بھائی گائے کے پاس کھڑے تھے اور ایک بڑے بھائی میرے قریب کھڑے تھے 'گھر اس طرح کا بنا ہوا تھا کہ گیراج میں گائے کھڑی ہوتی تھی پھر تھوڑا سا پیسج تھا جو ایک اسٹیپ اوپر تھا اور گیراج کے دوسری طرف سے اوپر منزل کے لیے سیڑھیاں تھیں۔ گائے کو کھلا پلا رہے تھے ہمیں احساس ہی نہ ہو سکا کہ اس کی گردن کی رسی جس گرل (ڈائننگ روم کی کھڑکیاں اور ڈرائنگ روم کی کھڑکیاں دونوں گیراج میں کھلتی تھیں) میں بندھی تھی وہ کھل چکی ہے اور وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہی ہے۔ میرے بڑے بھائی نے اچانک مجھے پیچھے کی طرف دھکیلا (پیچھے اندر جانے والا دروازہ کھلا تھا جو کہ ڈرائنگ روم تھا) مجھے جلدی سے دھکیلنے کے بعد خود بھی اندر آکر دروازہ بند کرلیا 'میرے تو اوسان خطا ہو گئے تھے کہ مجھے تو جو ہوتا ہوتا مگر گود میں بھانجا لیے ہوئے تھی 'بس خیر ہو گئی تھی۔ دروازہ بند ہونے کے بعد گائے واپس گیراج کی طرف بھاگی اور میرے دونوں بھائی بھی 'ایک تو دیوار پر ٹانگیں لٹکا کر بیٹھ گیا دوسرا سیڑھیاں چڑھ گیا گائے نے بھی سیڑھی کی طرف دوڑ لگائی مگر ایک دو سیڑھی پر قدم رکھ کر وہیں رک گئی۔ بعد میں کس طرح میرے بھائی اندر آئے اور کمرے میں کھڑکی کی گرل سے کس طرح دوبارہ باندھا گیا گائے کو' یہ ایک الگ بات ہے کیونکہ بعد کا منظر میرے حافظے میں نہیں ہے۔ آج اتنے سالوں کے بعد جب بھی یہ واقعہ یاد آتا ہے تو شکر کا کلمہ ادا ہوتا ہے۔

خالدہ نثار..... ڈونگہ بونگہ

1 - موجودہ حالات میں ہمارا ملک اور پورا عالم اسلام مسائل کے جال میں پھنسا ہوا ہے دشمنوں نے ہمارے لیے طرح طرح کی سازشوں کے جال تیار کیے ہیں 'جس کی وجہ سے ہمارے نزدیک یہ تہوار بھی نمود و نمائش کی حد تک رہ گیا ہے آج ہمارے ذہن میں قربانی کا اصل مقصد نہیں ہوتا بلکہ یہ ہوتا ہے کہ رشتے داروں میں اور دیکھنے والوں میں ہماری شان بڑھے لوگ یہ سمجھیں کہ اس نے کتنی شاندار قربانی کی ہے۔ وغیرہ وغیرہ حالانکہ قربانی کا اصل مقصد تو یہ ہے کہ ہم حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اللہ سے محبت اور یقین کو مد نظر رکھتے ہوئے اپنے اوپر غور و فکر کریں کہ ہمارے اندر ذرہ بھر بھی اللہ کی محبت ہے یا نہیں اور یہ کہ قربانی ہمیں کیا سمجھاتی ہے۔

2 - کھڑے مسالے کا گوشت یہ ڈش ہمارے سب گھر والوں کو بے حد پسند ہے جو عیدالاضحیٰ پہ ضرور بنتی ہے۔

کھڑے مسالے کا گوشت

اشیاء :

گوشت	ایک کلو
دہی	آدھا کلو
پیاز	آدھا کلو
گھی	ڈیڑھ پیالی
گرم مسالا ثابت	حسب ضرورت
ثابت سرخ مرچ	دو تولہ
نمک	حسب ضرورت

دہی کو خوب بلو لیں 'پیاز کو باریک لچھے دار کاٹ لیں دہی میں پیاز نمک مرچ گرم مسالا سب ملا دیں اب اس میں گھی اور گوشت بھی ڈال دیں اور ایک گھنٹہ تک ایسے ہی پڑا رہنے دیں 'پھر اسے چولہے پہ چڑھا دیں اور ہلکی آنچ پہ پکنے دیں پانی ڈالنے کی ضرورت نہیں دہی خشک ہونے پر اتار لیں اتنا بھونیں کہ گھی علیحدہ ہو جائے پھر نان یا چپاتی کے ساتھ کھائیں۔

3 - دلچسپ واقعہ یہ ہے کہ 2007ء میں عیدالاضحیٰ والے دن اماں جان نانا ابو کے گھر مہاروالی (گاؤں) میں تھیں شام کو اچانک ہی ابو نے کہا کہ جس جس نے اماں جان سے ملنے جانا ہے تیاری کرلو 'ہم سب کزنز' چاچو' چچیاں' امی جان سب ہی ایمرجنسی میں تیار ہوئے' جانے کی خوشی میں ہم سب یہ بھی فراموش کر بیٹھے کہ فل سردی ہے سویٹر یا شال وغیرہ ہی لے لی جائے جاتے ہوئے تو سردی کا اتنا احساس نہیں ہوا لیکن واپسی میں رات کو سب نے ہی باریک کپڑے پہنے ہوئے تھے اوپر سے اچانک ہی ہماری وین کے اوپر والی ترپال ہوا کے دوش کی وجہ سے تقریباً" پھٹ چکی تھی اس وقت ٹھنڈی ہوا' رات کا وقت باریک کپڑے 'اس دن احساس ہوا کہ بندہ فیشن بھی سوچ سمجھ کر کرے گھر پہنچے تو سب کی قلفیاں جمی ہوئی تھیں آتے ہی میں نے جلدی سے آتش دان جلایا راشدہ آپی جلدی سے چائے اور انڈے بوائل کر کے لائیں پھر سب نے لحافوں میں بیٹھ کے کھائے صبح اٹھے تو کسی کو فلو کسی کو بخار تھا آج بھی وہ منظر سوچتی ہوں تو بے اختیار مسکراہٹ لبوں کا احاطہ کرلیتی ہے۔

انیقہ انا..... چکوال

1 - دیکھا جائے تو ہمارا ہر ہر تہوار (اسلامی) اپنی روح میں— خاص جذبے پنہاں رکھتا ہے۔ بات ہو رہی ہے عیدالاضحیٰ کی تو..... یہ دن ہمیں عظیم قربانی کی یاد دلاتا ہے۔ ہائے کیا عظیم ہستیاں تھیں جو رب تعالیٰ کی ایک پکار پر سر تسلیم خم کرتی تھیں اور ہم آج تک انہی عظیم و برگزیدہ ہستیوں کی یاد منائے جا رہے ہیں اور ان شاء اللہ تا دم قیامت منائیں گے۔ عیدالاضحیٰ پہ جو جذبہ قربانی دیکھنے کو ملتا ہے۔ وہ یقیناً" ہماری عام زندگی کے لیے بہت ضروری ہے۔ اپنی ضرورت کی چیز قربان کرنا۔ اپنی خوشیوں میں غریب و نادار مسلمانوں کو یاد رکھنا اور یہ سارے اعمال محض رضائے الٰہی کے لیے سر انجام دینا۔ اگر عام زندگی میں ہم ان جذبوں کو ملحوظ خاطر رکھیں تو دنیا جنت نظیر ہو..... رہی بات ہم اس کی روح پر عمل پیرا ہیں یا نہیں..... تو اگرچہ ایک تعداد ہے جو محض جانور ذبح کر دینے اور جانور کا خون بہانے کو ہی کافی سمجھ کر صرف گوشت کھانا اور جمع کرنا ہی اس دن کا مقصد سمجھتی ہے۔ اس کے برعکس وہ لوگ بھی ہیں اور بڑی تعداد میں ہیں جو درحقیقت اس عظیم قربانی کی یاد کو صحیح معنوں میں ادا کرتے ہیں اور اس فریضے کی روح پر عمل پیرا ہیں۔ ہم یہ کیوں کہیں کہ فلاں ایسا ہے یا ویسا ہے ہم یہ کیوں نہ دیکھیں کہ ہم خود کیسے ہیں۔ یقین مانیے اگر ہم نے خود کو سنوار لیا تو جانیے کتنے ہمارے عمل سے متاثر ہوں گے اور یوں یقیناً" اس تعداد میں اضافہ ہو گا جو درحقیقت اس عظیم فریضے کی روح پر عمل پیرا ہیں۔

2 - خاص ڈش..... !خاصا روکھا سوال ہے۔ آج کل میں کھانے پکانے کے معاملے میں خاصی چور ہو گئی ہوں۔ اب میں کس خاص ڈش کا نام لوں..... ؟حد ہوئی تو بریانی 'سادہ پلاؤ یا چپلی کباب یا پھر شامی کباب ہی بن جاتے ہیں۔ اب بھلا یہ کیسے بنانے نہیں آتے ؟! (مجھے نہیں آتے ہاہاہا) ڈھیروں چینل بھی لاتعداد ڈشز بتاتے ہیں ایسے میں میری عام سی ڈش کس کھاتے میں آئے گی ؟ویسے میں ہمیشہ "کالی مرچ والا" سادہ گوشت ہی بناتی ہوں۔ "کم خرچ بالا نشین" کے مصداق۔

"برتن میں گوشت 'پانی نمک اور کالی مرچ (حسب پسند) ڈال کر پکائیں۔ گوشت گل جائے اور پانی خشک ہو تو تیل ڈال کر بھون لیں۔ لیجیے تیار..... بس اتنی سادہ سی انیقہ اور اتنی سادہ سی پسند۔ (ہاہاہا) اگر یہ آسان ترین ڈش بنائی تو مجھے ضرور بھجوائیے گا' اب کچن میں کون جائے 'کون بنائے۔ آپ ہیں نا.....!

3 - دلچسپ واقعہ..... ذرا پیچھے..... بہت پیچھے لڑکپن میں جاؤں تو غالباً" 1997ء میں عید قرباں کے نزدیک ندیم بھائی کی بات پکی ہوئی تھی۔ سردیوں کے دن تھے غالباً" بکرا گھر آچکا تھا۔ کچنار کے درخت کے تنے سے بندھا سارا دن میں میں کرتا..... جنید اور عثمان (بھائی اور ماموں زاد) اس کے ساتھ مگن رہتے۔ امی نے بھائی کی منگنی کی خوشی میں مٹھائی منگوائی۔ جو جنید اور عثمان نے بکرے کو بھی کھلائی 'آخر اس کا بھی تو پورا حق تھا نا! (ان کے بقول) آج بھی یہ بات لبوں پر ہنسی بکھیر دیتی ہے۔

ایسے ہی اسلام آباد میں مقیم ماموں جب بھی بکرا لیتے قسمت سے ایسا نخریلا ملتا کہ ہمیشہ ماموں کے روم میں ڈبل بیڈ پر محو استراحت ہوتا۔ زمین پر سونا ہی شان کے خلاف سمجھتا (بھئی بکرے بھی تو شہر اسلام آباد کے تھے نا!)

نبیلہ عزیز

بڑی حویلی کے تمام مکین وقار آفندی سے بڑی عقیدت اور محبت رکھتے ہیں اور علیزے تو اپنے بابا کی شخصیت سے بہت ہی متاثر ہے۔

مدحیہ اور نبیل حیات دونوں بہن بھائی ہیں' مدحیہ انتہائی بگڑی ہوئی اور خود سر لڑکی ہے' وہ انگلینڈ کی رنگینیوں میں مکمل طور پہ رنگ چکی ہے' جس کے پیش نظر فائزہ بیگم' نبیل کو پاکستان شفٹ ہونے کا مشورہ دیتی ہیں' لیکن مدحیہ پاکستان جانے سے انکار کر دیتی ہے' جس پہ نبیل اور فائزہ بیگم بے حد پریشان ہیں۔

زری کو اپنے بھائی عبداللہ کے دوست سے محبت ہے' مگر وہ کسی کو بھی اس راز میں شامل نہیں کرنا چاہتی اور یہ جذبہ اندر ہی اندر پنپ رہا ہے۔

عدیل کافی عرصہ سے نوکری کی تلاش میں ہے' مگر ہر روز مایوسی اور ناکامی کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا' بے بسی اور مجبوری سے تنگ آ کر خود کشی کرنے کا سوچتا ہے' لیکن ایسے میں ایک روز اسے ڈھابے میں چائے پیتے ہوئے بادامتیاز مل جاتا ہے جو اسے کام کی آفر کرتا ہے' جس پر عدیل کافی خوش ہوتا ہے' اسی خوشی میں وہ کام کی بابت پوچھنا بھول جاتا ہے۔

منصور حسین ایک غریب اور میٹرک پاس آدمی ہے' وہ مبارک خان کے توسط سے بڑی حویلی میں وقار آفندی سے نوکری مانگنے آتا ہے' وقار آفندی کوئی بھی جگہ خالی نہ ہونے کے باعث اسے دوبارہ آنے کا کہہ کر واپس بھیج دیتے ہیں اور وہ مایوسی سے واپس لوٹ جاتا ہے۔

دارآذر شاہ کا شمار ملک کے بہترین اور منجھے ہوئے وکیلوں میں ہوتا ہے' وہ اپنے قول و فعل کا بہت پکا آدمی ہے' اس نے

کبھی ہارنا نہیں سیکھا' اس کی ماں بتول شاہ کو اپنے بیٹے کی قابلیت اور ذہانت پہ بہت بھروسہ ہے اور اس کا یقین وہ دوسروں کو بھی دیتی ہیں۔

۲۶
چھبیسویں قسط

دن ڈوب رہا تھا اور شام کے سائے ڈھل رہے تھے۔
دن بھر کھیتوں پہ کام کرنے والے کسان اپنے بیوی بچوں اور اپنے مویشیوں کے ساتھ اس وقت واپس اپنے گھروں کو لوٹ رہے تھے' لیکن واپسی کے اس سفر میں دن بھر کی تھکن بہت واضح محسوس کی جارہی تھی' سب کے قدم سست اور تھکے تھکے سے لگ رہے تھے یہاں تک کہ صبح سے اپنے کھونٹے سے جدا رہنے والے مویشی بھی اداس لگ رہے تھے اور اپنے مالک کے چھڑی سے ہانکنے پہ بڑی سستی سے قدم اٹھا رہے تھے' جس پہ ان کے مالکوں کا غصہ ان کی پیٹھ پہ اتر رہا تھا ایک دو چھڑی ان کی پیٹھ پہ پڑتی تو ان کے قدموں میں تیزی آجاتی تھی اور اس تیزی میں وہ اپنے سے آگے چلنے والے مویشیوں کو دھکیلتے ہوئے خود آگے بڑھنے کی کوشش کرتے تھے اور اس کوشش اور دھکم پیل میں ان کے گلے میں جھولتی گھنٹیاں بج اٹھتی تھیں اور شام ڈھلے فضا میں کسانوں کی مویشیوں کو ہانکنے کی مخصوص آوازیں اور مویشیوں کے گلے کی گھنٹیوں کا مخصوص شور گھروں میں بیٹھے افراد کو بہت دور سے ہی ان کی واپسی کا پتا دے رہے تھے۔
انسانوں اور جانوروں کے اس قافلے میں وہ بھی شامل تھی اور آہستہ قدموں سے گھر کی سمت گامزن تھی۔ کیونکہ دن بھر اس نے بھی کام کیا تھا۔ وہ بھی تھکی ہوئی تھی۔ اس کے قدم بھی سست تھے... بلکہ اس کی تھکن تو سب سے زیادہ تھی کیونکہ وہ کھیتوں میں کام کرنے کی عادی نہیں تھی اور اسی لیے اس قافلے میں سب سے پیچھے تھی۔
پچھلے دو روز سے اس کے ابا کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی انہیں بہت تیز بخار تھا اس لیے آج اماں انہیں ڈاکٹر کے پاس شہر لے گئی تھی اور چھوٹے تینوں بھائی اسکول چلے گئے تھے سو مجبوراً اماں کی تاکید پہ اسے کام پہ آنا پڑا تھا' حالانکہ اسے کھیتوں میں آنا اور کام کرنا بالکل اچھا نہیں لگتا تھا وہ ہمیشہ گھر پہ ہی رہتی تھی اور گھر کے کام کرنے کی عادی تھی لیکن آج اس کی سیاہ بختی اسے کھیتوں پہ لے آئی تھی۔
ان کا قافلہ بڑی موج میں رواں تھا جب بڑی دور سے آگے پیچھے تین گاڑیاں دھول اڑاتی ہوئی مغرب کی سمت بڑھتی نظر آئی تھیں اور اس قافلے کی موج میں بھگدڑ سی مچ گئی تھی سارا قافلہ منتشر ہو گیا تھا' سب کسانوں نے بڑی پھرتی سے اپنے اپنے مویشیوں کو بیچ راستے سے ہٹا کر راستہ صاف کر دیا تھا سارے قافلے والے دائیں بائیں دو حصوں میں تقسیم ہو چکے تھے اور اتنے میں وہ گاڑیاں بھی قریب آگئی تھیں اور آگے پیچھے تینوں گاڑیاں دھول اڑاتی ہوئی زناٹے سے پاس سے گزر گئی تھیں لیکن اتنی تیز رفتاری کے باوجود ملک حق نواز کی نظر پیچھے رہ گئی تھی وہ اپنی گاڑی کے پاس سے گزرنے والی لڑکی کو دیکھ چکا تھا اور دھول مٹی کا غبار چھٹنے تک اس کے اندر کا شیطان سرور میں آچکا تھا اس نے بے ساختہ گاڑی کو بریک لگوائے تھے۔ اور گاڑی بیک کرنے کا اشارہ کیا تھا۔
"یہ لڑکی کون ہے اچھو...؟" اپنی گاڑی کی فرنٹ سیٹ پہ بیٹھے ملک حق نواز نے گاڑی کے سائیڈ ویو مرر سے دیکھتے ہوئے ڈرائیور سے پوچھا تھا۔
"وہی ہے ملک صاحب...! چاچا بخشو کی بیٹی۔ جس نے آپ کو دیکھ کر اپنے گھر کا دروازہ بند کر لیا تھا۔" اچھو نے اسے یاد دلایا تھا۔
"مومنہ بی بی ولد محمد بخش...؟" ملک حق نواز نے خاصے مبہم لہجے میں اس کا نام لیا تھا۔
"جی... جی... پورا نام یہی ہے۔" اچھو نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔
"گاڑی سے اتر کر جاؤ اور اسے روک کر پوچھو کہ مومنہ بی بی آج کون سا دروازہ بند کرو گی...؟ کہاں چھپو گی آج...؟ اس کھلے آسمان تلے یا زمین کے اندر...؟" ملک حق نواز کے لہجے میں بے رحمی اور ظلم کی لپک تھی۔
"کیا مطلب ہے ملک صاحب...؟ کیا کوئی ارادہ ہے آج...؟" اچھو ٹھٹکا تھا کیونکہ ملک حق نواز کی آنکھوں

کے رنگ ہی بدل چکے تھے۔
"ہاں یار...! ارادہ تھا تو نہیں... مگر بن گیا ہے۔ آج بڑی تھکن ہو رہی ہے۔" ملک حق نواز نے اپنی گردن کو بل دیتے ہوئے تھکن کا اظہار کیا تھا۔
"ملک صاحب...! تھکی ہوئی تو وہ بھی لگ رہی ہے...؟" اچھو نے آنکھ دباتے ہوئے کافی کمینگی سے کہا تھا۔
"ساری تھکن اتار دوں گا ہم ایک بار اسے لے کر تو آؤ..." ملک حق نواز نے اسے اشارہ کیا تھا۔
"جی... جی... ملک صاحب...! ابھی... بس ابھی لے کر آتا ہوں... تھکن آپ کی ہو اور میں سامان نہ کروں...؟ یہ کیسے ہو سکتا ہے بھلا...؟" ملک حق نواز کا نوکر اس سے بھی زیادہ خبیث تھا اور ایسی خباثت اور حرام کاریوں پہ چٹخارے لینا تو اس کی پرانی عادت تھی وہ فوراً گاڑی سے نیچے اتر آیا تھا اور مومنہ بی بی کی سمت بڑھا تھا۔
"سنو...!" اس نے پیچھے سے آواز دی تھی اور مومنہ بی بی کے قدم زمین نے جکڑ لیے تھے۔
"مومنہ بی بی...!" اب کی بار اس نے ذرا بلند آواز سے پکارا تھا اور مومنہ بی بی کے نام کی اس پکار پہ جیسے پورا قافلہ لرز اٹھا تھا۔ کیونکہ اس پکار کا مقصد گاؤں کا بچہ بچہ جانتا تھا۔ وہ بھی جانتی تھی۔ اسی لیے تو اس کا کلیجہ اچھل کر حلق میں آگیا تھا۔
"واپس آؤ...! تمہیں ملک صاحب بلا رہے ہیں۔" اتنے میں اچھو اس کے قریب پہنچ چکا تھا۔
"کیوں... وہ کیوں بلا رہے ہیں...؟" اس نے اپنے آپ کو سنبھالتے ہوئے بڑی ہمت کا مظاہرہ کیا تھا۔
"تمہارے حسن کو خراج پیش کرنے کے لیے..." اچھو نے مسکراتے ہوئے اسے سر تا پا ذو معنی نظروں سے دیکھا تھا اور مومنہ بی بی کا رنگ فق ہو گیا تھا اسے یوں لگا جیسے وہ کسی جنگل میں کھڑی ہو اور اس کے چاروں اطراف بھیڑیے غرا رہے ہوں' وہ ان کے ہاتھ آجاتی تو وہ اسے ایک جھپٹے میں ہی چیر پھاڑ ڈالتے' لیکن ان سے بچنے کے لیے اس کے پاس کوئی راستہ نہیں تھا۔ نہ زمین نگل کر اسے بچا سکتی تھی... نہ آسمان اسے اپنی وسعتوں میں سمیٹ کر محفوظ کر سکتا تھا... اور نہ ہی وہ قافلے والے اس کی عزت و آبرو کی حفاظت کر سکتے تھے جو آسمان اور زمین کی طرح بے بس اور لمحہ بہ لمحہ... قدم بہ قدم اس سے دور ہوتے جا رہے تھے اور اپنے پیچھے دھول چھوڑتے جا رہے تھے' وہی دھول جو بس کچھ ہی دیر میں اس کی عزت پہ پڑنے والی تھی اور اس کا صاف ستھرا دامن گرد آلود ہونے والا تھا۔
"میں نہیں جاؤں گی..." اس نے ایک اور ہمت کی اور انکار کر دیا تھا۔
"اچھا...! تو پھر کہاں جاؤ گی...؟" اچھو نے استہزائیہ انداز میں کہتے ہوئے بھنویں اچکائی تھیں۔ اور مومنہ بی بی نے بے ساختہ مشرق کی سمت بڑھتے قافلے کی طرف دیکھا تھا۔
"اپنے گھر..." اس کی آواز دھیمی مگر لہجہ ذرا مضبوط تھا جس پہ اچھو قہقہہ لگا کے ہنسا تھا جیسے اس کی خوش فہمی کا مذاق اڑایا ہو۔
"مگر کل صبح... یا پھر پرسوں صبح... وہ بھی اگر ملک صاحب کا دل بھر جائے تب..." اچھو کی خباثت پہ وہ کپکپا کے رہ گئی تھی۔ اس کے جسم کے رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے اور پورے جسم پہ چیونٹیاں سی رینگتی ہوئی محسوس ہوئی تھیں۔
"دیکھو مومنہ بی بی...! خوامخواہ وقت ضائع کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے... ہونا تو وہی ہے جو ملک صاحب سوچ چکے ہیں... اس لیے آرام سے چل کر خود ہی گاڑی میں بیٹھ جاؤ..." اچھو نے بڑی بے حسی اور لاپروائی سے اسے مشورہ دیا تھا لیکن اس دنیا میں کون ایسا انسان ہے جو جیتے جی خود جا کر قبر میں بیٹھ جائے...؟ اور اپنے اوپر منوں مٹی ڈال لے...؟ اور وہ بھی ایک انسان تھی۔ جو نہ خود جا کر قبر میں بیٹھ سکتی تھی اور نہ ہی اپنے اوپر منوں مٹی ڈال سکتی تھی۔ اسے زندگی بھی پیاری تھی اور عزت بھی... جس کے لیے اسے ہاتھ پاؤں تو مارنا ہی تھے' سو اس نے پوری

کوشش کی تھی اور وہاں سے بھاگ کھڑی ہوئی تھی۔
"لو۔۔۔! یہ اب اور تھکائے گی۔۔۔" اچھو نے خفگی سے سر جھٹکا تھا اور گاڑی میں بیٹھے باقی آدمیوں کو اشارہ کیا تھا جو اس کے ایک اشارے پر دندناتے ہوئے گاڑی سے اترے تھے' مومنہ بی بی کے تعاقب میں ان کے قدموں کی دھمک اور بھاگنے کی رفتار بہت تیز تھی۔
"ماسی برکتے۔۔۔! چاچا شرفو۔۔۔! رکو۔۔۔ خدا کے لیے مجھے بچاؤ۔۔۔" مومنہ بی بی نے اس بے بس قافلے میں موجود اپنے ہمسائے ماسی برکتے اور چاچا شرفو کو آوازیں دی تھیں' جو صبح اماں اور ابا کو کہہ کر آئے تھے
"آپ فکر نہ کریں ہم ساتھ ہی تو ہیں مومنہ کون سا اکیلی کھیتوں پہ جا رہی ہے۔۔۔؟ آپ کی بیٹی ہے تو ہماری بھی بیٹی ہے اور عزت سانجھی ہوتی ہے۔" لیکن وہ اب اماں ابا کو کیسے بتاتی کہ عزت سانجھی نہیں ہوتی بلکہ عزت اپنی اپنی ہوتی ہے' سانجھی عزت کہنے والے کیا یونہی سر عام چھوڑ کر بھاگ جاتے ہیں؟
"ماسی برکتے۔۔۔! رک جاؤ۔۔۔ خدا کے واسطے مجھے بچالو۔۔۔" وہ پیچھے سے چلا رہی تھی' چیخ رہی تھی' پکار رہی تھی۔۔۔ اور وہ سب سن رہے تھے۔
سب جان رہے تھے لیکن رک نہیں رہے تھے۔۔۔ اس پہ کیا بیت رہی ہے۔۔۔؟ یا کچھ دیر بعد کیا بیتے گی۔۔۔؟ سب جانتے تھے' سب کو پتا تھا۔
ماسی برکتے کو بھی پتا تھا وہ بھی جانتی تھی۔ مگر مجبور تھی۔ کیونکہ ماسی برکتے کے گھر میں خود دو جوان بیٹیاں تھیں اور مومنہ بی بی کی مدد کرنے کی صورت میں خود اس کی بیٹیاں ملک حق نواز کے زیر عتاب آسکتی تھیں کیونکہ ملک حق نواز پہلے بھی ایسے ایک دو معاملے میں مدد کرنے والوں کو کڑی سزا سے نواز چکا تھا جس کے بعد سب نے کسی دوسرے کی مدد کرنے سے توبہ کرلی تھی۔ اور اسی لیے مومنہ بی بی کی چیخ و پکار کی طرف سے کان بند کرتے ہوئے اپنے میلے کچیلے دوپٹے سے آنسو پونچھتی ماسی برکتے آگے بڑھتی رہی اور وہ مسلسل پیچھے تڑپتی رہی تھی' مومنہ بی بی کے قدموں کے بھاگنے کی آواز اور اس کے پیچھے ان خونخوار درندوں کے بھاگنے کی آوازیں صاف سنائی دے رہی تھیں۔ لیکن آخر کب تک۔۔۔؟ وہ کتنا اور کب تک بھاگ سکتی تھی۔۔۔؟ قدم ہار گئے تھے۔
بلکہ اس کے قدم نہیں اس کی قسمت ہار گئی تھی۔ بھاگتے بھاگتے اس کی چپل ٹوٹ گئی تھی اور پاؤں ٹوٹی ہوئی چپل میں الجھ کر مڑ گیا تھا اور وہ لڑکھڑا کے زمین پہ آگری تھی' دھول مٹی میں ہاتھ پاؤں اور کپڑے بھی اٹ گئے تھے اور ابھی وہ اٹھنے کی کوشش کر رہی تھی کہ درندوں کا وہ گروہ اس پہ حاوی ہو گیا تھا۔ انہوں نے اسے دبوچا اور گاڑی میں لا پھینکا تھا اور اس کی چیخوں سے وہ شام' وہ منظر' وہ کھیت' وہ مویشی اور وہ قافلے والے سب لرز اٹھے تھے۔

سنا ہے۔۔۔! جنگلوں کا بھی کوئی دستور ہوتا ہے۔۔۔
سنا ہے۔۔۔! شیر کا جب پیٹ بھر جائے تو
وہ حملہ نہیں کرتا'
سنا ہے۔۔۔! جب کسی ندی کے پانی میں
بئے گھونسلے کا گندمی سایہ لرزتا ہے تو
ندی کی روپہلی مچھلیاں اس کو
پڑوسی مان لیتی ہیں'
ہوا کے تیز جھونکے جب درختوں کو ہلاتے ہیں
تو مینا اپنے گھر کو بھول کر
کوے کے انڈوں کو پروں میں تھام لیتی ہے

سنا ہے۔۔۔! گھونسلے سے جب کوئی بچہ گرے تو
سارا جنگل جاگ جاتا ہے
ندی میں باڑ آجائے
یا کوئی پل ٹوٹ جائے
تو کسی لکڑی کے تختے پر
گلہری' سانپ' چیتا اور بکری
ساتھ ہوتے ہیں'
سنا ہے۔۔۔! جنگلوں کا بھی کوئی دستور ہوتا ہے۔۔۔
خداوند۔۔۔! جلیل و معتبر' دانا و بینا' منصف و اکبر
ہمارے شہر میں بھی اب
جنگلوں کا ہی کوئی دستور نافذ کر۔۔۔!

☼ ☼ ☼
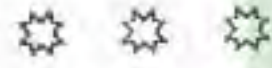
"ملک صاحب۔۔۔! ملک صاحب۔۔۔! ہوش میں آئیے ملک صاحب۔۔۔! ابھی آپ اس دنیا سے رخصت نہیں ہوئے' ابھی آپ اپنے ڈیرے پر ہی موجود ہیں' ابھی آپ نے اس دنیا میں دیکھا ہی کیا ہے۔۔۔؟ ابھی تو ہم نے آپ کو بہت کچھ دکھانا ہے۔۔۔ بڑے حساب کتاب دینے ہیں آپ نے۔۔۔ ابھی تو صرف بلاوا آیا ہے آپ کے لیے۔۔۔؟ رخصت تو آپ کو بڑے اہتمام سے کیا جائے گا۔" ایس پی کامران مہدی نے ایس ایچ او جمال احمد کے عقب سے نمودار ہوتے ہوئے کسی گہرے خیال میں ڈوبے ملک حق نواز کو اس خیال کی گہرائی سے باہر کھینچا تھا اور ملک حق نواز بری طرح چونک گیا تھا۔
"ایس پی کامران مہدی آپ۔۔۔؟" ملک حق نواز مزید ٹھٹکا تھا۔
"جی ملک صاحب۔۔۔! میں ہی ہوں' ایس پی کامران مہدی۔۔۔ دراصل جس روز آپ جیسی کسی معزز شخصیت کو اپنا مہمان بنانے کی زحمت دینا ہوتی ہے اس روز ہمیں خود خدمت میں حاضر ہونا پڑتا ہے' اب یہی دیکھ لیں آپ کو ارسٹ کرنے کے لیے محض ایک ایس ایچ او کو بھیجنا بھی تو مناسب نہیں تھا نا۔۔۔؟ اسی لیے آپ کا احترام کرتے ہوئے میں خود آیا ہوں اور میرے ساتھ آپ کے احترام میں پولیس فورس کی پوری چار گاڑیاں آئی ہیں اور آپ کے ڈیرے کو چاروں اطراف سے کور کرلیا گیا ہے' حالانکہ پتا بھی ہے کہ آپ کہیں بھاگنے والے نہیں ہیں' کیونکہ معزز لوگ بھاگا نہیں کرتے' مقابلہ کرتے ہیں' لیکن کیا کریں ملک صاحب مجبوری ہے' ڈیوٹی بھی تو نبھانی ہے آخر۔۔۔؟" ایس پی کامران مہدی نے ملک حق نواز کو باتوں باتوں میں سب باور کروا دیا تھا کہ اس کی کسی چال یا کسی چالاکی کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔
"لیکن میرے خلاف تو ایسا کوئی کیس نہیں تھا۔۔۔؟" ملک حق نواز نے انجان بننا چاہا تھا۔
"آپ "تھا" کو چھوڑیں ملک صاحب۔۔۔ "ہے" کی بات کریں۔۔۔ آپ کے خلاف کیس ہے تو بس ہے۔۔۔ اسی لیے تو کورٹ سے وارنٹ جاری ہوئے ہیں۔" ایس پی کامران مہدی نے سر جھٹکتے ہوئے کہا تھا۔
"لیکن جب تک کسی تھانے میں کیس درج نہ ہو تب تک کورٹ سے وارنٹ کیسے آسکتے ہیں۔۔۔؟" ملک حق نواز الجھ رہا تھا۔
"تو آپ سے کس نے کہا کہ تھانے میں کیس درج نہیں ہے۔۔۔؟" ایس پی کامران مہدی نے دلچسپی سے دیکھا

تھا۔

"میں خود کہہ رہا ہوں کہ میرے خلاف کسی بھی تھانے میں ایسا کوئی کیس درج نہیں ہے، میں پوری چھان بین کر چکا ہوں۔" ملک حق نواز اپنے اصلی رنگ اور اصلی حالت میں واپس لوٹ رہا تھا۔

"ملک صاحب۔۔۔! آپ سمجھتے ہیں کہ سیاست آپ جیسے جاگیرداروں اور رئیس زادوں سے شروع ہو کر آپ پہ ہی ختم ہو جاتی ہے، سیاست کے ساتھ تو آپ ایسے کھیلتے ہیں جیسے آپ کے ڈیرے کی باندی ہو، حالانکہ آپ یہ نہیں جانتے کہ جہاں آپ کی سیاست ختم ہوتی ہے وہاں سے ہم پولیس والوں اور وکیلوں کی سیاست شروع ہوتی ہے، آپ کے ڈیرے کی باندی کو ہم اپنی جیب میں لیے پھرتے ہیں اور آپ کو کیا پتا کہ جب وردی والے اور کالے کوٹ والے ایک ساتھ ہو جاتے ہیں تو بڑے بڑے بادشاہوں اور حکمرانوں کا تختہ الٹ دیتے ہیں آپ تو کوئی چیز ہی نہیں ہیں، اس لیے آپ اپنے ذہن میں یہ بات اچھی طرح بٹھا لیں کہ پچھلی دس جنوری سے تھانے میں یہ کیس درج ہے اور اب جنوری سے دسمبر آگیا ہے، اس لیے آپ کا بلاوا بھی آگیا ہے، لہٰذا آپ کو شرافت کا لبادہ اوڑھتے ہوئے ہمارے ساتھ تھانے چلنا ہوگا، ورنہ بصورت دیگر ہمیں خود لے جانا بھی آتا ہے۔۔۔" ایس پی کامران نے بھی اسے اپنا اصل روپ دکھا دیا تھا تاکہ وہ کسی غلط فہمی یا خوش فہمی میں نہ رہے۔

"اس کیس کی پیروی کون کر رہا ہے۔۔۔؟" ملک حق نواز کا لہجہ سرد ہو چکا تھا۔

"بیرسٹر دل آور شاہ۔۔۔" ایس پی کامران مہدی کا جواب بھی سپاٹ تھا۔

"دل آور شاہ۔۔۔؟" ملک حق نواز جانتا تو پہلے سے تھا مگر اس وقت ایس پی کامران مہدی کے منہ سے دل آور شاہ کا نام سن کر اس کا خون کھول اٹھا تھا۔

"ہوں۔۔۔! تو یہ کارنامہ اس کا ہے۔۔۔؟" ملک حق نواز نے دانت پیسے تھے۔

"جی۔۔۔! یہ کارنامہ انہی کا ہے۔ اب ہو گئی تصدیق۔۔۔؟ اب چلیے۔۔۔ خوامخواہ ٹائم ویسٹ ہو رہا ہے۔" ایس پی کامران نے اشارہ کیا تھا۔

"ایس پی کامران مہدی آپ مجھے گرفتار کریں گے۔۔۔ مجھے۔۔۔؟" ملک حق نواز نے غصے سے اپنی سمت اشارہ کیا تھا۔

"کہا تو ہے ملک صاحب۔۔۔! مجبوری ہے۔۔۔ لیکن آپ بے فکر رہیں، میں آپ کو ہتھکڑی نہیں لگاؤں گا اور نہ ہی آپ کو دھکا دے کر آگے چلنے کا کہوں گا۔۔۔ بلکہ بہت ہی باعزت طریقے سے لے کر جاؤں گا، آپ چلیے تو سہی۔۔۔" ایس پی کامران مہدی نے ایس ایچ او جمال احمد اور دیگر پولیس اہلکاروں کو اشارہ کیا تھا جو ملک حق نواز کے دائیں بائیں آگر الرٹ کھڑے ہو گئے تھے گویا انہوں نے ملک حق نواز کو چلنے کا سگنل دیا تھا اور اسے چلنا ہی پڑا تھا۔ اور جاتے جاتے ایس پی کامران مہدی کے قدم نجانے کیوں تھم گئے تھے اس نے دائیں طرف ذرا ٹھہر کے دیکھا تھا۔

"ادھر آؤ۔۔۔!" اس نے ذرا فاصلے پر کھڑے آدمی کو اشارے سے پاس بلایا تھا۔

"جی ایس پی صاحب۔۔۔؟" وہ بڑے گھبرائے ہوئے لہجے میں بولا تھا۔

"نام کیا ہے تمہارا۔۔۔؟" ایس پی کامران اسے خونخوار نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

"جی۔۔۔! اشرف محمود۔۔۔" اس نے سر جھکاتے ہوئے بتایا۔

"عرف اچھو ہے نا۔۔۔؟" ایس پی کامران نے غضبناکی سے پوچھا تھا۔

"ج۔۔۔جی۔۔۔ عرف اچھو۔۔۔!" اس نے اعتراف کیا تھا۔

"افسر علی۔۔۔! کرو اس کی چھترول اور بٹھاؤ اسے گاڑی میں۔" ایس پی کامران نے سیدھا اس کے منہ پہ گھونسا

رسید کرتے ہوئے اسے پولیس کانسٹیبل کے قدموں میں پھینکا تھا اور دو تین پولیس کانسٹیبل اس کی تواضع میں لگ گئے تھے جس پہ اچھو کے کراہنے کی آوازیں بہت دور تک گئی تھیں اور پولیس کانسٹیبلوں نے اسے مارتے مارتے یونہی گاڑی میں لا پھینکا تھا اور اس کے ملک حق نواز کو بھی سوار کر لیا گیا تھا، پولیس کی گاڑیوں کے روانہ ہوتے ہی ڈیرے پہ اور پورے گاؤں میں ایک ہنگامہ مچ گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"اب کیا ہوگا۔۔۔؟" ایمن اور ایمان دونوں عابدہ خاتون کی سمت دیکھتے ہوئے پریشانی سے بولی تھیں لیکن عابدہ خاتون کے پاس ان کے "اب کیا ہوگا" کا کوئی جواب نہیں تھا وہ خود اس حقیقت کو جاننے کے بعد ایک سوالیہ نشان کی مانند بت بنی بیٹھی تھیں، ان کا کلیجہ تو یہ سن کر پھٹ گیا تھا کہ ان کا بیٹا ورکشاپ میں کام کرتا رہا ہے، وہ بیٹا جسے اس کے باپ نے اتنی محنتوں اور مشکلوں سے پڑھایا لکھایا تھا اچھی تعلیم دلوائی تھی۔ تو کیا اس اچھی تعلیم کے بعد بھی اس شہر کے کسی بھی آفس میں اس کے لیے کوئی جگہ نہیں تھی۔۔۔؟

"بتایئے نا مریم آپی۔۔۔! اب کیا ہوگا۔۔۔؟ عدیل بھائی جیل سے باہر کیسے آئیں گے۔۔۔؟ ہم کیا کریں گے۔۔۔؟ ہمارا تو ان کے سوا اور کوئی بھی نہیں ہے۔۔۔؟" ایمان کا لہجہ روہانسا سا ہو رہا تھا وہ عدیل، مریم اور ایمن سے چھوٹی تھی، ابھی بچپنا تھا، اسی لیے اتنی بڑی بات سن کر زیادہ گھبرا گئی تھی۔

"پلیز ایمان۔۔۔! آہستہ بولو۔۔۔ ساتھ والے کمرے میں ابا جی ہیں، انہوں نے سن لیا تو وہ یہ سب نہیں سہہ پائیں گے۔" مریم نے ایمان کو اونچی آواز میں بولنے سے روکا تھا۔

"لیکن آپی۔۔۔!" اب کی بار ایمن نے کچھ کہنا چاہا تھا۔

"لیکن ویکن کو چھوڑو۔۔۔ بس دعا کرو کہ اللہ ہماری مدد کرے اور کوئی بہتر حل نکالے۔۔۔" مریم کہتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"کیا مطلب۔۔۔؟ تم کہاں جا رہی ہو۔۔۔؟" مریم کو چادر اوڑھتے دیکھ کر ان تینوں ماں بیٹی نے چونک کر دیکھا تھا۔

"فاطمہ کے گھر جا رہی ہوں۔۔۔! کیونکہ کوئی اور کرے نہ کرے وہ اس مشکل وقت میں ہماری مدد ضرور کرے گی۔" مریم چادر اوڑھ کر بیگ اٹھا چکی تھی۔

"لیکن بیٹا۔۔۔! تم اکیلی۔۔۔؟" عابدہ خاتون مزید پریشان ہوئی تھیں۔

"امی۔۔۔! اب ہم نے جو بھی کرنا ہے، اکیلے ہی کرنا ہے، یہ دنیا دار اور محلے دار آپ کی مدد کرنے کے لیے ہرگز نہیں آئیں گے، اس لیے آپ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے، آپ گھر سنبھالیں اور میں باہر سنبھالتی ہوں۔۔۔ اللہ حافظ۔۔۔!" وہ کہہ کر رکی نہیں تھی اور ان تینوں پہ اک طائرانہ سی نظر ڈالتی ہوئی باہر نکل گئی تھی اور وہ تینوں ماں بیٹی دعا کرتی رہ گئی تھیں۔

☼ ☼ ☼
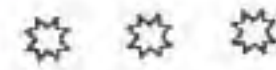
وہ گھر نہیں آیا تھا، اس کی لاش گھر آئی تھی، کیونکہ وہ اندر سے مر چکا تھا۔ وہیں اسلام آباد کے اس ہوٹل کی سیڑھیوں پہ، جہاں اس نے اپنے باپ ممتاز حیات کو ایک لڑکی کے ساتھ بانہوں میں بانہیں ڈالے دیکھا تھا اور وہ اس لڑکی کے ساتھ کس طرز کی چھیڑ چھاڑ کر رہے تھے۔ یہ دیکھ کر نبیل حیات جیتے جی مر گیا تھا اور مرنے کے بعد اس نے ان سیڑھیوں پر سے اپنی زندہ لاش کیسے ہٹائی تھی۔۔۔؟ یہ تو صرف وہ جانتا تھا یا پھر اس کی جان کا مالک رب جانتا تھا۔

اسی ہوٹل میں جہاں وہ رات ٹھہرا ہوا تھا اس کا باپ ایک لڑکی کے ساتھ رنگ رلیاں منا رہا تھا یہی سوچ اور یہی

بات اس کے لیے سوہان روح ثابت ہو رہی تھی اسے اپنی رگوں میں دوڑتا خون اپنی ہی رگوں کو کاٹتا ہوا محسوس ہوا تھا اس کی آنکھیں شدت ضبط سے سرخ ہو گئی تھیں وہ اپنے لبوں اور اپنے ہاتھوں کو بھینچتا ہوا بمشکل ضبط کرنے کی کوشش کر رہا تھا لیکن یہ بھی تو ضبط و برداشت سے باہر تھا تا کہ وہ بھی اسی ہوٹل میں قیام کرتا اور رات گزارتا۔۔۔ اسی لیے جب اس کے اختیار سے باہر ہوا تو وہ سب کچھ سمیٹ کے رات کے پونے دو بجے ہوٹل کا بل پے کر کے باہر نکل آیا تھا اور پھر باقی کی رات یونہی اسلام آباد کی سڑکوں پہ گاڑی دوڑاتے ہوئے گزر گئی تھی۔ وہ اس شہر جیسا پر سکون تھا لیکن اس وقت اسے نہ یہ شہر پر سکون لگ رہا تھا اور نہ اپنا آپ۔۔۔! اندر باہر ایک اذیت سی اذیت تھی' ایک عذاب سا عذاب تھا' سکون کا تو کہیں شائبہ تک نہیں رہا تھا۔

اور اسی بے سکونی اور اذیت کی آغوش میں آ کر اسے احساس ہوا تھا کہ مدحیہ کیوں تڑپتی تھی۔۔۔؟ کیوں رات دن کسی ان دیکھی آگ میں جلتی تھی۔۔۔؟ کیوں اسے کہیں چین نہیں آتا تھا۔۔۔؟ کیوں وہ بے کل پھرتی تھی۔۔۔؟ یہاں تک کہ وہ ضدی اور باغی ہو گئی تھی اور ہمہ وقت اس کے سر پہ سرکشی سوار رہتی تھی۔ وہ زندگی میں کبھی ممتاز حیات کی شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتی تھی اور آج ایسی ہی حالت اور کیفیت نبیل حیات کی ہو رہی تھی آج وہ بھی ممتاز حیات کی شکل نہیں دیکھنا چاہتا تھا۔ آج مدحیہ کی طرح اسے بھی اپنے باپ سے نفرت محسوس ہو رہی تھی۔۔۔ انتہا درجے کی نفرت۔۔۔ آج وہ بھی چاہتا تھا کہ زندگی میں کبھی دوبارہ اسے ممتاز حیات کی شکل دیکھنا بھی نصیب نہ ہو۔۔۔ کیونکہ اسے پتا تھا کہ اگر ایسا ہوا تو یقیناً" وہ اپنے آپ پہ کنٹرول نہیں کر پائے گا۔ جیسے اس وقت اپنے آپ کو سنبھالنا اور کنٹرول کرنا مشکل ہو رہا تھا اور بالآخر تھک ہار کے اس نے گاڑی کا رخ لاہور کی سمت موڑ دیا تھا اور اسلام آباد سے لاہور تک کا سفر کیسے کٹا تھا۔۔۔؟ اسے کچھ خبر نہیں تھی۔ اسے بس یہ پتا تھا کہ وہ اسلام آباد میں بھی اذیت میں تھا اور لاہور آ کر بھی اس کی اس اذیت میں۔۔۔ رتی برابر بھی فرق نہیں آیا تھا وہ اپنی زندہ لاش کو گھسیٹتا ہوا گھر میں داخل ہوا تھا۔ صبح چھ بجے کا وقت تھا' ماحول میں خنکی حد سے سوا تھی' دسمبر کا مہینہ تھا' دھند روز بہ روز گہری ہوتی جا رہی تھی اور یہ دھند اور ٹھنڈ لوگوں کو بے حد ٹھٹھرا رہی تھی لیکن نبیل ایسی آگ میں جل رہا تھا کہ اسے یہ ٹھنڈ ذرا بھی محسوس نہیں ہو رہی تھی وہ گاڑی سے باہر نکلا تو بھی اپنے آپ سے لاتعلق سا لگ رہا تھا۔

"سلام صاحب جی۔۔۔!" گھر کا مالی لپک کے پاس آیا تھا۔

"والسلام۔۔۔!" نبیل آہستگی سے جواب دیتے ہوئے آگے بڑھا تھا۔

"لائیے صاحب جی۔۔۔! میں کمرے تک چھوڑ آتا ہوں۔" اس نے نبیل کی تھکن کا خیال کرتے ہوئے اس کے ہاتھ سے کوٹ اور بریف کیس لینا چاہا تھا۔

"نو تھینکس۔۔۔! اس کی ضرورت نہیں ہے۔" اس نے انکار کر دیا تھا۔

"ٹھیک ہے صاحب۔۔۔! جیسے آپ کی مرضی۔۔۔" مالی فوراً" تابعداری سے سر ہلاتے ہوئے سامنے سے ہٹ گیا تھا اور نبیل اپنا کوٹ بازو پہ ڈالے' بریف کیس ہاتھ میں پکڑے بڑے تھکے تھکے اور شکستہ قدموں سے چلتا ہوا اندر آ گیا تھا اور ابھی سیڑھیاں طے کر کے اپنے بیڈ روم کی سمت بڑھا ہی تھا کہ اس کے قدم دوبارہ زمین نے جکڑ لیے تھے اور قدموں نے آگے بڑھنے سے انکار کر دیا تھا وہ جہاں پہ تھے وہیں پہ ٹھہر جانا چاہتے تھے کیونکہ اسے ایسا محسوس ہوا تھا کہ جیسے اللہ نے اس کے مردہ قالب میں روح پھونک دی ہو اور اس کی زندہ لاش' زندہ وجود میں تبدیل ہو گئی ہو۔

کیونکہ اس کی بے سکون اور بے آرام سماعتوں کو قرآن پاک کی تلاوت کی آواز نصیب ہوئی تھی اور یہ روح کو شانت کر دینے والی آواز مومنہ بی بی کے کمرے سے آتی ہوئی سنائی دی تھی اور نبیل کو لگا کہ اس کی ذات پہ ایک سرور سا طاری ہو گیا ہو' وہ جو آگ میں جل رہا تھا وہ تن من سے ٹھٹھر کے رہ گیا تھا' اس کی رگ رگ میں ٹھنڈک اتر گئی تھی اور وہ مومنہ بی بی کے کمرے کے ادھ کھلے دروازے سے نظر آتے اس تسخیر کر لینے والے منظر کو اپنی

نظروں میں اتارنے پر مجبور ہو گیا تھا۔

وہ سامنے قالین پہ قبلہ رخ جائے نماز بچھائے رحل میں قرآن پاک رکھے تلاوت کرنے میں مشغول تھی' بڑا سا سفید دوپٹہ اس نے اپنے چہرے اور سر کے گرد ایک ہالے کی صورت میں باندھ کر دوپٹہ پورے جسم پہ پھیلا رکھا تھا وہ اپنے آپ کو کافی اچھے طریقے سے اور سلیقے سے ڈھانپے ہوئے تھی نبیل کو محسوس ہوا جیسے قرآن پاک کے مقدس صفحات سے روشنی اور نور کی کرنیں پھوٹ رہی ہوں جو مومنہ بی بی کو اپنی لپیٹ میں لے رہی تھیں اور مومنہ بی بی کا چہرہ نور برسا رہا تھا جس پہ نبیل حیات کی نظر نہیں ٹھہر رہی تھی مگر پھر بھی وہ اسے دیکھے جا رہا تھا۔۔۔ اور اس دیکھنے میں اسے یہ بھی پتا نہ چلا کہ تلاوت ختم ہو گئی ہے۔

جبکہ مومنہ بی بی قرآن پاک جزدان میں لپیٹتے ہوئے چونک گئی تھی' اسے خود پہ کسی کی نظروں کا احساس ہوا تھا اور اسی احساس کے تحت اس نے گردن موڑ کر دروازے کی سمت دیکھا تھا اور نظروں کے اس تصادم پہ دونوں ہی ٹھٹک گئے تھے' نبیل ہوش و حواس میں واپس لوٹ آیا تھا۔

"نبیل صاحب آپ۔۔۔؟" وہ یونہی رحل اور قرآن پاک سینے سے لگائے' جائے نماز سے اتر کے ننگے پاؤں کمرے کی چوکھٹ میں آرکی تھی۔

"ایم سوری۔۔۔! میں ابھی اسلام آباد سے آیا ہوں' اپنے بیڈ روم میں جا رہا تھا کہ یہاں سے گزرتے ہوئے تلاوت کی آواز سن کے رک گیا۔" نبیل نے شرمندگی سے سر جھکاتے ہوئے وضاحت دی تھی۔

"آپ شرمندہ کیوں ہو رہے ہیں نبیل صاحب۔۔۔؟ میرے پاس ایسا کچھ نہیں ہے جس پہ آپ کو شرمندگی اور مجھے غصہ محسوس ہو۔۔۔ جس پہ ایسا کچھ محسوس ہوتا ہے وہ تو میں ایک سال پہلے ہی گنوا چکی ہوں۔۔۔" مومنہ بی بی نے ذرا سی تلخی سے کہتے ہوئے سر جھکا تھا۔

"پلیز۔۔۔! آپ ایسا تو مت کہیں۔۔۔ اچھا نہیں لگتا۔۔۔" نبیل نے اسے منع کیا تھا کیونکہ وہ پہلے ہی رات بھر کا جلا ہوا تھا۔

"ہوں۔۔۔! معافی چاہتی ہوں' آپ خود تھکے ہوئے آئے ہیں' میں نے خوامخواہ آپ کو پریشان کر دیا۔" مومنہ بی بی نے فوراً" معذرت کی تھی۔

"ایسی بات نہیں ہے۔۔۔! بس جو آپ کہہ رہی ہیں' وہ غلط ہے۔" نبیل نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا تھا۔

"چھوڑیں نبیل صاحب۔۔۔! اس قصے کو رہنے دیں کہ کیا غلط ہے اور کیا نہیں۔۔۔؟ آپ کو اس وقت آرام کی ضرورت ہے' آپ آرام کریں' زندگی کے یہ جھمیلے تو کبھی ختم نہیں ہوں گے۔۔۔" اس نے نبیل کو آرام کرنے کا مشورہ دیا تھا اور وہ شکریہ ادا کرتے ہوئے سامنے سے ہٹ گیا تھا۔

"سنیے۔۔۔!" اس نے پیچھے سے بے ساختہ پکارا تھا شاید اس لیے کہ وہ نبیل حیات کے قدموں کی تھکن بھانپ چکی تھی۔

"جی۔۔۔؟" وہ اپنے بیڈ روم کے دروازے میں جا کے پلٹا تھا۔

"چائے پئیں گے۔۔۔؟" نبیل کو اس لمحے وہ رمز شناس لگی تھی۔

"مل جائے تو انکار نہیں۔" نبیل کو واقعی چائے کی طلب محسوس ہو رہی تھی' لیکن وہ اپنی ذہنی اذیت میں اس طلب اور اپنے سر درد کو بھی فراموش کیے ہوئے تھا۔

"میں ابھی لے کر آتی ہوں۔" وہ اثبات میں سر ہلاتی ہوئی اندر کمرے کی طرف پلٹی اور قرآن پاک احتیاط سے الماری میں رکھ کر نیچے کچن میں آ گئی تھی۔ وہ پچھلے چند دنوں سے خود ہی ملازمہ کا ہاتھ بٹا رہی تھی۔ حالانکہ فائزہ بیگم اور مدیحہ نے اسے منع بھی کیا تھا' لیکن وہ ایک دیہاتی اور محنتی لڑکی تھی' گھر میں ہاتھ پہ ہاتھ رکھ کے نہیں بیٹھ سکتی

تھی اور یہی کہہ کر اس نے انہیں مطمئن کر دیا تھا اور اب وہ وقتاً" فوقتاً" کچن کے کاموں میں بھی حصہ لے رہی تھی اور فائزہ بیگم اس کے سگھڑاپے اور طریقے سلیقے کی معترف ہو گئی تھیں۔ وہ بڑی نفاست سے کام کرتی تھی۔ اسی لیے انہیں اس کے ہاتھ کا کام پسند آیا تھا' اس کے ہاتھ میں لذت تھی' ذائقہ تھا' ہر چیز میں ماہر تھی وہ' کھانے سے لے کر چائے بنانے تک۔۔۔ اور اس کا اعتراف ان سب نے کیا تھا۔

وہ اپنے بیڈ روم میں آتے ہی اپنا کوٹ اور بریف کیس صوفے پہ ڈال کے خود بیڈ پہ ڈھیر ہو گیا تھا اور ابھی آنکھیں بند کی ہی تھیں کہ رات کا منظر پھر سے آنکھوں کے پردے پہ تازہ ہو گیا تھا اور اس منظر میں اسے ممتاز حیات اس لڑکی کے چہرے سے بال ہٹاتے ہوئے اور اس کے ہاتھ پہ بوسہ دیتے ہوئے نظر آئے تھے اور نبیل نے یک دم آنکھیں کھول دی تھیں اور اک جھٹکے سے اٹھ بیٹھا تھا۔ وہ اپنے بالوں کو مٹھیوں میں جکڑے بیٹھا تھا جب دروازے پہ ہلکی سی دستک ہوئی تھی۔

"کم ان۔۔۔!" اس نے دستک پہ سر اٹھاتے ہوئے آہستگی سے اجازت دی تھی۔

"چائے۔۔۔!" اس نے پاس آ کر چھوٹی سی ٹرے میں رکھا کپ اس کی سمت بڑھایا تھا۔

"تھینک یو۔۔۔!" نبیل نے قدرے بوجھل انداز میں کہتے ہوئے کپ اٹھا لیا تھا۔

"کسی اور چیز کی ضرورت تو نہیں ہے؟" وہ واپس پلٹتے ہوئے رکی۔

"ہوں۔۔۔ ہے ضرورت۔" نبیل نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

"جی کہیے؟" وہ متوجہ ہوئی تھی۔

"مجھے نیند کی گولیوں کی ضرورت ہے۔ میں سونا چاہتا ہوں۔" نبیل کی ضرورت سن کر مومنہ بی بی چونک گئی تھی۔

"نیند کی گولیاں۔۔۔؟" اسے اچنبھا ہوا تھا۔

"ہوں! نیند کی گولیاں۔۔۔ تاکہ میں سکون سے سو سکوں۔" وہ اپنی کنپٹیوں کو مسل رہا تھا۔

"لیکن نبیل صاحب! آپ تو تھکے ہوئے آئے ہیں' آپ کو تو خود بخود ہی نیند آ جائے گی' گولیاں کھانے کی کیا ضرورت ہے بھلا؟"

"میں جانتا ہوں نا! نیند نہیں آئے گی' آپ بس مجھے کچن سے گولیاں لا دیں۔" اس نے خفگی سے کہا تھا۔

"جی بہتر۔۔۔!" وہ اس کے موڈ کے پیش نظر فوراً" پلٹ گئی تھی اور پھر اسے کچن سے گولیاں لا کر دی تھیں' جن کے بعد وہ فوراً" ہی سو گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

مریم نے کافی دھڑکتے دل کے ساتھ ڈور بیل پہ ہاتھ رکھا تھا۔ کیونکہ وہ آج پہلی بار یوں اکیلی فاطمہ کے گھر آئی تھی۔ ورنہ پہلے جب بھی اس نے فاطمہ سے ملنے کے لیے آنا ہوتا تھا' عدیل اسے خود چھوڑ کے جاتا تھا یا پھر فاطمہ خود ان کے گھر آ جاتی تھی۔ اس لیے مریم کو کبھی بھی یوں اکیلے آنے جانے کی ضرورت پیش نہیں آئی تھی' لیکن آج مجبوری اور حالات نے یہ بھی کروا ہی لیا تھا اور وہ اکیلی آنے پہ مجبور ہو گئی تھی۔

"السلام علیکم میڈم!" چوکیدار نے پہلی بیل پہ ہی گیٹ کھول دیا تھا۔

"وعلیکم السلام۔۔۔! کیا فاطمہ بی بی گھر پہ ہیں؟"

"سوری میڈم جی۔۔۔ فاطمہ بی بی تو بڑی بیگم صاحبہ کے ساتھ دبئی گئی ہوئی ہیں شاپنگ کے لیے۔" چوکیدار نے معذرت کی تھی۔

"وہی۔۔۔؟" مریم کے تو جیسے قدموں تلے سے زمین سرک گئی تھی۔ اس کی نظر میں تو یہی واحد امید اور آس تھی جس کے سہارے وہ مدیل کے لیے کچھ بھاگ دوڑ کر سکتی تھی، لیکن اب وہی واحد سہارا میسر نہیں تھا، تو وہ کہاں جا سکتی تھی؟ کیا کر سکتی تھی؟ اس کے اختیار، اس کے بس میں تو کچھ بھی نہیں تھا۔ حالانکہ وہ گھر سے سب کو تسلی دے کر نکلی تھی، لیکن اب۔۔۔

"جی ہاں۔۔۔ وہی۔۔۔" چوکیدار نے دُہرا کے بتایا تھا۔

"کب گئی ہیں؟" اس نے بمشکل خود کو سنبھالتے ہوئے پوچھا تھا۔

"جی۔۔۔ ایک ہفتہ پہلے۔"

"اور واپس کب آئیں گی؟" اس نے پھر ذرا سی امید باندھی تھی۔

"جی۔۔۔ ایک ہفتہ اور لگ جائے گا۔۔۔ دو ہفتے کے لیے گئی ہیں۔" چوکیدار کے جواب پہ مریم کا رو دینے کو دل چاہا تھا، کیونکہ اس کی آس ٹوٹی تھی، وہ مایوس ہوئی تھی، آگے کوئی راستہ نظر نہیں آرہا تھا، ایسے میں اسے رونا نہ آتا تو اور کیا ہوتا، وہ وہاں سے قدم گھسیٹتی ہوئی واپس پلٹی تھی۔

☼ ☼ ☼

گلاب خان نے اسے دیکھتے ہی گیٹ کھول دیا تھا اور وہ گاڑی اک جھٹکے سے اندر لے آئی تھی۔ سامنے روش پہ کھڑا زلفی بھاگ کے پیچھے ہٹا تھا۔ ورنہ یقیناً "گاڑی کے جھٹکے سے دور جا گرتا۔

"بھائی گھر پہ ہیں؟" اس نے گاڑی سے اترتے ہی استفسار کیا تھا۔

"جی میڈم۔۔۔ صاحب گھر پہ ہی ہیں۔" زلفی نے اپنی سانسیں ہموار کرتے ہوئے جواب دیا تھا۔

"اوکے۔۔۔ تھینک یو۔" وہ سر ہلا کر کہتی ہوئی کی چین گھماتی اندر کی سمت بڑھی تھی، لیکن پھر جاتے جاتے رک گئی تھی اور پیچھے مڑ کے دیکھا تھا۔ زلفی اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ مدحیہ کے پلٹ کر دیکھنے پہ سٹپٹا گیا تھا۔

"سوری۔۔۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ کوئی بالکل سامنے کھڑا ہوگا۔ شکر ہے تم بچ گئے۔" وہ شرارت سے مسکراتی ہوئی کہہ کر اندر آگئی تھی اور پیچھے زلفی ایسی حسیناؤں اور ان کی اداؤں کو سوچتا اور دیکھتا رہ گیا تھا۔

"السلام علیکم بی بی جی۔" گل کچن سے نکل رہی تھی۔ مدحیہ کو آتے دیکھ کر بہت خوش ہوئی تھی۔

"وعلیکم السلام! کیسی ہو گل رانی؟" مدحیہ نے مسکرا کے پوچھا تھا۔

"جی میں ٹھیک ہوں، اللہ کا بڑا کرم ہے۔"

"ہوں، اچھی بات ہے، بھائی کہاں ہیں؟ کہیں نظر نہیں آرہے؟" مدحیہ نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے پوچھا تھا، کیونکہ ہر طرف خاموشی تھی۔

"جی۔۔۔ وہ اپنے بیڈروم میں ہیں، آپ بیٹھیے، میں انہیں بلا کر لاتی ہوں۔" گل نے کہتے ہوئے ڈرائنگ روم کی طرف اشارہ کیا تھا۔

"تھینک یو۔۔۔ تم بیٹھو، میں انہیں بلا کر لاتی ہوں۔" مدحیہ دلچسپی سے کہہ کر سیڑھیوں کی سمت آگئی تھی اور اگلے چند سیکنڈ میں وہ اس کے بیڈروم کے دروازے پہ دستک دے رہی تھی۔

"یس کم ان۔۔۔" اندر سے اس کی سنجیدہ سی آواز سنائی دی تھی۔

"گڈ مارننگ!" وہ آہستگی سے دروازہ دھکیل کر اندر آگئی تھی اور وہ جو بڑے مصروف سے انداز میں تیار ہو رہا تھا، اچانک مدحیہ کی آواز سے چونک گیا تھا۔

"ارے مدحیہ! میری جان، میری گڑیا، تم یہاں۔" وہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کے اس کی سمت بڑھا اور بڑے والہانہ انداز میں اس کا سر اور اس کے گال تھپکے تھے۔ اسے حقیقتاً "مدحیہ کی آمد پہ بہت خوشی ہوئی تھی۔

"جی ہاں! آپ کو خود تو کبھی خیال نہیں آسکتا، اسی لیے میں نے سوچا کہ آج سنڈے ہے، آج چھاپہ مارتی ہوں، یقیناً" پکڑے جائیں گے۔" مدحیہ کی بات پہ اس کا بجھا بجھا، بوجھل سا ذہن ایک دم فریش ہو گیا تھا اور وہ قہقہہ لگا کے ہنسا تھا۔

"ویسے تمہیں دیکھ کر میں بھی یہی سوچتا ہوں کہ تمہیں پولیس لائن میں ہونا چاہیے تھا۔ آئے روز لوگوں کی شامت آئی رہتی۔" وہ دلچسپی سے کہہ رہا تھا۔

"اف۔۔۔ ایسا سمجھتے ہیں مجھے؟" مدحیہ نے مصنوعی خفگی سے دیکھا تھا۔

"ارے! اس سے بھی زیادہ سمجھتا ہوں، آخر بہن ہو میری، میں اگر لوگوں کے ساتھ رعایت نہیں برتتا تو تم نے بھلا کب رعایت برتنی تھی؟" دل آور نے اسے وضاحت دی تھی۔

"ہاں۔۔۔ یہ تو آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں، برے لوگوں کو تو میرا بھی معاف کرنے کو دل نہیں چاہتا۔ دل چاہتا ہے سولی پہ لٹکا کے ماروں۔" مدحیہ نے دانت کچکچائے تھے۔

"گڈ! میں بھی یہی چاہتا ہوں، خیر چھوڑو، یہ بتاؤ ناشتا کرو گی؟" وہ اپنے کف لنکس بند کرتے ہوئے بولا تھا۔

"آف کورس! اپنے بیڈروم سے نکل کے سیدھی یہیں آئی ہوں۔" اس نے کندھے اچکائے تھے۔

"چلو! پھر آجاؤ نیچے، ناشتا کرتے ہیں۔"

"ٹھہر جائیں ابھی، مجھے اپنا بیڈروم تو دیکھنے دیں۔" مدحیہ اب بیڈروم کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔

"میری جان! میرے بیڈروم میں کیا رکھا ہے بھلا؟ سادہ سا تو ہے۔"

"ابھی تک اس بیڈروم کی مالکن نہیں آئی؟ اس لیے۔۔۔ سادہ ہے، جب وہ آئے گی تو سج جائے گا، چار چاند لگ جائیں گے اسے۔"

"اس بیڈروم کی مالکن؟" وہ زیر لب دہرا کے رہ گیا تھا۔

"جی ہاں۔۔۔ اس بیڈروم کی مالکن۔۔۔ میری بھابھی اور آپ کی بیوی۔" مدحیہ چہک کر بولی تھی۔

"ہوں، ویسے ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ جو دل کی مالکن ہو، وہی بیڈروم کی بھی مالکن ہو۔" دل آور نے سر جھکا دیا۔

"واٹ۔۔۔ یہ کیا بات ہوئی بھلا؟" مدحیہ کو جھٹکا لگا تھا۔ وہ اس کے ساتھ اس کے بیڈروم سے نکلتے نکلتے رک گئی تھی۔

"یہی تو اصل بات ہے میری جان! اندر اور باہر کے مالک الگ الگ ہوتے ہیں اور یہ ریت تو شروع سے چلی آرہی ہے، کوئی تن کا حکمران اور کوئی من کا حکمران، کسی کا تن پہ اختیار اور کسی کا من پہ اختیار، مقدر کے سکندر ہوتے ہیں وہ لوگ جن کے اندر اور باہر کا مالک ایک ہوتا ہے، صرف ایک، ورنہ بڑے بڑے بادشاہوں اور فقیروں کو بھی اس اندر اور باہر کی تقسیم میں بٹے ہوئے دیکھا ہے اور یہ تقسیم انسان کو کہیں کا بھی نہیں چھوڑتی، انسان نہ اندر کا رہتا ہے، نہ باہر کا، اور نہ ہی اپنے آپ کا۔۔۔ کیونکہ کبھی من حاوی ہو جاتا ہے اور کبھی تن، کبھی من فقیر، کبھی تن فقیر۔۔۔ کبھی من بادشاہ، کبھی تن بادشاہ اور اس بادشاہی اور فقیری کے چکر میں انسان نڈھال ہو جاتا ہے، کیونکہ انسان بھی آخر کیا کرے؟ تن بھی اس کا اپنا اور من بھی اس کا اپنا، لیکن ان دونوں میں سے خوش کس کو رکھے؟ اندر کو یا باہر کو؟ فیصلہ بہت مشکل ہے یار۔" دل آور کے لہجے میں سنجیدگی اور بات میں گہرائی تھی۔ مدحیہ ٹھٹک کر اسے دیکھتی رہ گئی تھی۔

"کیا بات ہے؟ کیا دیکھ رہی ہو؟ ایسا کچھ غلط تو نہیں کہا میں نے؟" دل آور نے اس کی آنکھوں کے سامنے ہاتھ لہرایا تھا۔

"ہوں۔۔۔ نن۔۔۔ نہیں۔۔۔ کچھ نہیں۔" اس نے چونکتے ہوئے نفی میں گردن ہلائی تھی۔
"تو پھر چلو! ناشتا تیار ہو چکا ہوگا۔" دل آور نے کافی بشاشت کا مظاہرہ کیا تھا۔
"چلیے۔۔۔" وہ آہستگی سے کہتی اس کے ساتھ نیچے ڈائننگ روم میں آگئی تھی اور دل آور نے خود کرسی پہ بیٹھنے سے پہلے مدحیہ کی سائیڈ پہ آکر اسے کرسی نکال کے پیش کی اور اس کے بیٹھنے کے بعد خود جا کر اپنی کرسی پہ بیٹھا تھا۔
"اس گھر میں آج دوسری بار میں کسی کے ساتھ بیٹھ کر ناشتا کر رہا ہوں' پہلے اماں کے ساتھ اور آج تمہارے ساتھ' ورنہ ہمیشہ اکیلے ہی اپنی تنہائی کے ساتھ بیٹھ کر ناشتا کیا ہے۔" دل آور کا لہجہ عجیب سا ہو رہا تھا' مدحیہ نے ذرا ٹھہر کر اسے دیکھا تھا۔
"تو آپ مما کو یہاں کیوں نہیں لے آتے؟ وہ بھی اکیلی رہ رہی ہیں اور آپ بھی؟"
"مدحیہ۔۔۔ لاہور بے شک ہمارا آبائی شہر ہے' لیکن پھر بھی یہ شہر ہمیں کبھی راس نہیں آیا اور وہ یہاں آکر مزید کچھ کھونا نہیں چاہتیں۔"
"بھائی۔۔۔! ایک بات پوچھوں آپ سے؟" مدحیہ نے بمشکل خود کو یہ سوال پوچھنے کے لیے تیار کیا تھا۔
"ہوں۔۔۔ پوچھو۔" اس نے سنجیدگی سے اجازت دی تھی۔
"بابا کی ڈیتھ کیسے ہوئی تھی؟ مرڈر سے یا۔۔۔؟" مدحیہ نے ڈرتے ڈرتے سوال کیا تھا اور سوال بھی ادھورا چھوڑ دیا تھا۔ لیکن مدحیہ کا یہ سوال دل آور کی پوری ہستی کو دھواں دھواں کر کے رکھ گیا تھا اور اس کے چہرے کی رنگت پہ لہو رنگ حاوی ہو گیا تھا۔ لیکن سامنے مدحیہ تھی اور اسے خود کو کنٹرول کرنا ہی تھا اور اس کے سوال کا جواب بھی دینا تھا۔۔۔ کیونکہ وہ سب کو ٹال سکتا تھا' لیکن اسے نہیں۔۔۔
"سوسائٹ سے۔۔۔" اس نے صرف اتنا سا لفظ ادا کرنے کے لیے بمشکل اپنے جبڑے کو حرکت دی تھی۔
"سوسائٹ سے۔۔۔" مدحیہ ششدر سی رہ گئی تھی' کیونکہ وہ شروع سے ہی یہی سمجھتی آرہی تھی کہ دل آور بھائی کے بابا کی ڈیتھ مرڈر سے ہوئی تھی۔ سوسائٹ کا تو اس نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا اور نہ ہی کبھی یہ سوال پوچھنے کی ہمت کر پائی تھی' مگر آج نہ جانے کیسے بلا ارادہ ہی یہ سوال پوچھ لیا تھا۔
"خیر چھوڑو اس بات کو۔۔۔ تم یہ بتاؤ کہ تم یہاں کیوں آئی ہو؟ کوئی خاص ریزن؟" دل آور نے بڑی جلدی خود کو کمپوز کیا تھا۔
"میں یہاں کیوں آئی ہوں؟" مدحیہ نے جیسے یاد کرنے کی کوشش کی تھی۔
"ہاں یاد آیا! میں یہاں کسی خاص ریزن سے آئی ہوں۔" مدحیہ بھی دل آور کی خاطر اس موضوع سے نکل آئی تھی۔
"ہاں بولو! میں سن رہا ہوں۔" وہ پوری طرح سے متوجہ ہوا تھا۔
"وہ ان فیکٹ میں جب سے پاکستان آئی ہوں' میں نے ایک بار بھی ٹھیک سے شاپنگ نہیں کی' اس لیے میں نے سوچا کہ میں ہمیشہ نبیل بھائی کی جیب سے شاپنگ کرتی ہوں' کیوں نہ آج یہ شاپنگ آپ کی جیب پہ ڈال دوں؟" مدحیہ نے شرارت سے کہا تھا۔
"ہوں۔۔۔ شاپنگ۔۔۔ ویسے کتنے میں ہوگی یہ شاپنگ؟ پانچ' دس ہزار کافی ہیں نا؟" دل آور نے سنجیدگی سے استفسار کیا تھا۔
"واٹ۔۔۔؟ پانچ' دس ہزار؟ اس سے زیادہ تو آل ریڈی میرے بیگ میں موجود ہیں۔" مدحیہ چیخ اٹھی تھی۔
"بھائی صاحب! آپ کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ میں صرف سیٹھ نبیل حیات کی بہن نہیں ہوں' بلکہ بیرسٹر دل آور شاہ کی بھی بہن ہوں اور اس لحاظ سے میرے بیگ میں رقم بہت کم ہے۔ میرے بیگ کو تھوڑا اور وزنی ہونا چاہیے' مجھے بہلانے کی کوشش مت کریں۔" وہ تنک کر بولی تھی۔
"اوکے' اوکے۔۔۔ نہیں بہلاتا' یہ بتاؤ کہ کتنے پیسے لوگی؟ بلکہ میرے ساتھ طے کر لو' میں تمہیں ماہانہ پاکٹ منی دوں گا' جیسے نبیل دیتا ہے اور ان شاء اللہ نبیل سے زیادہ ہی دوں گا' تمہیں کبھی مانگنے کی ضرورت ہی پیش نہیں آئے گی۔" دل آور نے اسے کھلی آفر دی تھی۔
"نہیں' میں نے پیسے نہیں لینے' میں نے شاپنگ کرنی ہے بس۔" مدحیہ اس کی آفر پہ جھجک گئی تھی۔
"ارے بس کیوں؟ تم پیسے بھی لو اور شاپنگ بھی کرو' تم مجھ سے مانگا کرو' مجھ سے چھینا کرو' مجھے خوشی ہوگی مدحیہ' کہ میرا بھی کوئی اپنا ہے' مجھ پہ حق جتانے والا اور میری کمائی کو خرچ کرنے والا' میں مہینے میں لاکھوں کماتا ہوں' لیکن انہیں خرچ کرنے والا کوئی بھی نہیں۔ کوئی بھی نہیں۔" کہتے کہتے وہ پھر سے افسردہ اور بوجھل سا ہو گیا تھا' لیکن مدحیہ نے اسے زیادہ دیر اداس نہیں ہونے دیا تھا۔
"ارے۔۔۔! کیوں نہیں بھائی۔۔۔ میں ہوں نا آپ کے پیسے خرچ کرنے والی' بس آپ میرے ساتھ چلیں۔۔۔"
"ساتھ۔۔۔؟" دل آور چونک گیا تھا۔
"ہاں ساتھ۔۔۔ میں آج یہ شاپنگ آپ کے ساتھ کرنا چاہتی ہوں' آپ نہیں جائیں گے تو میں بھی نہیں جاؤں گی۔" اس نے صاف انکار کر دیا تھا۔
"تو۔۔۔ میں شاپنگ کے لیے پیسے دے سکتا ہوں' مگر ساتھ نہیں جا سکتا۔" دل آور نے نفی میں گردن ہلائی تھی۔
"تو ٹھیک ہے! آپ اپنے پیسے بھی اپنے پاس رکھیں' میں نہیں لوں گی' مجھے آپ کی ضرورت ہے' آپ کے پیسوں کی نہیں' اگر صرف پیسے ہی لے کر شاپنگ کے لیے جانا ہوتا تو مجھے یہاں آنے کی کیا ضرورت تھی؟ میں اکیلی بھی جا سکتی تھی۔" وہ خفا ہوتی ناشتا ختم کرتے ہی کرسی دھکیل کر اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔
"سوری میری جان! میں فارغ نہیں ہوں' مجھے کسی ضروری کام سے جانا ہے' تمہارے ساتھ پھر کبھی چلا جاؤں گا۔" دل آور نے بچنا چاہا تھا۔
"اوکے! آپ جائیں اپنے ضروری کام سے' میں آپ کو روک تو نہیں رہی؟" اس نے کندھے اچکائے تھے۔
"مدحیہ پلیز! سمجھنے کی کوشش کرو۔"
"سمجھ چکی ہوں' سب سمجھ چکی ہوں' آپ بے فکر رہیں' دوبارہ نہیں کہوں گی آپ کو۔" اس نے یوں ہی ناراضی سے کہتے ہوئے اپنا بیگ بھی اٹھا لیا تھا۔
"لیکن تم جا کہاں رہی ہو؟" دل آور نے جلدی جلدی ناشتا ختم کیا اور نیپکن سے ہاتھ پونچھتے ہوئے کرسی دھکیل کر کھڑا ہو گیا تھا۔
"واپس اپنے گھر۔" اس کے لہجے میں ہنوز ناراضی تھی اور دل آور اس کی ناراضی نہیں سہہ سکتا تھا۔ اس نے ہتھیار ڈال دیے تھے۔
"ٹھہرو۔۔۔ چلتا ہوں۔" وہ اسے کہہ کر اپنا موبائل اور والٹ لینے کے لیے چلا گیا تھا اور مدحیہ نیچے کھڑی اپنی فتح مندی پہ مسکرا رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

"کیا بات ہے ثروت؟ کیوں پریشان ہو؟" اسرار آفندی بیوی کے چہرے کی پریشانی بھانپ چکے تھے' وہ کافی دیر سے بیڈ سے ٹیک لگائے ایک ہی پوزیشن میں بیٹھی ہوئی تھیں اور ٹی وی دیکھتے اسرار آفندی نے پوچھ ہی لیا تھا۔
"میں اپنے بیٹوں کی طرف سے پریشان ہوں' جن پہ آپ نے کبھی دھیان ہی نہیں دیا' کبھی غور ہی نہیں کیا کہ وہ

کیا کر رہے ہیں اور کیا نہیں؟" ثروت بیگم تو جیسے ان کے پوچھنے کے ہی انتظار میں تھیں، فوراً" شروع ہو گئی تھیں۔

"کیا مطلب کہ بیٹوں کی طرف سے پریشان ہوں؟ کیا ہوا ہے آخر؟" انہوں نے ٹی وی کا والیوم کم کر دیا تھا۔

"آذر کو دیکھا ہے آپ نے؟ عجیب قنوطی سا ہو گیا ہے۔ سیدھے طریقے سے بات ہی نہیں کرتا۔ جب سے حویلی میں منصور حسین اور وہ علیزے والا مسئلہ ہوا ہے، تب سے یوں دیوانہ بنا پھر رہا ہے، اس کے کہیں آنے کی خبر ہے نہ جانے کی، پہلے تو وہ کبھی ایسا نہیں کرتا تھا۔" ثروت بیگم کے لہجے میں پریشانی ہلکورے لے رہی تھی اور اسرار آفندی گہری سانس کھینچ کے رہ گئے تھے۔

"ہاں... جانتا ہوں، وہ بہت اپ سیٹ لگ رہا ہے آج کل... لیکن ہم سب کیا کر سکتے ہیں اب؟ وہ مسئلہ ہی کچھ ایسا رونما ہوا ہے کہ سب کے سب ڈسٹرب ہو کے رہ گئے ہیں۔" اسرار آفندی کا لہجہ دھیما پڑ گیا تھا۔

"سب کے سب نہیں... وہ کچھ زیادہ ہوا ہے، اس نے زیادہ اثر لیا ہے، باقی سب روٹین پہ آ گئے ہیں، صرف وہی ہے جو ایک ہی جگہ پہ ٹھہرا ہوا ہے، سب کام کرتا ہے پھر بھی لگتا ہے کہ وہ اندر سے منجمد ہے، پگھل نہیں رہا۔" اسرار آفندی خود بھی فکر مند ہو رہے تھے۔ لیکن ثروت بیگم کی پریشانی دیکھتے ہوئے انہیں الٹا ان کی ہمت بندھانی پڑی تھی۔

"تم پریشان مت ہو... ان شاء اللہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ وقت خود بہت بڑا مرہم ہے۔ گہرے سے گہرا زخم بھی مندمل کر ڈالتا ہے۔ اس حویلی کی عزت و غیرت پہ یہ زخم ابھی تازہ ہے اور تازہ زخم ہمیشہ اٹھتے بیٹھتے درد دیتا ہے، تکلیف دیتا ہے، اور آذر بھی آج کل اسی تکلیف سے گزر رہا ہے، جو ثوت، زین اور حماد وغیرہ ابھی ناسمجھ اور لاابالی دور سے گزر رہے ہیں، وہ اس زخم کی گہرائی کو اور اس زخم کی تکلیف کو نہیں سمجھ سکتے، لیکن آذر بہت حساس اور سمجھ دار لڑکا ہے، وہ اس زخم کی گہرائی سے نکل ہی نہیں رہا... مگر بے فکر رہو... وقت خود بخود ہی اسے دنیاداری کی طرف موڑ دے گا... نارمل ہو جائے گا وہ بھی... مگر وقت لگے گا، بس تم حوصلہ رکھو۔" انہوں نے ثروت بیگم کے ہاتھ کو تھپکتے ہوئے تسلی دی تھی۔

"لیکن اسرار... ہمیں اب اولاد کے بارے میں کچھ سوچنا چاہیے، یوں سب کچھ وقت کے دھارے پہ چھوڑ دینا بھی تو ٹھیک نہیں ہے نا؟" ثروت بیگم خاصی متفکر اور پریشان ہو رہی تھیں۔

"کیا سوچنا چاہیے؟ کیا کہنا چاہتی ہو تم؟" وہ اب پوری طرح سے متوجہ ہو چکے تھے۔

"آذر کی شادی کے بارے میں کیا خیال ہے آپ کا؟"

"آذر کی شادی؟ مگر ثروت یہ سب کیسے ممکن ہے؟ حویلی کے حالات تو تم خود ہی جانتی ہو، ایسے حالات میں کیا ہو سکتا ہے بھلا؟" اسرار آفندی کو ان کی بات کچھ اچھی نہیں لگی تھی۔

"حویلی کے حالات اب کبھی پہلے جیسے نہیں ہو سکتے اسرار... اب جو بھی کرنا ہے، ہم نے انہی حالات میں کرنا ہے، جوان اولاد کو آزاد نہیں چھوڑنا چاہیے، ایک نتیجہ تو آپ لوگ دیکھ ہی چکے ہیں اور اس سے پہلے کہ باقی اولادیں بھی اپنی من مانی کریں، ہمیں خود ہی ان کو اپنے اپنے کھونٹے سے باندھ دینا چاہیے، میں نے کومل کے لیے سوچا ہے۔ آذر کی دلہن وہی بن سکتی ہے، گھر کی بیٹی ہے، دیکھی بھالی ہے، اس کے ساتھ کھڑی اچھی لگے گی، آپ کا کیا خیال ہے؟" ثروت بیگم نے اپنی بھانجی اور ان کی بھتیجی کا نام سامنے رکھا تھا، لیکن اسرار آفندی سوچ کے رہ گئے تھے۔

"ہمارے خیال اللہ نے رد کر دیے ہیں، ہم اب کیا کر سکتے ہیں بھلا؟" اسرار آفندی کے خیال میں علیزے کی شبیہ لہرائی تھی۔ ان کے ذہن میں جب بھی بہو کا خیال آتا تھا تو علیزے کا تصور ہی ذہن کے پردے پہ اجاگر ہوتا تھا۔ لیکن اب وہ کیا کر سکتے تھے بھلا؟ سب کچھ الٹ ہو گیا تھا۔

"آپ چپ کیوں ہو گئے ہیں اسرار؟ کیا آپ کو اچھا نہیں لگا۔"

"نہیں... ایسی بات نہیں ہے۔ بس کوئی بھی فیصلہ کرنے سے پہلے آذر سے ضرور پوچھ لینا، زندگی اس کی ہے، اس نے بسر کرنی ہے، آخری فیصلہ بھی اسی کا ہونا چاہیے۔" اسرار آفندی نے گہری سانس کھینچتے ہوئے ٹی وی آف کر کے لیمپ جلا دیا تھا اور ثروت بیگم شوہر کی اداسی اور دل گرفتگی دیکھ کر چپ ہو گئیں۔ وہ سونے کے لیے لیٹ چکے تھے۔

☆ ☆ ☆

"مدحیہ..." دل آور نے شاپنگ مال کی پارکنگ سے گاڑی نکال کر روڈ پہ ڈالتے ہوئے اپنے ساتھ فرنٹ سیٹ پہ بیٹھی مدحیہ کو پکارا تھا اور وہ چونک گئی تھی۔

"جی بھائی...؟" وہ اس کی اتنی زیادہ سنجیدگی پہ ذرا پریشانی سے متوجہ ہوئی تھی۔

"مجھے ایک بات تو بتاؤ۔" وہ ہنوز سنجیدہ تھا۔

"جی پوچھیے۔" مدحیہ کا دل بری طرح سے دھڑک اٹھا تھا۔

"تم نے آج مجھے میرے کس گناہ کی سزا دی ہے۔" دل آور کا اشارہ آج کی شاپنگ کی طرف تھا اور مدحیہ اس کی بات کا مفہوم سمجھتے ہی کھلکھلا اٹھی تھی۔

"یہ سزا ہے؟" وہ شرارت سے چھیڑنے والے انداز میں پوچھ رہی تھی، کیونکہ اس نے واقعی آج اسے خوب تنگ کیا تھا۔

"یہ سزا نہیں تو اور کیا ہے؟ صبح ساڑھے گیارہ بجے گھر سے نکلے تھے اور اس وقت شام کے پانچ بج رہے ہیں۔" دل آور نے اپنی گھڑی سامنے کی تھی۔

"اف بھائی... ایک گھنٹہ تو آئس کریم کھانے اور لنچ کرنے میں ہی لگ گیا تھا؟" وہ خفگی سے جھنجلا کے بولی تھی۔

"اور باقی کے ساڑھے چار گھنٹے..." دل آور نے گھور کے دیکھا تھا۔

"ڈونٹ وری بھائی! آج آپ یہی سوچیے گا کہ آپ نے آج کا دن میرے نام کر دیا ہے۔" وہ لاپروائی ظاہر کرتے ہوئے چہکی تھی۔

"وہ تو کر ہی دیا ہے... اب یہ بھی کوئی کہنے کی بات ہے بھلا؟" دل آور نے تعجب سے کہا تھا۔

"بھائی..." مدحیہ اس کے انداز پہ چیخ اٹھی تھی اور دل آور بے ساختہ قہقہہ لگا کے ہنسا تھا، بے شک مدحیہ نے اسے آج اپنے ساتھ بہت خوار کیا تھا۔ لیکن پھر بھی مدحیہ کی چھوٹی چھوٹی شرارتوں اور باتوں میں اس کا دن اچھا گزر گیا تھا۔ حالانکہ مدحیہ نے اس کا والٹ اچھا خاصا خالی کیا تھا، لیکن اسے پھر بھی کوئی پروا نہیں تھی۔ مدحیہ کے ساتھ اتنے عرصے بعد ٹائم گزار کے اسے بہت خوشی ہوئی تھی اور یوں ہی اس کی کسی بات پہ ہنستے ہوئے دل آور کی نظر جائنا ورکشاپ کے سامنے سے گزرتے ہوئے چونک گئی تھی اور اس نے اسپیڈ کم کرتے ہوئے ایک سائیڈ پہ بریک لگا دیے تھے۔ پھر رفتہ رفتہ گاڑی کو بیک کرتے ہوئے ورکشاپ کے عین سامنے لے آیا تھا۔

"ارے... یہاں کیا ہوا ہے؟" وہ تشویش سے کہتا گاڑی سے نیچے اتر آیا اور اس کو نیچے اترتے دیکھ کر مدحیہ بھی چونک گئی تھی، کیونکہ جائنا ورکشاپ کے بورڈ پر اس کی اب نظر پڑی تھی۔ اس نے ٹھٹک کر دیکھا۔ وہاں بہت سے لوگ جمع تھے اور پولیس بھی نظر آ رہی تھی، مدحیہ کو یہ سب دیکھ کر بہت زیادہ پریشانی ہوئی تھی اور پریشانی تو

دل آور کو بھی ہوئی تھی جو گاڑی سے اتر آیا تھا۔
"السلام علیکم! کیا ہوا ہے یہاں؟" دل آور کی آواز پہ ایس ایچ او جمال احمد اور وہاں کھڑے باقی افراد نے چونک کے دیکھا تھا۔
"علیکم السلام! شاہ صاحب' آپ یہاں؟" ایس ایچ او جمال احمد نے سب کو چھوڑ چھاڑ کے اس سے ہاتھ ملایا تھا۔
"بس یہاں سے گزر رہا تھا تو لوگوں کا یہ ہجوم دیکھ کر رک گیا۔۔۔ کیا ہوا ہے آخر؟" اس نے ورکشاپ کی تباہ کن حالت دیکھتے ہوئے استفسار کیا تھا۔
"بس دو' تین روز پہلے ورکشاپ میں آگ لگ گئی تھی' تین گاڑیوں کا نقصان ہوا ہے۔ اس لیے گاڑیوں کے مالکوں نے ہنگامہ اٹھا رکھا ہے اور ادھر باؤ امتیاز کاشمیری سب کچھ ایک لڑکے پہ ڈال کے خود صاف دامن بچا رہے ہیں۔" ایس ایچ او جمال احمد نے اسے ساری سچویشن بتائی تھی اور دل آور لڑکے کے ذکر پہ ٹھٹکا تھا۔
"کس لڑکے پہ۔۔۔؟"
"وہی جسے باؤ امتیاز نے سارے ورکشاپ کا انچارج بنا رکھا تھا۔ عدیل عمر نیازی۔۔۔" ایس ایچ او جمال احمد نے اس کا پورا نام دہرایا تھا۔
"اوہ۔۔۔ عدیل عمر۔۔۔؟" دل آور کو سن کر افسوس ہوا تھا۔ عدیل کے ساتھ تو اس کی دو' تین مرتبہ ملاقات بھی ہو چکی تھی۔
"کہاں ہے وہ۔۔۔؟" دل آور نے مزید استفسار کیا تھا۔
"تھانے میں۔۔۔" وہ تو اسی رات گرفتار ہو گیا تھا۔ ایس ایچ او جمال احمد کو بھی جیسے اس کی گرفتاری کا افسوس تھا۔
"کون سے تھانے میں؟" اس کا لہجہ پُرسوچ تھا۔
"سٹی تھانے میں۔۔۔" ایس ایچ او جمال احمد چھوٹے (شہریار) سے عدیل کے حالات کا سارا قصہ سن چکے تھے۔ اسی لیے وہ باؤ امتیاز کے اس الزام کے خلاف تھے اور اس وقت اپنی نگرانی میں ساری انکوائری دوبارہ کروا رہے تھے۔
"ٹھیک ہے پھر ایس ایچ او صاحب۔۔۔ اس وقت چلتا ہوں میں' آپ سے تھانے میں ہی ملاقات ہوگی اب۔" مدحیہ کا خیال آتے ہی دل آور کو مزید وہاں ٹھہرنا مناسب نہیں لگا تھا اور ایس ایچ او جمال احمد سے ہاتھ ملا کر وہاں سے پلٹ آیا تھا۔ لیکن اس کو واپس پلٹتے دیکھ کر ذرا فاصلے پہ کھڑے چھوٹے کا سکتہ ٹوٹ گیا تھا' وہ حواسوں میں لوٹتے ہی دل آور کے پیچھے بھاگا تھا اور تب تک دل آور اپنی گاڑی کا دروازہ کھول چکا تھا۔
"رکیے سر۔۔۔ بات سنیے پلیز۔" وہ بھاگتا ہوا اس کے قریب آیا تھا۔ دل آور چونک کے پیچھے پلٹا تھا۔
"ارے چھوٹے تم۔۔۔؟" دل آور کو اسے دیکھ کر خوشی ہوئی تھی۔
"ہاں۔۔۔ مم۔۔۔ میں۔۔۔ لیکن اگر میں غلطی پر نہیں تو۔۔۔ تت۔۔۔ تو آپ شاید منصور حسین۔۔۔؟" چھوٹے نے بات ادھوری چھوڑ دی تھی۔ وہ اتنے بڑے آدمی کے سامنے بے ربط سا ہو گیا تھا وہ غلطی نہیں کرنا چاہتا تھا' حالانکہ وہ کافی دیر سے دل آور کو بار بار دیکھ رہا تھا اور ہر بار غور سے دیکھ رہا تھا۔ وہ ہو بہو منصور حسین تھا' بس چہرے پہ داڑ اور عام سے سادہ سے لباس کی کمی تھی کیونکہ اس وقت جو آدمی اس کے سامنے موجود تھا اس کا چہرہ داڑھی وغیرہ سے صاف تھا اور لباس بھی قیمتی تھا۔ البتہ چال ڈھال تو پہلے بھی شاہانہ تھی اور اب بھی شاہانہ تھی۔
"نہیں۔۔۔ تم غلطی پر نہیں ہو۔۔۔ میں ہی منصور حسین ہوں۔۔۔ لیکن میرا اصل نام دل آور شاہ ہے۔۔۔ البتہ

کورٹ کچہریوں میں لوگ بیرسٹر دل آور شاہ کے نام سے جانتے ہیں۔۔۔ اس لیے اب تم بتاؤ کہ تم نے کس نام سے جاننا ہے؟" وہ دلچسپی سے پوچھ رہا تھا اور چھوٹے کی آنکھیں پھیل گئی تھیں۔
"بیرسٹر دل آور شاہ؟" اس نے زیر لب دہرایا تھا۔
"خیر چھوڑو۔۔۔ یہ وقت نہیں ہے زیادہ باتوں کا۔۔۔ یہ میرا کارڈ رکھ لو' کل مجھ سے ملنا' ان شاء اللہ عدیل جلدی باہر آجائے گا۔" دل آور نے اپنے والٹ سے کارڈ نکال کر اسے تھمایا تھا اور چھوٹے کے چہرے پہ خوشی اور بے یقینی کے رنگ دوڑ گئے تھے۔
"تھینک یو سر۔۔۔ تھینک یو سو مچ۔" چھوٹے نے بڑے پرجوش انداز اور ممنون لہجے میں اس کا شکریہ ادا کیا تھا۔
"ہوں۔۔۔ لگتا ہے کہ تم بھی صرف باہر کے منصور حسین ہو۔۔۔ ورنہ اندر سے تم بھی کچھ اور ہی ہو؟" دل آور کا اشارہ اس کے پڑھے لکھے ہونے پہ تھا۔
"سر۔۔۔ آپ کو تو پتا ہی ہوگا کہ کوئی بھی منصور حسین نہیں بنتا۔۔۔ دنیا بنا دیتی ہے۔" چھوٹے کا لہجہ خاصا گہرا تھا۔
"گڈ۔۔۔ تمہاری اس بات پہ انعام ہونا چاہیے تھا' لیکن میں اس وقت ذرا جلدی میں ہوں' میرے ساتھ میری سسٹر ہے' اسے گھر ڈراپ کرنا ہے' اس لیے تمہارا انعام ادھار رہا' ان شاء اللہ جلدی دوں گا' میں کسی کا ادھار نہیں رکھتا' پھر ملاقات ہوگی اللہ حافظ۔"
دل آور نے چھوٹے کے کندھے پہ ہاتھ رکھتے ہوئے اسے امید دلائی تھی اور پھر گاڑی کے کھلے دروازے سے اندر بیٹھ گیا تھا اور یوں ہی دل آور کو دیکھتے دیکھتے چھوٹے کی نظر فرنٹ سیٹ کی سمت اٹھی تھی اور وہ مدحیہ کو دیکھ کر ایک بار پھر ششدر رہ گیا تھا۔
"وہ دل آور شاہ کی بہن ہے؟" یہ انکشاف ہی اس کا دماغ ہلا کے رکھ گیا تھا اور دوسری طرف مدحیہ کا بھی برا حال تھا۔ اس کی دن بھر کی خوشی غارت ہو چکی تھی۔ عدیل عمر جیل میں ہے؟ یہ احساس اسے بے چین و بے کل کر گیا تھا۔
"کیا بات ہے میری جان؟ تم کیوں چپ ہو گئی ہو؟" اس نے موڑ کاٹتے ہوئے پوچھا تھا۔
"کچھ نہیں' بس تھک گئی ہوں۔" اس نے چہرہ جھکا لیا تھا اور پھر دل آور نے بھی زیادہ دھیان نہیں دیا تھا اور اسپیڈ بڑھا دی تھی۔

☼ ☼ ☼

"زری۔۔۔ زری۔۔۔ تمہارے لیے گڈ نیوز ہے یار۔" نگارش اندر سے تقریباً بھاگتی ہوئی باہر آئی تھی اور باہر لان چیئرز پہ بیٹھی زری نگارش بھابھی کے اتنے جوش و خروش پہ یک دم چونک گئی تھی۔
"میرے لیے گڈ نیوز؟" زری نے ذرا حیرت کا اظہار کیا تھا۔
"ہاں۔۔۔ ایک نہیں بلکہ دو' دو گڈ نیوز ہیں۔" نگارش تو جیسے کھلی پڑ رہی تھی۔
"بتائیں نا؟ کیسی گڈ نیوز ہیں؟" زری کو تجسس ہوا تھا۔
"پہلے اپنے ان خوب صورت ہاتھوں سے یہ تازہ تازہ بھٹے چھیل کر نمک لگا کر پلیٹ میں سجا کے پیش کرو تو پھر سناتی ہوں یہ گڈ نیوز۔" نگارش اسے تنگ کرنے کے لیے اطمینان سے کہتی اس کے مقابل چیئر پہ بیٹھ گئی تھی اور زری اس کی فرمائش پہ حیرت سے دیکھنے لگی تھی۔
"ایسی بھی کیا بات ہے کہ پہلے میں آپ کی خوشامد کروں اور پھر بات سنوں؟" اس نے تعجب کا اظہار کیا تھا۔

"بس ایسی ہی کوئی بات ہے اور اس بات کے لیے تمہیں میری یہ خوشامد کرنا ہی پڑے گی۔" نگارش اپنی فرمائش سے پیچھے ہٹنے کے لیے تیار نہیں تھی اور زری چند سیکنڈ زیوں ہی دیکھتی رہی' پھر ڈھیلے ڈھالے انداز میں سامنے ٹیبل پہ رکھی باسکٹ میں سے مالٹے اٹھا کر چھیلنے لگی تھی' پھر ان کو کاٹ کر نمک لگا کر پلیٹ میں رکھ کے نگارش کے سامنے پیش کر دیا تھا اور نگارش اپنے سامنے رکھی پلیٹ دیکھ کر مسکرا دی تھی۔

"تو میری پیاری نند اور پیاری بہن تمہارے لیے گڈ نیوز یہ ہے کہ تمہاری بتول آنٹی لاہور آ رہی ہیں' وہ بھی صرف تمہارے لیے' تم سے ملنے کے لیے' ابھی ابھی ان کا فون آیا تھا۔" نگارش کی بات پہ زری کے چہرے پہ ایک پل کے لیے خوشی کا رنگ ابھر کر معدوم پڑ گیا تھا۔

"کیا بات ہے زری؟ تمہیں خوشی نہیں ہوئی سن کر۔" نگارش کو زری کی طرف سے کوئی بھی رد عمل نہ پا کر حیرت ہوئی تھی۔

"خوشی؟ کیسی خوشی بھابھی؟ جب بتول آنٹی کا بیٹا ہی مجھ سے مل کر خوش نہیں ہوتا تو مجھے بتول آنٹی سے مل کر کیسے خوشی ہو گی؟ کس رشتے کے حوالے سے؟ آخر خوش ہونے کے لیے کوئی رشتہ یا کوئی وجہ بھی تو ہونی چاہیے نا؟ بلاوجہ خوش ہونا بے وقوفی ہی تو ہے؟" زری کافی تلخ ہو رہی تھی اور نگارش چونک گئی تھی۔ اسے دل آور اور زری کی ملاقات کا تو پتا تھا' لیکن ملاقات میں ہونے والی باتوں کا نہیں پتا تھا۔

"کیوں۔۔۔ بتول آنٹی کا بیٹا کیوں خوش نہیں ہوتا؟ اسے کیا ہوا ہے؟" نگارش الجھن بھرے لہجے میں پوچھ رہی تھی۔

"ہونہہ۔۔۔ یہ تو وہی بتا سکتا ہے کہ وہ زری سے مل کر خوش کیوں نہیں ہوتا؟" زری کے لہجے کی تلخی ہنوز تھی۔

"ارے نہیں یار۔۔۔ اب وہ اپنی خوشی کا اظہار سب کے سامنے صاف کھل کر تو نہیں کر سکتا نا؟" نگارش کی وہی تسلیاں تھیں۔

"سب کے سامنے نہ سہی' مگر میرے سامنے تو کرے نا؟" زری اس کی تسلیوں پہ جھنجلا گئی تھی۔

"ہو سکتا ہے کہ وہ ایک ہی بار اپنی خوشی کا اظہار کرنے کے قائل ہوں؟" پھر ایک تسلی اور پھر ایک خوش فہمی' زری نے سر جھٹک دیا۔

"خیر چھوڑیں۔۔۔ آپ دوسری گڈ نیوز سنائیں؟ وہ کیا ہے؟" زری نے اس بات کو سمیٹ دیا تھا۔

"تمہیں پہلی پہ خوشی نہیں ہوئی تو دوسری پہ کیا ہو گی؟" نگارش کا جوش بھی دھیما پڑ چکا تھا۔

"یہ تو گڈ نیوز پہ ڈیپینڈ کرتا ہے کہ وہ کس کو کتنا خوش کرتی ہے؟ اگر کوئی نیوز سن کر کوئی خوش ہو جائے تو سمجھ جائیں کہ وہ واقعی گڈ نیوز ہے۔" زری نے اسے گڈ نیوز کی پہچان بتائی تھی۔

"او کے! مان لیتی ہوں۔۔۔ البتہ دوسری گڈ نیوز یہ ہے کہ ملک حق نواز کو گرفتار کر لیا گیا ہے۔ وہ مومنہ بی بی کے کیس کے سلسلے میں جیل جا چکا ہے۔" یہ گڈ نیوز نگارش نے بہت نارمل سے انداز میں سنائی تھی' جبکہ زری اچھل کے رہ گئی تھی۔

"واٹ۔۔۔ یہ کیا کہہ رہی ہیں آپ؟" اسے تو جیسے یقین ہی نہیں آیا تھا۔

"میں وہی کہہ رہی ہوں جو تم سن چکی ہو؟" نگارش نے کندھے اچکائے تھے۔

"لیکن بھابھی۔۔۔ اسے۔۔۔ اسے اریسٹ کس نے کروایا ہے؟" زری کو اشتیاق ہو رہا تھا یہ جاننے کا کہ یہ سب کس کا کارنامہ ہے؟

"اسی نے جو زری سے مل کر خوش نہیں ہوتا۔ وہی بتول آنٹی کا بیٹا۔" نگارش نے لاپروائی سے بتایا تھا۔

"ایسا کارنامہ بتول آنٹی کا بیٹا ہی کر سکتا ہے بھابھی۔۔۔ اور کوئی نہیں۔" زری کو پل بھر کے لیے اس پہ فخر ہوا تھا۔

"اوہ۔۔۔ تو اب اچھا لگ رہا ہے؟" نگارش نے اسے گھورا تھا۔

"اچھا نہیں بھابھی۔۔۔ پیارا لکھو۔۔۔ پیارا لگ رہا ہے۔" زری کو ملک حق نواز کے بارے میں جان کر بہت خوشی ہوئی تھی۔

"اور اگر ملک حق نواز پھر جیل سے باہر آ گیا تو۔۔۔؟" نگارش نے چھیڑا تھا۔

"تو جس نے ایک بار اسے جیل بھیجا ہے وہ دوبارہ بھی بھیج سکتا ہے۔" زری کا موڈ کچھ بہتر ہو چکا تھا۔

"تو تم لوگ اسے جیل ہی بھیجتے رہو گے؟" نگارش نے مذاق اڑایا تھا۔

"وہ ہے ہی جیل بھیجنے کے لائق۔۔۔ ساری عمر جیل کی چکی میں بند رہے تو بھی کم ہے۔" زری غصے اور نفرت سے مٹھیاں بھینچتے ہوئے بولی تھی۔

"زری۔۔۔ یقین نہیں آتا کہ تم اور عبداللہ اسی فیملی سے ہو جس فیملی سے ملک حق نواز یا پھر ملک اسد اللہ ہیں' مجھے تم لوگوں کے علاوہ باقی ساری فیملی سے بہت خوف آتا ہے' بہت بے رحم لگتے ہیں سب۔" نگارش نے ڈرتے ڈرتے ہی سہی' لیکن اپنے خیالات کا اظہار کر ہی دیا تھا۔

"ہم جیسا کوئی اور بھی تھا بھابھی! جو اس فیملی سے نہیں لگتا تھا' جو بے رحم اور سنگ دل نہیں تھا' جو عیاش اور بدکردار نہیں تھا' جو اس فیملی میں سب سے اچھا تھا اور وہی اس فیملی کو سب سے پہلے چھوڑ گیا۔" زری کا خیال اور سوچیں بہت پیچھے چلے گئے تھے اور دل سے ایک ٹھنڈی آہ ابھری تھی۔

"کون۔۔۔ کس کی بات کر رہی ہو؟" نگارش نے بے ساختہ پوچھا تھا۔

"چچا وجاہت علی کی بات کر رہی ہوں' بس اب تو ان کے دھندلے دھندلے سے نقش بھی ذہن کی سلیٹ سے مٹ گئے ہیں۔ آخر بائیس سال کا عرصہ کچھ کم نہیں ہوتا' اس وقت تو میں تھی بھی چھوٹی سی' لیکن مجھے یاد ہے وہ بہت پیار کرتے تھے ہم سے۔۔۔ مجھ سے بھی اور عبداللہ بھائی سے بھی۔" زری کا لہجہ پرانی یادوں کے ذکر سے بوجھل ہو گیا تھا۔

"ان کے اپنے کتنے بچے تھے؟" نگارش بھی سنجیدہ ہو چکی تھی۔

"تین۔۔۔ دو بیٹے اور ایک بیٹی۔" زری آہستگی سے بولی تھی۔

"تو تم لوگ ان سے ملتے کیوں نہیں ہو؟ وہ کزن ہیں تمہارے' خون کا رشتہ ہے ان سے؟" نگارش نے تعجب سے کہا تھا۔

"وہ جب ہم سے بچھڑے تھے تو بابا جان نے ان پہ واپسی کے اور ان سے ملنے کے سارے دروازے بند کر دیے تھے۔ سب کچھ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا تھا انہوں نے۔" وہ اداس ہو چکی تھی۔

"انہوں نے تو تم لوگوں پہ بھی واپسی کے دروازے بند کر دیے ہیں؟ اور میرا خیال ہے اب چچا وجاہت علی کے بچوں کو اور تم لوگوں کو مل کر ایک ساتھ ہو جانا چاہیے۔" نگارش نے ایک نیا مشورہ دیا تھا۔

"ہمیں کیا پتا کہ اب وہ کہاں ہیں؟ کیسے ہیں؟ کس حال میں ہیں اور وہ ہمارے بارے میں کیسا سوچتے ہیں؟" زری نے نفی میں سر ہلایا تھا۔

"کیوں؟ تمہاری چچی نے کیا دوسری شادی کر لی تھی؟" نگارش سوالیہ نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

"کچھ پتا نہیں' ان کی بعد کی لائف کے بارے میں ہم کچھ نہیں جانتے' انہوں نے شادی کی یا نہیں کی؟ کچھ علم نہیں ہے۔" زری نے نفی میں گردن ہلائی تھی۔

"لیکن یار' یہ سب جاننا کچھ مشکل تو نہیں ہے؟ آج کل انٹرنیٹ کے دور میں گھر بیٹھے ہی سب کچھ ممکن ہو سکتا ہے۔" نگارش کے کہنے پہ زری محض سر ہلا کے رہ گئی تھی اور دل بے طرح اداس ہو چکا تھا۔

☆ ☆ ☆

اس کے چہرے پہ دو آنکھیں نہیں تھیں' دو زخم تھے۔ ایسے زخم جن سے آنسوؤں کی جگہ خون رس رہا تھا اور اب تو وہ پلکیں بھی جھپکتی تھی تو درد ہوتا تھا اور اس درد کی اذیت سے بچنے کے لیے وہ پلکیں جھپکنے کی بجائے آنکھیں بند کیے لیٹی تھی اور اپنی دونوں کلائیاں اپنے چہرے پہ رکھی ہوئی تھیں کہ اس کی آنکھیں کہیں غلطی سے بھی جھپکنے کی اور حرکت کرنے کی گستاخی نہ کریں' آخر وہ دو دن سے مسلسل رو رہی تھی اور آنکھوں کا حشر ہو چکا تھا۔ گل بھی کافی دیر سے نہیں آئی تھی اور وہ خود بھی کافی دیر سے یوں ہی بے حس و حرکت پڑی ہوئی تھی۔ یوں سیدھے لیٹے لیٹے پورا جسم جیسے اکڑ سا گیا تھا۔ نیچے فرش پہ بچھے فوم کے گدے کے باوجود فرش کی ٹھنڈک محسوس ہو رہی تھی مگر پھر بھی وہ وہاں سے اٹھی نہیں تھی۔

لیکن ایک خیال تھا... بہت منہ زور... اور بہت تیز رفتار... ذہن میں کوندے کی طرح لپکا تھا اور وہ یک دم اٹھ کر بیٹھ گئی تھی اور پھر اس سے اس بیسمنٹ میں ٹھہرنا مشکل ہو گیا تھا۔ وہ ہمیشہ کی طرح آج بھی ننگے پیر باہر کو بھاگی تھی۔ اس کے لیے ایک یہ بھی آسانی تھی کہ بیسمنٹ کا دروازہ اکثر کھلا ہی رہتا تھا۔ شاید اس لیے کہ دل آور کو پورا یقین تھا کہ وہ کبھی بھی کہیں بھاگ نہیں سکتی۔ بے شک وہ اپنے گھر کا گیٹ بھی کھلا چھوڑ کے چلا جائے تو وہ نہیں بھاگے گی اور یہ بھی سچ ہی تھا۔ اس وقت بھی وہ بھاگ نہیں رہی تھی۔ بس یہاں سے نکلنے کے لیے ہاتھ پیر مارنے کی کوشش کر رہی تھی اور اس کوشش کے لیے اسے چند سیکنڈز میں ہی بہت زیادہ ہمت مجتمع کرنی پڑی تھی۔

وہ بڑے تیز قدموں سے بھاگتی ہوئی باہر آئی تھی اور دل ہی دل میں دعا کر رہی تھی کہ کسی سے بھی سامنا نہ ہو اور ایسا ہی ہوا تھا' وہ گل وغیرہ کی نظروں سے بچتی ہوئی اوپر آ گئی تھی۔ اسے دل آور شاہ کے بیڈ روم میں جانا تھا' لیکن اسے نہیں پتا تھا کہ اس کا بیڈ روم کون سا ہے؟ اس نے سامنے نظر آنے والے بیڈ رومز کے دروازوں کے ہینڈل گھما کے دیکھے تھے جو کہ لاک تھے اور رفتہ رفتہ سب سے لاسٹ والے بیڈ روم کا لاک اوپن ملا تھا۔ اس نے آہستگی سے ہینڈل گھمایا اور دروازہ کھل گیا تھا۔ جس پہ علیزے کا دل کنپٹیوں میں دھڑکنے لگا تھا اور ماتھے پہ پسینے کے قطرے چمکنے لگے تھے۔ وہ پہلی بار... زندگی میں پہلی بار ایسی کوئی چوروں والی حرکت کر رہی تھی۔ تب ہی اس کا برا حال تھا۔ ہاتھ پیر کانپ رہے تھے۔ لیکن اب وہ واپس نہیں جا سکتی تھی۔ اب اسے دل آور شاہ کے آنے سے پہلے پہلے کچھ تلاش کرنا تھا۔ جس کے لیے اسے مزید ہمت کرنا پڑی اور وہ اندر آ گئی تھی۔

——— نفاست سے سجا خوب صورت اور تقریباً" سادہ سا بیڈ روم اس کے سامنے تھا۔ وہ ادھر ادھر دیکھتی ہوئی تیزی سے الماری کی طرف بڑھی تھی اور الماری کے پٹ اس نے چوپٹ کھول دیے تھے اور کافی عجلت میں اس کی چیزوں کو الٹ پلٹ کرنے لگی تھی۔ پھر اس کی نظر اس کے بریف کیس کی سمت اٹھی تھی اور اس نے اک جھٹکے سے وہ بریف کیس بھی الماری سے نکال لیا تھا اور اسے بیڈ پہ رکھ کر اس کے نمبر پریس کرنے لگی تھی' لیکن وہ کلک نہیں ہو رہے تھے... وہ بار بار کوشش کر رہی تھی' لیکن ہر بار ناکامی ہو رہی تھی۔

"ون زیرو ون پریس کرو... کھل جائے گا۔" علیزے کا اس کی آواز پہ اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا تھا۔ دل آور شاہ کی آواز نے اس کی روح کھینچ لی تھی۔ اسے ریڑھ کی ہڈی میں سنسنی سی دوڑتی ہوئی محسوس ہوئی تھی۔

(باقی آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں)

☆ ☆

حنا یاسمین

آرزو کیا ہے

آنٹی کی کوئی تیسری کال تھی۔ اب میں نے جلدی جلدی دفتری امور سمیٹے جب کوئی گمبھیر مسئلہ درپیش ہوتا تو تب ہی آنٹی یوں کال پہ کال کرتی تھیں۔ باہر ہوتی کن من بوندوں سے بچنے کے لیے میں نے پارکنگ ایریا تک چھتری کا استعمال کیا۔ پھر گاڑی میں بیٹھ کر امبریلا (چھتری) پچھلی سیٹ پر رکھ دی۔

اسلام آباد کی صاف شفاف سڑکوں پر گاڑی دوڑاتے اس حسین موسم میں ہلکے میوزک کے ساتھ تو لطف دوبالا ہو جاتا۔ پر آج تو میوزک کی طرف بھی کوئی دھیان نہ تھا۔ آنٹی کی فکر ہو رہی تھی۔ وہ یونہی ایک ہفتے بعد مجھے وقتاً" فوقتاً" یاد کر لیتیں۔ انکل کی ڈیتھ کے بعد میں نے آنٹی کی جس طرح سے دلجوئی کی تھی' آنٹی کو مجھ سے خاص انسیت سی ہو گئی تھی۔ پھر فواد کے امریکہ چلے جانے کے بعد میں نے آنٹی کی سگے بیٹوں سے بڑھ کر خبر گیری کی۔ نتیجتاً" آنٹی اپنے سارے نجی مسئلے مجھ سے ڈسکس کرنے لگیں۔ انکل کی ڈیتھ سے پہلے میں فواد کی وجہ سے یونہی ان کے گھر کا چکر لگاتا تھا جیسے فواد کے دوسرے فرینڈز' پر اب اس گھر میں میری ایک نمایاں حیثیت تھی۔ مسئلہ کوئی بھی نہیں۔ بس مجھے ماں کی کمی فیل ہوتی تھی۔ اس طرح سے مجھے ماں مل گئی اور فواد کے امریکہ چلے جانے کے بعد آنٹی کو بیٹا مل گیا اب اگرچہ فواد آ گیا تھا مگر میری اہمیت پھر بھی کم نہیں ہوئی تھی۔

وہ شاید میرے انتظار میں ہی بیٹھی تھیں اس لیے مجھے لاؤنج میں ہی مل گئیں۔

"کیسے ہو حماد بیٹا! بس جلدی سے تمہیں بلوانا پڑا۔ اس لڑکے کے ہاتھوں میں اتنی تنگ آئی ہوئی ہوں۔ یقین مانو میری پریشانیوں میں اضافہ ہی ہو رہا ہے۔ مجال ہے جو ایک پل کا بھی سکون لینے دے۔" میرے کندھے پر پیار سے ہاتھ پھیر کر وہ خود سامنے والے صوفے پر جا بیٹھیں جبکہ میں نے ٹانگیں پھیلائے بڑے اطمینان سے نیچے قالین پر بیٹھ کر کشن سے ٹیک لگالی۔

"کیوں پھر کوئی کارنامہ سرانجام دیا ہے۔" فواد کی فطرت سے میں بخوبی واقف تھا۔ وہ وہ بات نکالتا اور اس نکتہ پر سوچتا جس پر نارمل انسان کم ہی جاتے تھے۔ یقیناً" اب بھی ایسا ہی کوئی شوشا چھوڑا ہوگا اس سے یہی توقع کی جاسکتی تھی۔

"فواد نے سارا سے منگنی توڑ دی ہے۔ تم سمجھ سکتے ہو۔ میرا بھائی کیا سوچے گا۔ بھاوج تو خیر برا بھلا ہی کہے گی۔ میری اتنی پیاری بھتیجی جس میں آج اسے سو نقص نظر آرہے ہیں۔" آنٹی روہانسی ہو رہی تھیں۔

"آنٹی پریشان نہ ہوں آپ کو اس کا اچھی طرح پتا ہے۔ اس کا innovative مائنڈ کوئی نئی بات سوچ بیٹھا ہوگا۔ میں اس سے بات کروں گا۔ ابھی آپ منگنی وغیرہ نہ توڑیں۔" میں اسی اطمینان سے بولا۔

آنٹی نے امید بھری نظروں سے میری طرف دیکھا۔

"جیتے رہو بیٹا! چائے پلواتی ہوں تمہیں۔" آنٹی نے اختر کو آواز دی چائے لانے کے لیے، میں ساتھ صوفے پر پڑے میگزین میں فواد کی تصویریں دیکھنے لگا۔ بلاشبہ وہ ایک خوبصورت ماڈل تھا۔ آج کل تو اس کے کافی ڈرامے ہٹ ہو رہے تھے اتنے میں اختر چائے لے آیا۔

"آنٹی! فواد آئے گا کب تک۔"

"بیٹا! آج تو میری صبح اس سے کھٹ پٹ ہوئی ہے۔ کچھ پتا نہیں۔"

"اوکے میں فون پر اس سے رابطہ کروں گا۔ آپ فکر مند نہ ہوں۔" میں چائے پی کے گھر آگیا۔ پر سارے راستے مجھے ایک چیز پریشان کرتی رہی کہ آخر سارا میں کیا کمی ہے۔ بلاشبہ وہ بے حد خوبصورت لڑکی ہے۔ پھر کنیئرڈ کی پڑھی ہوئی ہے۔ آخر اس گھونچوں کے دماغ میں کیا فتور آیا۔ اسی کشمکش میں میں نے اسے کال کی۔ بھلے ساری دنیا کے لیے وہ معروف و مصروف شخصیت ہو پر میری کال تو وہ ریسیو کر ہی لیتا ہے۔

"مجھے پتا ہے تم نے کس موضوع پر مجھ سے بات کرنی ہے۔ مما تم سے بات نہ کریں اٹس امپاسبل۔" اس کی بات پر میں زیر لب مسکرایا۔

"اینی وے میں ذرا فری ہو کر تمہاری طرف آتا ہوں۔ میں خود بھی تم سے بات کرنا چاہ رہا تھا۔ اس مسئلے کو ہینڈل کرنے میں تم میری مدد کرو۔ مما تمہاری بات زیادہ سنتی ہیں۔ اچھا میں آدھے گھنٹے تک پہنچتا ہوں۔"

وہ اپنی بات مکمل کرکے کال منقطع کرچکا تھا۔ میں نے حاجرہ کو رات کے کھانے میں چند اور ڈشز کا آرڈر کیا اور خود شاور لینے چلا گیا۔

"میں مانتا ہوں کہ سارا میں کوئی کمی نہیں ہے۔ پر یار لڑکی ایسی ہو جسے دیکھ کر میری دھڑکنیں تھم جائیں۔ جسے پانا میری اولین آرزو ہو۔ جو بہت منفرد ہو۔ ایک مکمل خوبصورتی ہو اس میں۔۔۔ جو عام لڑکیوں کی خوبصورتی میں بھی اسے معتبر کرے جس میں کوئی نقص نہ ہو۔ ایک دم پرفیکٹ۔۔۔"

ٹھیک آدھے گھنٹے کے بعد جب وہ میری طرف آیا تو میرے استفسار پر یہ گیت مالا اس نے مجھے سنایا۔

"دنیا میں تو کوئی چیز پرفیکٹ نہیں ہوتی۔ ہو سکتا ہے وہ لڑکی اتنی جینئس نہ ہو جتنی کہ سارا۔۔۔"

"اتنی تو جینئس ہو کہ مجھے سمجھ سکے۔۔۔" اس نے میری بات کو ہنسی میں اڑاتے ہوئے کہا۔

"پر تمہارے ماموں اور ممانی سے تم لوگوں کے تعلقات خراب ہو جائیں گے۔ پھر اس عمر میں آنٹی سے کس بات کا بدلہ لے رہے ہو۔ پہلے انکل کی ڈیتھ پر وہ افسردہ ہیں اوپر سے تم اپنوں کی بے رخی بھی انہیں سونپنا چاہتے ہو۔"

"سو واٹ یار لائف میری ہے۔ مجھے اختیار ہونا چاہیے کہ میں نے یہ کس کے ساتھ گزارنی ہے۔ جہاں تک مما کی بات ہے، تو انہیں بھی سمجھنا چاہیے کہ میں ان کا اکلوتا بیٹا ہوں۔ ماموں ممانی ناراض ہوئے ہیں تو کچھ عرصے تک ٹھیک بھی ہو جائیں گے۔"

اس کے انداز سے مجھے بخوبی اندازہ ہو گیا تھا کہ اسے اب مزید سمجھانا ناممکن ہے۔ اب مجھے آنٹی کو قائل کرنا تھا۔ جو فواد کو قائل کرنے کی بہ نسبت زیادہ آسان تھا۔

پھر مجھے ہی پتا ہے کہ اگلے پورے ہفتے میں میں نے آنٹی کو کس کس طرح سے فواد کی بات ماننے پر قائل کیا تھا۔ بس آنٹی نے چپ سادھ لی تھی اور فواد نے اپنا تراشا پیکر ڈھونڈنے کی سرتوڑ کوشش کرڈالی۔

یونہی کرتے کراتے ڈھائی سال ہو گئے۔ سارا کی شادی بھی ہو گئی۔ یہ ابھی تک کنوارے تھے۔ میرا بھی نکاح میری خالہ زاد کے ساتھ ہو گیا۔ بس ایک مہینے تک مجھے حدیقہ کو رخصت کروا کر اپنی تنہائی کا ساتھی بنانا تھا۔ وہ مہینہ بھی پلک جھپکتے گزر گیا۔ میری شادی پر آنٹی نے سگی ماؤں سے بڑھ کر ساتھ دیا اور فواد نے بھی دوست پلس بھائی کی کمی پوری کی تھی۔ شادی کے دوسرے دن ہی فواد کی ایمرجنسی کال آئی تھی۔ ایمرجنسی کا مطلب خدانخواستہ کوئی سیریس مسئلہ نہیں تھا۔ بس جب فواد کو فوراً" ہی بغیر انتظار کیے مجھ سے ملنا ہوتا تو وہ میری سیکریٹری سے ایمرجنسی کال کہہ کر اپنا مدعا بیان کر دیتا۔ اسی لفظ سے مجھے سمجھ آجاتی کہ مجھے جلدی اس سے ملنا ہے۔

جلدی جلدی کرتے بھی، اس کی طرف پہنچنے میں مجھے ایک گھنٹہ لگ گیا۔

"یار! مجھے میری پسند کی لڑکی مل گئی ہے۔" مجھے دیکھتے ہی وہ یہ الفاظ بولا۔ میں نے حیرت اور خوشی کی ملی جلی کیفیت سے اسے گلے سے لگالیا۔ میں اور آنٹی بڑے فکر مند تھے۔ اتنا عرصہ گزر گیا تھا محترم کو کوئی پسند ہی نہیں آرہی تھی۔

"وہ ویسی ہی ہے۔ اسے دیکھتے ہی میری دھڑکنیں بے ترتیب ہوئیں۔ جب اس نے پلکیں اٹھائیں تو مجھے لگا میرے ارد گرد سارا عالم سو گیا ہو۔ بس اس وقت صرف میں تھا اور وہ تھی۔۔۔"

"بس بس یہ بتا کہ وہ کون ہے؟ تم نے کہاں دیکھی۔"

اس کے مزید عاشقانہ ڈائیلاگ سے بچنے کے لیے میں نے جلدی سے دریافت کیا۔

"یار! اسے میں نے تمہاری شادی پر دیکھا تھا۔ پتا نہیں وہ کون ہے؟ بس وہ میری ہے۔ اللہ نے اسے میرے لیے ہی بنایا ہے۔ فواد بلال کے لیے ایسا ہی پرفیکٹ شاہکار ہونا چاہیے۔" وہ مصنوعی کالر کھڑے کرتے ہوئے بولا۔ اس کی خوشی اس کے انگ انگ سے پھوٹ رہی تھی۔

میں نے ملازم کو بھیج کر گھر سے اپنی شادی کی مووی منگوائی۔ ہم نے کمپیوٹر پر لگا کر اسے بار بار ریوائنڈ کرکے دیکھا۔ مجھے وہ مہندی کے فنکشن میں لڑکیوں کے جھرمٹ میں کھڑی نظر آگئی۔ وہ واقعی حسن کا شاہکار تھی۔ بڑی منفرد بڑی الگ۔ پرسوز سا حسن۔۔۔ سوئی جاگی سی آنکھیں۔۔۔ لانبی پلکیں۔

میں نے گھر جاتے ہی حدیقہ کو بھی مووی سے وہ سین نکال کر دکھایا۔

"یہ لڑکی کون ہے؟"

"ارے یہ تو شہرزاد ہے۔۔۔ ہمارے پڑوس میں ہی رہتی ہے۔۔۔ پر آپ۔۔۔" شاید وہ پوچھنا چاہ رہی تھی کہ آپ کیوں پوچھ رہے ہیں؟

"حدیقہ! اس کی کہیں منگنی وغیرہ ہوئی ہے۔" اس نے ناگواری سے میری طرف دیکھا۔ میں سمجھ سکتا تھا کہ وہ کیا سمجھے جا رہی ہے۔

"نہیں۔۔۔" وہ حیران ہوئی۔

"یار! فواد کے لیے اس کا ہاتھ مانگو۔۔۔" پھر میں نے شروع سے لے کر آخر تک فواد کی ساری تھنکنگ اسے بتائیں۔

"مگر تاقب!" شاید وہ کچھ کہنا چاہ رہی تھی۔

"یار اگر مگر کچھ نہیں وہ جو بھی ہے جیسی بھی ہے۔۔۔ ہمارے فواد کو پسند ہے۔ بس اب یہ بیل منڈھے چڑھنی چاہیے۔" میں نے خالصتاً" پنجابی میں کہا۔

"آنٹی بے چاری اس کی حرکتوں سے پہلے ہی بڑی پریشان ہیں۔" حدیقہ نے کندھے اچکا کر اثبات میں سر ہلا دیا۔

پھر آناً" فاناً" رشتہ طے ہوا۔ میں حیران تھا کہ وہ لوگ اتنی آسانی سے مان گئے۔ پھر ایک خیال یہ بھی آتا تھا کہ فواد بھی تو ہینڈسم ہے کسی بھی قسم کی کوئی کمی اس میں نہ تھی۔ شادی کی تاریخ بھی مقرر کرلی گئی۔ آنٹی البتہ کچھ اکھڑی اکھڑی سی تھیں۔ شاید سارا والا دکھ انہیں بھولا نہیں تھا۔ آخر بھتیجی تھی۔

پھر وہ مبارک دن آہی گیا۔ جب شہرزاد نقوی شہرزاد فواد بن کر آگئی۔ جس کسی نے دیکھا اس کی خوبصورتی نے سب کو مبہوت کیا تھا۔ میں خود بھی بڑا خوش تھا۔ جس طرح آنٹی نے میری شادی پر ماں والا مان دیا۔ اس طرح میں نے اور حدیقہ نے بھی انہیں بیٹے اور بیٹی والی حیثیت سے کمی محسوس نہ ہونے دی۔ دلہن کو رخصت کروا کے سارے مہمان بھگتا کر میں اور حدیقہ تھکے ماندے گھر کو آئے۔

"بڑی قسمت ہے۔۔۔ شہرزاد کی۔" حدیقہ اس پر رشک کیے جارہی تھی۔

"فواد بھی کم اچھی قسمت والا نہیں جو اتنی اچھی اسے بیوی ملی۔" میں نے بھی اس کی بات کا جواب دیا۔

"کچھ لوگ واقعی بڑے اعلا ظرف ہوتے ہیں۔ آنٹی اور فواد بھائی تو مثالی لوگ ہیں۔" حدیقہ کی بات پر میں نے ناسمجھی سے اس کی طرف دیکھا۔ پھر ڈیش بورڈ سے اپنی پسند کی سی ڈی اٹھا کر سانگ لگا دیا۔

ہم بھی ابھی نئے نویلے جوڑے تھے۔ سو کچھ تفریح ہمیں بھی چاہیے تھی۔ حدیقہ بھی گانا انجوائے کرنے لگی۔ ہم اپنی باتوں میں مگن تھے۔ جب میرے سیل پر فواد کی آتی مسلسل کال نے پہلے مجھے حیران اور پھر پریشان کیا تھا۔ اس وقت اس کی کال کی میں قطعی توقع نہیں کرسکتا تھا۔

میں نے کال ریسو کی۔

"ثاقب! میں۔۔۔ میں ہار گیا۔۔۔ میں ہار گیا یار! تقدیر کے ہاتھوں۔۔۔" پھر خاموشی چھاگئی۔

"فواد! فواد۔۔۔ یار کیا ہوا ہے۔" میں نے گاڑی سائیڈ پر روک لی تھی۔ کسی انہونی کے احساس نے میرا دل زور زور سے دھڑکنا شروع کردیا تھا۔

"یار! شہرزاد نہ بول سکتی ہے نہ سن سکتی ہے۔"

"She is deaf and dumb"

اس کے الفاظ سیسے کی طرح میرے کانوں میں پڑے تھے۔ میں نے خونخوار نظروں سے حدیقہ کو دیکھا۔ فواد کی کیفیت میں سمجھ سکتا تھا۔ وہ ہر چیز کے معاملے میں انتہا پسند تھا۔ حدیقہ سے میں نے غصے سے بازپرس کی۔ تو وہ بے چاری رونے بیٹھ گئی۔

"آپ نے ہی تو کہا تھا کہ جو بھی ہے جیسی بھی ہے۔۔۔ بس وہ ہمارے فواد کو بھاگئی ہے۔ پھر آنٹی کو تو پتا تھا۔" آنٹی کی چپ اور اکھڑا اکھڑا انداز مجھے اب سمجھ میں آیا تھا۔ فواد کی جو حالت ہورہی تھی وہ تو ہونی تھی۔ پر مجھے شدت سے یہ غزل یاد آنے لگی۔

اے دل ناداں۔۔۔ آرزو کیا ہے، جستجو کیا ہے۔۔۔

"بہت زیادہ ناشکرا پن ایسے ہی چن چڑھاتا ہے۔"

میری ڈانٹ پر حدیقہ نے اپنی خفت مٹانے کے لیے غصہ نکالا "اور میں تو خود "چپ شاہ" بن کر رہ گیا۔

میرا کاملیت پسند دوست مکمل شاہکار کی تلاش میں نگری نگری۔۔۔ ملکوں ملکوں بھی گھومتا تو بے داغ شے اسے ڈھونڈنے سے بھی نہ ملتی۔ بس اب تھوڑا اسے سمجھانا تھا۔ گو صدمہ تو اس کے لیے کافی بڑا تھا۔ پر کبھی کبھی اللہ کی ذات بندے کو اس کی "اوقات" کی پہچان کروانے کے لیے ایسے چھوٹے موٹے جھٹکے دیتی رہتی ہے۔

☆ ☆

مکمل ناول

سعدیہ عزیز آفریدی

اس کی ابھی ابھی آنکھ کھلی تھی اس نے اٹھنے کی کوشش کیے بغیر آلکسی سے وال کلاک کو دیکھا' ابھی صرف گیارہ بجے تھے۔

"میری آنکھ اتنی جلدی کیسے کھل گئی۔" یہ اس کا پہلا سوال تھا جو اس نے خود سے کیا تھا۔

"ویکیوم کلینر۔" اس نے برا سامنہ بنالیا۔

"یہ ضرور دادو ہوں گی انہیں ہی اتنی جلدی اٹھنے اور پھر دوسروں کی زندگی تباہ کرنے کی پرانی عادت ہے۔" وہ بڑبڑایا تھا مگر بیڈ سے اب بھی نہیں اٹھا تھا۔

"I Heat dadu۔" یہ اس کی پہلی مربوط سوچ تھی۔

"پتا نہیں دادو جیسے لوگ دنیا میں آتے ہی کیوں ہیں! نہ خود ڈھنگ سے جیتے ہیں نہ دوسروں کو جینے دیتے ہیں۔" اس بار وہ سوچتے ہوئے برا سامنہ بنا کر اٹھ گیا۔ اور سب سے پہلے اس کا ہاتھ سائیڈ ٹیبل پر رکھے ہوئے اپنے سگریٹ کیس اور لائٹر کی طرف بڑھا تھا اس نے سگریٹ کو بہت اسٹائل سے شعلہ دکھایا تھا۔

"اسموکنگ بہت سے لوگ کرتے ہیں مگر شہری تم جس طرح سگریٹ کو شعلہ دکھاتے ہوئے وہ سو یونیک سو پریٹی۔ یوں لگتا ہے جیسے خواہشوں کو آگ لگادی ہے کسی نے ایک دم سے اچانک سے' کسی سنتھ سادھو کی طرح۔" رات کی پارٹی میں دوہرایا جانے والا جملہ ایک بار پھر سے اس کے چہرے پر دل آویز مسکراہٹ پیدا کر رہا تھا۔

اس نے گہرے گہرے تین چار کش لیے تھے اور پھر سے "جوہی حماد" کے بارے میں سوچا تھا۔

"باقی لڑکیوں سے بہت الگ ہے وہ' کبھی کسی "پب" کی طرح پر شور خواہشوں سے لبریز نشیلی سی کبھی کسی اسٹوپا کی طرح مقدس سکون دھیان گیان بانٹتی ہوئی۔" اس نے سوچتے سوچتے ایش ٹرے میں سگریٹ بجھایا تھا اور اسی وقت اس کے کمرے کا دروازہ یکدم کھل گیا وہ برا سامنہ بنا کر سامنے کھڑی ہستی کو دیکھ رہا تھا۔

"آج آفس جانے کا کوئی ارادہ نہیں ہے؟" اس نے جواب دینے کے بجائے الماری کی طرف اشارہ کیا تھا۔

"میڈ سے کہہ کر میرا سفید شلوار سوٹ استری کروا دیں۔" بے زاری اس کے ایک ایک لفظ سے ظاہر تھی۔

"سفید شلوار سوٹ؟" خاتون نے سوالیہ دیکھا تھا۔

"آپ کے بیٹے کی برسی ہے دادو اس لیے۔"

"میرا بیٹا؟ وہ تمہارا باپ بھی تھا۔" دکھ ان خاتون کے چہرے پر یہاں سے وہاں تک پھیلا ہوا تھا۔

"ہاں تو اسی لیے یاد رکھا ہے کہ آج ان کی برسی ہے آپ کو تو یہ بھی یاد نہیں' بس ان کے سامنے ظاہر کرتی تھیں کہ آپ ان پر جان نچھاور کرتی ہیں۔"

"میں آج کے دن کم از کم تم سے کوئی جھگڑا نہیں کرنا چاہتی۔" وہ یکدم کھڑا ہو گیا تھا۔

"کیا آپ یہ کہنا چاہتی ہیں میں جاہل اور گنوار لوگوں کی طرح ہر وقت لڑتا جھگڑتا رہتا ہوں۔"

"تمہیں یہ کس نے کہا جاہل اور گنوار لوگ ہر وقت لڑتے جھگڑتے رہتے ہیں۔" وہ حیران ہوئی تھیں۔

"آپ کو دیکھ کر اندازہ ہے مجھے۔" بہت سفاک اور گستاخ لہجہ تھا اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں اور سامنے کھڑی خاتون بے قرار ہو رہی تھیں۔

"غصہ مت کرو تمہیں ڈاکٹر نے اسٹریس لینے سے منع کیا ہے۔"

"پلیز میرے سامنے یہ ڈرامائی تاثر نہ دیں مجھے پتا ہے آپ کو اپنے بیٹے کی طرح میرے مرجانے سے بھی کوئی دکھ نہیں ہوگا۔"

"مجھے دکھ نہیں ہوگا۔" وہ خاتون دروازہ تھام کر رہ گئیں۔

"تم سمجھتے ہو مجھے دکھ نہیں ہے اپنے بیٹے کے مرنے کا دکھ نہیں ہے' وہ میرا اکلوتا بیٹا تھا بھری جوانی میں مرگیا میری عمر بھر کی کمائی تھا وہ اور تم کہتے ہو مجھے اس کے مرنے کا غم نہیں۔" وہ کچھ بولا نہیں اپنے کپڑے لے کر واش روم میں گھس گیا۔

"یہ مجھ سے اتنی نفرت کرتا ہے' جتنی میں اس سے محبت کرتی ہوں پتا نہیں اس کی نفرت اس قدر طاقت ور کیوں ہے؟" وہ بڑبڑاتے ہوئے اس کے لیے میز پر ناشتا سرو کروا رہی تھیں' تین طرح کے اخبار ٹیبل پر دھرے تھے جوس کا جگ ہاف بوائل انڈا' بریڈ مارجرین' جیم وہ دس منٹ میں ناشتے کے ٹیبل پر تھا۔

"نینی! میرا سوٹ پریس ہوا؟" اس نے انہیں بالکل نظر انداز کر دیا تھا۔

"ناشتا تو دل سے کر لو' ہر وقت ادھر ادھر کے معاملات میں الجھے رہتے ہو۔" دادو نے آگے بڑھ کر نینی کے ہوتے ہوئے جگ سے جوس اس کے گلاس میں ڈالنے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔

"کیا میں نے ایسا کہا ہے آپ سے کرنے کے لیے۔"

اس کی آنکھوں میں ہلکا سا بھی انسیت کا احساس نہیں تھا' حالانکہ اس بچے کو انہوں نے دو سال کی عمر سے دن رات ایک کر کے پالا تھا ان کی زندگی کا ایک یہی محور مرکز تو تھا ان کے علی جواد کی پہلی اور آخری نشانی۔

"آج آپ کی پرفارمنس روز کے مقابلے میں کچھ زیادہ ہی ہے دادو۔"

"شہریار! تمہیں آخر مجھ سے اتنی نفرت کیوں ہے۔"

"سمپل دادو' مجھے آپ سے نفرت اس لیے ہے کیونکہ مجھے آپ سے محبت نہیں ہے اگر میرے اختیار میں ہو تو میں ایک سیکنڈ بھی آپ کے ساتھ نہ رہوں مگر جس طرح آپ نے مجھے وقت دے کر پالا ہے بھلے دنیا دکھاوے کے لیے ہی اس کی وجہ سے مجھے آپ کا تھوڑا سا خیال رکھنا پڑتا ہے کبھی کبھی میں سوچتا ہوں اولڈ ہوم واقعی ذہنی سکون کا کم قیمت حل ہے مگر لوگ کیا کہیں گے شہریار نے اپنی بوڑھی دادی کو عمر کے اس حصے میں گھر سے نکال دیا اور میں نہیں چاہتا پاپا کی طرح آپ بھی دنیا کے سامنے۔ ایک عظیم کردار بن کر ظاہر ہوں۔"

"تم چاہتے ہو میں تمہاری زندگی سے نکل جاؤں۔" دادو کو دکھ ہوا تھا۔

"ہاں عائشہ بی بی' میں چاہتا ہوں آپ میری زندگی سے نکل جائیں۔" نینی اور میڈ منہ پر ہاتھ رکھے حیرت زدہ رہ گئیں اور دادو کی آنکھوں کا دکھ۔۔۔

"شہریار۔۔۔" دادو کچھ اور کہہ ہی نہیں سکیں وہ ناشتا کر کے تیزی سے اٹھا اور کمرے میں آکر بے مصرف اپنی وارڈروب میں چیزیں ادھر سے ادھر کرنے لگا تھا۔

"میں نے جو کیا ٹھیک کیا' دادو اس رویے کی مستحق ہیں۔" تیز آواز میں اس نے پتا نہیں یہ بات کسے جتائی تھی اور تبھی اس کے موبائل پر رنگ ٹون بجی اس نے تیزی سے کال ریسیو کی۔

"او موم کہاں تھیں آپ' کل میں نے کتنا ٹرائی کیا آپ کا نمبر' مسلسل بزی جا رہا تھا۔" دوسری طرف وہی مسحور کر دینے والی آواز۔

"میں کل تھوڑی ڈسٹرب تھی شہری' کل پھر رضوان احمد نے مجھے ٹارچر کرنے کی کوشش کی وہ چاہتا ہے وہ ساری دنیا میں آزاد گھومے اور میں زندان میں

قید رہوں شہری دیکھ لینا اس رویے کو سہتے سہتے ایک دن میں مرجاؤں گی۔"

"موم پلیز ایسا پھر کبھی مت کہنا اس زندگی میں صرف آپ کی ذات ہی تو جزیرہ ہے میرے لیے جہاں میں سکون کے چند لمحے گزار سکتا ہوں' چین سے جی سکتا ہوں موم میں آپ کے بغیر بالکل تنہا ہوں' بالکل تنہا۔"

"میں بھی تمہارے بغیر بالکل اکیلی ہوں شہریار' اگر میرے ماں' باپ نے زبردستی میری شادی رضوان احمد سے نہ کی ہوتی تو میں تمہاری پرورش کے لیے ساری عمر اکیلی بھی جی سکتی تھی۔"

"میں جانتا ہوں موم' ساری دنیا نے مل کر آپ پر ظلم کیا ہے میرا بس چلے تو ساری دنیا کو آگ لگا دوں مگر پھر سوچتا ہوں اس دنیا میں میری موم بھی تو ہیں بس یہی سوچ کر دنیا کو معاف کرنا پڑتا ہے۔" اس کے لہجے میں والہانہ پن واضح تھا۔

"موم آج آپ میرے ساتھ لنچ کریں گی' مجھے آج پاپا بہت یاد آ رہے ہیں میں آپ کے ساتھ پاپا کی باتیں شیئر کرنا چاہتا ہوں' آپ کی گود میں سر رکھ کر آپ سے پیار لیے بہت سارے دن ہو گئے۔"

"شہریار ہم دو دن پہلے تو ملے تھے۔"

"موم آپ سے ایک دن دور رہتا ہوں تو لگتا ہے ایک سال سے نہیں دیکھا' بتائیں نا آج آپ مل رہی ہیں نا مجھ سے؟"

"میں وعدہ نہیں کرتی مگر رضوان کی نظر بچا کے آؤں گی ضرور' وہ میرا تم سے میل جول پسند نہیں کرتا' تم تو جانتے ہو نا اسٹوپڈ مین شاونزم۔"

"جی موم۔۔۔" شہریار نے گہرا سانس لے کر فون بند کر دیا پھر وہ تیار ہو کر کی چین اٹھا رہا تھا جب اچانک اسے چکر سا آیا تھا' اس نے دیوار کو پکڑ کر خود کو سنبھالا اور عین اس وقت دادو نے دروازہ کھولا اور گھبرا کر بھاگی آئیں۔

"شہریار' تمہیں پھر چکر آیا ہے نا' پھر تم نے اسٹریس لیا ہے نا کوئی۔" شہریار نے دادو کو دیکھا اور ان کے سہارے سے بیڈ پر بیٹھ گیا۔

"تمہاری بی پی ٹیبلٹ کہاں ہیں۔" دادو پورے کمرے میں ڈھونڈتی پھر رہی تھیں اس نے کوٹ کی جیب سے ٹیبلٹ نکال کر ایک گھونٹ پانی سے نگل لی اب آہستہ آہستہ اس کے سامنے سے منظر صاف ہوتا جا رہا تھا' دادو کی بے قراری پہ اسے کوفت ہوئی تھی۔

"آپ زیادہ خوش مت ہوں میں اتنی جلدی نہیں مرنے والا دادو۔" عائشہ خاتون کی آنکھوں میں نم پھیلا تھا۔

"میں کیوں چاہوں گی کہ تم کوئی تکلیف بھگتو تم میرے علی کی۔"

"پتا ہے مجھے میں علی جواد کی اولاد ہوں پتا نہیں ساری دنیا میں موم کو علی جواد ہی کیوں ملے تھے۔" وہ یکدم سے اٹھا مگر پھر چکرا گیا۔

"تم آج کہیں نہیں جا رہے ہو شہریار۔" دادو نے یکدم فیملی ڈاکٹر کو فون کر دیا تھا پندرہ منٹ بعد راشد کیانی اس کے روم میں تھے۔

"کیا کر لیا شیر جوان۔"

"کچھ خاص نہیں انکل یہ بس آپ کی مادام کو لگتا ہے میں بیمار ہوں حالانکہ آپ جانتے ہیں میں پاپا کی طرح کمزور دل کا انسان نہیں ہوں۔" ڈاکٹر راشد نے حیرت سے شہریار کا چہرہ دیکھا۔

"تمہیں کس نے کہا علی جواد ایک کمزور انسان تھا۔" شہریار نے لاابالی پن سے اسے دیکھا تھا۔

"ایسی باتیں چھپتی نہیں ہیں انکل سب لوگ کہتے ہیں اگر علی جواد کمزور انسان نہ ہوتے تو کبھی خود کشی نہ کرتے۔"

"میرے بیٹے نے خود کشی نہیں کی تھی' وہ ایک حادثہ تھا۔"

"یہ کہانی آپ کی گھڑی ہوئی ہے جو آپ نے پاپا کے انشورنس کی رقم کے لیے دنیا کو اور میڈیا کو سنائی' لوگوں کی ہمدردیاں حاصل کرنے کی چیپ حرکت۔"

"شہریار آپ کو اپنی دادو سے بات کرنے کی تمیز نہیں ہے کیا؟" ڈاکٹر راشد نے غصہ سے کہا تو شہریار کچھ نہیں بولا' ڈاکٹر راشد کیانی اس کا بلڈ پریشر چیک کر رہے تھے اور پھر ان کی حیرت اور پریشانی یکدم کمرے میں گونجی تھی۔

"یہ نارمل نہیں ہے ایک سو ستر اور ایک سو تیس ـــــ تم فی الحال کوئی کام نہیں کر رہے ہو تمہیں بیڈ ریسٹ کی سخت ضرورت ہے مجھے سمجھ نہیں آرہا کہ پچیس برس میں اتنا بلند فشار خون۔"

"میں آرام نہیں کر سکتا مجھے آج ایک بہت ضروری کام ہے۔" وہ بے زاری سے بولا تھا۔

"تمہیں آج کوئی ضروری کام کیسے ہوگا آج تو علی جواد کی برسی ہے۔"

"پتا ہے آپ نہ بھی بتائیں تب بھی مجھے پتا ہے میرے باپ کو مرے ہوئے تیئیس برس ہو چکے ہیں۔ سخت' بے کیف بے رونق اور بدذائقہ تیئیس برس۔" اس کے لہجے میں بے زاری تھی دکھ تھا یا غصہ کچھ بھی واضح نہیں تھا۔

ڈاکٹر راشد کیانی اسے انجکشن دے رہے تھے دوا کے ساتھ بلڈ سرج میں واپس آرہا تھا انتہائی بلند فشار خون میں انجکشن بے حد احتیاط کا متقاضی تھا ڈاکٹر راشد کیانی سانس روکے ہوئے اسے ٹریٹ منٹ دے رہے تھے مگر خود شہریار' اس کا انداز بے حد لاپروا تھا۔

"آنٹی ـــــ میں نے اسے انجکشن دے دیا ہے مگر عارضی علاج ہے آپ کل اسے لے کر میرے ہسپتال آئیں مجھے اس کے کچھ Sevear ٹیسٹ لینے ہیں بلڈ پریشر سر درد کی طرح کی خاموش بیماری کی علامت بھی ہو سکتی ہے اور میں چاہتا ہوں وقت سے پہلے ہم اس کی پرابلم کی جانچ کریں۔" شہریار نے غائب دماغی سے راشد کیانی کی بات کو سنا انجکشن کی وجہ سے اسے غنودگی ہو رہی تھی۔

"مجھے جانا ہے' مجھے اپنی موم سے ملنا ہے پورے تین دن ہو گئے ہیں مجھے اپنی موم کو دیکھے ہوئے' دادو آپ بہت ظالم ہیں آپ پاپا کی طرح مجھے بھی مار دینا چاہتی ہیں تاکہ' تاکہ ساری جائیداد آپ کو مل جائے۔" وہ غنودگی میں بھی بڑبڑا رہا تھا ڈاکٹر راشد کیانی کا چہرہ صدمہ سے فق ہو گیا اور عائشہ خاتون مجرم کی طرح ان کے سامنے کھڑی تھیں۔

"علی جواد کو میں نے نہیں مارا تھا وہ تو اس دن پتا نہیں مجھے کیوں غصہ آگیا تھا' اتنا غصہ کہ میں نے اندر کا سارا غصہ ایک سانس میں اس پر الٹ دیا' وہ مجھ سے کچھ شیئر کرنے آیا تھا' پتا نہیں کیا اور میں نے مہپانو کی ساری نفرت اس پر اگل دی اس نے کتنا تڑپ کر میرا ہاتھ پکڑا تھا۔"

"پلیز امی جان مجھ سے خفا مت ہوں میں نے آج تک آپ کی محبت کے علاوہ کوئی روپ نہیں دیکھا میں آپ کا غصہ آپ کی ناراضی سہہ نہیں پاؤں گا۔" وہ کہتا رہا اور میں نے اس کے ہاتھ جھٹک دیے۔

"چلے جاؤ تم مہپانو کے ساتھ جہاں جانا چاہتے ہو چلے جاؤ۔"

"میں کہیں نہیں جانا چاہتا میں صرف آپ کے پاس رہنا چاہتا ہوں مجھے خود سے دور مت کریں میں مر جاؤں گا امی جان۔" وہ میرے پیچھے پیچھے بھاگتا میرے کمرے تک آیا تھا راشد اور میں نے اس پر اپنی محبت کا دروازہ بند کر دیا تھا وہ کتنی دیر تک کھٹکھٹاتا رہا تھا۔

"امی جان ـــــ امی جان۔" میں نے اس پر دروازہ نہیں کھولا پھر اس کے مایوس جاتے قدم۔

"مجھے اگر گمان ہوتا کہ یہ قدم لوٹ کر پھر میرے پاس نہیں آئیں گے تو میں اتنا بڑا ظلم نہ کرتی خود پر' اپنی کٹھور نہ بنتی' میرا علی' ہائے میرا علی جواد۔" عائشہ خاتون رونے لگیں ڈاکٹر راشد کیانی نے انہیں ایک بیٹے کی طرح سہارا دیا پھر نرمی سے کہا تھا۔

"صبر کریں آنٹی' میں آپ کی محبت کا گواہ ہوں' میں گواہ ہوں کہ آپ کا دل علی جواد کی محبتوں سے آج بھی اسی طرح منور ہے جس طرح آپ اس کی زندگی میں اسے دیکھ دیکھ کر جیتی تھیں' آپ شہریار کی باتوں کا برا مت منایا کریں مہپانو ساحرہ ہے وہ جسے جس طرح چاہتی ہے موم کی طرح استعمال کرتی ہے اور پھر اسے بساط سے ہٹا دیتی ہے' آپ اگر اپنا خیال نہیں کریں گی تو وہ شہریار کو بھی علی جواد کی طرح اپنے جادو سے بے جان بت میں ڈھال دے گی۔"

"نہیں' نہیں میں اس کہانی کو پھر ایسا انجام نہیں دینا چاہتی' کبھی تو اس کی کڑوی کسیلی باتیں سہہ لیتی ہیں میرے دل کے اندر علی جواد کی آوازیں گونجتی رہتی ہیں۔ وہ کہتا تھا میں آپ کے بغیر نہیں رہ سکتا امی جان مجھ سے خفا مت ہوں اور مجھے شہریار کی تلخ باتیں اپنے اس عمل کا کفارہ لگتی ہیں جو خود پر جان چھڑکنے والے بیٹے کو تنہا کر کے موت کی طرف جانے سے نہ روکنے کا گناہ کر کے میں نے کیا تھا۔"

"تو آپ کو بھی لگتا ہے وہ خود کشی تھی آنٹی۔" راشد کیانی کی آواز مرنے لگی تھی عائشہ خاتون خالی آنکھوں سے راشد کیانی کو دیکھ رہی تھیں۔

"میرا دل کہتا ہے میرا بیٹا خود کشی نہیں کر سکتا مگر راشد ڈرائیونگ میں وہ جتنا محتاط تھا اس پر اس طرح کا حادثہ میرا یقین توڑ پھوڑ دیتا ہے۔"

"مگر جس علی جواد کو میں جانتا تھا وہ کبھی خود کشی نہیں کر سکتا آنٹی' کبھی بھی نہیں۔" وہ سامان سمیٹ رہے تھے پھر رو نکھے لہجے میں بولے تھے۔

"آپ اسے کسی بھی طرح کل ہسپتال ضرور لائیں مجھے اچھی علامات نظر نہیں آرہی ہیں۔"

"میں پوری کوشش کروں گی مگر یہ مہانو کے علاوہ کسی کی نہیں سنتا اور مہانو اس سے کبھی محبت نہیں کر سکتی یہ بات یہ کبھی نہیں مان سکتا اور میں خود بھی چاہتی ہوں یہ بات اسے کبھی پتا نہ چلے کہ مہانو اس سے محبت نہیں کرتی میں نہیں چاہتی علی جواد کی طرح میں اسے بھی کھودوں۔"

ڈاکٹر راشد کیانی سر ہلا کر چلے گئے اور عائشہ خاتون اس دشمن جاں کے سرہانے بیٹھی آیتیں پڑھ پڑھ کر اس پر دم کر رہی تھیں۔

☼ ☼ ☼

"گھر میں کچھ بھی نہیں ہے' کھانے کو کیا دوں بچوں کو؟" برے حال میں کھڑی عورت حلیے سے ہی نہیں چہرے سے بھی بے چارگی کی تصویر بنی ہوئی تھی اور سامنے چارپائی پر لیٹا ہوا مرد الجھے ہوئے بالوں اور بڑھے ہوئے شیو کے ساتھ اس بات کا پتا دے رہا تھا کہ اس کی ساری پریشانی کی اصل وجہ وہی ہے۔

"بول نا رحیم کیا دوں ان بچوں کو؟"

"جو میں کہوں گا تو انہیں نہیں دے سکتی اس کے لیے تجھے انت کمانا پڑے گا۔" خباثت سے ہنس کر اس نے سگریٹ کا دھواں اس عورت کے منہ پر چھوڑا پھر پیلے پیلے دانتوں کی نمائش کر کے بولا۔

"بچوں کو دو چیزیں دے سکتی ہے' ایک تو زہر ایک نشے کی پڑیا' دونوں صورتوں میں تیری جان خلاصی ہو گئی سمجھ۔" اس عورت نے دونوں بچوں کو سینے سے بھینچ لیا جیسے اس کے شوہر کے یہ جملے ہی زہر بن کر اس کے بچوں کی روح پی جائیں گے۔

"تیرا دل پتھر ہے' رحیمے تیرا دل پتھر ہے کوئی اپنی اولاد کے لیے ایسا کہتا ہے۔"

"میری اولاد؟ مجھے کیا پتا ہے کس کی اولاد ہے میں تو ہفتوں ہفتوں گھر سے غائب رہتا ہوں اور میرا دل...... تو ادھر دیکھ یہاں کوئی دل نہیں ہے۔"

"مجھے پہلے پتا تھا تیرے سینے میں دل ہے ہی نہیں تو جانور ہے بالکل جانور......"

"چل پھر عیش کر اور اس بات کو گرہ میں باندھ لے اب میرے سامنے یہ رونا لے کر کبھی مت آنا' یہ تیرے بچے ہیں' تجھے پتا ہونا چاہیے کہ کیسے پلیں گے۔"

وہ باہر نکل آئی جھگی کے باہر بیٹھ کر اس نے دونوں بچوں کو دیکھا حسرت دکھ بے چارگی' کیا کچھ نہیں تھا اس کی آنکھوں میں۔

"اماں کیا ابا شروع سے ایسا ہے۔" بیٹے نے ماں کا کندھا ہلایا۔

"ہاں تیرا ابا شروع سے ایسا ہے' جانور بد قماش۔"

"تیرے ماں باپ نے پھر بیاہ کیوں کیا اس کے ساتھ۔" بیٹی جو چودہ برس کی تھی اس سے وہ سوال پوچھ رہی تھی جو وہ سولہ سال سے خود سے پوچھتی آرہی تھی۔

"میرا باپ قرض دار تھا اس نے اپنا قرض چکانے کے لیے مجھے تیرے ابا کے باپ کے ہاتھوں بیچ دیا' وہ جانتا تھا اس کے بیٹے کو کوئی لڑکی نہیں دے گا اور وہ پانچ بیٹیوں کے بعد ہونے والے اپنے بیٹے کا گھر بسانا چاہتا تھا۔"

"دادا کیا امیر آدمی تھا۔" لڑکے نے حیرت سے پوچھا۔ اور وہ گم سم بیٹی اور بیٹے کو دیکھنے لگی۔

"امیر تو نہیں مگر پکی اینٹوں کا گھر تھا اس کا ریلوے میں ملازم تھا پر شروع سے تیرا ابا اس کے لیے درد سر بنا رہا اس نے اپنے بیٹے کا گھر بسانے کے لیے اپنا فنڈ ریٹائرمنٹ سے پہلے لے لیا' ہماری شادی ہو گئی دو ماہ بعد ہی ترا ابا تھا اور اس کے نشے کی عادت! ترے دادا کے مرتے ہی اس نے گھر بھی اونے پونے بیچ دیا اور ہم یہاں جھگی میں اٹھ آئے۔"

"تو نے کبھی پلٹ کر اپنے ماں باپ کو نہیں کہا مجھے کس آگ میں جھونک دیا۔" اس کا جھکا ہوا سر یکدم حیرت سے اٹھا تھا۔

"یہ تو اتنی بڑی بڑی باتیں کہاں سے کرنا سیکھ گئی ہے رخشی۔" ماں نے خوف سے کھینچ کر اسے قریب کر کے بٹھا لیا۔

"کہیں سے نہیں' وہ پکے گھر والی فردوس باجی ہیں نا ان کے گھر میں ٹی وی پر ایسے ہی ڈرامے آتے ہیں اس میں چمک دمک والی عورتیں ایسی ہی باتیں کرتی ہیں۔"

"پکے گھر والی فردوس باجی۔" جنتے کا منہ کڑوا ہو گیا۔ اور اس نے شوہر اور پکے گھر والی فردوس باجی کی سکھی زندگی کا سارا غصہ رخشی کے بال پکڑ کر نکالا تھا۔

"کیوں جاتی ہے تو وہاں' کیا تو فقیرنی ہے تجھے ٹی وی دیکھنے کی کیا قیامت پڑی ہے۔ جو زندگی ہم نہیں جی سکتے اس میں گھستی کیوں ہے۔"

"اماں مجھے ڈرامے دیکھنا اچھا لگتا ہے زندگی سمجھ آجاتی ہے۔"

"زندگی؟ زندگی کیا ہے تجھے پتا ہے۔" جنتے نے خوف سے اتنا بھاری لفظ بولنے پر بیٹی کو پھر گھورا اور وہ پہلے سے انداز میں بولی تھی۔

"ہاں آتی ہے سمجھ زندگی' اماں زندگی وہ ہے جو ہم نے آج تک نہیں دیکھی' آج تک جو ہم جی بھی نہ سکے' یہ زندگی نہیں وقت گزاری ہے تو دن بھر ابا سے لڑتی رہتی ہے ہمیں مارتی رہتی ہے اور سمجھتی ہے اس سے ہماری زندگی آسان ہو جائے گی' تو دوسری عورتوں کی طرح کام کیوں نہیں کرتی' برتن مانجھ' صاف صفائی کر بہت پیسہ ہے ان چیزوں میں۔"

"کیوں کروں' میں کیوں کروں تیرے باپ کی اولاد پالنے کے لیے' ادھر دیکھ پندرہ سال سے قالین بناتے بناتے میرے ہاتھ چھل گئے ہیں تھک گئی ہوں مجھے اب کام کرنے سے زیادہ بھیک مانگنا آسان لگتا ہے۔"

"تو مانگ بھیک کون روکتا ہے' جلنے کڑھنے سے تو بہتر ہے بھیک مانگ مجھے صبر آجائے گا کہ میری ماں صرف بھیک مانگ سکتی ہے۔"

"تو مجھے محمد خیر الدین کی طرح مت جھاڑ پلا' تیرا دادا بھی ترے باپ سے صرف انیس بیس کا فرق رکھتا تھا۔"

"میرے دادا محمد خیر الدین کو اپنے شوہر رحیم خیر الدین سے مت ملا اماں اسے زندگی کی سمجھ تھی میں نے سات برس گزارے ہیں اس کے ساتھ' وہ مجھے اچھی اچھی کہانیاں سناتا تھا' کتابیں لا کر دیتا تھا' بھلے پھٹی پرانی کتابیں' مگر ان کتابوں سے ہی میں نے بہت پڑھا ہے زندگی کو' میرا دادا نا امید نہیں تھا! اس نے کبھی نشہ نہیں کیا وہ غریب تھا پر عزت دار موت مرا تھا۔" جنتے اپنی اوڑھنی منہ پر رکھے اسے دیکھنے لگی تھی۔

"تو بڑی ہو گئی ہے یا مجھے لگ رہا ہے کہ تو بڑی ہو گئی ہے۔"

"میں بڑی ہو گئی ہوں' اماں' میں اپنا اور تیرا گزارہ اچھا کر سکتی ہوں؟"

"تو چودہ برس کی عمر میں اتنی بڑی بڑی ذمہ داریاں لینے کی بات کرتی ہے۔"

"میں صرف بات نہیں کر سکتی' واقعی کر بھی سکتی ہوں' عورت ہونا برائی نہیں عورت سمجھ کر خود کو دنیا اور لوگوں کے رحم و کرم پر چھوڑ دینا غلط ہے۔"

"کیا کرے گی تو' چودہ برس کی عمر ہے تیری! یہ لوگ بھیڑیے بن کر کھا جائیں گے تجھے۔"

"ڈرتے رہنا اور کچھ کیے بغیر مر جانا زیادہ برا ہے' اس کے مقابلے میں آپ بہادری سے لڑو اور زندگی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر سولی چڑھ جاؤ۔"

"تیری زبان! یہ ہم غریبوں سے میل نہیں کھاتی تو مجھے مت ڈرا مجھے تیرے مستقبل سے خوف آتا ہے۔"

"خوف مت کھا' یہ بتا میرا ساتھ دے گی۔"

"کیا' کیا کرنا پڑے گا مجھے' وہ ایک دم سے اپنی چودہ سالہ بیٹی کے سامنے سرنڈر کر چکی تھی اس کی بیٹی میں لیڈرانہ صلاحیتیں بھلے کم ہوں مگر اس کے اندر سر جھکا کر محکوم بن کر کام کرنے کے جراثیم بہت زیادہ تھے۔

"فردوس باجی نے کل ایک پتا دیا تھا اس گھر میں ملازماؤں کی ضرورت ہے جو دن رات ان کے گھر میں رہیں' ہم چھوٹے کے ساتھ وہاں ایک کمرے کے کوارٹر میں آرام سے رہ سکتے ہیں آج نہیں' ہم کل فردوس باجی کے ساتھ وہاں جائیں گے۔"

اس نے کچھ نہیں کہا اور بھوک سے نڈھال وجود میں محکومی سے ایک اور زندگی کا خواب دیکھا تھا۔

☼ ☼ ☼

"تمہیں نہیں لگتا زندگی آسان نہیں۔" اس نے چیونگم چباتے بے فکرے انداز میں ریسٹورینٹ میں آنے جانے والے لوگوں پر جملے کستے ہوئے اسے ٹوکنے کی کوشش کی اور وہ بوریت سے اسے دیکھنے لگی۔

"یار شاہ میر تمہیں کوئی اور کام نہیں ہے ہر وقت لیکچر دینے کیوں بیٹھ جاتے ہو۔"

"میں لیکچر نہیں دے رہا تمہیں سمجھا رہا ہوں زندگی ایسی آسان بھی نہیں جتنا تم سمجھتی ہو۔"

"میں زندگی کو مائنس فائیو بھی نہیں دیتی اب بولو۔" کہہ کر اس کی طرف مڑی پھر شرارت سے بولی۔

"تم اچھے دوست ہو تبھی اتنا وقت بھی گزار لیتی ہوں تمہارے ساتھ ورنہ مجھے زندگی کی سمجھ دینے والے لوگوں سے سخت چڑ ہے۔"

"کیوں ہے ایسا، تمہیں صحیح رستہ دکھانے والے لوگوں سے چڑ کیوں ہے۔" شاہ میر نے حیرت سے اسے دیکھا تھا۔

"سیدھی سی بات ہے میں زندگی کو حرف غلط کی طرح مٹا چکی ہوں میرے لیے زندگی قابل غور نہیں میرے لیے میری مرضی میری پسند ناپسند اہم ہے۔"

"تم آنٹی کے ساتھ زیادتی کر رہی ہو۔"

"آنٹی نے بھی تو زیادتی کی ہے میرے ساتھ کیا میں نے انہیں درخواست بھیجی تھی کہ مجھے دنیا میں ضرور لائیں۔"

"تمہیں برا کیا لگتا ہے 'زندگی' 'دنیا' یا آنٹی مرحومہ۔" شاہ میر نے نئی طرح اسے کھوجنا چاہا اور وہ اس کی طرف دیکھ کر ہنس پڑی تھی۔

"تم..... مجھے سب سے زیادہ برے تم لگتے ہو۔" اور شاہ میر کا چہرہ یکدم پھیکا پڑ گیا تھا۔

"میں تمہارا اچھا دوست ہوں۔" وہ مسکرائی تھی۔

"تمہیں ہو گا یہ دعوا مجھے نہیں پتا نہیں تم میرے ساتھ کیوں وقت برباد کرتے پھرتے ہو۔"

"اگر شبانہ آنٹی کا حکم نہ ہوتا تو میں کبھی تمہاری درد سری نہ پالتا۔" ایمان صفورا نے شاہ میر کی طرف انگشت شہادت سیدھی کر کے شرارت سے اسے دیکھا۔

"ابھی تھوڑی دیر پہلے تم نے کہا تھا تم میرے اچھے دوست ہو اور ابھی دوسری سانس میں کہہ رہے ہو کہ تم صرف میری خالہ کی کسی التجا کی وجہ سے میرے ساتھ نتھی ہو شاہ میر پہلے تم خود کو یہ تو بتا دو تم میرے ساتھ کیوں پھر رہے ہو پھر میں تمہیں بتاؤں گی کہ میں زندگی کے ساتھ کیوں نہیں رہنا چاہتی۔"

"زندگی مایوس نہیں۔" شاہ میر نے پھر سے سنبھالا لیا تھا اور وہ پھر ہنس پڑی تھی۔

"زندگی جن کے پاس ہے ان سے کہو یہاں تو صرف سانس لیتا ایک وجود ہے جس کے اندر کوئی آرزو کوئی تمنا کوئی خواب نہیں جو روز اس امید پر سوتا ہے کہ دوسرے دن شاید اس کی آنکھ نہ کھلے شاید زندگی کی تلخی کو وہ پھر نہ چکھے مگر ہر روز ایک ___ نئی صبح ہوتی ہے جو زندگی کے بوجھل پن کو کچھ اور بڑھا جاتی ہے۔"

"تم ہمیشہ سے ایسی تو نہیں تھیں۔" شاہ میر نے اس کے ہاتھ پر اپنائیت سے ہاتھ رکھا اور اس نے کرنٹ کھا کر دونوں ہاتھ اپنی گود میں رکھ لیے تھے۔

"پلیز مجھے امید کے ہر لفظ سے نفرت ہے۔ میں نے اپنے گرد ایک حصار بنا لیا ہے اور اس حصار میں میں کسی کو داخل نہیں ہونے دے سکتی۔"

"تم پہلے تو ایسی نہیں تھیں۔"

"ہاں مگر بہت سالوں پہلے اپنی ماں کو مرتے دیکھ کر میرے اندر کی ایمان صفورا مر چکی ہے میری زندگی کا محور اور مقصد میری ماں تھی جس نے ایک ایسے مرد کے لیے اپنی عمر گنوا دی جس نے کبھی پلٹ کر بھی اس کی طرف نہیں دیکھا اس نے اپنی زندگی جی لی ہے یا کہیں اپنے دل میں دفن کر دی ہے۔"

"تم بھول کیوں نہیں جاتی ہو وہ سب جواب ماضی کا حصہ ہے۔" ایمان صفورا نے شاہ میر کے چہرے پر

آنکھیں ٹکائیں بولی۔

"تم اور میں جو ابھی تمہارے سامنے بیٹھی ہوں اور تم سوچ رہے ہو کہ میں زندہ ہوں اگر میں اندر کی طرح باہر سے بھی مر جاؤں تو تم مجھے کتنے دن میں بھول جاؤ گے۔"

"شاید کبھی بھی نہیں میں تمہیں ہمیشہ اپنی تنہائی میں دوہرایا کروں گا۔"

"کیوں؟" اگلا سوال No oplion تھا شاہ میر اس کے سامنے خاموش بیٹھا تھا۔

"ایمان صفورا نے اس کے سامنے گلاس کو بہت تیزی سے گھمایا کسی لٹو کی طرح اور اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولی تھی۔

"تمہیں مجھ سے محبت نہیں ہمدردی ہے اور تم اپنے احساس کو غلط سمجھ رہے ہو اپنے اوپر ظلم مت کرو۔" شاہ میر یکدم ٹیبل سے اٹھا اور تیز تیز قدم اٹھاتا ریسٹورینٹ سے نکلتا چلا گیا۔

"شاید ایک ہزار پانچ سو دفعہ کی طرح پھر ناراض ہو گیا ہے مگر مجھے پتا ہے اس کو صرف یہ ڈر ہے کہ میں اکیلے پن سے گھبرا کر خودکشی نہ کر لوں۔ مگر وہ نہیں جانتا زندہ رہنا میرے لیے اذیت کی طرح ہے اور اپنے باپ کی نفرت کا بدلہ چکانے کے لیے مجھے اس اذیت میں رہنا اچھا لگتا ہے۔" وہ بڑبڑائی تھی تبھی ایک بہت خوبرو سا شخص ریسٹورینٹ میں داخل ہوا۔ وہ پہلے سے مختص میز پر بیٹھا تھا بالکل اکیلا سا۔ وہ اپنی میز سے مسکرا کر اٹھی اور اس کی میز تک آئی تھی۔

"کیا آپ اکیلے ہیں؟"

"جی میں ہمیشہ اکیلا ہی ہوتا ہوں مگر زندگی روز نئے دوست بھیج دیتی ہے۔"

"ہاہا___ آپ کو یہ گمان کیسے گزرا میں آپ کی دوست ہوں دشمن بھی تو ہو سکتی ہوں۔"

"لڑکیاں دشمن ہوں تو بھی دشمن جان کہلاتی ہیں اور مجھے جان جاناں قسم کے رشتوں کو نبھانے کی بڑی بری عادت ہے۔"

"آپ کا گڈ نیم۔"

"ایمان صفورا اور آپ؟" اس نے اس کی اسموکنگ کی ریکویسٹ کو دریا دلی سے اوکے کر دیا۔

"شہریار شہریار علی جواد۔" سامنے بیٹھی لڑکی کا چہرہ ایک دم سے پیلا پڑ گیا۔

"شہریار علی جواد۔" وہ زیر لب دوہرا رہی تھی تبھی ایک لڑکا ان کی میز تک آیا۔

"پتا نہیں تم کس جرم کی سزا ہو اگر میرے اختیار میں ہوتا تو میں تمہیں کسی سمندر میں پھینک آتا اور کبھی پلٹ کر تمہیں دوبارہ یاد بھی نہ کرتا۔"

"اکس اوکے مین کیا ہے کس بات پہ غصہ کر رہے ہو۔" شہریار علی جواد نے حیرت سے اسے دیکھا تھا اور وہ لڑکی شائستہ انداز میں اس کے برے رویے کو برداشت کر رہی تھی۔

"تمہارے روزانہ کے نت نئے ڈراموں کی وجہ سے آج اتنے دنوں بعد تمہیں شاہ میر کے ساتھ باہر آنے کی اجازت ملی تھی مگر تمہاری یہ فلرٹ کرنے کی عادت ہمیشہ میرا سر جھکا کے رکھتی ہے ایمان۔"

"ایک کام کیوں نہیں کرتے تم اپنی لسٹ میں سے مجھے نکال کیوں نہیں دیتے۔"

"اگر آپ کے ساتھ وہ اچھا محسوس نہیں کرتیں تو آپ انہیں تنگ کیوں کر رہے ہیں۔" شہریار نے دخل اندازی کرنے کی کوشش کی اور آنے والے نوجوان نے اتنے غصے سے اسے گھورا کہ شہریار پہلی بار متاثر ہونے لگا۔

"اے مسٹر یہ ہمارا ذاتی معاملہ ہے میری بہن ہے یہ اور مجھے حق حاصل ہے کہ میں اس سے جس لہجے میں بات کرنا چاہوں کر سکتا ہوں۔"

"اوکے اوکے۔" شہریار علی نے برا سا منہ بنا کر اپنی چیزیں اٹھائیں اور بہت سلیقے سے قدم رکھتا میز سے اٹھ چکا تھا۔

"گھر چلو گی یا مزید کوئی ڈرامہ اسٹیج کرنا ہے میں نے اب تک بہت ہی آہستہ آواز میں تمہیں سمجھایا ہے اگر تم چاہتی ہو کہ چیچ تھری پر تمہاری خبر لگے تو میں بلند آواز میں اپنے جذبات کا اظہار کر سکتا ہوں۔" وہ یکدم

کھڑی ہو گئی اور خاموشی سے چلتی ہوئی اس کی کار میں جا بیٹھی تھی۔

"شاہ میر ایک بہت برا دوست ہے۔" اس نے برا سا منہ بنا کر کہا۔

"اسے برا کہنے کی ضرورت نہیں اسے فون میں نے ہی کیا تھا تمہاری احمقانہ حرکتوں کی رپورٹ لینے کے لیے مگر جب پتا چلا تم یہاں اکیلی ہو تو میں تمہیں خود لینے آگیا ہوں۔"

"مگر کیوں اصفی، میں کوئی چھوٹی سی بچی تو نہیں کہ تم ابھی تک میرے لاڈ اٹھاتے ہو میں ایک سیاسی ٹاک شو کی میزبانی کرتی ہوں۔" وہ خاموشی سے کار چلا رہا تھا۔ گاڑی کے باہر اور اندر بالکل خاموشی چھائی ہوئی تھی صرف اسے اپنا دل دھڑکنے کی آواز سنائی دے رہی تھی۔

"اصفی تم اس آدمی کو جانتے ہو اس کا نام شہریار ہے۔"

"یہ بہت چھوٹا سا ملک ہے یہاں ہزاروں شہریار ہوں گے کیا سب کے بارے میں جاننا مجھ پر فرض ہے۔" بے زاری اس کے لہجے سے عیاں تھی۔

"نہیں مگر یہ شہریار علی جواد تھا، علی جواد جس سے میں اور تم بچپن سے شدید نفرت کرتے آرہے ہیں۔" اصفی نے پہلی بار غور سے اسے دیکھا پھر دوسرے لمحے کندھے اچکا کے بولا۔

"میں نہیں مانتا یہ، ہم کوئی ڈرامہ یا ناول نہیں شیئر کر رہے کہ ایسے اتفاقات ہوں ہمارے ساتھ۔"

ایمان صفورا نے پھر سے چیونگم چبانی شروع کر دی اور اصفی کی کسی بات کو اہمیت دینے کا خیال جھٹک دیا تھا۔ مگر رات گئے وہ فیس بک پر بیٹھی تو شہریار علی جواد کو کلک کیا تھا اس نے، پھر ڈھیروں آئی ڈیز سرچ کرنے کے بعد اس کے سامنے وہی چہرہ کھڑا تھا، وہی تیکھے نقش، وہی ملائمت، وہی خاموشی سے بہت کچھ کہتی آنکھیں، بزنس ٹائیکون شہریار علی جواد۔ وہ استہزا سے ہنس پڑی تھی، مگر اس کی ہنسی میں محبت نہیں نفرت ہی نفرت تھی۔

☼ ☼ ☼

"تم نے بہت اچھا کیا فردوس کہ میرے لیے انہیں لے آئیں — تمہیں پتا تو ہے آج کل یہ ملازمین کتنا ہائی رسک ہیں، زندگی کے لیے، انہیں رکھتے ہوئے ڈر لگتا ہے کہ پتا نہیں کب تنخواہ کے ساتھ گھر بھی صاف کر جائیں مگر تم ان کی انشورنس دے رہی ہو تو مجھے سکون رہے گا۔"

"بس بی بی جی، اچھی عورت ہے یہ، اس کا جنا بہت خبیث ہے ورنہ اس کے سسر کی ہمارے علاقے میں بڑی عزت تھی جی۔"

"ہاں ٹھیک ہے اچھا یہ بتاؤ میرے کپڑے سی لیے تم نے۔"

"نہیں بی بی جی، بس دو جوڑے سلے ہیں باقی ابھی رہتے ہیں۔" سامنے بیٹھی عورت کے چہرے پر خفگی کا تاثر نمایاں تھا۔

"فردوس ڈرامے کم سے کم دیکھا کرو، کام نہیں کرو گی دھیان سے تو گھر کے عیش آرام کہاں سے پورے ہوں گے۔"

"جی بی بی جی۔" فردوس صوفے سے اٹھ گئی۔

سامنے بیٹھی عورت نے سر کے اشارے سے اجازت دی تھی اور پھر فرش پر بیٹھے ان تینوں کو دیکھا تھا۔

"کیا کیا کر سکتی ہو تم اور کیا نام ہیں تمہارے؟"

"جی میرا نام جنتے ہے، یہ رخشی اور یہ میرا بیٹا فاخر۔"

"کتنے عرصے سے نہیں نہائی ہے۔" عورت نے برا سا منہ بنا کر کسی کو آواز دی۔

"اسے کوارٹر میں لے جاؤ خالی کمرہ دے دو، اور دو چار اپنے جوڑے بھی دے دو میں ابھی کے کچھ جوڑے تمہیں بھجوا دوں گی۔"

"جی بیگم صاحب جیسے آپ کا حکم۔" اس نے ان تینوں کو دیکھا اور ایک چرواہے کی طرح انہیں اپنے آگے ہنکاتے ہوئے ملازمین کوارٹر کی طرف لے گئی۔

"ایمان بی بی کے چند نئے کپڑے۔" وہ خیال میں ہی سوچ کر مسکرا رہی تھی پھر اس نے سب سے کھے ہوئے جوڑے اس کے سامنے رکھے تھے، دونوں بچوں کے لیے بھی دو جوڑے دیے تھے، پھر صابن اس کی طرف بڑھا کر بولی۔

"چل جا کر نہا پہلے، بیگم صاحبہ صفائی ستھرائی کی بڑی شوقین ہیں یہاں بڑے بڑے لوگ آتے جاتے ہیں، اگر ان کے سامنے گندے مندے حلیے میں نظر آئی نا تو سمجھ اسی دن نوکری سے نکال دیں گی بیگم صاحب۔" رخشی نے بیٹی ہو کر ماں کی ڈھال بن کر ماں کی طرح ہی اسے سمیٹ لیا تھا اور جنتے پہلی بار خود کو کسی مضبوط سہارے کے حصار میں محسوس کر رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

شہریار علی جواد، ریوالونگ چیئر پر جھول رہا تھا کل کی وہ لڑکی اس کی نظروں میں ابھی تک گھوم رہی تھی۔

"بہت الگ سا انداز تھا اس کا، پہلی بار تھا کہ کسی لڑکی کے قریب بیٹھ کر اس کے اندر کسی خواہش نے سر نہیں اٹھایا، وہ صرف اسے حیرت سے دیکھ رہا تھا کسی خوب صورت او تھیلو ڈرامے کی طرح۔

"میرا دل چاہتا ہے، میں تم سے ایک بار ملوں ایمان صفورا۔" وہ خود سے ہی بڑبڑایا اور تبھی اس کے آفس کا دروازہ کھلا اور جوہی حماد اندر داخل ہوئی تھی۔

"ہائے ونڈر بوائے۔" شہریار کھڑے ہو کر جوہی حماد سے بغل گیر ہوا دوستوں سے وہ بلا تخصیص صنف کے اسی گرمجوشی سے ملا کرتا تھا۔

"کیا ہو رہا ہے آج کل!" جوہی حماد ستائشی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

"آج بہت اسمارٹ اور ہاٹ لگ رہے ہو۔" اس نے اپنے لفظوں کو بہت سنبھالا دیا تھا اور شہریار ہنس پڑا تھا۔

"کیا ہوا آج کوئی شام غم منانے کو ملا نہیں جو مجھ پر جال پھینک رہی ہو۔" جوہی حماد کا قہقہہ بہت شوخ تھا، پھر مخمور آنکھوں سے دیکھ کر بولی تھی۔

"تمہیں کبھی اس کیٹگری میں رکھا نہیں ورنہ تمہاری کیا مجال کہ مجھے انکار کر سکتے۔"

"اچھا کیا بات ہے اتنا Attitude" دلچسپی سے دیکھا اور وہ مسکرائی۔

اب سکون ہے تو بھلانے میں ہے
لیکن اس شخص کو بھلائے کون؟

"کوئی گہری چوٹ....؟" وہ سنجیدہ ہوا تھا۔

اور جوہی حماد کسی بے نیک ندی کی طرح لہریں پیدا کرتی اس کے سامنے بیٹھی تھی۔

"پتا نہیں کون سی محبت تھی مگر آج تین سال بعد وہ بہت یاد آرہا ہے۔

تم نے محبت نہیں کی ورنہ لوگ کہتے ہیں ایک دفعہ کی محبت عمر بھر کے لیے کافی ہوتی ہے۔" جوہی حماد اس کی طرف دیکھ کر نشیلی مسکراہٹ سے بولی۔

"جب محبت کو مجھ سے محبت کرنے کی فرصت نہیں تو میں کیوں درد سر پالوں جو جب تک میرے ساتھ ہے اسے اپنا سمجھتی ہوں چلا جائے تو پھر کسی نئی پرسنالٹی سے اس کی محبت کو Replace کر دیتی ہوں۔"

"تم کتنی ظالم ہو پھر بھی کہتی ہو وہ تمہیں یاد آتا ہے۔"

"ہاں شاید اس لیے کہ وہ ایک بہت لوئر کلاس کا نوجوان تھا اس نے زندگی میں پہلی بار مجھے احساس دلایا کہ محبت کا ذائقہ کیسا ہوتا ہے مگر۔"

"مگر کیا؟ تم پھر ملے کیوں نہیں؟"

"وہ ہی ہماری کلاس کی مادہ پرستی، پاپا نے کہا وہ کتے بھی تبھی پالتے ہیں جب ان کی نسل کی طرف سے مطمئن ہوں۔"

"پھر....." شہریار علی نے پھر سے توجہ دی تھی۔ اور وہ ہنس پڑی تھی۔

"پھر کیا میں نے دل سے پوچھا کیا مجھے اس سے محبت ہے میں اس کے لیے کیا کیا کچھ ہے جو چھوڑ سکتی ہوں تو دل نے کہا، کچھ بھی نہیں، آسائشات کی مجھے

اتنی عادت ہو گئی ہے کہ مجھے محبت سے دستبردار ہونا زیادہ آسان لگا۔"

"تم نے واقعی اس سے محبت کی تھی۔" شہریار علی نے پوچھا۔ جوہی حماد نے نفی میں سر ہلایا تھا۔

"محبت! میرے لیے محبت عادت کی طرح ہے جسے ہم خوش دلی سے اپناتے ہیں اور کسی دن بہت بے دلی سے چھوڑ دیتے ہیں ۔۔۔" شہریار علی نے اس کی آنکھوں میں دیکھا اس کی آنکھوں میں لہجے کی سرد مہری نہیں تھی بینائی کسی کے چہرے کا سارا سونا پی کر فقیر بن کر اسی کے دیدار کی حسرت میں بیٹھی تھی۔

"تم اسے کبھی نہیں بھول سکو گی کیونکہ تم نے اس سے کبھی محبت ہی نہیں کی۔" شہریار علی نے سچ چھپا کر ایک دھوکہ دیا، وہی ایک دھوکہ جو جوہی حماد تین سال سے خود کو دیتی آرہی تھی۔

"بہت عجیب سی باتیں کرتا تھا وہ ایک چھوٹا سا گھر دو پیارے پیارے بچے سنہری شامیں، ترنگ بھری صبحیں، بہت چھوٹے چھوٹے خواب دیکھتا تھا، دکھاتا تھا، مگر تمہیں پتا تو ہے ہماری سوسائٹی میں ان چھوٹے چھوٹے خوابوں کی کوئی جگہ نہیں۔"

"اور خود تمہارے لیے؟ تمہارے لیے بھی ان خوابوں کی کوئی اہمیت نہیں جوہی۔" جوہی نے نفی میں سر ہلا کر ہنسنے کی کوشش کی مگر اس کی آنکھیں رونے لگی تھیں۔

"تم رو رہی ہو۔" شہریار علی نے حیرت سے پوچھا۔

"نہیں تو میں کیوں روؤں گی شاید آنکھ میں کچھ پڑ گیا ہے۔" وہ ٹشو سے آنکھیں صاف کر رہی تھی اور شہریار نے کافی کے کپ دیکھ کر یکدم غصے میں پیون کو ڈانٹ دیا تھا۔

"مس سرفراز کو اندر بھیجنا۔"

تھوڑی دیر بعد ایک لڑکی سہمی ہوئی اندر داخل ہوئی۔

جوہی حماد حیرت زدہ شہریار علی کو دیکھ رہی تھی۔

"چھوڑو شہریار۔"

"نہیں جوہی جب میں نے ان محترمہ کو آفس میں رکھا ہی اس لیے ہے یہ میٹنگز روم میں آفس میں کراکری اور ریفرشمنٹ، مینجمنٹ کا خاص خیال رکھیں گی۔ پھر یہ کپ؟ کیا یہ کپ شہریار علی کے آفس کی زینت بننے کے قابل ہیں، مس سرفراز ایسے کپ صرف آپ جیسے ایمپلائز کے گھروں میں یوز ہو سکتے ہیں میرے آفس میں ان کی جگہ ہے نہ آپ جیسے ال مینرڈ لوگوں کی جنہیں بڑے بڑے آفسز میں کام کرنے کی تمیز نہیں آپ اپنا حساب کر سکتی ہیں۔"

"سر پلیز ۔۔۔" وہ لڑکی ملتجی ہوئی تھی اور وہ شاہانہ انداز میں بولا تھا۔

"تو آپ جا سکتی ہیں اور پلیز یہ ڈرٹی کپز بھی لے جاؤ اس میں میں چائے نہ پیوں اور آپ میرے دوستوں کی انسلٹ کرنے چلی آئیں۔" وہ لڑکی چلی گئی تھی اور جوہی حماد نے نرم لہجے میں کہا۔

"آج تم نے حد سے زیادہ غصہ کیا، اگر اس سے غلطی ہو ہی گئی تھی تو اسے ایک موقعہ تو دینا چاہیے تھا۔"

"میری ڈکشنری میں غلطی کی گنجائش ہے نہ غلطی معاف کرنے کی۔" وہ کہہ کر مڑا تھا اور تبھی اس کی آنکھوں کے آگے اندھیرا سا چھایا۔

اس نے کرسی کو دونوں ہاتھوں سے تھام کر اپنی کمزوری جوہی حماد پر ظاہر نہیں ہونے دی تھی۔ جوہی حماد اٹھ کر چلی گئی تھی، تب وہ آفس سے نکل کر ڈاکٹر راشد کیانی کے ہسپتال کی طرف بھاگا، اپنی زندگی کی سب سے ریش ڈرائیونگ کرتا شارٹ کٹ ڈھونڈتا۔

ڈاکٹر راشد کیانی ایک آپریشن میں مصروف تھے ان کے معاون ڈاکٹر نجم الزماں نے حیرت سے اسے دیکھا تھا۔

"آپ بہت پریشان نظر آرہے ہیں مسٹر شہریار۔"

اس نے کچھ نہیں کہا مگر بہت سارا پانی اس کی آنکھوں میں در آیا۔

"اگر میں مر جاؤں تو دادو کا کون خیال رکھے گا۔"

اس نے کرسی پر بیٹھ کر پہلی بار اپنی زندگی کے سب سے حیرت زدہ کر دینے والے احساسات میں خود کو ڈوبتے ابھرتے دیکھا تھا۔

"آج اپنی موت کے ماتم کے ۔۔۔ خیال میں وہ اپنی موم کو نہیں سوچ رہا تھا۔

یہ دل اس کے کہنے میں کیوں نہیں رہا تھا، اس ہستی کو کیوں سوچ رہا تھا جس سے وہ سب سے زیادہ نفرت کرتا تھا، تو کیا اسے اب تک دھوکہ ہوا تھا کہ اسے عائشہ خاتون سے نفرت تھی۔

☼ ☼ ☼

وہ یکدم اٹھ کر ایک کمرے کی طرف بڑھی تھیں یہ کمرہ آج تک ویسے ہی منتظر تھا کسی کے وجود کا جیسے اس کی زندگی میں اس کے وجود سے منور رہتا تھا۔

لاک کھول کر وہ اندر داخل ہوئیں سامنے ہی دیوار پر ایک بہت بڑی سی تصویر آویزاں تھی ان کے ہنستے مسکراتے خوبرو علی جواد کی تصویر مگر پہلے یہ ایک جیتا جاگتا وجود تھا، حرارت اور محبت سے بھرپور، وہ علی جواد کے بیڈ پر بیٹھ گئیں اور جیسے وہ اچانک چھلانگ مار کر اپنے بیڈ پر آن گرا۔

"امی جان آج پتا ہے کیا ہوا۔" عائشہ خاتون نے ہلکا سا سر موڑ کر اس وجود کو ممتا سے دیکھا۔

"کیا ہوا ہے۔" سوال اور پھر ایک طویل داستان در داستان اسکول کی پوری روداد، یہاں تک کہ وہ کالج میں چلے گئے مگر ان کی عادتیں نہیں بدلیں کبھی کبھی وہ ان کی خود سے لگاوٹ اور محبت سے گھبرا جایا کرتی تھیں۔

"اکیلا رہنا سیکھو علی۔"

"کیوں؟ کیوں ۔۔۔ اکیلا رہنا کیوں سیکھو مما جانی۔"

وہ ان کی بات نہیں سمجھتے تھے تب ایک دن وہ جب ان کی گود میں سر رکھے لیٹے تھے انہوں نے علی جواد کو سمجھایا تھا۔

"لوگ مر جاتے ہیں تب بھی انسان کو جینا پڑتا ہے نا علی۔"

"لوگ، کون لوگ مر جاتے ہیں۔" نیا سوال ہوا۔

"سب لوگ مر جائیں گے، سب لوگوں کو مر جانا ہے علی۔" وہ مدھم سا ان کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے محبت سے بولی تھیں اور علی جواد نے ان کے رخسار کو چھو کر محبت سے کہا تھا۔

"جب سب لوگ مر جائیں گے، سب لوگ مر جاتے ہیں تو ہم آج کیوں غم کریں۔"

"فرض کرو کل، میں نہ ہوں تو۔" علی جواد یکدم ان کی گود سے تیر کی طرح اٹھ بیٹھے تھے۔

"مجھے آپ سے بات نہیں کرنی آپ کتنی ظالم مما ہیں، آپ کو ذرا خیال نہیں میرا، ساری دنیا نے مر جانا ہے بھلے میں بھی مر جاؤں مگر آپ نے زندہ رہنا ہے، آپ نہیں ہوں گی تو آپ کے علی کو کون یاد کرے گا۔"

"علی ۔۔۔" انہوں نے گھبرا کر انہیں سینے سے لگا لیا اور علی جواد ہنس پڑے تھے۔

"ہوا نا دل پریشان لگا نا دل کو دھکا۔ پھر مجھ پر ظلم کیوں کرتی ہیں اتنی غلط بات کر کے۔" انہوں نے عائشہ خاتون کو اپنے بازوؤں میں بھر لیا۔

"میں نے ہمیشہ اللہ جی سے کہا ہے میری ماں کو اتنی حیاتی دے کہ ان کی محبت کی حدود صبح سے شام تک میری زندگی کو مسرور بخشے میری زندگی چاہے ختم ہو جائے مگر ان کی محبت ختم نہ ہو۔"

"اچھا اگر میں کبھی تم سے محبت کرنے سے انکار کر دوں، چھوڑ دوں تمہیں تو؟" عائشہ خاتون نے ان کی محبت کا حظ لیا اور علی جواد نے ان کے دونوں ہاتھ تھام کے کہا۔

"جس دن آپ نے اپنے علی کو اپنی محبت سے بے دخل کیا اس دن آپ کا علی مر جائے گا امی جان۔" وہ بہت لاڈ میں ہوتے تو انہیں امی جان ہی کہتے تھے وہ اس جواب پر ہنس پڑی تھیں، انہوں نے ان کے بال بگاڑ دیے تھے وہ آج بہت خوش تھیں کہ محبوب شوہر کے بعد انہیں اتنی محبت کرنے والی اولاد ملی تھی جس پر ان کی ساری دوستیں رشک کرتی تھیں۔

"اولاد ہو تو علی کی طرح ورنہ نہ ہو۔" سب ہی کی ان کی اولاد کے بارے میں یہ حتمی رائے تھی اور وہ خود بھی اس رائے سے متفق تھیں، شوہر کا بزنس جس طرح انہوں نے سنبھالا تھا گھر اور آفس کو جس طرح

ٹائم دیا تھا اب محض سیکنڈ ایئر میں اسی آفس میں باس کی کرسی پر بیٹھ کر علی جواد جس طرح فیصلہ لیتے تھے وہ ان کی محنت کو آسودگی بخشتے تھے' وہ ساری دنیا چلا سکتے تھے مگر ان کی سانس رکتی تھی تو اپنی ماں کی جدائی پر چاہے وہ عارضی ہوتی چاہے دائمی۔

ان دنوں بھی وہ ایک بزنس کانفرنس اٹینڈ کر کے ایک ہفتے بعد لوٹی تھیں تو ان کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی راشد کیانی علی جواد کے سرہانے بیٹھے تھے۔

"کیا ہوا ہے اسے اور تم نے مجھے فون کر کے بتایا کیوں نہیں کہ اس کی طبیعت خراب ہے۔" راشد کیانی شرمندگی سے بولے۔

"آنٹی' علی نے خود منع کیا تھا کہہ رہا تھا آپ کو پریشان نہ کیا جائے۔" راشد کیانی کھڑے ہوئے تھے اور وہ علی جواد کے بیڈ پر بیٹھ گئیں۔

"علی.... علی.... آنکھیں کھولو بیٹا دیکھو تو تمہاری مما جانی آگئی ہیں۔" وہ ہولے ہولے علی کا رخسار چھو رہی تھیں تب علی جواد نے آنکھیں کھولی تھیں اور اٹھ کر ایک دم سے ان سے لپٹ گئے تھے۔

"مما جانی آپ کہاں چلی گئی تھیں' آپ کو پتا ہے' میں آپ کی جدائی برداشت نہیں کر سکتا۔" وہ کچھ نہیں بولیں مگر پہلی بار انہیں علی جواد کی اس جنونی محبت سے خوف آیا تھا۔

"یہ میرے بغیر نہیں رہ پاتا لیکن کبھی اسے میرے بغیر رہنا تو پڑے گا نا راشد اسے میرے بغیر رہنے کی عادت ہونی چاہیے' ورنہ یہ زندگی کیسے گزارے گا۔" انہوں نے اپنا خوف راشد کیانی پہ ظاہر کیا اور پھر یہ ان کی ہی تجویز تھی کہ علی کو اعلا تعلیم کے لیے باہر بھیج دیں۔

"مگر میں اسے اکیلا کیسے بھیج دوں' میرے علی کا دل بہت سادہ ہے وہ پوری طرح مجھ پر انحصار کرتا ہے' اسے دنیا فیری لینڈ لگتی ہے جہاں صرف اس کی ماں جیسی نیلم پری ہوتی ہے یا ماں ہی جیسی دوسری ہستیاں وہ دنیا کو اب تک ایک معصوم بچے کی طرح دیکھتا ہے' ایسے سادہ دل کو میں کیسے دیار غیر.... بھیج دوں۔"

"میں وہاں جا رہا ہوں آنٹی' وہاں میرے چچا جان کا بزنس سیٹ ہے' ہم دونوں آرام سے ایک دوسرے کے ساتھ رہ لیں گے۔"

"ہاں شاید وہ میرے بعد اگر کسی پر اعتبار کرتا ہے کسی کے بغیر نہیں رہ سکتا تو وہ صرف تم ہو۔"

اور بس اس دن کے بعد عائشہ خاتون نے خاموشی سے ان کی روانگی کی تیاری شروع کر دی تھی' پاسپورٹ پر وہ چونکے تھے۔

"اپنے ملک میں رہنے کے لیے پاسپورٹ کی ضرورت نہیں ہوتی امی جان۔"

"ہاں مگر باہر جانے کے لیے ہوتی ہے۔" وہ ان کے لیے کی جانے والی شاپنگ کے کپڑے ان کی الماری میں رکھ رہی تھیں' علی جواد نے یکدم ان کے ہاتھ سے اپنی شرٹ کھینچ کر بیڈ پر اچھال دی تھی۔

"کون جا رہا ہے باہر۔" ان کا لہجہ روٹھے ہوئے بچے کی طرح تھا۔

"آپ جا رہے ہیں باہر' آپ اور راشد!"

"راشد بھلے جائے مگر علی جواد کہیں نہیں جا رہا ہے۔" انہوں نے عائشہ خاتون کے گلے میں لاڈ سے باہیں ڈال دی تھیں۔

"مجھے آپ کے بغیر کہیں نہیں رہنا' دنیا میں نہ جنت میں۔"

"فضول مت بولیں۔ آپ جا رہے ہیں اور یہ میرا حکم ہے۔" علی جواد صوفے پر بیٹھ گئے تھے' پھر انہوں نے ناراضی اوڑھ لی عائشہ خاتون نے لاکھ منایا راشد کیانی نے بات کلیئر کی' مگر وہ ناراض رہے تھے پھر ایئرپورٹ پر کھڑے تھے جب یکدم وہ عائشہ خاتون سے لپٹ گئے۔

"امی جان پلیز مجھے روک لیں میں آپ کے بغیر نہیں رہ سکتا' دیکھیے گا میں آپ سے دور رہا نا تو بہت جلدی مر جاؤں گا۔"

"اللہ نہ کرے علی۔" انہوں نے ان کے منہ پر ہاتھ رکھا اور وہ پھر سے ناراض ہو گئے تھے۔

"بہت ظالم مما ہیں آپ' دوسری مائیں بچوں کو

یوں بھینچ بھینچ کر رکھتی ہیں اور آپ ...." ان کی آنکھوں میں آنسو بھی امنڈ آئے تھے۔

"ہاں ہوتی ہیں کچھ ایسی مائیں مگر انہیں اپنی اولاد سے محبت نہیں ہوتی ہوگی۔"

"خود سے دور کرنے میں کہاں سے محبت آگئی' ہم جس سے محبت کرتے ہیں ہر وقت اسے اپنے ساتھ رکھنا چاہتے ہیں مما جانی۔" وہ پھر لڑ پڑے تھے معصوم سی لڑائی۔ انہوں نے علی جواد کو خود سے قریب کیا تھا۔

"ہاں تم صحیح رہے ہو مگر کبھی کبھی دور جانا ضروری ہوتا ہے' سفر وسیلہ ظفر نہیں سنا۔" ان کی پیشانی پر پیار کر کے پھر سے بولیں۔

"مگر تم مجھ سے دور جا رہے ہو تو کیا میں اکیلی ہوں گی تمہارا خیال' تمہاری باتیں ہر وقت میرے ساتھ تمہاری باتیں کیا کریں گی۔"

"پھر آپ بھی میرے ساتھ چلیں نا پلیز مما جانی۔"

"میں آپ کے ساتھ تو ہوں۔" انہوں نے ان کے سینے پر ہاتھ رکھ کر جذب سے کہا تھا۔

"اس دل میں' میں تمہارے ساتھ جا رہی ہوں' ہم ہر روز فون پر باتیں کیا کریں گے' ہر روز ملا کریں گے۔" انہوں نے علی جواد کو بہلایا تھا پھر وہ جو بہادری سے علی جواد کو دور کرنے کا فیصلہ کر چکی تھیں خود ان کے لیے بیٹے سے دور رہنا مشکل ہو گیا تھا' شروع شروع میں علی نے بہت والہانہ پن دکھایا تب انہوں نے راشد کو فون کیا۔

"وہ دیارِ غیر.... جا کر بھی مجھے نہیں بھول رہا' تم اسے اسٹڈیز کے بعد بھی ایکٹویٹی میں انوالو کرو راشد تاکہ اس کا مجھ پر انحصار کم سے کم ہو' وہ اپنے فیصلے اکیلے کرنا سیکھے۔"

راشد نے اسی وجہ سے وہاں کی دو تین اچھی لائبریریز کی ممبر شپ حاصل کی تھی وہ ان کے ساتھ انگلینڈ کی گلیوں میں گھوما کرتے تھے اور علی جواد بہت مصروفیت سے جب بھی سر اٹھاتے ان کا ایک جملہ ہوتا۔

"مجھے امی جان بہت یاد آ رہی ہیں میں ان کے بغیر نہیں رہ سکتا راشد۔"

"کوئی کسی کے بغیر نہیں رہ سکتا مگر رہنا پڑتا ہے تم یوں سوچو آنٹی ہیں ہی نہیں۔"

"راشد....." وہ یکدم بکس چھوڑ کر اٹھ گئے تین دن تک راشد سے انہوں نے بات نہیں کی تھی پھر بہت منت سماجت کے بعد مانے تھے۔

عائشہ خاتون اب بہت کم رابطہ کرتی تھیں' علی جواد کا فون آتا تب بھی بے قراری سے اٹینڈ نہیں کرتی تھیں' کبھی کبھی فارغ ہونے کے باوجود۔ سیکریٹری سے کہلوا دیتیں کہ بزی ہیں یہاں تک کہ وہ تیئس سال کے بھرپور جوان ہو کر لوٹے تھے انہیں لگا تھا ان کی محنت ضائع نہیں گئی' وہ بہت بردبار' سنجیدہ ہو گئے تھے ان کا والہانہ پن اب ویسا نہیں تھا' مگر چار دن بعد وہ حیرت زدہ رہ گئیں' جب علی جواد ماضی کے علی جواد بن کر ان سے لپٹ گئے تھے۔

"مجھ سے نہیں ہوتی اور ایکٹنگ آپ کی مرضی پر میں نے خود کو بہت روکا بہت بدلا مگر میں آپ سے دور رہنا اب تک نہیں سیکھ پایا ہوں امی جان۔" انہوں نے والٹ نکال کر ان کی تصویر ان کے سامنے کی تھی۔

"میں گھنٹوں اس تصویر سے باتیں کرتا تھا' کتنی ہزار ہا نیندیں قرض ہیں آپ پر' آپ کو پتا بھی ہے۔" وہی معصوم مسکراہٹ' الوہی لہجہ' وہی چمکدار آنکھیں انہیں بے اختیار اپنے بیٹے پر پیار آگیا وہ ابھی تو علی کے بغیر ابھی تک جینا نہیں سیکھی تھیں۔

"شادی کر دو بیوی بچوں میں لگے گا تو خود پریکٹیکل ہو جائے گا۔" ایک دوست نے مشورہ دیا' وہ واقعی آنکھوں ہی آنکھوں میں کئی لڑکیاں علی جواد کے ساتھ رکھ رکھ کر پاس یا فیل کرنے لگی تھیں' پھر وہ اس کام میں مگن ہی تھیں کہ علی جواد نے ایک دم سے ایک لڑکی کو ان کے سامنے لا کھڑا کیا۔

"یہ مہربانو ہیں میری پرانی کالج فرینڈ۔" عائشہ خاتون نے چہرہ دیکھا' چہرہ ماہتاب تھا مگر انہیں مہربانو سے مل کر کوئی اچھا تاثر نہیں ملا تھا۔

"زندگی میں پہلی بار آپ نے فیصلہ لیا اور وہ بھی اپنی

ماما کو شامل کیے بغیر۔" علی جواد جو دوسرے دن آفس فائلز دیکھ رہے تھے یکدم اٹھ کر ان کے پاس آگئے پھر ان کے قدموں میں کارپٹ پر بیٹھ گئے۔

"یہ میری پسند ہے مگر آپ کے فیصلہ سے مشروط ہے میرا فیصلہ میں نے مہربانو سے کوئی عہد یا وعدہ نہیں کیا ہے امی جان میں نے ان سے کہا ہے میں آپ کو امی سے ملوا دیتا ہوں مگر آخری فیصلہ میری ماں کا ہو گا اگر وہ ہاں کہیں گی تو ہاں اگر نہ کہیں گی تو نہ۔"

"اتنا چاہتے ہو اپنی مما جانی کو۔" انہوں نے وفور جذبات سے اپنے خوبرو بیٹے کے چہرے کو اپنے ہاتھوں کی رحل پر رکھا تھا اور ان کا وہی سادہ محبت سے چور لہجہ تھا۔

"دنیا میں مجھے آپ سے زیادہ کوئی عزیز نہیں مہربانو تو کیا اگر آپ نہ ہوں تو مجھے اپنی زندگی بھی عزیز نہیں امی جان۔"

"کیوں کرتے ہو اتنی محبت مجھ سے؟"

"پتا نہیں مگر بس کرتا ہوں محبت۔" انہوں نے اپنا سر عائشہ خاتون کے گھٹنے سے ٹکا دیا۔ پھر وہ انکار کیوں کرتیں، ان کے بیٹے نے دھونس سے دھمکی سے نہیں اپنی بے لوث محبت سے اپنی ماں کی نہ کو ہاں میں بدل دیا تھا اور چند ماہ بعد مہربانو ان کے گھر میں تھیں۔

علی جواد دونوں کے ساتھ خود کو احسن طور پر بانٹ چکے تھے مگر مہربانو کی حاسدانہ طبیعت گھر میں نئے سے نئے ہنگامے کو جنم دیتی رہی تھی، عائشہ خاتون ہمیشہ چپ رہتی تھیں اور مہربانو کو یہی بات کھلتی تھی ان کی لڑائی میں ٹوئسٹ نہیں آپاتا تھا علی جواد ہمیشہ عائشہ خاتون کی سائیڈ لیتے تھے جو مہربانو کو زہر لگتا تھا، مگر پھر انہوں نے چپ سادھ لی اب وہ بہت دیر دیر تک باہر رہتے، عائشہ خاتون بار بار فون کرتیں، تب وہ بے قرار ہو کر گھر لوٹ آتے مگر کب تک، شہریار دو برس کا تھا جب مہربانو نے اسے عائشہ خاتون کے پاس چھوڑا۔

"آپ کو تو بے بی سٹنگ کا بہت تجربہ ہے ناپال لیجیے اس کو بھی میں اب آپ کے بیٹے کے ساتھ نہیں رہ سکتی، اس طرح کے ماما زبوائے نہ خود ڈھنگ سے جیتے ہیں نہ اپنی بیوی کو ڈھنگ سے رکھ پاتے ہیں پتا نہیں آپ نے ان کی شادی کی ہی کیوں تھی اگر ہر وقت ان کی جان سے چمٹ کر رہنا تھا۔" وہ لڑ کر چلی گئیں پھر ایک ہفتے بعد دوبارہ گھر میں ہنگامہ اٹھایا گیا انہوں نے عائشہ خاتون کو مزید بے عزت کیا تھا ان کے کردار کو اچھالا تھا انہیں ذلیل کیا تھا علی جواد جو دوسرے شہر میں تھے دو دن بعد آنے والے تھے مگر دو دن پہلے آگئے تھے مگر اس وقت تک مہربانو دل کی بھڑاس نکال چکی تھیں علی جواد سکتے کی کیفیت میں تھے اور عائشہ خاتون اتنی دل گرفتہ ہو گئی تھیں کہ ان کی خاموشی سے سمجھیں علی جواد ان کے ساتھ نہیں مہربانو کے ساتھ جا کر کھڑے ہو گئے ہیں مہربانو زہر اگل کر جا چکی تھی اور عائشہ خاتون نے خود کو کمرے میں بند کر لیا تھا، علی جواد دروازہ کھٹکھٹانے لگے تھے۔

"آپ غلط سمجھ رہی ہیں امی جان میں تو آج ایک بہت ضروری بات آپ سے شیئر کرنے آیا تھا، مجھے مہربانو کے کسی لفظ سے اتفاق نہیں، پلیز دروازہ کھولیے امی جان۔" "مہربانو اس مقام پر نہیں آسکتی جہاں میرے دل نے آپ کو رکھا ہے اس مقام کو کوئی نہیں بدل سکتا، امی جان پلیز دروازہ کھولیے۔"

"چلے جاؤ اس کے ساتھ رہو جا کر مجھے مہربانو کی ہر چیز سے نفرت ہے۔"

"میں مہربانو کی زندگی کا حصہ ضرور تھا مگر میں آپ کا ہوں امی جان پلیز دروازہ کھولیے مجھ سے خفا مت ہوں پلیز، میں آپ کی ناراضی کے ساتھ جی نہیں پاؤں گا امی جان۔" وہ دروازہ کھٹکھٹاتے رہے اور پھر ان کے جاتے قدموں کی آواز آئی۔

آدھے گھنٹے بعد راشد کیانی کی آواز ان کے موبائل پر گونجی تھی۔

"علی کی کار کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے، آنٹی۔" اور وہ فون رکھ کر پاگلوں کی طرح ہسپتال بھاگی تھیں وینٹی لیٹر پر تھے علی جواد۔

"علی..... علی آنکھیں کھولو دیکھو مجھے، میں تم سے خفا نہیں ہوں پلیز آنکھیں کھولو..... علی، علی۔"

راشد کیانی ان کے قریب آگئے وہ علی جواد پر جھکی ہوئی انہیں پکار رہی تھیں راشد کیانی کے ہاتھوں نے انہیں اپنے حصار میں لیا تھا پھر دل گیری سے بولے تھے۔

"آنٹی یہ صرف وینٹی لیٹر پر زندہ ہے ورنہ مینٹلی طور پر یہ مر چکا ہے۔"

"نہیں، میرا علی زندہ ہے اسے کچھ نہیں ہو سکتا۔" انہوں نے راشد کیانی کے ہاتھ جھٹک دیے تھے اس تلخ سچ سے مکرنے کی کوشش کی تھی مگر پھر پورے ایک ماہ دس دن بعد وہ علی جواد کے سرہانے بیٹھی تھیں۔

"میں نے تمہیں اللہ کے سپرد کیا میں تمہاری ماں ہوں، تمہیں اتنی تکلیف میں کب تک اپنی ممتا کی تڑپ میں روکے رکھوں گی، تم جاؤ علی۔ میرا انتظار کرنا ہم جنت میں بہت جلد ملیں گے۔" انہوں نے ان کے کان میں حال دل کہا، علی جواد کے ہاتھ چومے، ان کی پیشانی پر آخری بوسہ لیا اور پیرا میڈیکل اسٹاف آہستہ آہستہ علی جواد کو وینٹی لیٹر کے گورکھ دھندے سے نکال رہا تھا، مصنوعی تنفس کے بغیر وہ زندہ ہی کب تھے وہ ایک ماہ دس دن پہلے مر چکے تھے۔

علی جواد..... وہ دل کے آنگن میں اکیلی تڑپ کر روئیں اور آج اتنے برسوں بعد بھی اسی دن کی طرح تکلیف اپنے سینے میں محسوس کر رہی تھیں۔

"اگر آپ نہ ہوں گی تو آپ کے علی کو کون یاد کرے گا۔"

"کیا صرف میں تمہیں یاد کروں، کیا تم نے بھی مجھے یاد کیا ہے علی۔" وہ ان کا جملہ یاد کر کے علی جواد کے سائیڈ ٹیبل پر فوٹو فریم کو چھو کر نئے سرے سے لڑنے لگی تھیں تبھی نینی گھبرائی ہوئی سی ان کے سامنے آئی تھیں۔

"مادام شیری بابا، بہت اپ سیٹ ہیں وہ صوفے پر آڑے ترچھے لیٹے ہیں کسی بات کا جواب بھی نہیں دے رہے ہیں۔"

وہ دیوانوں کی طرح اٹھی تھیں اور شہریار کو دیکھ کر ان کا دل رکنے سا لگا۔

"شہریار..... کیا ہو گیا ہے شہریار۔" مگر وہ ان کو دیکھ کر تیزی سے اٹھا اور اپنے کمرے کی طرف بھاگا تھا اور عائشہ خاتون پر بالکل اسی طرح دروازہ بند کر دیا جس طرح بہت سالوں پہلے انہوں نے اپنے علی پر دروازہ بند کر دیا تھا وہ نہیں جانتی تھیں کہ وہ صرف اپنے کمرے کا ہی نہیں زندگی کا دروازہ بھی ان پر بند کر رہی ہیں۔

"شہریار دروازہ کھولو، مجھے بتاؤ تو ہوا کیا ہے شہریار۔" اور شہریار، اس نے اپنے کمرے میں تگی مہر بانو کی دی ہوئی ہر چیز توڑ پھوڑ دی تھی، سارے فوٹو فریم زمین بوس کر دیے تھے۔

"مجھے نفرت ہے آپ سے مما جانی، سخت نفرت آج مجھے شدت سے اپنے پاپا یاد آرہے ہیں وہ کتنے معصوم کتنے سادہ دل تھے کہ آپ کی محبت سے ہار گئے شاید یہ وراثت میں ملا ہے کہ میں دادو کی محبت میں پل کر جوان ہوا مگر پاپا کی طرح مجھے بھی صرف آپ سے محبت رہی، صرف آپ سے۔" وہ زمین پر بیٹھ کر زمین آسمان ایک کر کے رو دیا تھا اور پھر روتے روتے ایک دم سے زمین پر گر گیا دادو نے دوسری طرف کھڑکی سے یہ منظر دیکھا تھا اور سارے ملازمین کی فوج لگا کر اس کا دروازہ توڑا تھا۔

دادو اسے ہاسپٹل لے کر بھاگی تھیں اور راشد کیانی اسے ایمرجنسی میں دیکھ کر گھبرا گئے تھے پھر چیک اپ کے بعد ٹھنڈی سانس لے کر بولے۔

"یہ صرف بے ہوش ہوا ہے وگرنہ میں سمجھا تھا شاید۔"

"کیا سمجھے تھے شاید۔" عائشہ خاتون کی سانس رکنے لگی۔

"آنٹی آپ بہت حوصلہ مند خاتون ہیں میں جانتا ہوں۔"

"راشد تم مجھ سے ایسی کوئی بات نہ کرنا جو میں نے کبھی خواب و خیال میں بھی نہ سوچی ہو۔"

"آنٹی شہریار ایک ہفتے پہلے طبیعت کی خرابی کی وجہ سے ہاسپٹل آیا تھا اس کے ہم نے بہت سارے ٹیسٹ کیے تھے اور کل ہی وہ ساری رپورٹس مجھے ملی

ہیں۔"

"تو...؟" عائشہ خاتون ہونق ہو کر کوریڈور میں پڑی ویٹنگ چیئر پر بیٹھ گئی تھیں۔

"شہریار کو ٹیومر تشخیص ہوا ہے۔"

چھن چھناک... عائشہ خاتون کے دل میں جانے کتنے خواب ٹوٹ گئے تھے۔

"لیکن آپ گھبرائیں نہیں ابھی اس کا علاج ممکن ہے شاید صرف دواؤں سے سب کنٹرول ہو جائے۔" عائشہ خاتون کچھ نہیں بولیں بس صدماتی کیفیت میں بیٹھی رہ گئیں۔

"میرے اللہ اتنی بڑی آزمائش مجھ پر مت ڈال علی کی جدائی سہہ لی تھی مگر اولاد کی اولاد' رحم فرما میرے اللہ رحم فرما۔" وہ گڑگڑائی تھیں تبھی 'راشد کیانی نے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"اسے ہوش آگیا ہے مگر اسے جلد سے جلد ٹریٹمنٹ شروع کروا دینی چاہیے آپ سمجھ رہی ہیں نا۔" وہ سر ہلا کر اس کے کمرے کی طرف بڑھ گئیں وہ سیدھا لیٹا چھت کو گھور رہا تھا۔

"گھر چلیں شہریار..." انہوں نے اس کا رخسار چھو کر پوچھا اور اس نے کوئی سخت رد عمل دیے بغیر' کسی معمول کی طرح سر ہلایا تھا اور اٹھ کر بیڈ سے نیچے اتر آیا تھا' ننگے فرش پر بغیر جوتوں کے ٹھنڈک اس کے دل میں بیٹھی ٹھنڈک سے گلے مل رہی تھی آئس برگ کا کوئی ٹکڑا تھا جو دل میں انی کی طرح چبھ گیا تھا اور وہ جتنا اس کیفیت سے نکلنے کے لیے ہاتھ پیر مارتا اتنا ہی اس کا دل ٹھنڈا ٹھار برف کا ٹکڑا بنتا جاتا تھا وہ گاڑی میں عائشہ خاتون کے ساتھ بیٹھا تھا مگر اسے لگ رہا تھا وہ ابھی تک مہربانو کے ڈرائنگ روم کے باہر کھڑا ان تلخ باتوں کی طوفانی بارش میں بھیگ رہا ہے۔

"تم سے زیادہ کوئی چالاک نہیں ہے مہربانو جس طرح علی کے بعد بھی تم نے اپنے مہرے چلے ہیں وہ صرف تمہارا ہی کمال ہے۔" مہربانو کا استہزائیہ قہقہہ گونجا۔

"وہ بے وقوف سمجھتا ہے مجھے اس سے جینے مرنے والی ممتا بھری محبت ہے' نہیں جانتا اگر مجھے اس سے محبت ہوتی تو کیا میں اسے عائشہ خاتون کی گود میں پھینک کر آتی۔"

"کیا تم نے کبھی اس سے محبت بھی کی ہے۔" سوال ہوا۔

"مجھے صرف دولت سے محبت ہے' جس کے پاس دولت ہے مجھے صرف اس سے محبت ہے' رضوان کو یہی تو گلہ ہے میں اس سے اب پہلے جیسی محبت نہیں کرتی مگر کیا کروں جو مجھے آسائشات نہیں دے سکتا میری زندگی میں اس کی کوئی گنجائش نہیں۔"

"کتنا پیسا چاہیے تمہیں جینے کے لیے۔"

"اتنا کہ زندگی ختم ہو جائے پیسہ کبھی ختم نہ ہو۔"

"تم بہت لالچی عورت ہو مگر پھر بھی میری کمزوری بن گئی ہو۔ تمہیں ہنر آتا ہے لوگوں کا دل مٹھی میں کرنے کا۔" وہ اندر جانا چاہتا تھا جب کسی نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور اب وہ اسٹڈی روم میں بیٹھا تھا اور رضوان انکل ڈرنک کرتے ہوئے بے بسی سے بولے تھے۔

"زندگی میں کون کہتا ہے مکافات عمل نہیں ہوتا' مجھے دیکھو میں ہوں عبرت نگاہ شہریار علی جواد' جس جگہ یہ ارباب بیٹھا ہے بالکل اسی جگہ کبھی میں بیٹھا تھا میں اور علی بزنس میں پارٹنر تھے وہ سیدھا سچا دل تھا اور میں ایک کرپٹ انسان' میں نے اور مہربانو نے جی بھر کے اسے لوٹا' پھر اس دن پتا نہیں مجھے کیا ہوا میں نے مہربانو سے کہا مجھے تم سے شادی کرنی ہے' اس دفعہ بھی وہ لڑ جھگڑ کر آئی تھی' اسی وجہ سے میں نے لوہے کو گرم دیکھ کر چوٹ کی' مہربانو کے انداز میں ہمیشہ کی طرح خود سپردگی تھی' بس میں نے یونہی لاابالی پن سے بنا سوچے سمجھے علی جواد کا نمبر ڈائل کر دیا مہربانو کا نمبر دیکھ کر اس نے فوراً" کال ریسیو کی۔

"مہربانو..." ان کے مہربانو کہنے میں جتنی شدت تھی میں آج بھی سوچتا ہوں تو میرا دل پگھل جاتا ہے مگر اس لمحے مجھے کچھ سمجھ نہیں آیا تھا صرف مہربانو کو پانے کی خواہش کے سوا اور مہربانو تلخی سے بولی تھی۔

"مجھے آپ سے معذرت کرنی ہے نہ کوئی دوسری بات کہنی ہے' میں صرف آپ سے ایک بات کرنا چاہتی ہوں۔"

"کیا...!" علی کی آواز مرنے لگی تھی اور مہربانو نے اس کو ڈس لیا تھا۔

"میں کہنا چاہتی ہوں مجھے طلاق چاہیے ایک پل بھی تمہارے ساتھ نہیں رہ سکتی اب۔"

"کیوں..." ایک اور سوال ہوا۔

"مجھے تم سے شکایت یہ ہے کہ تمہیں بیوی سے بڑھ کر اپنی ماں سے عشق ہے اور میں خود کو ڈی گریڈ کرنا برداشت نہیں کر سکتی اور دوسری بات مجھے آپ سے محبت نہیں ہے۔"

"محبت نہیں ہے؟" علی کی حیرت اور افسوس بھری آواز ابھری۔ تبھی میں نے مہربانو سے موبائل چھین لیا۔

"ہاں اسے تم سے محبت نہیں ہے تمہارے ساتھ رہتے ہوئے اسے زندگی نے دیا ہی کیا ہے' وہ تمہارے ساتھ اب زندگی نہیں گزارنا چاہتی' تمہارے پاس دولت بھلے مجھ سے زیادہ ہو گی مگر مہربانو کے دل میں اب تم کہیں نہیں ہو' ہم شادی کرنا چاہتے ہیں ایک عرصے سے جو بات تم سے چھپاتے آرہے تھے آج طشت ازبام کرتے ہیں؟ مہربانو کو تم جلد سے جلد طلاق دو تاکہ ہم مل سکیں۔"

"مہربانو..." بس یہ اس کے آخری لفظ تھے اور پھر پانچ منٹ بعد ہمیں اس کے روڈ ایکسیڈنٹ کی خبر ملی' علی جواد نے خودکشی نہیں کی تھی' اسے ہم دونوں نے مل کر قتل کیا تھا' علی جواد جیسے لوگ خودکشی نہیں کرتے بس چپ چاپ مر جاتے ہیں بغیر آواز نکالے شور مچائے۔ مہربانو فارملٹی پوری کرنے کی حد تک بھی علی جواد کے لیے نہیں جانا چاہتی تھی مگر علی جواد کے انشورنس کی رقم کے لیے وہ گئی تھی۔

پورے دو کروڑ کی رقم' عائشہ خاتون نے فارملٹی پوری کروائی تھی اور مہربانو دو کروڑ کی رقم کے ساتھ میرے پاس تھی۔

مگر اب میں قلاش ہو گیا ہوں' یہ گھر بینک کے پاس لون کے طور پر گروی ہے گاڑیاں بینک بیلنس قرض میں نیلام ہو چکا ہے تو یہ اس ارباب کے ساتھ بیٹھی ہے میرا دل چاہتا ہے میں اسے شوٹ کر دوں مگر میں بہت بزدل ہوں! اسے مار سکتا ہوں نہ خود کو مارنے کی ہمت ہے سو خاموشی سے اپنی اس موت کا انتظار کر رہا ہوں جس نے کبھی علی کو ڈھانپ لیا تھا؟ شہریار تم بہت اچھے اور نیک انسان کے بیٹے ہو تمہیں یہ زندگی زیب نہیں دیتی' یہ سب مہربانو کی چال ہے وہ عائشہ خاتون کے خلاف تمہیں مہرے کی طرح چلا رہی ہے تاکہ تم سے پیسے اینٹھتی رہے تمہیں برائیوں کی دلدل میں دھکیل دیا ہے اس نے' شہریار یہ ٹکے ٹکے پر بکنے والی عورتیں عائشہ خاتون جیسی عظیم عورت کی گھر گرہستی روندنے کے لیے نہیں بنی ہیں تمہارے لیے تو صبا حمزہ جیسی لڑکی ہونی چاہیے۔"

"صبا حمزہ...؟ آپ کیسے جانتے ہیں اسے۔"

"مہربانو کے منہ سے تذکرہ سنا تھا اس کا خیال تھا اگر وہ تمہاری زندگی میں آگئی تو تم اس کے شکنجے سے نکل جاؤ گے۔"

"صبا حمزہ۔" نام کے ساتھ کسی کی آنسو بھری آنکھوں نے اسے گھیر لیا تھا اور آج اسے ان ہی آنکھوں کی بددعا لگ گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

رخشی بہت دل سے کام کر رہی تھی جب ایمان صفورا نے دلچسپی سے اسے دیکھا تھا۔

"اے سنو کیا تمہیں یہ سب سمجھ آتا ہے۔" اس نے ٹاک شو کی طرف اشارہ کیا جسے رخشی بار بار دلچسپی سے دیکھ اور سن رہی تھی مگر وہ کچھ بولی نہیں تھی تب اس نے سوال پھر کیا۔

"کچھ پوچھا ہے کیا تمہیں یہ سب سمجھ آتا ہے۔" رخشی پھیکے سے انداز میں مسکرائی تھی۔

"ہم کو یہ سب سمجھ آتا ہو تب بھی ہوتا تو وہی ہے نا جو آپ جیسے پڑھے لکھے لوگ کرنا چاہتے ہیں۔"

"انٹرسٹنگ۔۔۔ ادھر آؤ' تمہارا نام کیا ہے؟" اس نے رخشی کو اپنے پاس صوفے پر بٹھا لیا تھا۔
"تم نے کتنا پڑھا ہے؟"
"اتنا جتنا زندگی جی لی ہے۔"
"واہ تم تو فلاسفر ہو۔"
"نہیں جی میں تو رخشی ہوں۔" ترنت جواب پر ایمان صفورا" قہقہہ لگا کر ہنس پڑی تھی اور اس سے پہلے کہ وہ مزید باتیں کرتی وہی ملامت آمیز چہرے والی عورت ٹی وی لاؤنج میں داخل ہوئی تھی۔
"امی یہ سب کیا ہے میڈز کو بھی اتنے قریب نہیں بٹھاتے ان میں ہزار ہا جراثیم ہوتے ہیں۔"
"مگر خالہ جانی آپ ان ہی میڈز کے ہاتھوں سے بنایا گیا کھانا تو بڑے آرام سے کھا جاتی ہیں' اس وقت جراثیم کش خیالات کی چھٹی ہو جاتی ہے کیا۔"
"امی مجھے تم سے بحث نہیں کرنی تم ٹاک شو میں بحث کرتے کرتے گھر میں بھی ویسا ہی ایکٹ کرتی رہتی ہو۔"
"اوکے خالہ جانی نہیں کرتی چلو بھئی رخشی ہم سے ایک فاصلے پر رہو آج کے شہریار کا یہی حکم ہے۔" اس نے بات کسی اور حوالے سے کی تھی مگر شہریار سے اسے شہریار علی جواد یاد آگیا تھا۔
"خالہ جانی میں ابھی آئی ایک بہت ضروری کام یاد آگیا۔" وہ اٹھی اور تیار ہو کر اپنے آفس آئی پرنٹر سے اپنی نئی C.V نکالی اور شہریار علی کے آفس میں جا پہنچی۔

وہاں اس کا ٹاکرا' روبی سے ہو گیا تھا' روبی کسی زمانے میں اس کے چینل میں تھی۔
"تم اور یہاں؟ کیا ہمارے باس کا انٹرویو کرنا ہے ابھی۔۔۔"
"میں خاص لوگوں کے انٹرویو کرتی ہوں۔ ویسے تمہارا باس ہے کیسا۔۔۔" وہ کرسی پر بیٹھ کر تجسس سے بولی۔
اور روبی کا برا سا منہ بنا وہ ہنس پڑی اور روبی بے دھڑک بولی۔
"ایک دم کھڑوس سب آفس میں نفرت کرتے ہیں اس سے کسی دن وہ دفتر نہ آئے تو سب ایک دوسرے کو ٹریٹ دیا کرتے ہیں اور وش کرتے ہیں' غصے کا تیز ہے زبان کا سخت ہے بد خلق انسان ہے سچ پوچھو تو پکا جہنمی ہے۔"
"جہنمی نہ بھی ہو تو میں اسے جہنم تک پہنچا کر چھوڑوں گی۔" دل میں اس نے سوچا اور C.V کا لفافہ اس کی طرف بڑھایا۔
"کوئی بھی ویکنسی نکلے پلیز مجھے انفارم کرنا مجھے اس آفس میں لازمی جاب چاہیے۔"
"خیر ہے شہریار علی سے کوئی پرانا حساب بے باق کرنا ہے کیا۔" وہ ہنس پڑی تھی۔
"ہاں ایسا ہی سمجھو۔"
"اوکے میں تمہیں جلد انفارم کروں گی کیونکہ باس کے غصے کی وجہ سے بہت کم لڑکیاں یہاں ٹک پاتی ہیں۔"
"اچھا تم پھر یہاں کیوں ٹکی ہوئی ہو؟ کیا شہریار علی سے دل لگا لیا ہے۔" اس نے کانوں کو ہاتھ لگائے تھے۔
"دل لگانے کے لیے شہریار علی رہ گئے ہیں' شہریار علی دنیا کا آخری مرد ہوتا تب بھی میں اس کا ساتھی بننے سے بہتر سمجھتی تنہا زندگی جینا۔" لمحہ بھر کو ٹھہر کر پھر بولی۔
"یہاں سیلری بہت ہینڈسم ہے بس اسی لیے ٹکی ہوئی ہوں یار۔" شہریار علی جو کسی کام سے H.R ڈپارٹمنٹ میں آیا تھا اپنے بارے میں اپنے ملازمین کی رائے سن کر ساکت و صامت ہو گیا۔
"لوگ مجھ سے اتنی نفرت کرتے ہیں اور میں سمجھتا تھا دنیا اس قابل نہیں کہ اسے میری توجہ حاصل ہو' میں سمجھتا تھا میں دنیا سے دور بھاگ رہا ہوں اور حقیقت یہ ہے کہ دنیا مجھ سے دور بھاگ رہی تھی۔" وہ وہیں سے پلٹ آیا تھا۔
اور پھر یہ تیسرے دن کی بات تھی جب روبی نے انفارمیشن سیکشن کے لیے کسی نئی اپائنٹمنٹ کے لیے عرض گذاشت کی تھی' اس ڈیپارٹمنٹ کا کام ملکی و غیر ملکی وفد کو اپنی ترجیحات لینے حاصل کیے گئے اہداف' فیکس اور ای میل کرنا تھا' ان سب باتوں کا ڈیٹا رکھنا بھی اسی ڈیپارٹمنٹ کا کام تھا ایک ذیلی کام وفود کی نشست و برخاست کا انتظام بھی' ان کی کمپنی کی ترجیحات کیا ہیں اور ان کے کاروباری معاملات کس کس کمپنی کے ساتھ ہیں۔ اس ڈیپارٹمنٹ کی ہیڈ' ضیا مرزا' شہریار کی بری بھلی سن کر ریزائن دے کر جا چکی تھی اس لیے روبی کو ایمان صفورا کا خیال آیا تھا۔
روبی کی کال پر حکم شاہی کا اجرا ہوا تھا۔
"اوکے آپ پہلے سے موجود اس جاب کے لیے آئی درخواستیں آفس میں بھیجیں۔" سو یہ روبی کا کام تھا اس نے کچھ ایسی درخواستیں آگے کی تھیں کہ شہریار نے ایمان صفورا کو ہی کال کرنے کا حکم دیا تھا۔
"یہ مجھے کمپنی کے لیے بہتر لگ رہی ہیں آپ صرف انہیں ہی بلائیں پلیز۔" روبی نے مسکرا کے فون رکھ دیا تھا اور جب ایمان صفورا اس کے سامنے سیٹ پر آکر بیٹھی تو اسے ہلکا سا گمان بھی نہیں ہوا تھا کہ وہ جان بوجھ کر ٹریپ کیا گیا ہے۔ وہ اس سے ڈیپارٹمنٹ کے کام کے حوالے سے سوال پوچھ رہا تھا اور وہ ریسرچ کرنے کی عادی اس کے کسی سوال پر اٹک نہیں رہی تھی۔ شہریار نے مسکرا کے اسے اوکے کر دیا تھا۔

☆ ☆ ☆

وہ ہفتے میں دو دن ہسپتال میں گزارنے لگا تھا اور اب اسے دادو کی فکر لاحق ہو رہی تھی وہ پہاڑ تھا مگر صرف ایک بلاسٹ نے اس کے پرخچے اڑا دیے تھے دادو سے اس نے ابھی تک کوئی بات نہیں کی تھی' خاموشی سے اپنی بیماری کو چھپا گیا تھا۔
"یہ باس ہفتے میں دو دن لازمی چھٹی کیوں کرتے ہیں۔"
"پہلے تو نہیں کرتے تھے مگر اب کرتے ہیں۔" روبی نے بے زاری سے کہا۔
"ہو گی اپنی کوئی خاص مصروفیت باس کی۔" روبی کا لہجہ معنی خیز تھا۔
"یعنی تمہارے شہریار علی امرا کی ساری اچھی عادتوں سے بھرپور ہیں۔" وہ ہنس پڑی تھی۔
"تم بالکل ٹھیک سمجھی ہو اپنے باس بہت عاشق مزاج ہیں کہاں کہاں محبت کی داستان چھوڑ چکے ہیں انہیں خود یاد نہیں رہتا۔"
"گڈ یہ تو بہت مزے کی شخصیت ہیں پھر' ان پر تو ایک پروگرام ہونا چاہیے۔"
پھر بعد کے دنوں میں وہ تھی اور شہریار علی کی ہمنوائی شہریار علی اس کے کام سے بہت خوش تھا اب وہ لنچ بھی آفس میں ساتھ کرنے لگے تھے شہریار اس کی کسی ہر بات کو حرف آخر ماننے لگا تھا بہت کم وقت میں بہت تیزی سے اس نے سیڑھیاں چڑھی تھیں۔
ہمیشہ کی طرح آج بھی وہ اس کے سامنے بیٹھی تھی جب شہریار علی نے نرم لہجے میں کہا۔
"مس ایمان جب آپ میرے قریب ہوتی ہیں تو مجھے لگتا ہے میں کسی بہت مضبوط حصار میں آگیا ہوں کسی دعا کے حصار میں۔" وہ پریشان ہو گئی' وہ غلط لائنوں پر جا رہا تھا وہ اسے روکنا چاہتی تھی جب اس نے اس کے چہرے پر نظریں گاڑ کے کہا۔
"تمہاری طرف میرا دل آپ ہی آپ ہمکتا ہے مگر میرے دل میں تمہارے لیے ایسی کوئی خواہش جنم نہیں لیتی جیسی کسی لڑکی کو دیکھ کر ہمیشہ ہوا کرتی تھی' تمہارے وجود میں ایک مقدس تاثر ہے تمہاری عزت کرنے کو دل چاہتا ہے' اگر میری کوئی بہن ہوتی تو شاید بالکل تم جیسی ہوتی۔" ایمان صفورا کا دل یکدم تیز تیز دھڑکا تھا۔
"بہن ہوتی کیوں' بہن ہے تمہاری۔۔۔ شہریار علی کیا تمہیں ہلکی سی شبیہ نہیں دکھتی علی جواد کی خالہ کہتی ہیں میری آنکھیں بالکل میرے پاپا پر گئی ہیں مگر تم نے کبھی غور ہی نہیں کیا۔" اس کا دل چاہا جو وہ دل میں سوچ رہی ہے با آواز بلند بھی کہہ دے مگر یکدم اتنے سالوں پرانی نفرت کی دیوار حائل ہو گئی تھی۔ تین ماہ

کے عرصے میں اس نے خاموشی سے اسے بہت نقصان پہنچادیا تھا۔
کمپنی کا لیٹرپیڈ، شہریار علی کے اسٹیمپ، اس کے دستخط وہ پتا نہیں کہاں سے کہاں نکل گئی تھی۔
"کیا میں آپ کو بہنا کہہ سکتا ہوں۔" وہ ملائمت سے بولا وہ چپ رہی تب اس نے دوبارہ بہتر انداز میں پیش قدمی کی تھی۔
"ایک مرد تین رشتوں کے آگے نرم پڑتا ہے ماں، بہن، بیٹی یہ تینوں رشتے اس کی سختی کو نرمی میں بدلتے ہیں کبھی کبھی پورا کا پورا بدل دیتے ہیں مگر میرے پاس یہ تینوں رشتے نہیں تھے اس لیے میں پتھر بن گیا سخت پتھر مگر آپ کی توجہ نے میرے اندر لچک ڈالی ہے میرے دل کو نرم کیا ہے، میرا دل چاہتا ہے رشتوں میں بندھ کر ان کا ذائقہ چکھنے کو۔۔۔ کیا آپ یہ رشتہ قبول کریں گی۔" ایمان نے سخت لہجے میں کہا۔
"نہیں، مجھے اکیلا رہنے کی عادت پڑ چکی ہے مسٹر شہریار مجھے رشتے نبھانے آتے ہیں نہ میں رشتوں کے سرد رو میں مبتلا ہونا چاہتی ہوں اور ویسے بھی زندگی میں وہی کامیاب ہے جو ظاہری سہاروں سے ٹریپ نہیں ہوتا۔" وہ کہہ کر کھڑی ہو گئی اور شہریار علی کا زرد چہرہ حسرت سے اس کی طرف مرتکز تھا وہ کوئی لفظ بول ہی نہیں پایا تھا مگر جب دوسرے دن اس کے ٹیبل پر اس کا استعفیٰ آیا تو وہ بے چین ہو گیا۔ ساری میٹنگز ملتوی کر کے وہ سی وی پر دیے گئے پتے پر پہنچا تھا۔
"آپ نے استعفیٰ کیوں دیا، پلیز ایمان اگر آپ چاہتی ہیں میں آپ سے باس والا رویہ ہی رکھوں تو میں ایسا ہی کروں گا، مگر آپ آفس مت چھوڑیں پلیز۔" اس نے شہریار علی کے سامنے چائے رکھی تھی مگر اپنا فیصلہ نہیں بدلا تھا۔
"میں پھر آؤں گا۔" وہ کہہ کر اٹھ گیا تھا، تبھی اس کی دوست زاہدہ نے اس کے سامنے آ کر اسے خوب لتاڑا تھا۔
"کتنی غلطیاں کرے گی تو نے اپنی C.V پر میرا ایڈریس دیا میں نے کچھ نہیں کہا، تو نے اس کے جعلی دستخطوں سے دھوکے کیے میں چپ رہی مگر ابھی اس کے لہجے کو سمجھو وہ بالکل بے ریا ہے تجھ سے، وہ صرف یہ چاہتا ہے کہ تو اس کی زندگی سے نہ جائے۔" اس نے جھٹکا سر اٹھایا اور چیختے ہوئے بولی۔
"مجھے نفرت ہے شہریار علی سے، مجھے نفرت ہے علی جواد سے۔"

☆ ☆ ☆

"آپ دادو کو یہ بات مت بتائیے گا ورنہ وہ میرے مرنے سے پہلے ہی مر جائیں گی انکل۔" ڈاکٹر راشد کیانی اپنے روم میں بیٹھے تھے اور انہیں علی جواد یاد آ رہا تھا وہی علی جواد جو چھوٹی چھوٹی شرارتیں کر کے بھی ان کی دوستی کے پیچھے چھپتا تھا۔
"پہلی بار اسموکنگ کی ہے امی جان کو پتا چلا نا تو جان سے مار دیں گی۔
آج تیری وجہ سے اتنی رات گئے سینما دیکھا ہے کمبائن اسٹڈی کا بہانہ بنا کر نکلا ہوں۔
نہیں راشد میں گول گپے نہیں کھا سکتا، تمہیں پتا تو ہے میرا گلا کتنا حساس ہے "فوراً" پکڑ جائے گا اس کھٹی چٹنی سے۔" مگر وہ اڑے رہے تھے تب ان کی ضد پر پہلی بار انہوں نے گول گپا منہ میں ڈالا تھا، جو آدھا ٹوٹ کر ان کی شرٹ پر گر گیا تھا اور اب ایک نیا خوف۔
"اس دھبے کو دیکھ کر تو امی جان کو "فوراً" پتا لگ جائے گا میں نے گول گپے کھائے تھے۔" راشد کیانی نے دلار سے کہا۔
"نہیں پتا چلے گا، تم کہنا راشد کھا رہا تھا اس نے پیالہ انڈیل دیا تھا مجھ پر۔" علی جواد اس آسان جھوٹ پر "فوراً" راضی ہو گئے اور پھر دونوں میں شرط لگ گئی تھی کہ کون زیادہ کھائے گا، راشد کیانی پیٹو تھے وہ ہی جیتے تھے اور علی جواد دو پلیٹیں کھا کر ہی برا سا منہ بنا رہے تھے۔
"مجھے لگتا ہے مجھے الٹی ہو جائے گی۔"
"نہیں ہوگی میری دادی زندہ باد ان کا چورن ہے ہر

پرابلم کا حل۔"
علی جواد پھر مطمئن ہو گئے پھر جب انہوں نے انگلینڈ میں پہلی بار ڈیٹ ماری تھی۔
اور آدھی ملاقات سے ہی واپس آ گئے۔
"میرے بس کا کام نہیں، وہ لڑکی بہت بے باک ہے اس نے میرا ہاتھ اتنی بے باکی سے پکڑا تھا کہ امی جان دیکھ لیتیں تو وہیں قتل کر دیتیں مجھے۔"
"تو وہاں آنٹی تھیں تو نہیں نا، تو موج کرتا، تو بھی تھوڑی بے باکی دکھا دیتا مجھے انگلش موویز کس لیے دکھاتا ہوں میں۔"
"راشد تم بہت گندے بچے ہو۔" ان کا چہرہ شرم سے سرخ پڑ گیا اور وہ کرید رہے تھے۔
"اور کیا کیا کرنا چاہتی تھی وہ میرے شہزادے کے ساتھ۔"
"بس چپ مجھے پڑھنے دو، ورنہ آپ کی آنٹی کو آپ کی شکایت لگا دوں گا میں۔" ان کی دھمکی بھی ان کی طرح معصوم ہوتی تھی۔ پھر ایک دن وہ ان کے سامنے کھڑے تھے۔
"مجھے پتا ہی نہیں چلا مجھے کب مہربانو سے محبت ہو گئی، ہم صرف دوست بن کر ملے تھے مگر راشد نہ جانے وہ کب اتنی ضروری ہو گئیں کہ میں زندگی میں ان کے بغیر کوئی قدم اٹھانے کا سوچتا ہوں تو میرا دم گھٹنے لگتا ہے۔"
"آنٹی سے ملا دے مگر عہد و پیمان مت کرنا، لڑکی ذات ہے عہد و پیمان لے کر بیٹھ گئی تو آہ لگ جائے گی۔" راشد کیانی نے صلاح دی اور انہوں نے ایسا ہی کیا تھا پھر تین دن بعد وہ خوش باش ان کے سامنے کھڑے تھے۔
"مان گئیں آنٹی۔" راشد کیانی نے اندازہ لگایا۔
"کس بارے میں۔" وہ انجان بن کر ٹی وی چینل سرچ کر رہے تھے۔
"میں مہربانو کی بات کر رہا ہوں؟" علی جواد نے لاپروائی سے نفی میں سر ہلایا تھا۔
"نہیں! ماما جانی نہیں مانیں کہنے لگیں مہربانو کہیں سے بھی آپ کے ساتھ سوٹ نہیں کرتیں، میں نے کہا جیسے آپ کی مرضی پھر لے آئیے کوئی میرے شایان شان۔" وہ تھوڑی دیر کو جز بز ہوئے تھے پھر ان کی دبی دبی مسکراہٹ پر شرارت سے بولے تھے۔
"ہاں آنٹی ٹھیک کہہ رہی تھیں تمہارا اور مہربانو کا کوئی جوڑ تھا بھی نہیں کہاں تم چندے آفتاب چندے ماہتاب کہاں وہ کالی پری۔"
"وہ کالی پری ہیں، اتنی پیاری سی تو ہیں، جائیے راشد میں آپ سے نہیں بولتا۔" انہوں نے راشد کیانی کو کشن کھینچ مارا تھا اور علی جواد کی ناراضی سے لطف لینے لگے تھے۔
"جب تم ناراض ہوتے ہو نا تو دو سال کے بچے کی طرح لگتے ہو، ابھی شادی کر دو اگلے سال پاپا بن جاؤ گے مگر ناراض ہونا تمہیں ابھی تک نہیں آتا۔"
وہ شرما گئے تھے اور راشد کیانی کا قہقہہ گونجا۔
"علی یار، کہاں رہتے ہو تم میں تو دنیا کی چھل کپٹ ہے ہی نہیں۔" انہوں نے علی جواد کے بال بگاڑ دیے تھے۔
"آپ بہت بگڑ گئے ہیں راشد، آنٹی سے کہنا پڑے گا آپ کی شادی جلد کر دیں ورنہ آپ کوئی حسین حادثہ کر کے ہی چھوڑیں گے۔" راشد کیانی مسکرا اٹھے تھے۔
"تم جانتے ہو جب اتنے بے تکلف دوست ہو کر بھی آپ آپ کہتے ہو تو تم مجھے دنیا کے سب سے پیارے انسان لگتے ہو، لوگوں کی تم اور تو میں جو اپنائیت نہیں وہ تمہارے آپ میں ملتی ہے۔"
پھر علی اور مہربانو کی شادی ہو گئی تھی، وہ شروع میں بہت خوش تھے پھر روز شکایت کرنے لگے۔
"ہمیشہ امی جان بہت کوشش کرتی ہیں سمجھوتا کرنے کی، مگر مہربانو کچھ نہیں سمجھتی ہیں اور وہ شہری وہ ہم دونوں میں سینڈوچ بن گیا ہے۔"
"تم اپنے جھگڑے میں آنٹی کو مت گھسیٹو یہ صرف اور صرف تمہاری ڈھیل ہے کیا تمہیں پتا ہے وہ مجھے کئی بار رضوان کے ساتھ گھومتی ہوئی ملی ہیں تم

نے پوچھا رضوان کے ساتھ گھومنے کا ان کا کیا مقصد ہے۔" علی جواد ہونٹ کاٹنے لگے تھے۔
"میں نے کئی بار پوچھا ہے مگر وہ ہر بار اتفاق کی کوئی اسٹوری بنا دیتی ہیں۔"
"اتفاقات جیسا پاکستانی فلم ہے کوئی۔ کمال ہے تمہیں بات کرنی ہی نہیں آتی مرد بن کر آنٹی کے ساتھ رہ رہ کر تم میں زنانہ خصوصیات آگئی ہیں۔" اتنا سخت جملہ آج تک انہوں نے علی کے لیے کبھی نہیں کہا تھا اور علی جواد سر جھکا کے رہ گئے تھے۔
"میں کہنے کو بہت کچھ کہہ سکتا ہوں مگر مجھے مہربانو کی محبت کسی بھی قسم کا سخت رویہ اپناتے ہوئے روک لیتی ہے۔"
وہ بہت الجھے ہوئے تھے جب رنگوں، خوشبو کی باتیں کرنے والی صفورا بلال ان کے گروپ سے ٹکرائیں، علی جواد دور بھاگتے تھے اجنبی رشتوں سے مگر ڈاکٹر راشد کیانی کو یہ رنگ خوشبو کی باتیں سننا اچھا لگتا وہ روز اپنی کوئی الٹی سیدھی تک بندی لے کر صفورا بلال کے سامنے جا بیٹھتے، صفورا بلال غزل، نظم کے مصرعے بٹھاتیں قافیہ کے رموز ٹھیک کرتیں مگر ان کی آنکھیں علی جواد کا طواف کرتی رہتیں اور ایک دن منہ پھٹ راشد کیانی نے کہا۔
"میں سمجھتا تھا تم میرے لیے وہاں جاتے ہو مگر صفورا بی بی تو تم پر دل ہار گئی ہیں۔"
"کیا فضول بات ہے میں شادی شدہ ہوں ایک بیٹے کا باپ ہوں۔"
"میں نے سب بتا دیا ہے انہیں مگر وہ پھر بھی چاہتی ہیں تم سے اکیلے میں ملیں۔"
"کیا کریں گی مجھ سے اکیلے میں مل کر۔"
"پتا نہیں مگر میں انہیں عہد دے کر آیا ہوں کہ تم اس ہفتہ کو ان سے ملنے ان کے گھر آؤ گے۔"
"مگر میں اکیلا نہیں جاؤں گا، آپ میرے ساتھ چلیں گے۔"
"پاگل وہ تم سے ملنا چاہتی ہیں مجھ سے نہیں۔" انہوں نے لاکھ واویلا کیا انکار کیا مگر پھر بھی راشد نے زبردستی انہیں اکیلے بھیجا تھا۔
سکون اطمینان زندگی "اس گرین ہٹ" میں کسی بھی چیز کی کمی نہیں تھی صفورا بلال فرشی نشست کی عادی تھیں، گلاس ٹیبل پر بکس بکھری ہوئی تھیں اور علی جواد سحر انگیز ہو کر رہ گئے تھے گہرے کالے سیاہ لمبے بال، بڑی بڑی بھورا آنکھیں شرارت سے مسکراتے ہونٹ۔
"زہے نصیب کہ آپ نے شرف ملاقات بخشا، راشد کیانی بھلے کتنے جھوٹے ہوں، دوست بن کر ہمیشہ سچے وعدے کرتے ہیں۔ آیئے تشریف رکھیے ٹھنڈا پئیں گے یا چائے۔"
"کچھ بھی نہیں میں صرف جاننا چاہتا تھا کہ آپ مجھ سے کیا بات کرنا چاہتی تھیں۔" علی جواد کا وہی نرم لہجہ تھا۔
"ارے اتنی جلدی بھی کیا ہے ابھی تو آپ آئے ہیں بہت ساری باتیں کریں گے پھر ان بہت ساری باتوں میں سے آپ کام کی باتوں کو رات گئے الگ الگ کرتے رہیے گا۔" علی جواد کچھ بھی نہیں بولے پھر بھی مہربانو سے جھگڑے کے بعد وہ ہمیشہ صفورا بلال کے پاس جا بیٹھتے تھے شاعری پر بات ہوتی افسانہ نگاری پر بات چلتی قصے کہانیاں اور ان کہانیوں میں دل کی کوئی واردات۔۔۔ اس دن بھی وہ ایسے بیٹھے تھے راشد کیانی اچانک آگئے تھے تب صفورا بلال نے کہا تھا۔
"مجھے آپ سے شاید محبت ہوتی جا رہی ہے۔" علی جواد راشد کیانی کو اچانک دیکھ کر اس جملے پر پزل ہو گئے۔
"مگر مجھے صرف مہربانو سے محبت ہے۔"
"تو میں نے یہ کب کہا کہ آپ بھی مجھ سے محبت کریں۔" اور علی جواد دور جا کر کھڑے ہو گئے۔
"ہر لڑکی ایک مکمل گھر چاہتی ہے اور میں آپ کو ایسا کوئی عہد نہیں دے سکتا۔"
"مجھے صرف آپ کا نام چاہیے آپ کے ہونے کی سرخوشی سے غرض ہے۔" انہوں نے ہاتھ تھامنا چاہا اور علی جواد نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔

"ایسا کچھ نہیں ہوتا یہ صرف قصے کہانیاں ہیں دنیا مانے گی نہ آپ کے گھر والے؟؟"
"میرے گھر والے میری مرضی کے بغیر میری زندگی کا فیصلہ نہیں لے سکتے میں انگلینڈ نژاد ہوں میری ساری فیملی وہیں ہے اگر آپ کا دل مانے تو ہم خاموشی سے نکاح کر سکتے ہیں۔"
"ناممکن۔" علی جواد نے پشت موڑلی تھی، اور صفورا بلال کی بھورا آنکھوں میں بھنور پڑنے لگے تھے۔
"میں آپ کے بغیر مر جاؤں گی۔"
"کوئی کسی کے بغیر نہیں مرتا، آپ بھی نہیں مریں گی، آپ بھول جایئے گا کہ کبھی ہم ملے تھے، میں مہربانو سے بددیانتی نہیں کر سکتا۔" وہ کہہ کر رکے نہیں تھے پھر راشد کیانی کے سامنے صفورا بلال کی کالز آتیں، میسجز آتے مگر علی جواد انہیں جوابی پیغام دیتے اور نہ ان سے فون پر بات کرتے۔
"تم زیادتی کر رہے ہو، اتنی محبت کسی کسی کو ملتی ہے۔"
"مجھے ایسی محبت کی ضرورت نہیں، مہربانو ہے محبت کے حوالے سے میرے پاس۔" راشد کیانی چڑ گئے تھے۔
"مہربانو۔۔۔ مہربانو۔۔۔ کیا دیا ہے آج تک اس مہربانو نے صرف ہنگامہ آرائی جھگڑے بے سکونی اور میری نظر میں بے وفائی بھی۔"
"کچھ بھی ہے وہ میرے شہریار کی ماں ہیں۔"
"کیا واقعی وہ شہریار کی ماں ہیں؟؟" راشد کیانی نے تلخ لہجے میں پوچھا۔
علی جواد واک آؤٹ کر گئے تھے پھر اس دن بھی مہربانو نے آسمان سر پر اٹھا لیا تھا اور ان کی گاڑی گرین ہٹ کی طرف اڑتی جا رہی تھی، پھر وہ جا کر دروازے پر کھڑے ہی ہوئے تھے اور اسی وقت دروازہ کھل گیا تھا۔
"میرے دل نے کہا تھا آپ آنے والے ہیں، آپ کی خوشبو بکھری ہوئی تھی ہوا کے ساتھ۔" وہ کسی بت کی طرح سٹنگ روم میں دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے تھے، صفورا بلال نے پوچھا نہیں تھا اور بہت خاموشی سے ٹیبل پر کھانا لگا دیا تھا۔
"مجھے پتا ہے آپ نے کھانا نہیں کھایا ہو گا۔" انہوں نے چونک کر دیکھا اور سوچا۔
"مہربانو کو ایسے گمان ایسے الہام کبھی نہیں ہوئے، کیا وہ محبت نہیں تھی، مگر صفورا اور میرے درمیان جو رشتہ ہے اس میں خواہش سے بدن نہیں ٹوٹتا ایک خاموش عہد ہے جو ہمارے درمیان آ کر بیٹھا رہتا ہے صفورا کچھ بولتی ہیں نہ میں، مگر پھر بھی نہیں لگتا کہ خاموشی ہے کوئی نامحسوس ہم کلام سا لگتا ہے۔"
"چائے تو نہیں پئیں گے آپ، کافی لاؤں۔" علی جواد پھر چونک اٹھے۔
"وہ ہمیشہ چائے ہی پیتے تھے مگر آج واقعی کافی پینے کا دل چاہا تھا۔"
"آپ ٹیلی پیتھی جانتی ہیں کیا؟؟"
صفورا کا نقرئی قہقہہ، ان کا دل چاہا وہ کہیں "آپ کی ہنسی بہت پیاری ہے۔" مگر وہ احترام میں چپ رہ گئے تھے۔
پھر وہ انگلینڈ میں ایک سیمینار میں شرکت کے لیے گئے تھے جب انہوں نے راشد کیانی کو فون کیا تھا۔
"پتا نہیں وہ کیا جذبہ تھا مگر راشد میں نے صفورا سے نکاح کر لیا ہے۔"
راشد کیانی کو خوشی ہوئی تھی مگر حیرت سوا تھی ان جیسا خاموش طبع شرمیلا انسان اتنا بڑا فیصلہ کیسے کر سکتا تھا وہ بھی اکیلا، وہ گم تھے جب فون کے تیسرے دن علی جواد ان کے سامنے بیٹھے تھے۔
"محبت اگر ایک بار ہوتی ہے تو وہ میرے دل نے مہربانو سے کر لی مگر صفورا کی محبت نے مجھے مسحور کر دیا ہے۔ وہ مجھے اپنے آپ سے بھی زیادہ محبت کے قابل سمجھتی ہیں بس اسی احترام اسی خیال کو سوچ کر میں نے اتنا بڑا فیصلہ لیا، تم سمجھو زندگی میں ایک سکون بھرا گوشہ ایک جزیرہ ڈھونڈا ہے میں نے، جہاں سارے جہاں کی تھکن اتار سکوں، صفورا کو شہریار پر اعتراض ہے نہ

مہرانو پر۔"

"سب صحیح مگر تمہیں اتنی بڑی بات آنٹی سے نہیں چھپانی چاہیے اگر کسی اور نے انہیں یہ بتایا تو انہیں کتنا دکھ ہو گا۔"

"مجھے دم تو لینے دو بتا دوں گا' یہ بات امی جان کو بھی۔" وہ یکدم چڑ گئے تھے اور پھر علی جواد' راشد کیانی کے ساتھ ڈنر پر مدعو تھے اور راشد کیانی صفورا کے ہاتھ کے بنے کھانوں کی تعریف کر رہے تھے۔

"زندگی میں پہلی بار اس نے کوئی ٹھیک فیصلہ کیا اپنی زندگی کا۔" علی جواد نے چمکتی آنکھوں سے صفورا کو دیکھا تھا۔

راشد کیانی نے 'علی جواد کی آنکھوں میں آج پہلی بار صفورا کے لیے کوئی جذبہ مچلتا دیکھا تھا' نکاح کے چھ ماہ بعد۔

وہ شریری مسکراہٹ سے کھڑے ہو گئے تھے۔

"آج تم یہیں رکو میں آنٹی سے کہہ دوں گا تم میرے پاس رات رکو گے۔" علی جواد کا چہرہ یکدم شمالی سا ہو گیا تھا' راشد کیانی نے بے ساختہ امڈ آنے والے پیار سے انہیں کھینچ کر اپنے سینے سے لگا لیا تھا پھر نرم لہجے میں بولے تھے۔

"زندگی کو وہ جینے دو جو وہ جینا چاہتی ہے' ظاہری قید میں کب تک سمیٹ کر رکھو گے خود کو' تمہارا دل اس کی محبت میں سمٹ جانا چاہتا ہے تو اسے مت روکو صفورا اور تمہارا رشتہ شرعی ہے جائز ہے' دنیا کا ڈر کرتے رہے تو کبھی سانس بھی نہیں لے سکو گے۔" وہ گیٹ سے باہر جاتے جاتے بھی سمجھا رہے تھے اور وہ ان کی گاڑی پر ہاتھ رکھے ابھی بھی جز بز تھے۔

"راشد کیا میں یہ رشتہ نبھا سکوں گا۔" راشد کیانی نے ان کے رخسار کو چھو کر یقین سے کہا تھا۔

"ہاں تم سارے رشتے نبھا سکتے ہو تم راشد کیانی نہیں 'علی جواد ہو میں نے زندگی میں تم سے بہت کچھ سیکھا ہے۔"

پھر چار سال بعد کی بات تھی انہیں ہاسپٹل میں علی جواد کی کال وصول ہوئی تھی۔

"مجھ سے ماما ناراض ہو گئی ہیں۔"

"کیوں؟ آنٹی اور تم سے ناراض ناممکن۔" وہ واقعی حیران رہ گئے تھے۔

"وہ مہرانو آئی تھیں' انہوں نے امی جان سے بدتمیزی کی' میں اچانک آ گیا' مجھے معاملہ سمجھ میں بھی نہیں آیا میں حق دق کھڑا تھا ماما جانی سمجھیں میں مہرانو کا ساتھ دے رہا ہوں۔" وہ بے قرار تھے اور ڈاکٹر راشد ان کو تسلی دے رہے تھے۔

"نہیں' تم ایسا کبھی نہیں کر سکتے تمہارے لیے تمہاری ماما دنیا کی ہر چیز سے ضروری ہیں علی اور میں گواہ ہوں اس محبت کا۔" لمحہ بھر کو رکے اور دوبارہ بولے۔

"تم کہاں ہو اس وقت۔"

"میں راستے میں ہوں گرین ہٹ جا رہا ہوں صفورا اسلام آباد میں ہیں مگر ان کے وجود میں دھڑکتی محبت وہاں بکھری ہوئی ہے میں بہت منتشر ہوں ریلیکس کرنا چاہتا ہوں۔" لمحہ بھر کو رکے تھے پھر چہکتے سے انداز میں بولے۔

"راشد میں خوش قسمتوں میں شامل ہونے والا ہوں۔" راشد کیانی ان بے ربط باتوں سے ششدر کھڑے تھے اور وہ ہلکی سی شوخی سے بولے۔

"میں بیٹی کا باپ بننے والا ہوں میں بہت خوش ہوں مگر۔"

"کیا مگر۔۔۔" وہ واقعی خوش ہو گئے تھے۔

"مگر یہ ناراضیاں مہرانو کا سمجھ آتا ہے مگر امی جان اتنی جلدی مجھ سے بدگمان کیوں ہو گئیں' میں تو امی جان سے آج صفورا اور اپنی اس خوشی کو بانٹنا چاہتا تھا مگر یہ اچانک ہنگامہ۔"

"سب ٹھیک ہو جائے گا تم گھر جا کر آرام کرو۔"

"میں خود کو بہت اکیلا محسوس کر رہا ہوں صفورا ابھی مصروف ہیں سو مجھے اس لمحے تم یاد آئے میں چاہتا ہوں اس وقت تم میرے برابر میں آ کر بیٹھ جاؤ اور ماضی کی طرح کہو علی تم سارے رشتے نبھا سکتے ہو تم راشد کیانی نہیں علی جواد ہو میں نے تم سے بہت کچھ سیکھا ہے۔"

ڈاکٹر راشد نے گہری سانس لی تھی۔

"ہاں میں اب بھی یہی کہتا ہوں' تم واقعی ہر امتحان میں پورے اترتے ہو' آنٹی کو جلد احساس ہو جائے گا کہ ان کی رائے تمہارے بارے میں غلط تھی تم گھر جا کر آرام کرو۔"

"ایک منٹ مہرانو کی کال آ رہی ہے تم لائن پر رہنا تم سے بات کر کے اچھا لگ رہا ہے مجھے۔"

"پھر کتنی ڈھیر ساری ساعتیں گزر گئی تھیں وہ آپریشن روم کے باہر کھڑے تھے۔ جب انہوں نے علی جواد کی آواز سنی۔

"راشد تمہارا علی مر گیا' مہرانو نے میری اتنی خالص محبت کا جو صلہ دیا ہے اس کی چبھن میں کیسے سہہ پاؤں گا۔"

"تم صفورا کے لیے زندہ ہو' اپنی بیٹی کی آمد کے خواب بنو' شہریار کا سوچو بھول جاؤ کہ مہرانو کبھی تمہاری زندگی میں بھی آئی تھیں۔" وہ جان کر اس تلخ سچ کو نہیں کھوجنا چاہتے تھے اور علی جواد نے گہری لمبی سانس لی۔

"شہریار کے ہوتے ہوئے کیا میں کبھی بھول سکوں گا کہ میں مہرانو سے کبھی نہیں ملا تھا' راشد امی جان کی ناراضی صفورا کی دوری میں خود کو کس رشتے کس محبت میں ضم کروں اس لمحے کی تلخی میرے حلق سے اتر کر میری روح کو زہر نہ بنا دے۔" وہ آگے بھی کچھ کہنے والے تھے یکدم راشد کیانی کی سماعت نے گاڑی کے ٹائر چرچرانے کی آواز سنی بہت ساری گاڑیوں کے ہارنز راشد کیانی چلا اٹھے تھے۔

"علی ــــ کیا ہوا علی ــــ" ہلکی ہلکی ہچکی بھری سانسیں سن کر ڈاکٹر راشد وہیں ساکت و صامت کھڑے رہ گئے تھے۔

دل نے کہا تھا کوئی ظالم لمحہ آ گیا تھا۔ جو سب کچھ چرا کر جا چکا تھا۔ مگر یہ ظالم لمحہ پھر کیوں آ رہا تھا انہوں نے فائلز اٹھا کر ہوا میں اچھال دی تھیں۔

"دنیا میں ہر شخص مرنے کے لیے ہو تب بھی میں علی کو ایک بار پھر مرتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا۔" انہوں نے اپنا لیپ ٹاپ کھولا تھا اور ڈاکٹرز روم میں لاگ ان ہوئے تھے۔

☼ ☼ ☼

"تمہیں گھبرانے کی ضرورت نہیں تمہاری بیٹی کی شادی کے لیے میں زیور دوں گی۔" وہ لاابالی پن سے چیونگم چبا رہی تھی تبھی شاہ میر نے اسے غصے سے دیکھا تھا۔

"تمہیں کیوں لگتا ہے تم کسی لینڈ لارڈ کی بیٹی ہو۔"

"مجھے صرف لگتا ہی نہیں یقین بھی ہے کہ میں واقعی دل کی شہزادی ہو۔"

"زیادہ مدر ٹریسا مت بنو۔" وہ چڑ گیا تھا اور وہ اس کے ساتھ رہتے ہوئے اکثر اس سے ایسا ہی چڑ جاتا تھا مگر اسے پروا نہیں ہوتی تھی اور واقعی وہ دوسرے دن اس دارالامان میں بیٹھی تھی۔

دونوں ماں بیٹی کو شوہر نے بیٹے کے ساتھ مل کر الزام لگا کر گھر سے نکال دیا تھا شوہر خود بھی دوسری شادی کرنا چاہتا تھا اور بیٹا اپنی بیوی کے کہنے میں تھا' ایک ہی بیٹی تھی مگر دونوں رشتے سفاک بن گئے تھے۔

"نہیں ہیں ہمارے پاس تمہیں کچھ دینے کے لیے میں تو کہتا ہوں لڑکیاں ہونی ہی نہیں چاہئیں زندگی میں سکون رہتا ہے۔"

اور وہ بھابھی کی شکایتوں پر بھائی سے پٹ کر بھی گھر سے نکلنا نہیں چاہتی تھی کہ باپ نے ایک پاس کے لڑکے پر کاری کا الزام لگا کر اپنی شادی کی خواہش اور جرمانے کی رقم سے زندگی کو آسان کر دیا بھائی نے چپکے سے کسی این جی او کو فون کر دیا اور یوں سانپ بھی مر گیا اور لاٹھی بھی نہیں ٹوٹی' رقم باپ بیٹے نے آدھی آدھی بانٹ لی' اور جرمانے میں اپنی عمر سے آدھی لڑکی سے شادی بھی کر لی' لڑکے کو ماں باپ نے شہر بھیج دیا تھا کہ کہیں مارا نہ جائے اور ان ماں بیٹی کو این جی او نے ٹی وی پر واہ واہ سمیٹ کر دارالامان میں بھیج دیا تھا مگر لڑکی کا منگیتر اس سب کے باوجود اس سے آج بھی محبت کرتا تھا۔

"وہ اس کی چاہت میں شہر آگیا تھا مگر لڑکے کے ماں باپ اس رشتے پر صرف اسی وقت راضی تھے جب ان کی دی گئی رقم کی واپسی کی سبیل ہوتی۔"

"تیرے اور میرے ماں باپ دونوں لالچی ہیں رقم کی واپسی ہو سکتی ہے مگر میری چھوٹی بہن کی جو زندگی تباہ ہوئی اس کا کیا۔" کس نے اس کے آنسوؤں اس کی زندگی کی تباہی پر ایک لفظ نہیں کہا۔

"مگر مجھے یہ سب بدلنا ہے میں عورت کو عزت کے قابل سمجھتا ہوں بھلے میٹرک کیا ہے مگر سوچ سمجھ ہے میرے پاس۔"

"مگر تیرے ابا' اماں بغیر زیور کپڑے کے مجھے نہیں بیاہیں گے۔" وہ دکھی تھی اور یہ لڑکی اس کے سامنے بیٹھی کہہ رہی تھی' وہ اس کے دکھ چن سکتی تھی۔

"تم ہمیشہ ایسے ہی سوچوں میں گم رہتی ہو یا اس حادثے نے زندگی کا رخ بدل دیا ہے۔" وہ اور قریب آ گئی تھی اس نے اجرک میں سے سر نکالا تھا۔

"سوچ کب انسان سے الگ ہوتی ہے' نہیں جی' صبح سے شام میں سوچیں ہی سوچیں۔"

"تم پڑھی لکھی ہو۔" اس نے مزید بے تکلفی کا تاثر دیا۔

"نہ جی پر سمجھ ہے زندگی کی۔" کہہ کر دل میں بولی۔

"شاید کسی شو کی اینکر ہو گی اپنے پروگرام کو لش پش کرنا چاہتی ہو گی' یہاں بہت سی ٹی وی کی عورتیں آتی ہیں' مائیک پکڑ کر ان کے دکھ پر ان سے بھی زیادہ دکھی ہو کر روتی ہیں' پھر واہ واہ ان کی اور نصیب کا وہی کالا اندھیرا ہمارا۔"

"کون سے پروگرام سے آئی ہو آپ۔" دو سال کراچی میں رہتے ہوئے اس کی اردو بہت اچھی ہو گئی تھی اور عقل بھی' یا یوں کہنا چاہیے زندگی نے عقل ٹھکانے کر دی تھی۔

سامنے بیٹھی لڑکی کے گورے رنگ میں سرخی دوڑی تھی چہرہ عجیب سا ہوا تھا پتا نہیں یہ اس کے چہرے کی شرمندگی تھی یا اندر کی کوئی تفاخرانہ خوشی' سب سے الگ تھلگ ہو کر پہچانا جانا کسے برا لگتا ہے۔"

"تم غلط سمجھی ہو' میں تمہاری شادی کے لیے اپنا زیور دے رہی ہوں کیوں کہ جس نے مجھ سے شادی کرنی ہے اس کا دل ان مادی چیزوں کی محبت سے خالی ہے۔" زاویہ نظر شاہ میر تھا وہ جز بز ہو گیا' سمجھ نہیں پایا تھا کہ وہ اسے محض سنا رہی ہے یا سڑ رہی ہے' "اس لڑکی کے دل کی اتنی پرتیں ہیں کہ شاید میں کبھی پوری طرح اسے نہیں سمجھ پاؤں گا' اس نے گہرا سانس لیا اور سامنے دیکھا وہ لڑکی سے بغل گیر ہو رہی تھی۔

"تم میری بہن جیسی ہو اگر میں تمہیں کچھ دے رہی ہوں تو تم پر کوئی احسان نہیں کر رہی یہ اللہ نے تمہارا ہی حصہ رکھا تھا بس مجھے اس امانت کا' امین اور ضامن بنا دیا گیا تھا' تم بے فکر رہو' تمہاری شادی ہم بڑی دھوم دھام سے کریں گے۔" وہ دعائیں لیتی ہوئی اٹھ گئی تھی' شاہ میر اس کے قدم سے قدم ملا کر چل رہا تھا مگر وہ ہنوز اس سے بہت دور تھی۔

"کیا یہ جانتی ہے مجھے اس سے کتنی محبت ہے۔" دل نے کہا ہاں یہ یقیناً "جانتی ہے مجھے اس سے کتنی محبت ہے" تبھی اس نے ایک سیکنڈ بھی پلٹ کر اس کی موجودگی کا احساس نہیں کیا کیونکہ اسے یقین ہے جہاں وہ قدم رکھے گی شاہ میر اس کی سمت سے الگ مڑ کر کسی اور طرف جا ہی نہیں سکے گا' وہ ایک چالاک لڑکی تھی' قید کر کے کہتی تھی۔

"تم آزاد ہو' جہاں جانا چاہو جا سکتے ہو جس کے ساتھ رہنا چاہتے ہو رہ سکتے ہو' مگر یہ اس کا دل جانتا تھا وہ اس کے بغیر اب چاہتا بھی تو نہیں رہ سکتا' اگر محبت جنون ہے تو وہ اس جنون کا شکار ہو کر اپنے سارے احساسات و محسوسات اس پانچ فٹ چار انچ کی لڑکی کے ہاتھوں گروی رکھ چکا تھا۔"

"تم یہ زیور یہ شادی کا خرچہ کہاں سے کرو گی۔" پہلی دفعہ اس خاموشی کو شاہ میر نے توڑا تھا' اس نے گاڑی کا فرنٹ ڈور کھولتے ہوئے اسے پوری توجہ سے دیکھا تھا۔

"اگر تم میرے سچے دوست ہوتے تو میں ضرور تم سے توقع رکھتی کہ تم حوصلہ افزائی کرتے' کہتے ایمان تم جو چاہو کر سکتی ہو' اچھے کام مشکل ضرور ہوتے ہیں مگر تمہاری خوبی ہے تم مشکل کام بہت آسانی سے کر گزرتی ہو۔"

"ہاں تم ٹھیک کہتی ہو تم مشکل کام بہت آسانی سے کر گزرتی ہو' بس آسان کام کرنے کا تمہیں تجربہ نہیں۔"

"مثلاً" کیسا آسان کام ----" اس نے پھر چونک کے دیکھا تھا اب وہ گاڑی اسٹارٹ کر چکی تھی۔ مگر وہ چپ رہا' اس نے اس کے گھر ڈراپ کیا پھر وہ گھر میں داخل ہوئی تو خوشی سے چیخی تھی' اس شخص کو اپنے سامنے دیکھ کر دل کے اندر مسرت و انبساط کے سوتے ایسے ہی پھوٹ پڑتے تھے۔

"جازی بھیا۔" وہ سیدھے اس شخص کے سینے سے جا لگی۔ خوبرو گندمی رنگ فرنچ کٹ داڑھی' ہلکی ہلکی بروٹ کی خوشبو' فریم لیس عینک کے پار سے جھانکتی آنکھیں۔

"کیسے ہیں۔" وہ بالکل ان سے چپک کر بیٹھی تھی۔

"کیسا لگ رہا ہوں۔" ہونٹوں پر تبسم بکھرا تھا اور وہ ہنس پڑی تھی۔

"ایک دم ہینڈسم' جیسے دس سال پہلے تھے۔"

"واہ ---- واہ کیا تعریف ہے۔" ان ہونٹوں کی مسکراہٹ کچھ اور گہری ہو گئی تھی اور وہ گلہ کرنے لگی تھی۔

"پورے تین ماہ بعد دیکھ رہی ہوں آپ کو' آپ کو تو اپنی بہن کی یاد بالکل نہیں آتی ناں جازی بھائی۔ یہ بتائیے کتنے دن کے لیے آئے ہیں اور بھابھی اور عمر ساتھ کیوں نہیں آئے۔"

"اسکولنگ کی وجہ سے میری جان' میں ابھی تین چار ماہ تک یہیں ہوں۔"

"کوئی خاص کام ----"

"ہاں ایک بہت ضروری کام ہے تبھی اتنا ایمرجنسی میں آنا پڑا۔"

"تو آپ مجھے نہیں بتائیں گے وہ ضروری کام کیا ہے۔"

"بتا دوں گا میری زندگی کا کون سا ایسا صفحہ ہے جو تمہاری نظر سے اوجھل ہے۔" وہ کہہ کر اٹھ گئے تھے اور ایمان صفورا' خالہ سے پوچھ رہی تھی۔

"آپ کو تو بھیا نے ضرور بتایا ہو گا کیا ضروری کام ہے۔"

"نہیں کبھی کبھی وہ مجھے بھی کچھ باتوں سے ایک دم سے باہر نکال دیتا ہے۔"

اسے مبہم باتیں ہمیشہ الجھن میں مبتلا کر دیتی تھیں یہی وجہ تھی اس نے دوپہر کا کھانا نہیں کھایا' کوئی نامحسوس بات اسے اندر ہی اندر چبھ رہی تھی یہاں تک کہ کسی کام سے اصفی ڈرائنگ روم سے گزرا تو اسے صوفے پر آڑا ترچھا پڑا دیکھ کر وہ تھوڑا سا حیران ہوا۔

"خیر ہے آج تمہارے یہ علم ٹھنڈے کیوں پڑے ہوئے ہیں کوئی نئی تازی۔" اس نے جازی کی بات کہی تو وہ ہنس پڑا۔

"اگر میں جازی بھیا کی جگہ ہوتا نا تو اب تک تمہاری شادی کروا چکا ہوتا' تم جیسی بے تھا بیل کو اسی طرح قابو کیا جا سکتا ہے' مگر بے فکر رہو بھیا ابھی میری طرح ٹپیکل مائنڈ نہیں ہوئے اس لیے تمہاری تمام تر حرکتوں کی باوجود تمہیں دیس نکالا نہیں مل سکتا۔"

"پھر بھیا اتنے اچانک کیوں آئے ہوں گے۔" اصفی فل موڈ میں تھا اس کے برابر آ کر بیٹھ گیا پھر اس کے کان میں بولا۔

"کیا پتا کراچی میں جو ان کی دوسری بیوی بیٹھی ہے اس کو کوئی ضروری کام ہو گا ان سے چھوٹے کا اسکول میں داخلہ نہیں ہو رہا ہو گا' تبھی بھیا فارم پر اپنا انگوٹھا لگوانے بھاگے چلے آئے ہوں گے۔"

"جازی بھیا کی دوسری بیوی ----" وہ چیخ مار کر ساکت و صامت ہو گئی اصفی کو شرارت گلے پڑتی محسوس ہوئی یکدم اس کا کاندھا تھام کر لجاجت سے بولا

"بس کرو یہ نوٹنکی نہ کرو امی، تمہیں پتا ہے حقوق نسواں کے سب سے بڑے علمبردار بھیا کے علاوہ کوئی نہیں، وہ کیوں پھر اس عہد کا پاس نہ کریں گے، میں مذاق کر رہا تھا۔"

"مذاق کے بچے ....." وہ اس پر کشن اٹھا اٹھا کر پھینک رہی تھی۔ مگر اس کا غصہ کم نہیں ہو رہا تھا، یکدم اس نے گلدان اٹھا لیا، کہ یکدم کسی نے گلدان لے کر رکھ دیا تھا۔

"نہیں بچے گا اس سے اس کا کچھ نہیں بگڑ سکتا، تم اسے گولی مار دو خس کم جہاں پاک۔"

"واہ کیا چالاکی کر رہے ہیں، امی ان کی باتوں میں مت آنا یہ ساری جائیداد اکیلے ہضم کرنا چاہتے ہیں، میں اور ہم جیل اور ان کے مزے ہو جائیں گے دنیا ہی جنت بن جائے گی ہونو۔"

"بدتمیز بھیا کے بارے میں ایسی باتیں کرتے ہو۔" جازی نے اس کا کان پکڑ لیا۔

"کبھی وصیت پڑھی ہے میری، بابا کی ساری جائیداد تمہارے نام لکھی ہوئی ہے۔" اصفی نے گلے میں بانہیں حمائل کی تھیں۔

"اگر آپ دوسری وصیت پڑھ لیتے تو آپ کو پتا چل جاتا عمر اور امی کے نام ہے وہ سب کچھ جو آپ نے میرے نام کر رکھا تھا۔"

"کیوں شادی کا کوئی ارادہ نہیں۔"

"بے گھر میں دولت نہیں لانا چاہتا جو لڑکی میری حاضر ڈیوٹی سیلری پر راضی ہو گی، میری بیوی بنے گی۔"

"ایک دم پاگل اس گھر میں کوئی بھی نارمل نہیں۔" خالہ جان نے تینوں پر تبصرہ کیا، وہ تینوں ایک دوسرے کو دیکھ کر قہقہہ لگا رہے تھے۔

☼ ☼ ☼

وہ آج مدتوں بعد ان راستوں پر چل رہا تھا کبھی بہت غرور تھا اسے اپنی ذات کا اپنے کمال ذہانت کا، ہر ہر قدم پر لگتا تھا زندگی اس کے بغیر کچھ نہیں ہے اس کی ابرو کے ایک اشارے پر سارے دل سارے وجود ہاتھ باندھ کر غلاموں کی قطار میں کھڑے ہو سکتے ہیں، مگر اب کھلا تھا سب سے بڑا دھوکہ زندگی تھی نہ اس کا غرور، سب سے بڑا دھوکہ تو خود اس کا اپنا وجود تھا جو ایک پل میں راکھ سے خاک اور خاک سے بے نشان ہو جاتا تھا۔

"شہریار تم نے زندگی میں کبھی سوچا تھا اگر تم دنیا سے جاؤ گے تو اپنے ساتھ لے کر کیا جانا چاہو گے، اس کے بندوں کی خوش دلی، اپنا غرور یا مغفرت کا ہلکا سا یقین جو دھیرے دھیرے ساتھ چلتا چلتا آسمان سے زمین تک پھیل جاتا ایسے کہ اس کا پورا وجود ڈھک جاتا اور روح جنت کے ٹھنڈے میٹھے پانیوں میں غوطہ لگا کر صندل ہو جاتی۔"

"میں نے صرف نفرت کمائی ہے، صرف دل توڑے ہیں میں کس آسرے پر زندگی کا پل صراط طے کروں گا۔" ایک لمحے کے لیے اس نے سوچا اور گہرا لمبا سانس لیا۔

"کیا پل صراط عقبی ہے یا دنیا میں بھی جگہ جگہ اس کاتب قدرت نے تانے لگا رکھے ہیں، چھلنیاں لگا رکھی ہیں جہاں سے چھن چھن کر کھرا کھوٹا الگ ہو جاتا ہے کسوٹی پر کندن اور مٹی چھٹ جاتی ہے، وہ تو صرف مٹی تھا۔" اس نے گاڑی روکی تھی اور پھر وہ سیڑھیاں چڑھ رہا تھا ایک دو تین چار پوری بیس سیڑھیاں گن کر وہ کسی کے دروازے کے سامنے کھڑا تھا۔

کبھی کبھی ہم جسے بہت جانتے ہوں اس سے بات کرتے ہوئے اگر وقت ناراض دوست بن کر کھڑا ہو تو لفظ منطق سے غائب ہو جاتے ہیں۔

اس نے گہرا سانس لے کر بیل بجائی تھی۔

"کل کس خوشی میں تم دودھ دے کر نہیں گئے تھے شکور۔" گلہ کرتی سنہری آواز، اس کے دل کے سمندر میں پھر سے بھنور پڑنے لگے تھے۔

وہ دروازہ کھول کر بالکل اس کے سامنے کھڑی تھی، بس ہاتھ بھر کا فاصلہ تھا اس کی زندگی کے چاند کی روشنی پی جانے کا..... اس کے حلق میں پیاس سے کانٹے جم گئے تھے۔

"پانی ملے گا۔" وہ معافی مانگنے آیا تھا اور پانی مانگ بیٹھا تھا۔

"کیا آپ اندر آنا چاہیں گے، باہر کھڑے ہو کر معیوب بات لگتی ہے، آپ تو جانتے ہیں فیملی کے بغیر رہنے والی لڑکی کو بہت تلخ باتوں کا زہر پینا پڑتا ہے۔" وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا اندر داخل ہوا تھا۔

"تم چھوٹے گھروں کی رہنے والی لڑکیاں بس ایسی ہی ہوتی ہیں، شارٹ کٹ ہر چیز میں ہو سکتا ہے محبت میں نہیں، محبت میں ون وے ٹریفک کا طویل سفر ہر کوئی نہیں کر سکتا اور کوئی آمادہ بھی ہو تو مجھے محبت سے کوئی سروکار نہیں۔" وہ صوفے پر بیٹھا تھا اور اسے لگتا تھا وہ تین سال پرانی کوئی بات یاد کرنا چاہے تو کبھی یاد نہیں کر سکے گا، مگر اس لڑکی کے سامنے مجرموں کی طرح بیٹھے ہوئے ضمیر کی عدالت خود اس کے جملوں کی بازگشت سے اس کے کیس کو پیچیدہ اور روح فرسا کر رہی تھی۔

"آپ اچانک اور اس علاقے میں۔" اس نے پانی کا گلاس اس کی طرف بڑھایا۔

"لڑکیاں اگر گلاس کی طرح نازک ہیں تو مجھے اس گلاس میں صرف ایک بار خواہش کی مدھ پینے کا سودا ہے، میں پی کر گلاس توڑ دیا کرتا ہوں اور ٹوٹے ہوئے گلاس ڈسٹ بن کی نذر کیے جاتے ہیں ان سے زندگی نہیں سنواری جاتی۔" اس کے حلق میں پانی اٹکنے لگا، آنکھ میں نم آ گیا جیسے مدتوں بعد سامنے بیٹھی لڑکی کے آنسو اس کی آنکھیں کہیں سے سمیٹ لائی تھیں۔

"کسی کے آنسو کیا ہنسی میں قید کیے جا سکتے ہیں۔" اگلا اور بے تکا سوال ہوا۔

"شاید، جب آنسوؤں کی شدت بڑھ جائے تو ہنسی انہیں دل گیری سے مانگ لیتی ہے جیسے مدتوں ممتا کے لیے تڑپتی ہوئی کوئی دعا، کسی اور کی اولاد کو لے کر پالنا شروع کر دے، اس کی ممتا میں فرق ہو نہ اس کی دل داری میں، مگر سر آپ کو اس کے آنسو ہنسی میں قید کرنے کا سودا کیوں سمایا۔"

شہریار علی جواد نے روٹھے لفظوں کو ایک بار پھر سے منانے کی کوشش کی تھی۔

"صبا کیا کوئی بہت گناہ گار انسان معافی مانگے تو دوسرا انسان اسے معاف کرنے کا ظرف رکھتا ہے۔" بے چینی اس لڑکی کی آنکھوں میں سمٹ آئی تھی۔

"میرا تجربہ ہے سر معافی صرف اس کی محبت بخشتی ہے، انسان انسان کو بہت کم معاف کرتا ہے۔"

"مجھے کبھی اپنے کسی عمل پر کوئی شرمندگی نہیں، معافی مانگنا میرا شیوہ نہیں سر جھکانا صرف غریب مجبور اور بے بس لوگوں کا شیوہ ہے اور شہریار علی جواد، غریب ہے نہ مجبور نہ ہی بے بس۔" ایک اور یاد اس کے سامنے کرخت آواز میں اس کے دل کو ڈسنے لگی۔

"اگر کوئی کہے زندگی میں اس نے کوئی اچھا کام نہیں کیا مگر اس کے دل میں حسرت ہے کہ اس کا شمار ان لوگوں میں کیا جائے جن پر اس نے اپنا کرم کیا تو صبا کیا تم مجھے اس بخشش کی بارش میں بھیگنے کا موقعہ دو گی۔" صبا حمزہ کیا تم مجھے معاف کر سکو گی۔" وہ ہاتھ جوڑے دل گیری سے پکار اٹھا۔

صبا حمزہ کی آنکھوں میں اس کی ذات کی بے توقیری سے ساون امنڈ آیا تھا اس شخص کو اس نے اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھا تھا اور جو چیزیں عزیز ہوں ان کی بے توقیری خود اپنے سامنے بھی گراں ہو جاتی ہے۔

"تم دیکھنا یہ شخص ایک دن خود چل کر تمہارے پاس آئے گا خود کہے گا۔ صبا حمزہ مجھے معاف کر دو میں اپنے کیے پر شرمندہ ہوں۔" کسی اور وقت کسی اور موسم میں، ثانیہ نے اسے گلے لگا کر ایک یقین دیا تھا اور اس نے اس یقین کو ایک دوست کی طرف سے دی گئی ڈھارس سے زیادہ اہمیت نہیں دی تھی، تو کیا ثانیہ وقت سے آگے جھانک سکتی تھی۔ یا یہ محض ایک اتفاق تھا۔

شہریار علی جواد ابھی تک سر جھکائے بیٹھا تھا۔

"بہت سی لڑکیاں آئی گئیں، میں دوستوں کا بہت اچھا دوست ہوں، اگر میرا ساتھ قبول ہو تو میرے گیسٹ ہاؤس کے دروازے تمہارے لیے ہمیشہ کھلے ہوئے ہیں، لیکن اگر تم دوسری لڑکیوں کی طرح گھر، شادی کے خواب دیکھ رہی ہو تو تم غلطی پر ہو، شادی

کے لیے شہریار علی کی پسند بہت اعلا ہے اس پر تم جیسی لڑکیاں پوری نہیں اتر سکیں، تم چھوٹے گھروں کی لڑکیاں صرف ملازمائیں بنائی جاسکتی ہیں یا گہری رات کے اندھیرے کا کوئی وقتی رشتہ، مگر یاد رکھو اس وقتی رشتے میں بھی میں تمہیں اتنا بخش دوں گا کہ تمہاری کئی پشتیں آرام سے عیش سے زندگی گزار سکتی ہیں، کتنی لڑکیوں کی زندگی شہریار علی جواد نے بنادی ہے۔"

فرعون، ماضی کا کوئی ــــ کردار نہیں تھا یہ تو ایک سوچ کا نام تھا اور یہ سوچ اہرام مصر سے باد سموم کی طرح بہت سے دلوں کو آج تک بہکا رہی تھی فانی سی زندگی فانی سی جوانی، نے لافانی موت کے آگے کبھی بھی کسی بھی لمحے ہار جانا تھا مگر پھر بھی فرعونیت بھرا لہجہ۔

"میں اپنی زندگی نہیں بنا سکا اور دوسروں کی زندگی بنا دینے کا خدائی دعوا کرتا تھا، صبا حمزہ کیا تم ایک احسان کر سکتی ہو۔"

صبا حمزہ کے پورے وجود میں بے قراری سے چبھن ہونے لگی تھی، یہ شخص اسے زندگی میں سب سے زیادہ عزیز ہے مگر اس کی آنکھوں میں آنسو، اسے اپنا دل پگھلتا ہوا محسوس ہونے لگا تھا۔

"بولو شہریار...." بہت مدھم آواز صبا حمزہ کے وجود سے لڑ کر باہر آکر شہریار کے قدموں میں آن بیٹھی تھی۔

"جب میری نبضیں ڈوبنے لگیں جب زندگی کے بس میرا تمہارا ساتھ یہیں تک تھا، تو کیا تب تم اپنی محبت کا زادِ راہ میری خالی روح کو دان کرو گی، لمحہ بھر کو رک کر پتا نہیں میرا دل کیوں چاہتا ہے میرے مرنے پر صرف تم روؤ، زمین آسمان ایک کر کے، کیونکہ میرا دل جانتا ہے صرف تم ہی مجھ سے محبت کرتی ہو، میں جتنا برا ہوں، جتنا کم ظرف ہوں، صرف تم ہو جو آج بھی مجھ سے محبت کرتی ہو اور عمر بھر مجھ سے محبت کرو گی۔"

صبا حمزہ کا ضبط بکھر گیا تھا وہ اپنی آواز کے ساتھ خود بھی شہریار کے قدموں میں آن بیٹھی تھی۔

"کیا ہو گیا ہے شہریار آپ ایسی بچھڑنے کی باتیں کیوں کر رہے ہیں میرا دل نہ دھڑکا میں۔" شہریار علی جواد نے دھند کے پار سے صبا حمزہ کو دیکھا تھا۔

"میں آج ثانیہ سے بھی ملا تھا، وہ جو ہمیشہ کچھ نہ پیشکش کرتی رہتی تھی اور جس کا میں ہمیشہ مذاق اڑا ہوا کہتا تھا کہ یہ لڑکی صرف منفرد بننے اور دوسروں کی توجہ حاصل کرنے کے لیے ایسا کرتی ہے کیونکہ والے گیٹ اپ میں کوئی پاگل ہی ہو گا جو اسے گھاس ڈالے گا، ثانیہ جیسی لڑکیاں صرف ماسی بنائی جاسکتی ہیں بیوی نہیں، میں دو دن پہلے اس کے پاس گیا، صبا تو وہ لڑکی مجھ سے ایسے ملی، مجھے یقین آگیا کہ اللہ کے لیے اللہ کے بندوں سے ملنا کیا ہوتا ہے، اللہ کے لیے اللہ کے بندوں کو معاف کرنا کیا ہوتا ہے۔

اس نے کسی بہن کی طرح مجھے اپنے ڈرائنگ روم میں بٹھایا اور کہا، مجھے بس تمہارا ہی انتظار تھا مجھ پر جس کا جو حق تھا وہ میں دے چکی تھی تمہاری معافی کے سکے تھے جو ابھی تک میری جھولی میں پڑے تھے، یہ معافی میری روح کو باندھے ہوئے تھی، میں جو عرض گزارتا مجھے آنا ہے تو کوئی کہتا، ابھی رک ایک بندہ ہے جو پورے دل سے معافی کی امید لے کر آئے گا۔ وہ میرا عزیز بندہ ہے، اس کی امانت اس تک لوٹا تا پھر سارے دروازے کھلے ہیں تیرے لیے۔"

صبا حمزہ کا رنگ پیلا پڑ گیا تھا۔

"ثانیہ آپی۔" وہ کچھ کہتے کہتے ڈر گئی تھی اور شہریار علی جواد نے سر اٹھا کر دکھ سے کہا تھا۔

"ثانیہ آپی اب اس دنیا میں نہیں رہیں، دو دن سے کومے میں تھیں اور آج جب میں نے تمہارے گھر کی طرف قدم اٹھائے تو ثانیہ آپی کے بھائی کا پیغام تھا کہ وہ اب جا چکی ہیں سارے دروازے ایک دم سے کھل گئے تھے۔"

"آپ کو کیا ہوا ہے۔" وہ ثانیہ کو بھول کر شہریار علی جواد کے وجود میں سمٹ گئی تھی مگر ایک حجاب ابھی دونوں کے بیچ خاموش عہد کی طرح کھڑی تھی۔

"ڈاکٹر کہتے ہیں شاید میں مر جاؤں، شاید آپریشن کے بعد بچ جاؤں، مگر شاید بھری امید کو میں کسی خوش کار ریشم نہیں تھما سکتا، میں جو تمہارے سامنے بیٹھا ہوں، ہو سکتا ہے کبھی تم میرے سامنے بیٹھی ہو اور میں تمہیں اس طرح پورے دل سے دیکھ بھی نہ سکوں، تم میرے خاموش دل میں دھڑک کے جاؤ مگر تمہیں میں سنائی بھی نہ دوں میں اس لیے چاہتا تھا، مجھے اس رب کے لیے معاف کر دو جس نے تمہیں بھی کئی چھوٹے چھوٹے گناہوں پر معاف کیا ہو گا، مجھے معافی مانگنی نہیں آتی کیونکہ میں نے زندگی میں کبھی معافی مانگی ہی نہیں مگر تم معاف کر دو گی تو مجھے معافی مانگنے کا ہنر آجائے گا۔" صبا حمزہ نے بے قراری سے اس کے ہاتھ چوم لیے تھے۔

"مجھے آپ سے کوئی گلہ نہیں شہریار، کیونکہ آج بھی اگر میرے ہونٹ ہنسی کا ذائقہ چکھتے ہیں تو اس کی وجہ تم ہوتے ہو۔"

"میں اور کسی کی ہنسی کی وجہ ــــ"

"ہاں تم ہو میری ہنسی، میری خوشی، میری زندگی میں آج بھی تمہاری محبت کی چادر میں سمٹی ہوئی معاشرے کی تلخ نوائیاں سہہ جاتی ہوں، چبھتی ہوئی نظریں پی جاتی ہوں۔" شہریار علی جواد نے بانہیں کھول دی تھیں۔

"کیا تم ایک مسافر کو اپنی زندگی کا گھر دو گی جہاں زندگی کی شام وقت سے پہلے بھی آجائے تو روح میں بچھڑتے وقت بھنور نہ پڑیں بچھڑنے کی ہوک سے سانس میں پھندے نہ لگیں۔" صبا حمزہ نے سر ہلا کر زندگی سے اس کا ساتھ مانگ لیا تھا۔

شہریار علی جواد کھانے کے بعد وہاں سے اٹھا تھا اور گھر آکر پہلی بار اسے گہری نیند نے بانہوں میں سمیٹ لیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں، انکل، یہ انصاف نہیں ہے۔" جازی حیرت زدہ کھڑا تھا۔

"میں چاہتا ہوں اس کا جلد سے جلد آپریشن ہو جائے مگر۔"

"مگر کیا....؟"

"بات کڑوی ہے مگر میں چاہتا ہوں آپریشن سے پہلے ایک بار شہریار کو پتا ہونا چاہیے ایمان سے اس کا کیا رشتہ ہے، تم سمجھ رہے ہو نا قانونی معاملات۔"

"اللہ نہ کرے انکل، شہریار ٹھیک ہو جائے گا۔" راشد کیانی دکھ سے بولے تھے۔

"میرا دل بھی یہی چاہتا ہے کہ وہ جلدی سے ٹھیک ہو جائے بلکہ اگر میری زندگی کے بدلے اس کی زندگی مل سکتی ہے تو میں اس کے لیے بھی تیار ہوں، مگر زندگی تلخ حقائق کا نام ہے۔"

"میں ابھی سے موقع دیکھ کر بات کروں گا، دیکھیے انکل ایمان کا مسئلہ یہ ہے کہ اس نے زندگی کی تلخیوں کو خود سے الجھا کر رکھا ہے اور اس کہانی میں وہ قطع و برید کی قائل نہیں پھر اصفی نے بھی اس کا دل علی انکل کی طرف سے خراب کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی آپ تو جانتے ہیں ناں، اصفی اور ایمان میں بس ایک سال کا فرق ہے پھر صفورا خالہ کے معذور ہو جانے کے بعد ماما نے ہی اسے اصفی کے ساتھ پالا ہے، میں ذمہ داریوں کی وجہ سے کبھی ان کے ساتھ اکٹھا رہ نہیں پایا اور ماما کی اپنی مصروفیات تھیں دونوں بچوں نے اپنی طرف سے کچھ باتیں فرض کرلی ہیں اور ان باتوں کے پیچھے بہت ساری داستانیں چھپی ہیں۔" جازی، مصافحہ کر کے نکل گیا اور ڈاکٹر راشد کیانی خلاؤں میں گھور رہے تھے۔

"مجھے پتا ہے تمہیں شہریار سے بہت محبت ہے مگر اسے اپنے پاس اتنی جلدی مت بلاؤ علی، ابھی تو اس کی آنکھوں نے خواب دیکھنے بھی شروع نہیں کیے، تم کہتے تھے نا تم خوش قسمت بننے والے ہو بیٹی کا باپ بن کر تو علی شہریار کو بھی اس خوش نصیبی کی بہتی آب جو سے پیاس بجھانے دو، اپنی طرح کی اسے تشنہ لبی مت سوغات کرو پلیز علی، میں اپنے یار علی کو ایک بار پھر مرتے نہیں دیکھ سکتا۔"

☼ ☼ ☼

ٹی وی پر کوئی بزنس چینل لگا ہوا تھا جہاں شہریار بھی

مدعوئین میں شامل تھا اور جازی بھیا بہت شوق سے یہ پروگرام دیکھ رہے تھے۔

"دنیا میں کچھ اچھا نہیں بچا دیکھنے کو جو آپ اس شخص کو دیکھ رہے ہیں۔"

"کس شخص کو؟" وہ جان کر انجان بن گیا تھا۔

"اس شہریار علی جواد کو۔"

"تو تم اسے جانتی ہو' واہ بھئی مجھے معلوم ہی نہیں تھا میری بہنا اینکر پرسن بن کر آج کل بڑے بڑے لوگوں کو جاننے لگی ہے۔"

"بڑے بڑے ناموں کے پیچھے بہت چھوٹے چھوٹے لوگوں کو اچھی طرح دریافت کرنا آگیا ہے مجھے۔" جازی نے اس کا ہاتھ پکڑا تھا۔

"معاف کر دینا اچھی عادت ہے۔" وہ ان کے برابر صوفے پر بیٹھ گئی پھر روکھے لہجے میں بولی۔

"میں چاہ کر بھی اس شخص کو کبھی معاف نہیں کروں گی بھیا یہ ایک ایسے شخص کی اولاد ہے جس نے میری ماما کو معذور کر کے موت کی آغوش میں دھکیل دیا میں نے پورے دس سال اپنی ماں کو بستر پر اور پھر بستر سے قبر میں اترتے ہوئے دیکھا ہے' میری زندگی کی بہت ساری چھوٹی چھوٹی کہانیاں بہت بڑے بڑے دکھ بن کر ان کی موت سے گلے مل آئیں مگر میں اکیلی کھڑی انتظار کرتی رہی کہ کبھی تو ماما اس شخص کی محبت کے حصار سے نکلیں گی' کبھی تو انہیں بھی یاد آئے گا کہ انہوں نے ایک زندگی کو جنم دیا تھا جو ان کے خاموش ہوتے ہی خود بھی گونگی ہو گئی مگر ماما کو میرا خیال نہیں آیا جازی بھائی ایک بار بھی نہیں اور وہ چپکے سے مر گئیں۔" وہ اتنے پرانے دکھ پر نئی طرح سے رونے لگی تھی' جازی نے اسے اپنے سینے سے لگا لیا تھا۔

"تم یہ کیوں نہیں سوچتیں کہ علی انکل ایسے ہی تھے کہ کوئی ان پر اپنا دل ہی نہیں اپنی جان بھی ہار دیتا۔"

"آپ کیوں ان کی حمایت کر رہے ہیں۔" وہ چڑ گئی تھی۔ اور وہ نرم لہجے میں پکار رہے تھے۔

"میں اس وقت سترہ برس کا تھا جب خالہ کا نکاح علی انکل سے ہوا اور میں نے ہمیشہ انہیں بہت خیال کرتے اور محبت کرنے والا پایا' زندگی نے ان سے وفا نہیں کی ورنہ مجھے یقین ہے وہ تمہیں شہزادیوں کی طرح پالتے انہیں بیٹی کا بہت شوق تھا' ایک امانت ہے میرے پاس تمہارے لیے۔" انہوں نے سائیڈ ٹیبل پر پڑی ڈائری اس کی طرف بڑھائی تھی۔

"یہ خالہ کی خاص ڈائری تھی جو وراثت میں تقسیم پر میں نے اٹھائی' کیونکہ اس وقت بھی مجھے محبت لفظ اور جذبے متاثر کرتے تھے۔" اس نے ڈائری لی تھی اور کمرے میں لا کر بیڈ پر پٹخ دی تھی۔

"مجھے کسی سے نہیں ملنا میں سب سے ناراض ہوں۔" وہ پردے گرا کر لیٹ گئی تھی اور ڈائری اس کے سرہانے پڑی گنگنائے جا رہی تھی کبھی ہلکے کبھی تیز۔

☼ ☼ ☼
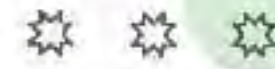
اسے بہت حیرت ہوئی تھی جب آفس سے اسے کال کی گئی تھی' وہ ڈری سہمی شہریار کے روم کے باہر ویٹنگ روم میں بیٹھی تھی۔

وہ کسی خاص میٹنگ میں تھا اور اس کی سیکریٹری نے اسے قابل غور نہیں جانا تھا تین ماہ نوکری چھوڑ کر گھر بیٹھ جانے سے اس کی حالت کسی چوراہے پر بیٹھی ہوئی فقیرنی جیسی ہو گئی تھی' سیکریٹری کا رویہ بالکل بجا تھا۔ یکدم شہریار مہمان کو دروازے تک چھوڑنے آیا تھا اور اس کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا تھا۔

"سر مجھے کہا گیا تھا مجھے آپ نے بلایا ہے' آپ غصہ نہ کریں میں واپس چلی جاتی ہوں۔" وہ اس کے غصے سے یہی سمجھی تھی۔ اور شہریار علی سامنے بیٹھی لڑکی کو گھور رہا تھا۔

"آپ نے انہیں انتظار کیوں کروایا۔"

"آپ کب سے آئی ہوئی ہیں مس سرفراز۔"

"جی دو گھنٹے سے سر۔" اس کا لہجہ سہما تھا جیسے اسے گمان ہو اس بار بھی ہر کام میں اس کی غلطی نکلے گی اور وہ اسی رعونت سے کہے گا "آپ جیسے حلیے کے لوگوں کو میں بھیک دینا پسند نہیں کرتا اور آپ یہاں میرے آفس کے سامنے میری کمپنی کے اتنے مہنگے صوفے پر بیٹھی ہیں' تو کس چیز کا انتظار ہے آپ کو آپ کو کیا لگتا ہے شہریار علی آپ کو کیا دے گا کوئی اعزاز کوئی تمغہ نہیں مس سرفراز آپ صرف قابل ذلت ہیں اور بس۔ نکل جائیے میری کمپنی سے۔"

"مس سرفراز پلیز میرے کمرے میں چلیے۔" اس کی آنکھیں حیرت سے پھٹ گئی تھیں مگر وہ حکم بجا لائی تھی۔ پھر وہ کرسی کے قریب بھی نہیں پہنچی تھی۔ شہریار علی جواد نے خود اس کے لیے کرسی کھسکائی تھی۔

وہ صم بکم بیٹھ گئی تھی اور شہریار علی جواد نے اس معصوم لڑکی کو دیکھا تھا جس کو اس کے فیصلے نے عرش سے فرش پر گرا دیا تھا' اس کا ملگجا سوٹ اس کا مایوس چہرہ۔

"میں ہر روز گھر سے نکلتا ہوں اس امید میں کہ کسی کے ہونٹوں کو مسکراہٹ قرض دے سکوں' تمہیں پتا ہے شہریار کسی کے چہرے کی ایک مسکراہٹ ایک سال میں کمائی جانے والی رقم کے برابر نہ سہی مگر کم بھی نہیں ہوتی یہ ایسا قرض ہے جس کا سود حرام نہیں کیوں کہ کسی کی زندگی کو امید ڈھارس اور مسکراہٹ دینے والے بندے اس کی بارگاہ میں کبھی خالی ہاتھ نہیں لوٹائے جاتے۔" ایک ماضی کی سب سے خوب صورت آواز پھر سے گونجی تھی اس کے دل میں' لیکن اس فلسفے کے برخلاف اس نے پتا نہیں کس کس کے چہرے سے ہنسی نوچی تھی' کس کس کی زندگی لی گیا تھا' انسان غلطی کرتا ہے یہ اس کی سرشت ہے مگر معافی مانگنا تو یہ صرف اس کی خاص عنایت کے سوا کچھ نہیں اور معافی کی سمت ہر قدم کو نصیب نہیں ہوتی "اور میں بہت خوش قسمت لوگوں میں شمار ہونا چاہتا ہوں۔" دل کے اندر پھر وہی گیان گونجا وہی آواز شہریار علی جواد نے دوبارہ مس سرفراز کو دیکھا اور سوچا "اس کی زندگی میں کتنے اچھے اچھے لوگ تھے مگر اس نے اپنی مرضی سے لوگوں کو چنا اور اپنے گرد بہت سارے پتھر جمع کر لیے' سخت کھردرے' بے رنگ پتھر' اور ان سب لوگوں کو چھوڑ دیا جو خاص اللہ نے عنایت کر کے اس کے پاس بھیجے تھے کہ وہ اس کی زندگی فلاح کے راستے پر لے جاتے' پہلے اسے بہت زعم تھا کہ وہ جس راستے پر چل پڑتا ہے منزل خود بخود بھاگ کر اس راستے کے کوس گننے لگتی ہے مگر اب کھلا تھا وہ سنگ میل کی طرح ایک جگہ کھڑا تھا اور سفر تو آگے ہی آگے طے ہوا تھا۔

"مس سرفراز کیا آپ معاف کر دینے کی نرمی پر یقین رکھتی ہیں۔"

"میں روزانہ سب کو معاف کر کے سوتی ہوں سر مگر زندگی میں بہت کم انسان معاف کرتے ہیں۔" مس سرفراز نے جواب دیا تھا۔

"کیا جب آپ روز سوتے وقت سب لوگوں کو معاف کیا کرتی تھیں تو کیا ان میں شہریار علی جواد کا نام ہوتا تھا۔" مس سرفراز کی آنکھیں آنسو بہانے لگی تھیں۔

"سوری سر مگر یہ سچ ہے میں جب سب کو معاف کر کے سوتی تھی تو شہریار علی جواد کو بھر بھر کے بددعائیں دیا کرتی تھی' اس شہریار علی جواد کو جس نے مجھے عرش سے فرش پر پٹخ دیا تھا' مجھے میرے گھر میں تیسرے درجے کا شہری بنا دیا تھا میں نوکری کر کے جب تنخواہ اپنی بھابھی کے ہاتھ پر رکھتی تو میرا سر اپنی ذات کے فخر سے دو انچ بلند ہوتا تھا گھر کے ہر کام میں میری رائے کو اہمیت دی جاتی تھی مگر نوکری کے بعد میں کسی چوراہے پر بیٹھی ہوئی فقیرنی بن گئی تھی جسے ساری پلیٹوں کا بچا ہوا کھانا ملتا تھا اور کبھی بھوکے پیٹ سونا پڑتا تھا جس سے اس کا کمرہ چھین کر ڈرائنگ روم میں لا کر پٹخ دیا گیا تھا' مگر سر آپ ٹھیک کہتے تھے' پھر آپ توقع کیوں رکھتے تھے کہ میں معاف کیے جانے والے لوگوں میں آپ کا نام لکھتی' میں عام انسان ہوں سر ابو بن ادھم نہیں کہ کسی فرشتے کو کہتی مجھے ان لوگوں میں لکھو جو اللہ کے بندوں سے اللہ کے لیے محبت کرتے ہیں' میں ولی نہیں میں عام انسان ہوں سر۔" وہ بولے جا رہی تھی اور شہریار علی جواد سنے جا رہا تھا۔۔۔ وہ بول بول کر تھک چکی تو سفاکی سے پوچھنے بیٹھ گئی۔

"کیا میں خود اٹھ کر چلی جاؤں یا آپ اپنے محافظوں سے اٹھوا کر مجھے باہر پھنکوائیں گے سر۔" وہ اٹھ کر اس کے قریب آگیا تھا۔

"مس سرفراز میں چاہتا ہوں آپ جب آج کے بعد سوئیں تو معاف کیے جانے والے لوگوں میں میرا نام سب سے پہلے لیں، مجھے بخشش کا لالچ نہیں بس میں چاہتا ہوں جتنا آپ ان تین ماہ میں روئی ہیں آپ اتنا ہی ہنسیں، پلیز مس سرفراز۔" اس نے لیٹر اس کی طرف بڑھایا تھا، بے یقینی سے وہ اسے دیکھ رہی تھی۔

اور وہ کمر موڑے بولا تھا۔

"آج سے آپ ہماری کمپنی کی تاحیات ملازمین میں شامل ہیں، میں رہوں یا نہ رہوں مگر آج کے بعد آپ کو اس کمپنی سے کوئی نہیں نکال سکتا۔" اس نے اس کا ہاتھ تھاما تھا۔

"میں چاہتا تو یہ تھا کہ آپ بغیر محنت کے گھر بیٹھے سیلری لیتی رہیں مگر یہ معاشرہ بھی برا ہے اور میری شہرت بھی، اس لیے میں نہیں چاہتا کوئی میری بہنوں جیسی ساتھی کو میرے حوالے سے الزام دے اور خود آپ کی معصوم عزت نفس کو ضرب لگے۔" وہ خواب کی سی کیفیت میں اس کے ساتھ اٹھی تھی اور وہ سارے اسٹاف کے سامنے کھڑا تھا۔

"مس سرفراز کے ساتھ جو غلط رویہ میں نے بند کمرے میں اختیار کیا اس کی معافی میں آپ سب کے سامنے مانگنا چاہتا ہوں کیونکہ مس سرفراز کی عزت نفس، ذات کا فخر میری امارت سے کسی طور کم تر نہیں، سب حیرت زدہ سے شہریار علی جواد کی اس کایا پلٹ کو دیکھ رہے تھے اور مس سرفراز دھیمے دھیمے اس کی تبدیلی کو اس کے لفظوں میں سے نتھار کر ان سب کے سامنے ظاہر کر رہی تھی وہ وہاں سے جا چکا تھا۔ تبھی کسی دل جلے نے کہا۔

"سب دکھاوا ہے جب سے پتا چلا ہے وہ مرنے والا ہے تب سے سوانگ رچایا ہے اچھا بننے کا، وہی بات ہوئی رند کے رند رہے ہاتھ سے جنت نہ گئی۔"

مس سرفراز نے کہنے والے کی ٹیبل پر ہاتھ مارا تھا۔

"تم کیسے کہہ سکتے ہو شہریار صاحب کو کچھ ہونے والا ہے، وہ مرنے والے ہیں؟"

"میرا دوست جس ہسپتال میں کام کرتا ہے وہاں یہ ہفتے میں دو دن ضرور چیک اپ کے لیے جاتے ہیں دماغ کا کینسر ہو گیا ہے تبھی تو شیطان سے ایک دم ولی کا روپ دھار لیا ہے۔ معافیاں شافیاں ایسے نہیں ملتیں، کالے دل آخری وقت تک کالے رہتے ہیں۔"

"تم کیسے کہہ سکتے ہو کالے دل آخری وقت تک کالے رہتے ہیں کیا کبھی تم نے اکیلے میں اپنی کسی غلطی کی معافی مانگی، ہر انسان یہ سمجھتا ہے وہ ایک نیک پاک باز انسان ہے، جس سے کوئی غلطی نہیں ہوئی اور معافی مانگنے والے کو لفظوں سے رگید دیتے ہیں، کبھی سوچا ہے کتنے لوگ ہیں جنہیں موت کا یقین ہو تب بھی وہ بخشش مانگتے ہیں، معافی اور توبہ کے ٹھنڈے میٹھے سمندر کا پانی پیتے ہیں، بس چند لوگ، جن کو وہ توفیق دے اور جسے اس کی طرف سے توفیق ملے اس کے لیے جہنم کی گارنٹی تم کیسے دے سکتے ہو کیا تمہیں پتا ہے تم جنت میں جاؤ گے، ہم میں سے کتنے لوگوں کو پتا ہے وہ جنت میں جائیں گے۔" مس سرفراز کا سانس تیز ہو رہا تھا اور اس نے اس ملازم کو اس کی کرسی پر دھکا دے کر کہا تھا۔

"جنت صرف اس کی دی گئی رحمت عنایت کے سوا کچھ نہیں عمل، کچھ نہیں اگر وہ قبولیت کے در و بام تک نہیں پہنچا۔ عمل پل صراط سے گزرنے سے بھی مشکل، سخت مبہم ہے، ہم صرف سوچ سکتے ہیں گزر جائیں گے مگر جب ہم سوچتے ہیں گزر جائیں گے تو شفاعت، رحمت کے بل پر، عمل کے بل پر نہیں۔" وہ کہہ کر اپنے کیبن میں واپس چلی گئی تھی۔

شہریار اپنے روم میں آنے والا فون سن کر ہراساں ہو گیا تھا۔

☆ ☆ ☆

"اتنا بڑا فراڈ میرے دستخط! اس کی مجال ہے جو مجھے دھوکا دے۔" وہ اب بھی بے یقین تھا مگر جب قانونی نوٹس ملنے شروع ہوئے تو وہ حیرت زدہ رہ گیا تھا، بہت سی کمپنیز کو اس کے دستخط شدہ لیٹر ہیڈ کے ساتھ بزنس کی پیشکش کی گئی تھی اور رقم اس اکاؤنٹ میں جمع کروائی گئی جس کے متعلق شہریار علی جواد لاعلم تھا، تحقیقات کروانے پر پتا چلا وہ اکاؤنٹ دو ہفتے پہلے ہی سیل کروایا گیا ہے۔

وہ سارے خطوط دیکھ رہا تھا دستخط اسٹیمپ، لیٹر ہیڈ، ای میلز میں باقاعدہ کی گئی گفتگو۔

"یہ میری آئی ڈی نہیں ہے۔" وہ پہلی بار جھنجلایا تھا۔

"صرف بات آئی ڈی کی نہیں کمپنی کی طرف سے میٹنگز ہوئی ہیں۔" وہ چونک کر پلٹا تھا، اپنے وکیل کو حیرت سے دیکھ رہا تھا۔

"مگر میٹنگ کے بعد کسی نے مجھ سے رابطہ کیوں نہیں کیا۔" وہ اب بھی صدمے میں تھے۔

"کیا گیا تھا اور آپ کے نمبرز سے انہیں میسجز بھی فارورڈ ہوئے ہیں۔"

"میرے موبائل سے۔۔۔" اس کا چہرہ حیرت کے شدید تاثر سے بھر گیا تھا اس نے موبائل ٹیبل پر اس طرح پٹخا تھا جیسے، موبائل کی بیپ سے کوئی دھماکہ ہونے کا خطرہ تھا، اس کا دماغ تیزی سے ان دنوں قریب ہونے والوں کی فہرست کھنگال رہا تھا، مگر ان سب میں بھی کوئی بھی اتنا قریب نہیں ہو سکتا تھا کہ اس کے موبائل کو استعمال کرنے کا خیال بھی اپنے دل میں لاتا۔

"کون آیا کب آیا، اتنا قریب۔۔۔" وہ بے قراری سے ٹہل رہا تھا تین رکنی ٹیم، اس کی طرف متوجہ تھی تب اچانک جھماکا ہوا۔

"تم۔ A بالکل میری طرح ڈالتی ہو مگر تمہارے A کا ایک راؤنڈ زیادہ ہوتا ہے مگر یہ اتنی باریک بات ہے کہ میں نے بھی پورے ایک ماہ بعد نوٹس کی ہے یہ بات۔"

"تم ہی۔" اس کے لب ہلے تھے۔

"آپ کو دھوکہ وہ دیتا ہے جو آپ کا دوست ہو کیونکہ دشمن کو تو آپ ویسے ہی ہر وقت نگاہ میں رکھتے ہیں۔" اور وہ دوست سمجھ کر مات کھا گیا تھا، وہ کچھ کہے بغیر میٹنگ روم سے نکل آیا تھا، اپنے آفس میں آ کر بیٹھا تھا۔

"سلمان آفندی کو اندر بھیجو۔" اس نے انٹرکام پر سیکریٹری کو کہا اور اس کے لیے جواب حیرت انگیز تھا۔

"مسٹر سلمان آفندی استعفیٰ دے گئے ہیں۔"

"سلمان آفندی ان کے آفس کے اتنے پرانے آفیسر تھے۔" آفس میٹنگ میں ہمیشہ اس کے داہنے ہاتھ پر بیٹھتے تھے۔

وہ یکدم اٹھ کر ایچ آر ڈیپارٹمنٹ کی طرف بڑھا تھا اور حیران رہ گیا تھا۔

ایمان صفورا اس کا آفس چھوڑ چکی تھی مگر اس کے ایچ آر ڈیپارٹمنٹ سے نکل رہی تھی، اس نے پہلے سوچا وہ آواز دے کر اسے روک لے مگر پھر وہ اس کے پیچھے چلنے لگا اور حیران رہ گیا، جب وہ گاڑی میں بیٹھ کر جس راستے پر جا رہی تھی اس راستے پر تو اس کا گھر نہیں تھا، یہ تو پوش ایریا تھا پھر وہ سب سے شاندار گھر کے سامنے کھڑی ہارن دے رہی تھی۔

"یہ یہاں رہتی ہے اتنے محل نما گھر میں مگر اس نے اپنی سی وی پر تو کوئی اور ایڈریس دیا تھا۔" وہ بری طرح الجھ گیا تھا۔

جب شام کو راشد کیانی حیران اس کے سامنے بیٹھے تھے۔

"آپ کو کس نے پریشان کر دیا۔"

"جمیل آیا تھا آج ہسپتال، وہ کہہ رہا تھا اگر عدالت سے باہر معاملہ نمٹاتا ہے تو بہت بڑی ہرجانے کی رقم دینی پڑے گی، وہ تو شکر ہے معاملہ صرف پاکستان میں خراب کیا، جس نے بھی کیا، اگر بین الاقوامی طور پر ہوتا تو کمپنی بلیک لسٹ ہو جاتی، علی جواد کی برسوں کی محنت ذرا سی دیر میں خاک میں مل جاتی۔"

"خاک سے اٹھنے والی ہر چیز خاک میں ملنے کے لیے ہوتی ہے انکل وہ نام ہو وجود ہو یا غرور۔۔۔ سب

کچھ.... آپ کو نہیں لگتا علی جواد کی سب سے قیمتی دولت بھی مٹی میں ملنے کے لیے دن گن رہی ہے۔" راشد کیانی کی آنکھوں کو درد کے سمندر نے پہلی بار اتنی جلدی بھگو دیا تھا۔

"نہیں مجھے نہیں لگتا' کیوں کہ معجزے آج بھی ہوتے ہیں شرط صرف یقین کی ہے۔"

"معجزے اور وہ بھی مجھ جیسے انسان کے لیے' کیا آپ کو نہیں لگتا یہ بیماری بھی میرے گناہوں کی قسط ور قسط وصولی ہے۔" راشد کیانی نے اسے کندھوں سے تھام لیا تھا۔

"نہیں مجھے نہیں لگتا کیونکہ' آزمائش اور سزا میں جو ایک باریک پردہ ہے اس سے تم اپنی روح میں جھانک کر خود سے مل آئے ہو۔"

"آزمائش اور سزا۔" وہ سگریٹ سلگانے لگا تھا ڈاکٹر راشد کی خفا آنکھوں کے باوجود۔

"ہاں کسی دانا نے کہا تھا' جب کوئی تکلیف تمہیں اللہ سے قریب کردے وہ ہماری آزمائش ہوتی ہے اور جو تکلیف ہمیں اللہ سے دور کردے وہ سزا۔" وہ چمکتی آنکھوں سے راشد کیانی کو دیکھنے لگا اب وہ مسکرا رہا تھا۔

"بہت ذہین لڑکی ہے وہ انکل اگر آپ دیکھ لیں ناتو شرلاک ہومز کو بھول جائیں' ابن صفی کے عمران کو یاد کرکے مسکرائیں۔"

"کون لڑکی.... پھر کوئی لڑکی۔" راشد کیانی کا لہجہ پہلے سوالیہ ہوا پھر بے زار' وہ مسکرانے لگا۔

"نو نو.... آپ غلط مت سمجھیں' وہ ایکس وائی زیڈ قسم کی لڑکی نہیں وہ بہت خاص لڑکی ہے۔"

"جیسے صبا حمزہ...." وہ اب چڑ گئے تھے۔

"ہاہاہا.... صبا حمزہ وہ تو ایک فیری لینڈ کی پری ہے جس نے میری زندگی بدل دی اور یہ لڑکی۔"

"ہاں.... ہاں بولو یہ لڑکی.... کون ہے یہ لڑکی۔"

"میری سینڈریلا' میرا دل چاہتا ہے میں اس کے ناز اٹھاؤں وہ جتنا چاہے مجھ سے لڑے' جتنا چاہے مجھ سے فرمائشیں کرے مجھ پر حکم چلائے' میرے چھوٹے چھوٹے کام کرنے پر مجھ سے محنتانہ وصول کرے' نہ دوں تو خود میری جیب میں ہاتھ ڈال کر میرا والٹ نکال لے اور جتنا مرضی چاہے خرچ کرتی جائے' چاہے تو مجھے کنگال کردے۔" وہ کہتے کہتے پلٹا تھا مگر ڈاکٹر راشد کیانی وہاں نہیں تھے۔

"یہ کہاں چلے گئے ہیں اتنی مزے کی باتیں کررہا تو آج میں۔" اس نے گہرا کش لیا اور اس کے ہونٹوں کو مسکراہٹ کے الوہی احساس نے یکدم چھو لیا تھا۔

"صبا حمزہ.... اور ایمان صفورا' میری فیملی کمپلیٹ ناں۔" وہ خود کو جیسے کسی خوشی کا احساس دلا رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

جازی سامنے بیٹھا تھا اور شہریار حیرت سے کبھی ڈاکٹر راشد کو دیکھ رہا تھا کبھی سامنے لگی علی جواد احمد کی پورٹریٹ کو۔

"مسٹر جازی میرے لیے کیا بہتر کرسکتے ہیں انکل میں انہیں جانتا ہی کتنا ہوں۔"

"جازی ایک بہترین وکیل ہے وہ تمہیں اس مسئلے سے نکال سکتا ہے' جس میں آج کل تم پھنس چکے ہو۔" شہریار مسکرایا تھا۔

"انکل میں کسی مسئلے میں نہیں پھنسا بلکہ میں آج کی سخت صورت حال سے لطف اندوز ہورہا ہوں۔" مسئلہ اور لطف جازی کو پہلی بار حیرت ہوئی تھی اور وہ صوفے پر بیٹھ کر حیرت زدہ سا بولا تھا۔

"جب آپ کسی سے بے تحاشا محبت کرنے لگیں تو آپ کا وہ پسندیدہ شخص آپ کو سڑک پر بھی لے آئے تو بھی آپ کا دل نہیں دکھتا' آج کل میں تکلیفوں میں مزے ڈھونڈ رہا ہوں۔"

"مسٹر شہریار کیا آپ نے ایف آئی آر درج کروائی ہے۔"

"نہیں تو مجھے لگتا ہے اس طرح میری کمپنی کی ساکھ کو دھچکا پہنچے گا۔"

"اور جو ان جھوٹے کانٹریکٹ سے تمہاری ساکھ خراب ہورہی ہے۔"

"ہم ہرجانہ دے دیں گے۔"

"تمہیں پتا ہے تمہارا کتنا سارا پیسہ پہلے سے مارکیٹ میں باؤنڈ ہے ہرجانہ دے کر کہاں جاؤ گے۔" ڈاکٹر راشد خفا اور پریشان سے پکار رہے تھے۔

"میرے خیال میں اتنا اثر نہیں پڑے گا۔" وہ یوں مزے سے بیٹھا تھا کہ جیسے کوئی اور مصیبت میں اٹکا ہوا تھا۔

"کوئی تدارک ہونا تو چاہیے ورنہ کوئی بھی جب چاہے تمہیں مشکلات میں لے جاکر کھڑا کرسکتا ہے۔" شہریار علی جواد کی چمکتی آنکھیں ڈاکٹر راشد پر جم گئی تھیں۔

"کسی میں ہمت نہیں کہ کوئی شہریار علی جواد کو دھوکہ دے سکے' وہ تو ہم جان کر کھالیتے ہیں ماتیں اکثر۔"

"مسٹر سلمان آفندی کے اکاؤنٹ میں جو ایک خطیر رقم جمع ہوئی ہے اور جس طرح انہوں نے بتائے بغیر استعفیٰ دیا ہے' ہم اس کو تو عدالت میں ثابت کرسکتے ہیں یہ کھلا فراڈ ہے شہریار۔" جازی نے سمجھانے کی کوشش کی اور شہریار جازی کو دیکھ کر پھر سے مسکرایا۔

"مسٹر سلمان آفندی کے خلاف کچھ کرنے کا مطلب ہے میں اس لٹل ڈول کو بھی مصیبت میں مبتلا کردوں۔"

"لٹل ڈول.... یہ کون ہے۔" جازی کے کان کھڑے ہوئے تھے۔ راشد کیانی نے بے زاری سے کندھے اچکائے تھے۔

"میں خود نہیں جانتا اسے شرلاک ہومز اور 007 سے ملا رہا ہے کب سے۔"

"اگاتھا کرسٹی ہے وہ میری' اتنی ذہین اتنی معصوم۔" اس بار بھی اس کے لہجے میں محبت کم نہیں ہوئی تھی بڑھ گئی تھی۔

"آپ کو اس نے دھوکہ دیا ہے آپ کو اس پر غصہ نہیں۔"

"پہلے جب تک پتا نہیں تھا یہ دھوکہ کس نے دیا تب تک الجھن بھی تھی غصہ بھی مگر جب سے پتا چلا ہے یہ اس کی شرارت ہے تو الجھن تو باقی ہے مگر غصہ نہیں آرہا۔" رک کر ڈاکٹر راشد کو دیکھ کر بولا۔

"پلیز گھوریں نہیں اب مجھے غصہ نہیں آرہا تو میں کیا کروں یار انکل۔" یکدم بولتے ہوئے اس نے سر کو جھٹکا تھا۔

"تم ٹھیک ہو۔" ڈاکٹر راشد تیزی سے اس کی طرف بڑھے تھے۔ اس نے صوفے کا سہارا لینے کی کوشش کی مگر وہ گرچکا تھا۔

"اسے آپریٹ کروانا چاہیے جتنا جلدی ہوسکے لیکن یہ ان چکروں میں پھنس گیا تو اور دیر ہوجائے گی۔" وہ گھبرا کر ایمبولینس کال کررہے تھے ملازمین میں کھلبلی مچ گئی تھی دادو پاگلوں کی طرح دوڑی آئی تھیں۔

"کیا ہوگیا ہے اسے....." جازی نے افسوس سے عائشہ بیگم کو دیکھا تھا۔

"ایسے مت دیکھو میرا بیٹا بالکل ٹھیک ہوجائے گا بالکل ٹھیک سمجھے نا' وہ ہسٹریک ہوگئی تھیں ڈاکٹر راشد انہیں بھی سنبھال رہے تھے۔

"آپ تو بہت حوصلہ مند ہیں آنٹی۔"

"یہ میری خوبی ہے یا میری سزا۔"

"خوبی! وہ اپنے نیک بندوں کو سزا نہیں دیتا بس آزماتا ہے۔" وہ ان کا ہاتھ سہلا رہے تھے۔

☼ ☼ ☼

جازی ہسپتال میں کھڑا تھا ڈاکٹر اسے ایمرجنسی میں لے گئے تھے اور وہ سوچ رہا تھا کہ سمندر کے دو کنارے کیسے ایک دوسرے میں ضم کرلے کر سوکوس کھڑے دل ایک دوسرے سے مل جائیں۔ اس نے فون اٹھایا تھا۔

"ہیلو ایمان اسپیکنگ۔"

"نام نہیں دیکھا آج۔" دوسری طرف چونکتا لہجہ تھا۔

"سوری جازی بھیا کمپیوٹر پر تھی اس لیے نام دیکھے بغیر اٹھالیا' آپ سنائیں آپ کہاں ہیں۔"

"ہسپتال میں....."

"ہسپتال......" دوسری طرف چیخ بلند ہوئی۔

"کون سے ہسپتال میں' کیوں ہیں کہاں ہیں کیسے ہیں۔" جازی اسی طرح پرسکون تھا۔

"تم یہاں آسکتی ہو۔" وہ ہسپتال کا ایڈریس سمجھا رہا تھا' پندرہ منٹ بعد وہ اس کے سامنے تھی۔

"آپ تو؟ مجھے تو آپ ٹھیک لگ رہے ہیں بھیا۔"

"میں ٹھیک ہوں بس ایک اور شخص سے ملوانا تھا تمہیں۔" وہ وی آئی پی روم میں شفٹ کردیا گیا تھا' اس نے شیشے کے پار سے دیکھا اور کرنٹ لگنے کے انداز میں واپس پلٹی تھی۔

"انہیں انہیں کیا ہوا ہے۔" بے قراری چھپانے کے باوجود امڈ آئی تھی۔

"یہ بیمار ہے' بہت نازک حالت میں ہے انکل راشد نے مجھے اس لیے پاکستان بلایا ہے تاکہ میں تمہیں اس سے متعارف کرواسکوں' تاکہ وہ اپنی وصیت تیار کرواسکے۔"

"وصیت۔" اس نے آنکھیں بھینچ لی تھیں۔

"اسے گمان تھا اس شخص کی ہر تکلیف پر وہ قہقہہ لگا کر انجوائے کرے گی مگر یہاں وہ تکلیف میں تھا اور دل اس سے بغاوت کرکے اس شخص کے سرہانے جا کھڑا ہوا تھا۔

"میں یہ بات جانتی ہوں۔"

"کیا تم جانتی ہو وہ مرنے والا ہے۔"

"خاموش ہوجائیں خدا کے لیے خاموش ہوجائیں۔ جازی بھائی' وہ میرا بھائی ہے اس کے لیے تو ایسا نہ بولیں۔" اس کو پتا بھی نہیں چلا تھا اور اس کی آنکھیں جل تھل ہوگئی تھیں۔

"پھر تم کیا جانتی تھیں۔" جازی حیران ہو کر اسے دیکھ رہا تھا۔

"یہی کہ وہ علی جواد کا بیٹا ہے اور میرا بھائی ہے۔" جازی نے یکدم اس کا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔

"کیا وہ لڑکی تم ہو جس نے اس کے ساتھ فراڈ کیا ہے۔" ایمان صفورا کی آنکھیں شرمندہ ہو کر اس شخص کے قدموں میں بیٹھ گئیں۔

"کیا وہ جانتا ہے کہ تم اس کی بہن ہو۔" اگلا سوال ہوا۔

"نہیں مگر وہ چاہتا ہے کہ میں اسے ایک بار پورے دل سے بھائی کہہ کر بلاؤں؟" جازی کا چہرہ یکدم سیاہ ہوگیا' ایمان نے پلٹ کر دیکھا تھا ڈاکٹر راشد اور عائشہ سامنے کھڑے تھے' عائشہ خاتون نے اسے چھونا چاہا تھا مگر وہ تیزی سے باہر نکل گئی تھی' پھر ساحل... مصروف گاڑی میں بیٹھے بیٹھے اس نے شاہ میر کا نمبر ... تھا۔

"تمہیں کیا لگتا ہے کیا میں نے ہمیشہ خسارے کے سودے کیے ہیں۔"

"نہیں لیکن پھر بھی کچھ ضرور۔"

"تمہیں کیا لگتا ہے میں احمق ہوں یا بے وقوف لڑکی۔"

"تم احمق ہو' نہ بے وقوف اور نہ ہی لڑکی۔" ترنت جواب آیا۔

"شاہ میر میں مذاق نہیں کررہی اس وقت میں بہت اونچائی سے نیچے گری ہوں مجھے خود کو ترتیب دینا مشکل ہوگیا ہے۔"

"کافی پیو گی......" اتنا سرسری سا جواب سن کر وہ چڑی تھی نہ اس نے موبائل باہر پھینکا تھا خاموشی سے اپنی گاڑی کو یوٹرن دے کر چل پڑی تھی پھر وہ ٹیرس پر کھڑی کافی کا کپ لیے اسے حیرت سے دیکھ رہی تھی۔

"تمہیں لگتا ہے کیا میں یہاں کافی پینے چلی آئی ہوں۔"

"نہیں کیونکہ میں جانتا ہوں اس سے اچھی بلینڈ کافی تمہارے کچن میں موجود ہے۔"

"پھر تم بتاؤ میں یہاں کیوں آئی ہوں۔"

"جب تم غلطی کرتی ہو تو اکثر تمہیں میں ہی یاد آتا ہوں بتاؤ کیا غلطی کی ہے نئی۔" اس کی آنکھوں میں یکدم سے نم تیرنے لگا تھا۔

"جازی بھائی کہہ رہے ہیں وہ مرنے والا ہے۔"

"کون مرنے والا ہے' پھر کوئی فلاحی دورہ؟"

"نہیں' نہیں' شہریار علی جواد...... وہی جسے میں نے آسمان سے زمین پر لا پٹخا۔"

"تو پھر تو داد دینی چاہیے۔ کیونکہ تم کامیاب رہی ہو۔" کافی کا سپ لے کر وہ نارمل تھا اور وہ چڑ گئی تھی۔

"شاہ میر! تمہیں کسی بات سے فرق پڑتا ہے۔" وہ خفگی سے بولی۔

"مجھے لگتا ہے اگر میں کہوں' میں کل مرنے والی ہوں تم پھر بھی اسی انداز میں کافی پیتے رہو گے۔"

"نہیں اگر میرا موڈ ڈرامہ کرنے کا ہوا تو میں ضرور دو چار آنسو بہا کر کالی شال اوڑھ کر سڑکوں کی خاک چھانوں گا تاکہ لوگوں کو پتا چلے اب بھی مجنوں کی نسل زندہ ہے۔"

"مجھے لگتا ہے میں نے یہاں آکر غلطی کی ہے۔" اس نے کپ ٹرے میں واپس رکھ دیا تھا۔ وہ جانے لگی تھی جب شاہ میر نے اس کی کلائی پکڑ لی تھی۔

"خفا ہو کر تم اور پیاری لگتی ہو۔"

"شاہ میر وہ میرا بھائی ہے اور وہ مرنے والا ہے تمہیں کچھ سمجھ آرہا ہے......!" شاہ میر نے کرنٹ لگنے کی رفتار سے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا تھا۔

"وہ تمہارا بھائی تھا اور تم نے پھر بھی اسے تباہ کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔" حیرت زدہ وہ اسے دیکھ رہا تھا اور اس کا چہرہ پہلی بار شرمندگی سے عرق آلود ہوا۔

"وہ جانتا تھا تم اسے تباہ کررہی ہو مگر وہ پھر بھی تباہ ہوتا رہا۔" دل نے اسے کٹہرے میں لاکر کھڑا کردیا تھا مگر ہائے وہ اس کے اندر کی نفرت۔

وہ پتا نہیں کب تک جاگتی رہی اور پھر فجر کا وقت تھا جب وہ ہاسپٹل میں اس کے کمرے کے باہر کھڑی تھی' پھر چند سیکنڈ بعد وہ اس کے بیڈ کے پاس کھڑی حیرت سے خود کو دیکھ رہی تھی۔

"مجھے تم سے نفرت ہے شدید نفرت۔" مگر اس کے ہاتھ شہریار علی جواد کے رخسار کو چھو رہے تھے۔

"آنکھیں کھولو نا بھائی ایسے نہیں کرتے' لڑائی کرنے جھگڑنے میں جو مزا ہے وہ ایک دم سے گیم الٹ دینے میں نہیں۔" اس نے شہریار علی جواد کی پیشانی کو بوسہ دیا تھا اور تبھی شہریار کی حیرت بھری آنکھیں اس پر جم گئی تھیں۔

"امی۔" اس کے لب کانپے نقاہت بہت زیادہ تھی' وہ یکدم اپنے خول میں بند ہونا چاہتی تھی مگر شہریار علی جواد نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔

"اولٹل ڈول اب کہیں نہیں جانے دوں گا تمہیں' کتنے دن سے چھپی ہوئی تھیں تم۔"

"میں کوئی ڈاکو ہوں یا لٹیری — جو چھپوں گی۔" وہ لڑنے لگی تھی اور وہ ہنس پڑا تھا۔

"کام تو اگاتھا کرسٹی کے ناول کی ہیروئن جیسا ہی کیا۔ حرکتیں' کسی لٹیرے سے کم بھی نہیں تمہاری۔"

"مجھے جانا ہے۔" اس نے ہاتھ چھڑایا تھا اور شہریار علی جواد نے چونک کر دیکھا تھا۔

"یہ اچانک تمہیں مجھ پر اتنا لاڈ کیوں آرہا تھا آج۔"

"بس ایسے ہی رات بھر سوئی نہیں تو شاید دماغ خراب ہوگیا تھا۔"

"ہاہاہا......" وہ ہنس رہا تھا' پھر نرمی سے بولا۔

"تمہاری کلائیوں میں چوڑیاں کیوں نہیں۔" بے تکا سوال بقول ایمان صفورا کے۔

"چوڑیاں ہتھکڑی کا نشان ہیں اور مجھے قید کسی بھی طرح کی ہو قبول نہیں۔" اس نے اس کی بالوں کی لٹ کو کھینچا تھا۔

"تم میری گڑیا ہو اور میں تمہیں کھونا نہیں چاہتا۔" دھک دھک کرتا دل یکدم شور کرنے لگا دروازہ کھلنے کی آواز پر شہریار نے چونک کر دیکھا' صبا حمزہ کی آنکھوں میں ڈھیر سارا پانی جمع تھا۔

"میں شاید غلط وقت پر آگئی۔" وہ شرمندہ سی ہونے لگی' شہریار علی جواد نے مسکرا کے دیکھا۔

"نہیں' نہیں تم بالکل ٹھیک وقت پر آئی ہو اپنی اکلوتی نند سے ملو مگر یاد دھیان سے یہ اگاتھا کرسٹی ہے میری۔" صبا حمزہ کی نم آنکھوں میں مسکراہٹ کے کنول کھل اٹھے تھے۔

☼ ☼ ☼

وہ ٹھیک ہو گیا تھا مگر ایمان صفورا اب اس سے رابطے میں نہیں تھی وہ نہ اس کا فون اٹھا رہی تھی' نہ ہی گھر پر مل رہی تھی وہ ایک دم پھر سے تناؤ کا شکار ہو گیا تھا اور آج اس نے اس تناؤ میں جوہی حماد کو پک کر لیا تھا' وہ اپنے نئے لوافیئر میں مگن تھی اور ایک آرٹ روم میں بیٹھی اپنا مجسمہ بنوا رہی تھی۔

"تم تھکتی نہیں۔" جوہی حماد کا قہقہہ کار میں گونجنے لگا۔

"بے وقوف بننے میں دل کی تھکن بھی ہے دکھ بھی مگر بے وقوف بنانے میں نہ تھکن ہے نہ دکھ میں تو انجوائے کر رہی تھی اسے۔"

"مگر مجھے لگتا ہے وہ تم سے بہت محبت کرتا ہے کتنی لو دیتی آنکھیں تھیں جو تم پر جما کر بیٹھا تھا۔"

"جسٹ ٹائم پاس یار' اسے ہر ہفتے اسی طرح محبت کے دورے پڑتے ہیں وہ آرٹ میں ایک نئی جہت دریافت کرنا چاہتا ہے جس میں خسارہ نہ ہو وہ ہماری کلاس میں موو کرنے کے لیے ہماری کمیونٹی کی لڑکیوں کو استعمال کرتا ہے تاکہ اسے کوئی اچھا موقع مل سکے۔" "نہ وہ عاشق نہ مجھے محبوب بننے کا سودا۔"

"جوہی کبھی تمہارا دل نہیں چاہتا تم بھی محبت کی مدھ چکھو۔"

جوہی حماد نے پرس سے ہارڈ ڈرنک کی بوتل برآمد کی تھی اور ہونٹوں سے لگا کر وہ جیسے اس کے سوال سے بچ رہی تھی۔

"جوہی۔" شہریار علی جواد نے پھر سے پکارا تھا اور جوہی حماد کی آنکھیں نشے میں مخمور ہو گئی تھیں مگر یہ ہارڈ ڈرنک کا نشہ نہیں تھا۔

"محبت! ایک بار جس نے اس کی مدھ دل سے چکھ لی پھر اس کے ہونٹ پیاسے ہوں تو بھی پیاس وجود کو جلاتی نہیں بارش کی ہلکی تیز بوندوں میں بھگوتی رہتی ہے اور میں سر سے پیر تک اس بارش میں بھیگ چکی ہوں' مجھے جو چاہیے تھا وہ لے لیا میرا دل رنگ دیا اس محبت نے اب باقی ہاؤ ہو تو دنیا دکھاوا ہے صرف جسٹ کڈنگ یار۔"

"یہاں ایک اچھا پشاوری ہوٹل ہے آج باہر ڈنر کریں۔" وہ سوال کر رہی تھی نہ تجویز دے رہی تھی وہ صرف حکم دے رہی تھی اور شہریار نے سر ہلا کر گاڑی اس کے بتائے گئے راستوں پر ڈال دی تھی۔

پھر وہ اپنی زندگی کا سب سے عجیب ڈنر کر رہا تھا' وہ مزے سے نہاری کی پلیٹ میں ہری مرچوں براؤن پیا' ادرک کی گارنش کر رہی تھی۔

"اتنا روغنی اور مرچ مسالے والا ــــ" وہ ڈر رہا تھا' مگر پھر بھی اس نے اسٹارٹ لیا تھا اور پھر اس کی تعریفیں تھیں کہ تھمنے کا نام نہیں لیتی تھیں۔

"آئس کریم کھاؤ گے۔" وہ آئس کریم کا آرڈر دے رہی تھی' جب اچانک کسی نے آکر اس کی کرسی کو ٹھوکر ماری تھی۔

"تم ــــ عورت ہو یا ــــ" سامنے کھڑا شخص غصے سے پاگل ہو رہا تھا۔

"میں سمجھتا تھا شاید کسی نے آج تک تمہیں سمجھا ہی نہیں میں' تمہیں سمجھوں گا' میں محبت دوں گا' مگر تم محبت کے قابل ہو ہی نہیں۔" شہریار کا چہرہ شدید غصے سے تن گیا تھا اور وہ یکدم کھڑی ہو گئی تھی۔

"تم مجھے محبت دو گے تم؟ کیا تم جانتے ہو محبت کیا۔"

"جوہی حماد یو آر آ ــــ" سامنے کھڑے شخص نے ایک اور گالی دی تھی' جوہی حماد نے رنگ اس کے منہ پر دے ماری تھی اور سامنے کھڑے شخص کا غصے سے برا حال ہو گیا' اس نے جوہی حماد کے شہگی کٹ بال مٹھی میں پکڑ لیے تھے۔

"تجھ جیسی عورت سے شادی کرنے سے بہتر ہے میں کوئی کتا پال لوں' وفادار تو رہے گا۔" شہریار کھڑا بھی نہیں ہو پایا تھا کہ ایک اسمارٹ سے نوجوان نے اس شخص کو گھسیٹ لیا اور پھر ذرا سی دیر میں وہ بری طریقے سے پٹ رہا تھا اور جوہی حماد اس کے کان میں بولی تھی۔

"محبت ایک خاموش عہد ہے ہم ہزاروں کے بیچ ہوں' لاکھوں کے ساتھ کھڑے ہوں مگر ایک بار دل جس کے ساتھ سچے دل سے نکاح کر لے پھر مڑتا نہیں چاہے کتنی لمبی جدائیاں آجائیں' دل نہیں مڑتا۔" شہریار علی جواد نے غصے میں بھرے ہوئے اس شخص کو غور سے دیکھا تھا۔

"جوہی حماد اس شخص سے محبت کرتی تھی جو اس کی زندگی سے بھلے نکل گیا تھا مگر آج بھی اس کی عزت کے لیے امارت سے ٹکرا سکتا تھا مار سکتا تھا اس کے لیے مر سکتا تھا۔"

"تم بہت خوش نصیب ہو۔" اس نے دل کی پوری خوشی سے اسے تمغہ دیا تھا۔

"اتنی محبت کرتے ہو شادی کیوں نہیں کر لیتے۔"

"ہماری زندگی ایک دوسرے کے نام ہے۔" جوہی حماد نے اپنے دوپٹہ سے اس کا پسینہ صاف کیا تھا' ہزار طرح کے چہرے تھے ہزار طرح کے ایکسپریشن مگر جوہی کو فرق پڑتا تھا نہ اسے۔

"پتا نہیں کیوں آج تم بہت یاد آئی تھیں تبھی مجھے یہ پشاوری ہوٹل یاد آگیا' میرے دل نے کہا چلو' تمہارے دل نے کہا آؤ۔ میں یہاں آیا تو بس قابو نہیں رکھ سکا اور۔" وہ چپ ہو گیا تھا' جوہی حماد اس کے ہونٹ کے خون کو بیگ سے ٹشو نکال کر صاف کر رہی تھی۔

"میں چلوں جوہی۔"

جوہی حماد نے نہ کی نہ ہاں' وہ تو سامنے بیٹھے اپنے محبوب کے چہرے کا طواف کر رہی تھی اس محبوب کا جسے بقول اسے وہ کبھی یاد نہیں کرتی' شہریار جانے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا تھا تب وہ پلٹی تھی۔

"تم نے کہا تھا وہ تمہیں یاد نہیں آتا۔"

"ہاں یہ مجھے کبھی یاد نہیں آتا کیونکہ یہ میرے ورد کرتے دل سے ایک لمحے کے لیے قضا نہیں ہوتا۔"

"تم نے واقعی اسے اپنے پاپا کی دی گئی آسائشات کے لیے چھوڑ دیا جوہی۔" وہ ٹیبل پر ہاتھ رکھ کر تھوڑا ساجھکا تھا اور سامنے بیٹھا نوجوان مسکرانے لگا۔

"یہ ہمیشہ جھوٹ بولتی ہے مجھ سے بھی خود سے بھی لوگوں سے بھی' اگر اسے آسائشوں اور آرام کی ضرورت ہوتی تو یہ اپنے ہی باپ کی کمپنی میں ایک عام سے ملازم کی طرح سیلری پر ملازمت نہیں کر رہی ہوتی۔" شہریار علی اس کی طرف متوجہ تھا۔

"پاپا نے کہا تھا تمہارے پاس دو راستے ہیں یا تو اسے چھوڑ دو یا پھر اسے راضی کرو کہ وہ ہمارے گھر کا چوکیدار بن کر رہے' میں نے کہا! ارحم گیلانی تم پڑھے لکھے ہو' خوب صورت ہو ذہین ہو آج نہیں تو دس سال بعد اس سیڑھی پر کھڑے ہو سکتے ہو جہاں سے کھڑے ہو کر میرے پاپا تمہارے گلے میں پٹا ڈالنا چاہتے ہیں وہ ایک عام سی چال چل کر ایک ذہین شخص کو اپنا محکوم بنانا چاہتے ہیں وہ تمہاری قوت پرواز کے پر کاٹ کر تمہیں پنجرے میں ڈال دینا چاہتے ہیں اور میں جو تم سے محبت کا دعوا کرتی ہوں میں بھی نہیں چاہوں گی کہ تم محبت کی بجائے محبت کے یرغمالی کے طور پر میرے گھر کی دیواروں سے سر ٹکراؤ اور پندرہ' بیس سال بعد تمہیں اس لمحے سے نفرت ہو جائے جس لمحے تمہارے دل نے مجھ سے چاہت کی تمنا کی ہے۔ محبت سے بچھڑ کر جیا جا سکتا ہے محبت کے مر جانے کے بعد زندگی جینا بہت مشکل ہے شہریار۔"

☼ ☼ ☼

وہ خاموش بیٹھی تھی تبھی رخشی نے اس کا کندھا ہلایا تھا۔

"تو سو رہی ہے یا کچھ سوچ رہی ہے۔" رخشی نے اب کی بار جتنے کا منہ اپنی طرف موڑا بھی تھا۔

"پتا نہیں رخشی عجیب سا لگ رہا ہے مدتیں ہو گئی ہیں سکون ملے ہوئے اب پتا نہیں چلتا زندہ ہوں یا مر گئی ہوں۔" رخشی ہنس پڑی تھی۔

"میری جھلی ماں' سکون ہے تو تو پریشان ہے۔ دکھوں سے بھاگتی تھی نا اب ابا کی مار نہیں ہے تو عجیب سا لگتا ہے تجھے۔"

"ہاں پتا نہیں رحیم الدین نے کچھ کھایا ہو گا یا نہیں

ڈیڑھ ماہ ہوگئے ہیں اس کو دیکھے ہوئے۔"

"ابا پہلے کون سا کھانا کھاتا تھا' اماں اسے بس نشہ چاہیے بس نشہ اور کوئی نہ کوئی اسے نشہ دے ہی دیتا ہو گا۔"

"شہر کے حالات کتنے خراب ہیں۔ رخشی میرا دل ڈرتا ہے کہیں تیرا ابا...."

جنتے کا دل کرلایا کہ رخشی محبت سے کوئی جملہ کہے گی مگر وہ مڑ کر سفاکی سے بولی تھی۔

"چار سال پہلے میں نے سوچنا شروع کر دیا تھا کہ میرا باپ مر چکا ہے اور مجھے جو کچھ کرنا ہے اکیلا کرنا ہے۔"

جنتے نے منہ کھولے بیٹی کو دیکھا تھا پھر پتا نہیں رحیم الدین کی حمایت کیسے اس کے سر میں سما گئی تھی۔

"بڑے لوگوں کا کچھ پتا نہیں آج گھنے درخت کی چھاؤں ہیں تو کل دھوپ اگلتا آسمان' اپنا باپ اپنا گھر اپنا ہوتا ہے رخشی۔"

"میں نے کبھی کسی انسان کو اپنی زندگی سنوارنے کا اہل نہیں سمجھا سوائے اپنے رب کے میرا رب جب جسے چاہے میرے حق میں نرم کر دے میرے لیے سبب بنا دے انسان کچھ نہیں اماں امی باجی کہہ رہی تھیں کل' انسان کچھ نہیں' وہ رب جسے چاہتا ہے جس کے لیے چاہتا ہے حامی ہمدرد مددگار بنا دیتا ہے سو اگر ہم کسی کی بھلائی پر مامور کیے جائیں تو ہمیں اپنی ذات پر غرور نہیں کرنا چاہیے' بلکہ شکر ادا کرنا چاہیے کہ اس کی بارگاہ نے ہمیں اس قابل سمجھا کہ اتنے سارے بندوں میں سے خاص ہمیں چنا کہ ہم لوگوں میں آسانیاں بانٹیں' لوگوں کی آسانی بنیں۔"

"تیرا اپنا دماغ پہلے کم خراب تھا کہ اب یہ تیری امی باجی نے اور پڑھانا شروع کر دیا ہے تجھے۔" رخشی نے خفگی سے ماں کو دیکھا پھر بولی۔

"رخشی' کچھ نہیں جانتی تھی مگر امی باجی نے مجھے جاننا سکھایا پڑھنا سکھایا اور امی باجی کہہ رہی تھیں وہ گرمیوں کی چھٹی ختم ہونے پر مجھے اور فاخر کو اسکول میں بھی داخل کروائیں گی۔"

"جو مرضی آئے کر تو اور تیری امی باجی' آگے کبھی میری مانی ہے تو نے جو اب مانے گی۔" جنتے گھر کی صفائی ستھرائی کے لیے اٹھ گئی تھی اور رخشی نے کتاب کو کھول کر پھر سے ٹوٹے پھوٹے لفظوں میں پڑھنا شروع کر دیا تھا۔

☆ ☆ ☆

اس نے حیران ہو کر شہریار علی جواد کے ساتھ موجود عورت کو دیکھا۔

"یہ عورت' چالیس سال سے اوپر کی تھی مگر اپنی چال ڈھال سے تیس سے زیادہ کی نہیں لگ رہی تھی اور شہریار علی جواد کی آنکھوں کی دیوانگی۔

اس نے گاڑی پارک کی اور ہوٹل کے اندر داخل ہوئی' وہ ڈائننگ ہال کی بجائے اوپر کی سمت بڑھ رہا تھا' وہ ماہرانہ انداز میں ان دونوں کا پیچھا کر رہی تھی اور پھر ان کے کمرے کے باہر کھڑی تھی اور ایک اور ان کی گفتگو سن کر حیرت کا جھٹکا لگا تھا اسے۔

"پلیز مما مجھ سے ناراض مت ہوں' مجھے خود نہیں پتا میں کیا چاہتا ہوں بس جہاں کوئی محبت سے بٹھا لیتا ہے بیٹھ جاتا ہوں جہاں چلنے کو کہتا ہے چل پڑتا ہوں' میں سب کچھ بھول جانا چاہتا ہوں ماضی میں کیا ہوا کیا نہیں بس مجھے یہ پتا ہے آپ میری ماما ہیں اور میں دل کی پوری خواہش کے باوجود آپ سے نفرت نہیں کر سکتا۔"

"تم نے اپنی وصیت تیار کروائی۔" اس عورت کا سفاک لہجہ سن کر اس کے پورے وجود میں آگ لگ گئی تھی۔

"میں نے وصیت کے چار حصے کیے ہیں ایک آپ کے نام' ایک صبا کے نام' ایک اس باربی ڈول کے نام اور دادو کے لیے' دادو کو زندگی جینے کے لیے اپنی جائیداد بہت ہے مگر میں چاہتا تھا اتنے سالوں کی بے ادبی کے بدلے میں اگر محبت سے کچھ ان کے نام کروں گا تو انہیں شاید اچھا لگے' شاید وہ مجھے معاف کر دیں۔" اب اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے تھے مگر وہ عورت رعونت سے چلا پڑی تھی۔

"تم ساری دنیا کے ٹھیکے دار ہو گیا' صرف میں تمہاری ماں ہوں تو تمہارے مرنے کے بعد تمہاری ساری جائیداد بھی مجھے ہی ملنی چاہیے۔"

"(وہ محبت کا بھوکا ہے محبت کے نام پر اب تک لٹتا آیا ہے مگر میں اب اسے اور بکھرتا نہیں دیکھ سکتی' بھلے تم اس سے محبت نہ کرو مگر اس کے ساتھ رہو وہ عورت بہت شاطر ہے وہ اپنی ممتا کے جال میں پھنسا کر پھر اسے منہ کے بل گرا دے گی پلیز ایمان' کچھ بھی ہے وہ تمہارا بھائی ہے' تمہاری نفرت بجا ہے مگر اس پر ترس کھاؤ' اسے اکیلا مت چھوڑو۔)"

وہ عائشہ خاتون کے جملوں کے اثر میں آگئی تھی اس نے ایک جھٹکے سے دروازہ کھولا اور شہریار علی جواد حیران رہ گیا تھا۔

"امی تم یہاں۔" وہ واقعی حیران تھا اور اس نے شہریار علی جواد کا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔

"چلیں یہاں سے ابھی اور اسی وقت۔" ایمان صفورا نے پوری قوت سے اسے گھسیٹا تھا اور وہ خشک پتے کی طرح اس کے ساتھ چلتا چلا گیا تھا پھر کچھ دیر بعد وہ ساحل پر بیٹھی تھی۔

"آپ کو بہت شوق ہے نا کہ آپ کو مرنے کے بعد کوئی یاد کرے کوئی بہت ٹوٹ کر روئے' تو میں ہوں نا' میں آپ کو مرنے کے بعد یاد کر کر کے ساون کی طرح روؤں گی۔ اب بھی آپ کو محبت کی ہوک اس تھرڈ کلاس عورت کی طرف لے جائے گی شیری بھائی۔"

"بھائی۔" شہریار علی جواد کے چہرے پر یکدم خون کی گردش تیز ہو گئی تھی وہ قریب آگیا پھر اس نے اس کی گود میں سر رکھ کر گہری سانس لی تھی۔

"ممتا کی اس گود سے لپٹی کتنی حسرتیں ہیں امی جس نے مجھے کہاں کہاں نہیں پھرایا میں ان کے ہاتھوں کا کھلونا بن گیا تھا صرف مہرہ وہ مجھے جیسے چاہتی چلاتیں جیسے چاہتیں شہہ مات دیتیں مگر میں بے مزا نہیں ہوتا۔"

"کیا آپ کو کبھی ان سے نفرت ہو سکے گی۔" شہریار نے اس کے چہرے کی طرف دیکھا تھا۔

"اگر تم کہو گی میں ان سے پھر کبھی نہیں ملوں گا مگر پلیز نفرت کرنے کی ضد مت کرنا' میں ماما سے نفرت نہیں کر سکتا۔" ایمان صفورا کی آنکھیں پانیوں سے بھ گئی تھیں اس نے اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرنی شروع کر دی تھیں۔

"آپ کا دل بہت معصوم ہے مگر آپ ہیں پورے شیطان۔" وہ ہنس پڑا تھا۔

"تعریف کر رہی ہو یا ذلیل۔" اس بار وہ بھی ہنس پڑی تھی۔

"میری تعریف ایسی ہی ہوتی ہے اگر قبول ہو تو۔"

"سب قبول ہے تمہارے ہاتھوں سے زہر بھی پی لوں گا۔"

"آپ سے مجھے جتنی بھی چڑ ہے' نفرت ہے وہ اپنی جگہ مگر صبا بھابھی کے لیے میں چاہوں گی آپ بہت دیر تک سلامت رہیں۔"

"اور تمہارے لیے...." وہ چپ رہی تھی مگر مسکراتی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"آفس کے معاملات سنبھالیے...." شہریار علی جواد' یکدم اٹھ کر بیٹھ گیا تھا' پھر خفگی سے بولا تھا۔

"تم نے اس قابل چھوڑے تھے کہ سنبھالے جائیں حالات۔"

"پھر کیا کریں گے کیس فائل کریں گے۔" وہ معصومیت سے دیکھنے لگی تھی۔

"تم مجھے پوری طرح کنگال کر دیتیں تب بھی تم پر تو میں کیس فائل نہیں کرتا۔"

"پھر کیا کریں گے۔"

"باہر ہی معاملات سدھارنے کی کوشش کروں گا۔" اس نے بیگ سے چیک بک نکال کر اس کی طرف بڑھا دی تھی۔

"میں نے پوری چیک بک سائن کر دی ہے آپ اماؤنٹ لکھ کر پے کر دیں۔" شہریار نے اس کی طرف مسکرا کے دیکھا پھر نرمی سے بولا۔

"یہ کام ہو گیا اچھا ہے میں سلمان آفندی کو کال کر لیتا ہوں وہ میری کمپنی کے اچھے ملازمین میں سے ہیں۔"

اس نے شہریار کو گھورا تھا۔

"بس کر دیں وہ آپ کی کمپنی کے خفیہ کاروباری معاملات میں ید طولیٰ رکھتے ہیں کمیشن کھاتے رہے ہیں آپ کے بی ہاف پر ' جتنا آپ کو کما کر دیا ہے اس سے کہیں بڑھ کر انہوں نے کمیشن سے ایک اچھی خاصی رقم بینک میں رکھی ہوئی ہے ' اسی وجہ سے وہ میرے اس کام میں میرا ساتھ دینے پر مجبور ہو گئے تھے میں نے ذرا صحافتی داؤ پیچ دکھا دیے تھے تبھی اتنی بڑی پوسٹ پر ہو کر بھی انہوں نے چوں نہیں کی سو اب ہماری کمپنی کو ایسے دوغلے آدمی کی ضرورت نہیں۔" شہریار نے جھجک سے اس کی طرف دیکھا تھا۔

"کیا میں اپنی بہن کو پیار کر سکتا ہوں۔"

"بھائی ہو میرے حق ہے تمہیں۔" اس نے دل میں سوچا اور پورے حق سے اس کے سینے سے لگ گئی تھی۔ تب اس نے آہستگی سے پوچھا تھا۔

"تمہیں مجھ سے نفرت کیوں ہے۔" اور یکدم ایمان صفورا کے چہرے کی محبت جیسے اس سوال نے نوچ لی تھی۔

"گھر چلیں۔" وہ جواب گول کر گئی تھی۔

"ہاں چلتے ہیں آج کا کھانا میرے ساتھ کھاؤ گی ' ہم صبا کو بھی بلا لیتے ہیں۔" اس نے صرف سر ہلایا تھا اور گھر پہنچ کر وہ دونوں حیران رہ گئے تھے صبا حمزہ کچن میں ملازمین کے ساتھ پہلے سے مصروف تھی۔

"اچھا تو تبھی جنابہ ہماری کال ریسیو نہیں کر رہی تھیں میں بھی بولوں تو لفٹ کا بورڈ کیوں۔"

پھر بہت سارا اچھا وقت گزار کر وہ گھر لوٹی تو کمرے میں رکھی ڈائری نے سوال کیا۔

"تمہیں مجھ سے نفرت کیوں ہے یار۔" وہ ڈرتے ڈرتے ڈائری کی طرف بڑھی تھی۔

پھر پہلا صفحہ کھولا تھا اور لگا تھا ڈائری کے لفظ مجسم ہو کر اس کے قریب آن بیٹھے تھے۔

"پتا نہیں ' مہرانو سے مجھے محبت کا جو دکھ ہوا تھا اس میں میرے دل کی غلطی کتنی تھی اور میری کتنی ' مگر مہرانو کی طرف سے جب بھی ٹھکرایا گیا مجھے جس نے سنبھالا سنوارا ' وہ صفورا تھیں ' صفورا نے مجھے محبت سے محبت کرنا سکھائی میرے اندر جو محبت کی ندی کھاری ہو گئی تھی اسے صفورا نے اپنی محبت کی مٹھاس سے اور میٹھا کر دیا ' زندگی جینے کا مزا آنے لگا ہے۔" اس نے صفحہ پلٹا تحریر تھا۔

"صفورا کو دل رکھنا آتا ہے مجھے پتا نہیں چلتا میں ان سے شدید محبت کرتا ہوں یا وہ مگر یہ طے ہے اب صفورا کے بغیر میری زندگی کا کوئی تصور نہیں ' اتنا میں نے کبھی مہرانو کو نہیں سوچا جتنا میں نے صفورا کو سوچنا شروع کر دیا ہے ' صفورا کو سوچ کر بزنس کے معاملات طے کرنے آسان لگتے ہیں صفورا صرف بیوی ہی نہیں ایک دوست کی طرح میرا حوصلہ میری ہمت ہیں۔"

"میرے خواب ' سب سچ ہوئے جب پہلی بار علی جواد کو میں نے راشد کے ساتھ دیکھا علی کا نرم لہجہ ' مسکراتی باحیا آنکھیں ٹوٹ کر محبت کرنا اور محبت نبھانے کی عادت مجھے بہت پسند ہیں ' میں نے شعور کی آنکھ کھولنے کے بعد جس محبت کے سانچے کو اپنے اردگرد سانس لیتے محسوس کیا علی اس پر پورے اترتے ہیں ' وہ آج کے انسان نہیں ان میں آج کے مردوں والی کوئی بات نہیں وہ عہد نبھانا محبت کرنا جانتے ہیں انہوں نے مہرانو اور میرے ساتھ توازن سے خود کو بانٹا ہے یہ بہت کم مرد کر پاتے ہیں ' زیادہ تر مرد ناکام ہو جاتے ہیں مگر علی نہیں مجھے علی سے محبت نہیں عشق ہے اور وہ اس قابل ہیں بھی کہ ان سے عشق کیا جائے۔" وہ رونے لگی تھی۔

"ڈائری میری ہے مگر صفورا کی بے ایمانی دیکھو کیسے جھوٹ پر جھوٹ لکھے جاتی ہیں ' میں نے پوچھا کیا واقعی ایسا ہے جیسا آپ نے میری ڈائری میں لکھا تو صاف مکر گئیں ' کہنے لگیں۔

"کسی کالے چور نے لکھا ہو گا۔" میں نے ان کا چوڑیوں سے بھرا ہاتھ پکڑ کر کہا۔

"کالے چور نے یا کسی پری نے۔" وہ ہنسنے لگیں ' اس لمحے میری دعا تھی ' میرے دل کی بھی کہ صفورا ہمیشہ میرے ساتھ ایسے ہی کھلکھلاتی رہیں کچھ لوگ ہنستے ہوئے بہت اچھے لگتے ہیں نا۔"

اسے لگا اس کا سانس رک جائے گا۔

"او گاڈ ' آج میں نے جو سنا اس کے بعد میرا بس نہیں چلتا میں پوری دنیا کو بتا دوں کہ میں ایک بیٹی کا پاپا بننے والا ہوں۔ شہریار کی دفعہ میں ایسی خوشی نہیں تھی۔ مگر بیٹی کی خوشخبری نے میرے اندر خوشیوں کے قمقمے جلا دیے ہیں میں اتنا طویل وقت کیسے گزاروں گا ' صفورا کہتی ہیں آپ پاگل ہو گئے ہیں اور واقعی میں پاگل ہو گیا ہوں ہر وقت اپنی آنے والی بیٹی کے بارے میں سوچتا رہتا ہوں وہ کیسی ہو گی اس کی آنکھیں مجھ پر جائیں گی یا صفورا پر ' وہ ہنستی باتیں کرتی کیسی لگے گی ' میرا دل چاہتا ہے میں اس کے لیے پوری دنیا خرید لوں پوری دنیا۔" ڈائری خاموش تھی اس نے ڈائری کو ہاتھ سے رکھ دیا تھا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی ' پھر بہت سارا رو چکی تھی جب جازی کمرے میں آیا تھا۔

"کبھی کبھی ہم کسی نفرت یا محبت کو مخصوص زاویے سے دیکھ کر خود ہی اس کی خوبیوں اور خامیوں کا خاکہ بنا لیتے ہیں۔

میں نے تمہیں ڈائری اس لیے دی تاکہ تمہیں پتا چلے علی انکل نے جتنا تم سے محبت کی اتنی کبھی شہریار سے نہیں کی ' تمہیں محبت کے نام پر زندگی نے ہزار رشتے دے کر سنبھال کر رکھا مگر کبھی تم نے اس کا سوچا ہے وہ کتنا اکیلا رہا ہے ' اتنا اکیلا کہ زہر کو بھی بخوشی امرت سمجھ کر پیتا رہا ' اتنا کہ اسے محبت کی حاجت بھی ختم ہو گئی اور محبت کی تمیز بھی ' جبران کہتا ہے انسان ' جگنو اور سورج کو دیکھ کر ہی دونوں کی روشنی میں تمیز کرتا ہے اسے نہ جگنو ملا نہ سورج۔

دادو محبت کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر تھیں مگر اس نے ان کی قدر نہیں کی اور مہرانو کی آنکھ سے دنیا کو دیکھتا رہا ' سو میں چاہتا ہوں اسے تم سمیٹ لو۔"

☼ ☼ ☼

وہ تیار ہو رہی تھی جب بہت حیرت سے اس نے جنتے کو دیکھا تھا۔

"خیر ہے اتنی ست کیوں ہو رہی ہو۔ مایوس بھی لگ رہی ہو۔" وہ اس کو ٹٹولنے لگی تھی۔

"میرا مرنے کا دل چاہ رہا ہے ' میرا کوئی مصرف نہیں سارے کام رخشی کرنے لگی ہے مجھے کچھ کرنے بھی نہیں دیتی فاخر کو بھی ماں کی طرح اس نے سنبھال لیا ہے۔"

"تو تمہیں تو خوش ہونا چاہیے کہ تمہیں اتنی ہونہار بیٹی ملی ہے تمہیں پوری طرح سکھ دینا چاہتی ہے۔"

"مجھے ایسا سکھ نہیں چاہیے ٹھنڈا ٹھار سکھ کہ بندے کو پتا بھی نہ چلے وہ زندہ ہے یا مر گیا ہے۔"

"کہیں مل آؤ کسی سے ' کسی سے ملنا چاہتی ہو۔" اس نے پانچ سو کا نوٹ اس کی طرف بڑھایا۔ اور جنتے کے چہرے پر زندگی نظر آنے لگی۔

وہ گھر سے نکلا تھا تو ٹھیک حالات تھے مگر اب شام ہوتے ہوتے پورا شہر بند ہو گیا تھا ' وہ ان راستوں سے گزر رہا تھا جہاں کبھی اس نے جانے کا ' سفر کرنے کا سوچا بھی نہیں تھا۔

بار بار کالز آ رہی تھیں کبھی دادو کی کبھی صبا حمزہ کی ' کبھی ایمان صفورا کی۔

اپنی وقعت کے احساس نے اسے سرشار کر دیا تھا۔ یکدم نئی کال پر اس نے فون ریسیو کر لیا تھا۔

"جی فرمائیے۔"

"تم نے اس چالاک لڑکی کو دھکے دے کر اپنی زندگی سے نکالا ہے یا نہیں۔"

"پلیز ماما ' وہ میری بہن ہے اور میں اس کے لیے کوئی غلط بات نہیں سن سکتا۔"

"شہریار علی جواد ' بہن کب سے بنانے لگا۔ کہیں یہ بھی دل پشوری کی کوئی نئی راہ تو نہیں۔"

"پلیز مام اگر کسی کا ماضی برا ہے تو کیا ضروری ہے وہ ایک اچھا حال ' یکدم کوئی اچانک اس کی گاڑی کے سامنے آیا اور اسے گاڑی روکنی پڑی۔ اس نے موبائل ڈس کنکٹ کر کے شیشہ نیچے کیا تھا اور سامنے کھڑے شخص کو دیکھ کر وہ پریشان ہو گیا تھا۔ اس کی

گاڑی کی پوری تلاشی لی جارہی تھی' گن اس پر تنی ہوئی تھی۔ وہ برے طریقے سے پھنس گیا تھا ایک عورت کھینچ کر اس کے سامنے لائی گئی تھی۔

"عورتوں کے ساتھ رحم دلی سے پیش آنے کا حکم ہے ہمارے اسلام میں۔"

"ہم یہاں تبلیغ سننے جمع نہیں ہوئے چل گھڑی اتار بہت مال دار پارٹی لگ رہی ہے تو۔" کسی نے عورت کا دوپٹہ کھینچا تھا اور شہریار علی جواد کا سارا ڈر یکدم ختم ہو گیا تھا۔

"چھوڑو اسے' اس سے تمہیں کیا ملے گا ایک غریب عورت ہے وہ۔"

"ہاہاہا۔۔۔۔ اس سے ہی تو بہت کچھ ملے گا وہ عورت ہے مگر تو ان راستوں کا کھلاڑی نہیں لگتا' ابھی تیرے سامنے ہم وائیوا دیتے ہیں۔" شہریار علی جواد بے سوچے لڑپڑا تھا وہ تینوں پر بھاری پڑ رہا تھا دو کو گرا چکا تھا جب تیسرے نے اس پر فائر کیا تھا' اس کا بدن لڑکھڑایا تھا۔

"تم کبھی بھی مر سکتے ہو اگر تم بچ گئے تو کوئی ضمانت نہیں کہ تم پہلے کی طرح جی سکو گے' ہو سکتا ہے تمہیں باقی زندگی بستر پر گزارنی پڑے۔" دوسری گولی نے اس کے بازو کو مغروب کیا تھا تبھی پولیس سائرن کی آواز پر تینوں شرپسند بھاگنے لگے تھے عورت اس کے سرہانے بیٹھی رو رہی تھی۔

"اللہ جی میں کیا کروں صاحب آپ کے لیے۔"

اسے ہزاروں لوگ جانتے تھے لاکھوں جاننا چاہتے تھے کتنے لوگوں کے بیچ وہ ستارے کی طرح تھا' کچھ اس کی خوب صورتی سے متاثر تھے کچھ اس کی کامیابیوں سے کچھ صرف اس کی دولت کے شیدائی مگر یہ عورت ان میں سے کوئی بھی نہیں مگر یہ اسے رو رہی تھی اس کے لیے ہراساں تھی' موبائل اس سے ایک ہاتھ کے فاصلے پر پڑا تھا وہ بج رہا تھا' عورت نے بھاگ کر اسے فون تھمایا تھا' اس نے کال ریسیو کی تھی ادھر جس کی آواز سنی تھی' وہ زندگی کی سب سے مدھر آواز تھی۔

"لٹل ڈول سارے ڈاکٹرز کی ساری پیش گوئیاں دھری رہ گئی ہیں۔"

"شیری بھائی کہاں ہیں آپ۔۔۔۔"

"اس شہر کی کسی ویران سڑک پر' خون بہت تیزی سے بہہ رہا ہے' مجھے نہیں لگتا میں تمہیں اب دیکھ پاؤں گا۔" اس کی آواز ڈوب رہی تھی اور دوسری طرف ایمان صفورا کی چیخوں نے آسمان سر پر اٹھا لیا تھا اس نے فون کسی اور کو منتقل کیا تھا۔

"تم کہاں ہو۔" شہریار علی جواد نے عورت کی طرف دیکھا۔

"ہم کہاں ہیں۔۔۔۔" اور وہ جو سمجھتا تھا وہ اس شہر کی نبض سے واقف اس شہر کے ہر کونے کو جانتا ہے وہ لاعلم ایک ان پڑھ جاہل عورت سے پوچھ رہا تھا وہ کہاں ہے۔

"کیا میرے دل کے اندر ابھی تک کچھ باقی ہے جو میں اس مقام پر لے جا کر مار آگیا ہوں۔"

"ہم گرین ٹاؤن کی پہلی سڑک پر ہیں جی۔"

"گرین ٹاؤن۔۔۔۔" اس کے لب کانپے وہ کتنے غلط راستے پر جا رہا تھا اس نے تو یو ٹرن لینا تھا' تو کیا اسے یہاں اس کی موت کھینچ کر لائی تھی۔۔۔۔" وہ سوچے جا رہا تھا اور تبھی ایک ایمبولینس اس کے قریب آکر رکی تھی پیرامیڈیکل اسٹاف اسے اسٹریچر پر لٹا رہا تھا۔ وہ عورت ایمبولینس میں اس کے ساتھ بیٹھی تھی کسی نے پوچھا تھا اور وہ بتا رہی تھی۔

"اگر یہ صاحب نہ ہوتے تو وہ مجھے مار دیتے وہ میری عزت لوٹ لیتے صاحب تو فرشتہ بن کر یہاں آئے ہیں' میں اپنے شوہر کو ڈھونڈنے آئی تھی باجی فردوس کے گھر سے پتا چلا وہ تو پندرہ دن پہلے ہی مر گیا تھا۔ مگر مجھے کسی نے بتایا ہی نہیں کچھ بھی تھا میرا جنا تھا وہ اس کی آخری رسومات بھی نہیں کر سکی میں۔" وہ عورت رو رہی تھی اور شہریار علی جواد آکسیجن کے زیر اثر سانس لیتے ہوئے پہلی بار اطمینان سے مسکرایا تھا۔

"یہ سزا نہیں ایک اور آزمائش تھی جو کچھ مجھ میں تبدیل ہوا اس تبدیلی کا امتحان کسوٹی لگائی گئی میں غلط راستے پہ نہیں آیا' مجھے اپنے سیدھے راستے کی طرف جانے کے لیے ایک اور سخت امتحان سے گزار کر کندن ہو جانے والے لوگوں کی فہرست میں شامل کیا گیا۔"

"وہ ٹھیک ہیں پہلے سے بہتر ہیں۔" پیرامیڈیکل اسٹاف نے اس کے موبائل پر کسی کی کال ریسیو کی تھی۔۔۔۔ ایمان صفورا ہی اس کے اسٹریچر کے ساتھ چل رہی تھی۔

"اگر مرنے کی کوشش بھی کی نا تو جان سے مار دوں گی آپ کو۔" وہ ہلکا سا مسکرایا تھا۔

"کچھ نہیں ہو گا آپ کے بھائی کو یہ بہت اسٹرانگ مین ہیں۔"

"سن لیا آپ نے ڈاکٹر کا جملہ اب تو بالکل بھی ڈرامہ نہیں کرنا ہے مرنے کا؟" پیرامیڈیکل اسٹاف کے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ تیرنے لگی تھی پھر چار گھنٹے بعد وہ وی آئی پی روم میں شفٹ کر دیا گیا تھا' صبا حمزہ اس سے مل کر جا چکی تھی' ایمان اس کے سامنے بیٹھی تھی بالکل خاموش اور پھر ایک ہفتے بعد وہ بولی تھی۔

"آپ نے جنتے کو جس طرح بچایا مجھے آپ پر فخر ہے بھیا۔"

"کون جنتے۔۔۔۔" وہ حیران ہوا۔

"وہی عورت جسے آپ نے اپنی جان پر کھیل کر بچایا' میرا بھائی ایسا ہی ہونا چاہیے تھا بہادر' نڈر اور بے خوف۔"

"وہ تو زبردستی انہوں نے اس سین میں مجھے گھسیٹ لیا تھا ورنہ خدمت خلق کرنے کا مجھے کوئی شوق نہیں۔"

"شہریار بھائی۔۔۔۔" اس نے بے دھڑک اس کے بال مٹھی میں جکڑ لیے تھے' عین اسی وقت دروازہ کھلا تھا مہربانو سامنے کھڑی تھیں۔

"ہائے میرا بچہ۔" مصنوعی محبت' شہریار نے ایمان کو دیکھا تھا ایمان نے شہریار کو۔

"افسوس کہ شیری بھائی اس حادثے سے بھی بچ گئے دو گولیاں لگیں مگر مرے نہیں اور ان شاء اللہ دیکھیے گا' دماغ کی سرجری کے بعد بھی فٹ فاٹ ہو کر آئیں گے واپس پاکستان۔"

"تمہیں میرے منہ لگنے کی ضرورت نہیں میں تم جیسی لڑکیوں کو اچھی طرح سمجھتی ہوں اس کی آنکھوں پر تو محبت کی پٹی چڑھی ہے صبا حمزہ اور تم دونوں مل کر جس طرح اسے لوٹ رہی ہو میں اچھی طرح جانتی ہوں۔"

"بس پھر شیری بھائی کے حق میں دعا کریں کہ آپ کا بیٹا لٹ لٹا کر کنگال ہو کر آپ کے در پر ہی نہ آ بیٹھے۔"

"میرے در پر کیوں آئے گا' مجھے کوئی انس نہیں خراب حالوں سے' عقل سے کام نہ لینے والوں کا میں ساتھ نہیں دیا کرتی۔"

"اچھا آپ عقل کسے کہتی ہیں کسی کی جیب سے پیسہ نکلوا لینا کسی کو لوٹ کر کسی کی زندگی خراب کر دینا اسی طرح جس طرح آپ نے میرے پاپا کی زندگی خراب کی' میری دادو کو جی بھر کر رلایا' میرے شیری بھائی کو ان حالوں پر پہنچایا اگر آپ اسے عقل کہتی ہیں تو مجھے اپنے بے عقل ہونے کی بہت خوشی ہے۔" شہریار علی جواد کی ہارٹ بیٹ بڑھ رہی تھی اس کا مانیٹر شور کرنے لگا۔

"بس ڈرامائی ہیروئن نہ بنیں۔" اس نے شہریار علی جواد کا ہاتھ تھام لیا تھا پھر مہربانو کو سنانے کو بولی تھی۔

"اگر شہریار بھائی مر بھی جاتے ہیں تب بھی ان کی جائیداد آپ کے نام نہیں ہو گی یہ ہم پاپا ماما کے نام بنائے جانے والے ٹرسٹ کو دے دیں گے' شیری بھائی کو دولت کا لالچ ہے نہ مجھے سو میرے مرنے پر شہریار بھائی میری اس وصیت کا پاس رکھیں گے' اور ان کے مرنے پر میں اس وصیت کو نبھاؤں گی' ایک بات اور مہربانو' ایک دوسرے کو رونے کے لیے ہم دونوں کافی ہیں' ہمیں اپنے مرنے پر کرائے کے نوحہ گروں کی ضرورت نہیں۔"

"تو ہے کون یہ سب بکواس کرنے والی۔" مہربانو چڑ گئی تھیں۔

"میں مسٹر علی جواد کی دوسری بیوی صفورا جمال کی

بیٹی ہوں' نام سے تو شاید آپ واقف ہوں گی نا۔"

"صفورا! مجھے پتا تھا وہ بے وفائی کر رہا ہے مگر کسی نے میری نہیں سنی شہریار تم نے دیکھا تمہارا باپ کتنا برا انسان تھا۔" وہ پلٹی تھیں مگر توجہ نہ ملنے پر کمرے سے جا چکی تھیں شہریار پوری طرح ایمان کی طرف متوجہ تھا۔

"تم میری بہن سگی بہن۔" اس نے ڈرپ والے ہاتھ سے اسے کھینچ کر سینے سے لگا لیا تھا۔

"بس کریں میری بہن سگی بہن کہتے ہوئے بالکل پرانی پاکستانی فلموں کے ہیرو لگ رہے ہیں۔" شہریار ہنس پڑا تھا۔

"اور تم ملکہ جذبات بن کر رو رہی ہو وہ کس کھاتے میں۔"

"واہ میں کیوں رووں گی آج تو میری زندگی کی الجھنیں دور ہوئی ہیں۔" اس نے شہریار کے بال بگاڑ دیے تھے پھر آہستگی سے بولی تھی۔

"جب آپ کی کال آئی تب مجھے لگا آپ کی جگہ میں مرنے والی ہوں آپ کے بچھڑنے کا خیال بہت روح فرسا ہے شیری بھائی چند ماہ میں آپ بہت عزیز ہو گئے ہیں مجھے۔"

"تم جانتی تھیں یہ بات پہلے سے۔" اس نے اس کا کان مروڑا تھا۔

"اچھا تو یہ تھی نفرت کی وجہ اب سمجھا۔" ایمان کا قہقہہ بلند تھا۔

"شیری بھائی ابھی تو نیورو سرجن نے کاری گری بھی نہیں دکھائی اور آپ کے دماغی صلاحیتیں ابھی سے مرحوم۔"

"بدتمیز..." اس نے ایمان کی پونی ٹیل کھینچی پھر نرمی سے بولا۔

"سب کچھ ٹھیک کہا مگر یہ بتانے کی کیا ضرورت تھی کہ بابا نے دوسری شادی کر رکھی تھی۔" وہ شرارت سے ہنس پڑی تھی۔

"یہ باتیں آپ نہیں جانتے مگر میں عورت ہوں اس لیے مجھے پتا ہے ان کے لیے دنیا کی ہر بات غیر اہم ہو سکتی ہے مگر یہ خبر انہیں کبھی چین لینے نہیں دے گی کہ بابا نے ان پر کسی اور کو ترجیح دی سوتن کا جلاپا نا قابل برداشت ہوتا ہے بس میں چاہتی ہوں اب ان کا ہر لمحہ اسی تکلیف میں گزرے۔"

"تکلیف دینا اچھی بات نہیں۔" شہریار نے پھر سمجھایا۔

"او بس..... اب اور حمایت نہیں کریں ان کی جو تھوڑی بہت عزت کرتی ہوں نا وہ بھی اس لیے کرتی ہوں کہ انہوں نے آپ کو جنم دیا ہے بھلے مجبوری میں ہی سہی مگر اتنا کول ابھائی پیدا کرنے میں ساری زندگی ان کی شکر گزار رہوں گی۔"

"کیا واقعی تمہیں مجھ سے اتنی ہی محبت ہے۔"

"تو کیا' میں اب تک آپ کو کوئی فلم اسٹوری سنا رہی تھی۔" وہ چڑ گئی تھی اور اس نے اس کی پیشانی چوم کر اسے دعائیہ نظر سے دیکھا تھا۔

"تم جیسی بہنیں واقعی زندگی کا حاصل ہیں۔"

"اور صبا حمزہ جیسی بھابھی۔" وہ مزید شرارتی ہوئی۔

"زندگی کو زندگی بنانے کے لیے دونوں رشتے بہت ضروری ہیں۔"

"مگر میں نے سنا ہے شادی کے بعد صرف ایک رشتہ باقی رہ جاتا ہے۔"

"پاگل ہوتے ہیں وہ لوگ' جس طرح ہر مرض میں صرف کھانسی کا شربت نہیں پلایا جا سکتا اسی طرح ہر موڑ زندگی کے ہر مقام پر صرف بیوی کا رشتہ اہمیت کا حامل نہیں ہوتا' ماں' بہن' بیوی' بیٹی' یہ سب رشتے زندگی کو بڑھاوا دیتے ہیں اور اس کی خوب صورتی میں اضافہ کرتے ہیں۔"

"واہ بڑی سمجھ آگئی ہے رشتوں کی آپ کو۔" محبت سے اسے دیکھا اور وہ ہنس پڑا تھا۔

"ابھی کہاں ابھی تو رشتے نبھانا' رشتے سمجھنا مجھے سیکھنا ہے' تم سے' صبا سے' دادو سے پھر شاید کچھ نہ کچھ آ ہی جائے گی زندگی کی سمجھ مجھے بھی۔"

"او کے آرام کریں آپ۔" وہ باہر آ گئی تھی اور باہر شاہ میر کی کھوجتی آنکھیں اس کی منتظر تھیں۔

"ایک ہفتے سے تم جس طرح مجھے نظر انداز کر رہی ہو یہ میرے لیے تکلیف دہ ہے۔"

"اچھا مگر میں نے آپ سے قسمیں وعدے کب کیے تھے۔" وہ بلاوجہ اسے ستا رہی تھی۔

"کیا واقعی۔" اس نے کافی کا کپ واپس رکھ دیا تھا۔ وہ جا رہا تھا تبھی اس نے اس رات کی طرح اس کا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔

"ساری زندگی گزار سکتے ہیں میرے ساتھ؟ آپ کو پتا ہے میں آدھی پاگل ہوں۔"

"آدھی...؟" وہ سنجیدگی سے پوچھ رہا تھا۔ تب اس نے اس کے کندھے پر مکے مارنے شروع کر دیے تھے۔

ہوئے تم دوست جس کے
دشمن اس کا آسمان کیوں ہو

آدھا شعر شاہ میر نے مکمل کیا تھا پھر وہ اس کے کندھے سے سر ٹکا کر بیٹھی جب شاہ میر نے اس کے رخسار کو چھوا تھا اس نے مخمور آنکھیں اس کے چہرے پر جمائی تھیں اور وہ گنگنانے لگا تھا۔

قیامت خیز ہیں آنکھیں تمہاری
تم آخر خواب کس کے دیکھتے ہو

"مجھے ڈراؤنے خواب دیکھنے کی عادت نہیں۔" صاف کورا جواب شاہ میر کو اچھو لگ گیا۔

"کیسی لڑکی ہو ذرا سی بھی نزاکت نہیں' حالات حاضرہ کے پروگرام کرتے کرتے حس لطیف سے عاری ہو گئی ہو۔"

"اچھا واقعی...." اس نے ایسے دیکھا کہ شاہ میر پزل ہو گیا تھا اس نے اس کا چہرہ موڑ دیا تھا۔

"ایسے دیکھو گی تو تم بھی کام سے جاؤ گی میں بھی۔" وہ ہنس پڑی تھی زندگی پر اس ہنسی پر حق بنتا تھا اس کا کیوں کہ بہت سالوں اکیلی بیٹھ کر وہ بہت سارا اکیلا روئی بھی تھی۔

☼ ☼ ☼

عائشہ خاتون گارڈن میں بیٹھی تھیں جب کوئی ان

کے سامنے آکر کھڑا ہوا تھا۔

"آپ کون۔۔۔" وہ حیران ہوئی تھیں ملازم سامنے کھڑا تھا۔

"میں نے بہت منع کیا بیگم صاحبہ لیکن یہ صاحب انہوں نے میری ایک نہیں سنی۔" عائشہ خاتون نے ہاتھ کے اشارے سے ملازم کو جانے کا کہا تھا اور سامنے کھڑے شخص کو حیرت سے دیکھنے لگیں۔

"تمہاری شکل بہت دیکھی ہوئی لگتی ہے مگر میں تمہیں پہچان نہیں پا رہی تم خود بتادو کون ہو۔" وہ شخص عائشہ خاتون کے قدموں میں بیٹھ گیا تھا۔

"میں رضوان ہوں آنٹی علی کا بزنس پارٹنر رضوان۔" رضوان کی آواز رو نکھی ہو گئی تھی عائشہ خاتون نے انہیں اپنے پیروں کو ہاتھ لگاتے دیکھا تو پیر پیچھے کر لیے۔

"بیٹا اوپر بیٹھو یہ جگہ تمہارے بیٹھنے کی نہیں۔" انہوں نے دل گیری سے عائشہ خاتون کو دیکھا تھا۔

"میں واقعی اس قابل نہیں کہ ان جنت کی طرف جاتے قدموں کو چھو سکوں میرے پاس کوئی نیکی نہیں کہ بخشا جاؤں مگر کل زندگی میں پہلی بار سجدہ کیا تو دل نے کہا مجھے آپ سے ملنا چاہیے میرے لیے جو سزا میرے رب نے تجویز کی اس سے انکار نہیں لیکن اگر میں یہ سچ آپ سے نہ کہوں گا تو مجھے لگتا ہے میرا ضمیر مجھے حرام موت کی طرف لے جا کر ہی چھوڑے گا۔"

"حرام موت۔۔۔" عائشہ خاتون نے حیرت سے دیکھا تھا اور وہ اور سر جھکا کر بولے۔

"علی ایک نیک انسان تھا نیک بیٹا تھا بہت ہی محبت کرنے والا شوہر تھا لیکن میں نے اور مہربانو نے مل کر اسے تباہ کر دیا اس کا اعتماد اس کی محبت سب چھین لی' اس دن وہ راستے میں تھا جب میں نے اسے فون کیا کہ وہ مہربانو کو طلاق دے دے۔ اس دن اس پر پہلی بار کھلا کہ اس کی سادگی اور معصومیت سے ہم دونوں نے خوب جی بھر کے کھیلا ہے وہ گم سم ہو گیا تھا وہ بھول گیا تھا کہ وہ ایک سڑک پر ایک تیز ترین سڑک پر ہے۔

آنٹی اس دن اس کی موت کو کچھ لوگوں نے دبے لفظوں سے خودکشی بھی کہا' مہربانو نے اس خیال کو اور تقویت دی اس بات کو بڑھا چڑھا کر بیان کیا تاکہ وہ مجھ سے شادی کرے تو اسے شرمندگی محسوس نہ ہو' اس نے لوگوں کے سامنے علی کو ایک ناکام انسان ایک ناکام شوہر ثابت کیا حالانکہ اس نے اس کی انشورنس کی ساری رقم کھالی' آنٹی اس نے مجھے بھی علی کی طرح تباہ کر دیا وہ صرف دولت کی بھوکی ہے وہ نہ بیوی ہے' نہ بیٹی نہ ماں وہ صرف عورت ہے اور جب رشتوں کا بندھن ختم ہو کر کوئی عورت یا مرد بن جاتا ہے ناتو زندگی میں بڑی بڑی غلطیاں کرکے خود بھی تباہ ہوتا ہے دوسروں کو بھی تباہ کرتا ہے اس نے علی کو بھی تباہ کیا اس نے علی کو مار دیا آنٹی وہ خودکشی نہیں وہ قتل تھا' وہ حادثہ تھا جس کا سب سے بڑا ذمہ دار میں تھا میں۔" عائشہ خاتون کی آنکھوں میں پانی بھر گیا تھا۔

"اتنے سال سے جو میرے اندر بے چینی اور بے قراری تھی آج تم نے یہ کہہ کر اس زخم پر مرہم رکھ دیا ہے' تمہیں پتا ہے رضوان میں اتنے سالوں سے کبھی پوری نیند نہیں سوئی ہوں' میں راتوں کو اٹھ اٹھ کر جائے نماز پر بیٹھے بیٹھے زمین آسمان ایک کرکے روتی رہتی ہوں کہ میرا علی میرے بغیر اگر نہیں رہ پاتا تو مجھے بھی اس کے بغیر چین اور سکون نہیں آتا' میرا دل کہتا تھا وہ خودکشی نہیں کر سکتا مگر حالات' حالات کہتے تھے وہ حرام موت مرا ہے اور بس یہ ہی کڑوا سچ مجھے جگائے رکھتا تھا کہ میرا علی میرے بغیر اور میں اپنے علی کے بغیر وہاں جنت میں کیسے رہوں گی' تم نے آج میرے دل سے بہت بڑا بوجھ اتار دیا' میرے بچے کی قسمت میں موت ایسی ہی لکھی تھی' میں نے تمہیں اس کی موت معاف کی اللہ بھی تمہیں معاف کر دے۔"

رضوان احمد زمین آسمان ایک کرکے رونے لگے تھے انہیں نہ اپنی حیثیت کا احساس تھا نہ اپنی شخصیت کا وہ بس روئے جا رہے تھے۔

"وہ آپ کا ہی بیٹا تھا' آپ کی طرح اس کا دل بھی سمندر تھا' ہم لوگ تو کیڑے مکوڑے ہیں اس کے سامنے بس دنیا کو سب کچھ سمجھنے والے دنیا میں جینے

والے وہ واقعی جنت کی روح تھی' ساری عمر میں علی کے لیے دعائیں کروں گا کہ میرا اللہ اسے بلند سے بلند مقام میں جگہ دے اپنی رحمت میں سمیٹ لے۔" وہ کھڑے ہو گئے تھے عائشہ خاتون انہیں جاتا دیکھ رہی تھیں پھر رات کو وہ پہلی بار علی کو یاد کرکے اس کی جدائی سے نہیں روئی تھیں علی جواد کی تصویر کو سینے پر رکھ کر لیٹی تھیں۔

"بس تھوڑا اور انتظار ہم بہت جلد ملیں گے علی۔ وہاں اس سے زیادہ اچھی اور معتبر جگہ پر۔" آج ان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی وہ سو گئی تھیں پھر صبح ان کی آنکھ اچانک کھلی تھی وہ ان کے پاؤں پکڑ کر روئے جا رہا تھا' عائشہ خاتون کو تخ نوائی کا ہر منظر یاد آکر رہ گیا تھا۔

"معاف کر دیں دادو میں نے جس جس سے ممکن تھا معافی مانگ لی سب نے معاف کر دیا بس آپ سے جس دن معافی مانگنی تھی اس دن وہ حادثہ ہو گیا۔ اب لوٹا ہوں تو دیر ہونے سے پہلے چاہتا ہوں آپ بھی پورے دل سے مجھے معاف کر دیں' میں بہت برا سہی مگر ہوں تو آپ کا بیٹا' آپ کے علی جیسا۔" عائشہ خاتون نے کھینچ کر اسے سینے سے لگا لیا۔

"علی جیسا نہیں تم علی ہو تم میرے علی ہی ہو' اس زندگی کو جینے کا حوصلہ صرف تمہاری صورت دیکھ دیکھ کر کیا ورنہ علی کے بعد میری زندگی میں کچھ بچا ہی نہیں تھا۔" وہ اسے چومے جا رہی تھیں جب ایمان نے دخل اندازی کی تھی۔

"غلطی سے میں بھی علی ہوں مگر بس شہریار بھائی کی طرح گندی بچی نہیں۔" عائشہ خاتون ہنس پڑی تھیں انہوں نے دونوں کو سینے سے لگا لیا اور وہ شہریار کے کان میں گھس کر بولی تھی۔

"یہ رام لکھن کی جوڑی میلو ڈرامہ نہیں چل رہا۔"

"بدتمیز لڑکی۔" شہریار نے گھورا تھا اور وہ ڈرنے کی اداکاری کرتی عائشہ خاتون کے سینے سے لگ گئی تھی۔

"مجھے شیری بھائی سے زیادہ پیار چاہیے کیونکہ میں ابھی آئی ہوں اور یہ کافی عرصے تک اکلوتے ہونے کا مزا لوٹتے رہے ہیں۔"

عائشہ خاتون کچھ نہیں بولیں' مگران کے چہرے کا اطمینان بتاتا تھا کہ وہ زندگی کے دکھوں کو اس محبت کو پا کر بھولنے لگی تھیں۔

آج ان کا علی نہیں تھا ان کے پاس مگر ان کا احساس ان دونوں کی صورت ان کے پاس موجود تھا وہ بالکل کنگال نہیں ہوئی تھیں اور یہی خوشی سرخوشی بن کر ان کی آنکھوں سے جھانک رہی تھی۔
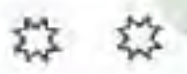
☆ ☆

رفاقت جاوید

"اے کم عقل لڑکی! تم نے پھر وہی حرکت کی جس پر دو گھنٹے پیشتر تمہارے پاپا نے لمبا چوڑا لیکچر دیا تھا۔ قسم سے تم نے تو پڑھ لکھ کر گنوا دیا۔ اتنا بڑا پزا اکیلے تناول فرماؤگی تو انجام تمہارے سامنے ہے۔ ہم پر نہ سہی خود پر ہی رحم کرلو۔ اپنی اس جوانی پر ہی ترس کھالو۔ لیکن تم کچھ نہ سیکھو گی۔" ماما نے تقریباً" چیختے ہوئے عریشہ سے کہا تو اس نے پیپسی کی بوتل منہ سے لگاتے ہوئے ناراض نظروں سے ماما کو گھورا۔

"خدا کی بندی! میں تمہاری دشمن نہیں ماں ہوں۔ تمہاری بہتری ہی میرا مقصد ہے اور اپنی ماں کو ایسے دیکھتی ہو جیسے قصائی بکرے کو ذبح کرنے سے پہلے اپنی مخصوص نظروں سے گھور کر بوٹی بوٹی کا معائنہ کرتا ہے۔ اپنی ساتھ کی سہیلیوں اور کزنز سے بھی تم نے کوئی سبق نہ سیکھا۔ کیسا ناپا تلا کھاتی ہیں۔ تتلیوں کی مانند تیز اور طرار اڑتی پھرتی ہیں۔ سستی نام کی کوئی بیماری ان کے قریب نہیں پھٹکتی بس تم نے تو اس زبان کے چسکے میں سب کچھ قربان کردیا۔ انسان اللہ تعالیٰ سے اپنا دانہ پانی لکھوا کر اس دنیا میں تشریف لاتا ہے تم نے تو اپنے حصے کا خاتمہ کرنے کی ٹھان لی ہے اور پھٹ کر اس دار فانی سے رخصت ہونے کا تہیہ کرلیا ہے۔"

وہ قہر اور تاسف سے بول رہی تھیں۔

"مرجاؤں۔ مجھے نہیں چاہیے ایسی زندگی۔" وہ پزا کا آخری لقمہ نگلتے ہوئے بولی۔

"تمہارا بھلا ہو۔ ساتھ ڈیڑھ لیٹر کی پیپسی کی بوتل بھی چڑھا گئی ہو۔" وہ سر پکڑ کر بیٹھ گئیں۔

مجھے ڈانٹنے اور خود کو پریشان کرنے کی قطعاً" ضرورت نہیں مام۔ اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کو ان گنت نعمتوں سے نوازا ہے اور یہ تمام رحمتیں اور فضل و کرم انسان کو تحفتاً" عنایت کی گئی ہیں۔ ولٹ ڈو یو تھنک کہ میں کفران نعمت سے خود کو گناہ گار کرسکتی ہوں۔ ہرگز نہیں۔

نوازشات کی انجوائے منٹ شکرانے کے زمرے میں آتی ہے۔ ماما ویسے تو آپ بہت مذہبی نظر آتی ہیں۔ آئی ایم سوری مجھے محسوس ہوا ہے کہ آپ شکرانے کے قانون سے بالکل نابلد ہیں پلیز مام مائنڈ نہیں کیجیے گا۔" وہ ڈھٹائی سے بولی۔

"صبر کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟" انہوں نے خفگی سے کہا۔

"صبر۔ صبر۔ یہ تو بے بسی اور ناامیدی کا نام ہے جب کچھ نہ کرپاؤ۔ لاچارگی اور مجبوری اوڑھنا بچھونا بن کر دن رات شکست خوردگی کا احساس دلانے لگے تو پھر اپنے نام کے ساتھ صابر کا لقب لگا کر تفاخر سے تن جانا کیا بھلا لگتا ہے خود کو بے وقوف بنانے میں کتنا مزا آتا ہے کم از کم میں ایسی احمقانہ سوچوں اور جھوٹی تسلیوں سے دور رہنا پسند کرتی ہوں۔" وہ تجل سی ہو کر بولی۔

"کیا اول فول بک رہی ہو۔ کسی مناسب سوال کا ڈھنگ سے جواب دینا ہی سیکھ لو۔ بددماغی اور کوڑھ مغزی کے اس مراق سے باہر نکل کر جھانکو۔ کھانے کے علاوہ بھی دنیا کس قدر حسین اور پرکشش ہے تمہاری یہ بے ثبات اور بے تکی باتیں سن کر ایسا گمان ہوتا ہے جیسے ہم بھینس کے آگے بین بجا کر سخت ناکامی اور شرمندگی کا سامنا کررہے ہیں۔" وہ لرزش زدہ آواز میں بولیں۔

"ماما آپ خوامخواہ خفا ہورہی ہیں۔ میری باتوں پر یقین کرنا سیکھ لیں، ہم دونوں کی قیل و قال سرے سے ہی ختم ہوجائے گی۔ میں آپ کو ایک زندہ اور چشم دید مثال دیتی ہوں کہ چھوٹی خالہ کی زندگی میں ان کی انتھک کوشش کے باوجود کوئی خاص الخاص تبدیلی رونما نہیں ہوئی تو آخر کار راضی بہ رضا ہوتے میں ہی عافیت نظر آئی اور صبر کا کڑوا کسیلا گھونٹ پی کر اپنی ذات پر صابر کا لیبل چسپاں کرکے دنیا والوں سے بے پناہ ستائش و آفرین وصول کرکے طمانیت میں ایسا بسیرا کیا کہ ہاتھ پر ہاتھ دھرے کسی معجزے کا انتظار ہونے لگا۔ اس صبر کی پذیرائی کرتی ہیں آپ۔" وہ تنبیہاً" گھورتی ہوئی بولیں۔

"توبہ استغفار۔ بات بڑھانا کوئی تم سے دیکھے۔ پل بھر میں اصل سے نقل تک کا فاصلہ اور فرق کس چالاکی سے طے کرلیتی ہو تم سے بات کرکے مجھے تمہاری بیٹی

ہونے کا گمان ہونے لگتا ہے۔" وہ کانوں کو ہاتھ لگا کر بولیں تو عریشہ مسکرا دی۔

"مام میری اس موٹی سمجھ میں ایک ہی منطق سما گئی ہے کہ نوشتہ تقدیر نے اگر میرے مقدر میں چوہے کی موت لکھ دی ہے تو وہ کسی صورت ٹلنے والی نہیں آکر رہے گی پھر میں کیوں نہ بلی سے کھیلتی کودتی ہی مروں۔ بل میں گھس کر موت کا لقمہ اجل کیوں بنوں؟" اس کے لہجے میں درد عود کر آیا تھا۔

"ہائے میری بچی خدا خیر کرے۔ تجھے جوانی کی اس بھری دوپہر میں ہلکی سی لو بھی نہ لگے۔ آج کے بعد ایسی منحوس باتیں منہ سے مت نکالنا۔ آئندہ کے لیے میں اپنی گارنٹی دیتی ہوں کہ تمہیں کھانے سے منع نہیں کروں گی۔ میری کسی نصیحت کا تم پر اثر تو ہوتا نہیں۔ کیا فائدہ ہر بار غیر مناسب زہر آلود دلائل دے کر چپ کرا دیتی ہو۔

"ماما ذہن کا موٹاپے سے بھلا کیا تعلق اور ربط وضبط ہے۔ آئی ایم فٹ اینڈ مائی برین از شارپ خوامخواہ فکر مند رہتی ہیں آپ میری نقاہت اور کاہلی کے ذمہ دار آپ سب لوگ ہیں۔ جی چاہتا ہے کھاتے کھاتے اس دنیا سے کوچ کر جاؤں کم از کم ہر وقت کے طعنے و تشنے دینے سے آپ کو جو کوفت اور رنج ہوتا ہے اس سے آپ کو چھٹکارا مل جائے گا۔" وہ گلوگیر لہجے میں باغیانہ انداز میں بولی۔

"ایسی فضولیات اور بے ہودہ گفتگو سے میرے دل کو مجروح مت کرو۔ اللہ تمہاری عمر دراز کرے۔ تم دودھوں نہاؤ پوتوں پھلو میری جان۔" وہ اسے پیار کرنے لگیں۔

"دوسری دعا کی قبولیت ناممکن ہے مام۔ اس حقیقت کو تسلیم کرنے سے آپ پُرسکون ہو جائیں گی۔"

اس نے بے بسی سے ماں کی طرف دیکھا۔ ماں کی نگاہوں میں حسرت و یاس کی پرچھائیاں دیکھ کر وہ دہل سی گئی اور ان کے سینے لگ کر انہیں بے تحاشا بوسے دینے لگی۔

☆ ☆ ☆

عریشہ یونیورسٹی میں کمپیوٹر انجینئرنگ کے آخری سمسٹر میں تھی۔ گروپ اسٹڈی کے لیے چار لڑکیوں اور تین لڑکوں کا گروپ فرسٹ سمسٹر سے تشکیل دے دیا گیا تھا۔ تقریباً" چار سالوں کی رفاقت اپنا تاثر چھوڑے بغیر نہ رہ سکی۔ تین لڑکیوں نے نہایت دیدہ دلیری اور بے باکی سے تینوں کو لیگز کو اپنی اداؤں اور باتوں میں ایسا الجھایا کہ نتیجہ منگنی کی صورت میں سب کے سامنے آگیا۔ عریشہ ایم بی اے کے ایک فیضان نامی اسٹوڈنٹ کی جانب بڑھتے ہوئے میلان کو پسندیدگی کا نام دیے ہر دوپہر کینٹین میں گھنٹوں اس کے ساتھ گزارنے لگی۔ فیضان پستہ قد فربہی کی طرف مائل وجود کا مالک تھا اور عریشہ چہرے کی خوبصورتی اور رنگ و روپ کی کشش کے ساتھ پست قد و قامت کی خاصی گھٹی گھٹی لڑکی تھی۔ بچپن کا موٹاپا پوری آب و تاب سے ابھی تک براجمان تھا۔ دونوں کھانے کے شوقین ہونے کی وجہ سے زیادہ تر کینٹین میں بیٹھے پائے جاتے تھے۔ سب ان کے اس معصومانہ انداز پر خوب طنز و مزاح کرتے۔ مگر انہیں کسی کی کوئی پرواہ نہ تھی۔

جوانی کے اس دور میں اس کی کئی کلاس فیلوز کے رشتے طے ہو چکے تھے۔ کسی کی بات چل رہی تھی تو کوئی ابھی تک پیار و محبت کے چکروں میں گرفتار تھے۔ گرد و پیش کے اس ماحول میں عریشہ سے اسی رد عمل کی توقع کی جا سکتی تھی کہ وہ بھی اپنے ہم خیال و ہم نوا جیون ساتھی کا انتخاب کر لیتی۔ اس نے اپنے ہی جیسے فربہ ساتھی کا تعین کر لیا تھا۔ دونوں جانبین کے ہر انداز اور ہر روش سے پسندیدگی عقابی نگاہ رکھنے والوں نے محسوس کر لی تھی۔ لیکن ان کے درمیان ابھی پسندیدگی کے اقرار کی ڈور نہ

بندھی تھی۔ پیار و محبت کی حدت اور پھر عشق کی جیٹھ ہاڑ کی گرمی میں کوئی دنیاوی قانون اور اصول کی محتاجی بھی نہ تھی۔ پھر بھی یہ رشتہ ہر طرح کی بندشوں اور کلفتوں سے آزاد اور پاک تھا۔

آج عریشہ کی فیرویل تھی۔ سب سہیلیوں نے ساڑھی زیب تن کرنے کا پروگرام بنا رکھا تھا۔ عریشہ نے بھی لال رنگ کی ساڑھی کا انتخاب کیا۔ اس کی گوری رنگت چھوٹے بلاؤز میں کمال ڈھا رہی تھی۔ مگر بے ڈھنگا جسم چھپائے نہ چھپ رہا تھا۔ اونچی ہیل میں قدرے دراز قد بھی لگ رہی تھی۔ مگر موٹاپے نے اس کے حسن کو داغدار کر دیا تھا۔ آج یونیورسٹی میں آخری دن تھا۔ سب خوشی کے ساتھ اداس و پر ملال بھی تھے۔ بچھڑنے کی تلاطم خیز موجیں موجزن تھیں۔ اس کڑوی حقیقت سے انکار کیسے ہو سکتا تھا کہ سب اپنی زندگی کے دھندوں اور بکھیڑوں میں نجانے کس دنیا کے باسی بن جائیں گے۔ پھر بھی ایک دوسرے سے ایڈریس اور موبائل نمبرز کا تبادلہ ہو رہا تھا۔ مانوسیت اور بے تکلفی کی اس جان لیوا اور روح فرسا فضا میں کرب تبدریج بڑھتا جا رہا تھا۔

عریشہ حتی الامکان کاوش کے باوجود اپنے جذبات و احساسات پر قابو نہ پا سکی۔ فیضان کی جدائی اور دوری اس کے اعصاب کو مشتعل کیے جا رہی تھی۔ آج رات کی فلائٹ سے وہ دبئی اپنے والدین کے پاس چلا جائے گا۔ لیکن چار سال کی قربت میں کسی قسم کے اظہار کا کوئی لمحہ اسے یاد نہ تھا۔ آج ——— اپنے نسوانی وقار و عزت نفس کی پروا کیے بغیر فیرویل کے بعد وہ اس کے قرب میں لانگ ڈرائیو پر نکل کر اپنے اندرونی جذبات کا اظہار کرنے چل پڑی تھی۔ خوشگوار موسم اور کھلے کھلے دنوں کا حسن موسمی پھولوں کی وجہ سے دوبالا ہو گیا تھا۔ وہ بھیڑ والی سڑک کو نظر انداز کر کے مری کی جانب نکل گئی۔ تو فیضان نے بے چینی سے کہا۔

"عرشی یہ اغوا کرنے کا پروگرام مجھے کچھ مشکوک لگ رہا ہے۔"

"تم نے ٹھیک سمجھا ہے فیفی۔ میرا دل چاہ رہا ہے تمہیں اپنے من میں بسا لوں۔ دنیا کی نظروں سے تمہارے وجود کو چھپا لوں۔" وہ اسٹیئرنگ وہیل کو گھماتے ہوئے جذبات پر غلبہ پا کر سوچنے لگی۔

"میرے سپنوں کے بے ضرر اور بے مثال شہزادے! تمہیں اپنے دل کا حال کیسے بتاؤں؟" وہ تذبذب میں گھر گئی۔ فیفی بھی نجانے کیا سوچ رہا تھا۔

"فیفی کیا سوچ رہے ہو؟ ضرور میری طرح بیتے دنوں کے حسین لمحوں کی یادوں میں کھو گئے ہو۔"

وہ نہایت ملائمت سے بولی۔ یونیورسٹی کا داخلہ سدا بہار قہقہے اور مذاق، کبھی نہ بھولنے والے لطیفے اور شرارتیں اور تمہاری قربت میں دل پذیر لمحوں کا فسوں انہیں ہمیشگی اور بقا چاہیے۔ وہ اس کی مراجعت پر بے تکلف انداز میں بولی۔

"کیسے ممکن ہے عرشی؟ پاپا نے میری نوکری کا بندوبست کر لیا ہے۔ ہاں میں اس دوستی کے رشتے کو جلا دینے کا پروگرام بنا سکتا ہوں۔"

"وہ کیسے؟" عریشہ کا دل بلیوں اچھلا۔

"تمہارے لیے بھی وہاں کوئی جاب ڈھونڈنے کی کوشش کر سکتا ہوں۔ روزانہ نہ سہی ویک اینڈ پر تو ملاقات کا شرف حاصل ہو جایا کرے گا۔" وہ بے پرواہی سے بولا۔ عریشہ نے تشویش آمیز نگاہوں سے اس کی طرف مڑ کر دیکھا۔ گاڑی اک بریک کے باوجود سڑک سے اتر گئی۔

"یار دھیان سے! رات کی فلائٹ ہے میں سنگل پیس ہی والدین کے پاس جانا چاہتا ہوں۔" اس نے بے ساختگی سے کہا۔ عریشہ کے دل میں اک کھلبلی اور بے کلی مچ گئی تھی۔

"اطلاعاً" عرض ہے فیفی۔ تم مجھے بہت یاد آؤ گے۔" اپنے دکھتے دل پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

"اس لیے تو تمہاری نوکری کے بارے میں سوچنے لگا ہوں۔ تمہاری قربت میں گزرے ہوئے چار سال پلک جھپکتے بیت گئے۔ تمہاری سنگت نہ ہوتی تو نجانے میں کب کا واپس جا چکا ہوتا۔ میں نے تمہارے روپ

میں اپنی بہنوں کا پیار اور چاہ کو پایا ہے۔" وہ ممنونیت بھرے لہجے میں بول رہا تھا۔ عریشہ نے گاڑی سڑک کے کنارے روک کر اپنے من مندر کے دیوتا کو فہمائشی انداز میں دیکھا۔ اس کی سماعتوں میں کسی نے پگھلا ہوا سیسہ انڈیل دیا تھا اور بدن میں اک پھریری سی دوڑ گئی۔ تمام ترنگ اور بے خودی تو پہلے ہی غائب ہو چکی تھی۔ رہی سہی کسر اب پوری ہو گئی تھی۔

"اگر وہاں تمہارا انتظام نہ ہو سکا تو پھر فون اور E mail پر اکتفا کرنا پڑے گا۔" وہ لمحہ بھر کے توقف کے بعد گویا ہوا۔ "اپنی منگنی اور شادی کی رسومات میں مجھے مدعو کرنا مت بھولنا۔ کیا یاد کرو گی کہ کس حاتم طائی بھائی سے پالا پڑا تھا۔" وہ یہ سن کر کلس کر رہ گئی۔ اس برہنہ سچائی کا مربوط تسلسل پوری تدریج سے بڑھ رہا تھا۔ وہ سوچ میں گم تھی۔ اس صداقت سے انکار ناممکن تھا بیتے دنوں کا ایک لمحہ بھی ایسا نہ تھا جس میں انہوں نے پیار و محبت یا کسی لگاؤ و انس کا اظہار کر کے عہد و پیمان کیے ہوں یا انداز گفتگو میں رنگ وفا نمایاں ہو۔ ایسا کوئی واقعہ ظہور پذیر نہ ہوا تھا۔ پھر بھی عریشہ اس قدر پراعتماد اور پرامید تھی کہ اس نے اس ضمن میں اپنے دل میں اٹھنے والی بے انت خواہشوں کی بازگشت سے اسے قطعی لاعلم رکھا۔ حفظ ماتقدم کے طور پر اس دوستی کے رشتے میں کسی قسم کے ضابطے اور پوشگی کے بارے میں سوچا تک نہ تھا۔ فیضان کی پاکیزگی و تقدس میں ڈوبی باتوں سے اس کا کھلتا ہوا گلابی چہرہ مرجھا گیا۔ مگر اس نے اس غیر متوقع انشراح پر اپنے مونس پر اپنے مجروح جذبات کا ہلکا سا شائبہ تک نہ ہونے دیا۔ حیا لحاظ اور مروت میں اس نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"فیضی تم مجھے بہت یاد آؤ گے۔ تمہاری دوستی اور یگانگت میں بیتے ہوئے وقت کے تقدس کو میری متلاشی نظریں تمہیں ہمیشہ ڈھونڈیں گی۔ میری دعائیں تمہارے ساتھ ہوں گی۔" اس نے جذبات سے مغلوب ہو کر نہایت تحسین آمیز لہجے میں کہا اور گاڑی سڑک پر فراٹے بھرنے لگی۔

"مجھے علم ہے اظہار کی قطعاً ضرورت نہیں۔ پیار کے رشتوں میں جہاں کے پیچ و خم سمونے کی گنجائش نہیں ہوتی۔ اس میں اٹوٹ اور بے لوث رشتوں کی پختگی کا کمال ہے۔ اس لطافت اور پاکیزگی میں ہم دونوں کا کردار تفاخر سے خالی ہرگز نہیں۔" اس کے چہرے کا رنگ متغیر ہو چکا تھا۔ لیکن اپنی قوت آشفتہ کے تمام تاروں کو یکجا کر کے اس نے ایک سریلا اور مدھر ساز الاپا۔

"فیضی ہوسٹل سے اپنا بیگ اٹھالو۔ گھر چلتے ہیں۔ ہم تمہیں ایئرپورٹ ڈراپ کرائیں گے۔"

"گڈ آئیڈیا۔ بہرنوع مسافروں کو یہ عارضی ٹھکانہ چھوڑتے ہوئے کس قدر پژمردگی ہو رہی ہے۔" اس کے لہجے میں اداسی در آئی تھی۔ عریشہ پلکیں جھپک کر آنسو پینے کی کوشش کرنے لگی۔ رشتہ پیار کا تھا۔ نوعیت مختلف تھی۔

☆ ☆ ☆

"عریشہ بیٹو۔ ان ہلکے رنگ کے کپڑوں میں تمہارا جسم خاصا بھاری بھر کم لگنے لگا ہے۔ جان من یہ کالا رنگ بہتر رہے گا۔ اس میں تم بہت اسمارٹ لگتی ہو۔" ماما خوشامدی لہجے میں بولیں۔

"مام ہر بار آپ کی تمام محنت اکارت جاتی ہے۔ مجھے اس بات کا بہت افسوس ہے کہ میں آپ کے لیے ناقابل حل مسئلہ بن گئی ہوں۔" وہ ندامت بھرے لہجے میں بھرائی آواز سے بولی۔

"جوڑے سات آسمان پار وجود میں آکر زمین پر اتارے جاتے ہیں۔ پھر فکر کس بات کی۔ ماما یہ ہمارے ایمان کی مضبوطی کی طرف نہیں کمزوری کی جانب اشارہ ہے۔"

"ایسی بات نہیں عریشہ۔ بیٹی کی پیدائش سے ہی والدین اسے پرائی امانت سمجھ کر نہایت فراخدلی اور توجہ سے پرورش کرنے لگتے ہیں۔ ان کے تحت الشعور میں اس کی جدائی کا اندیشہ اور وحشت ایسی گھر کر جاتی ہے کہ وہ ہر پل اس کے روشن اور سجل

مستقبل کے منصوبے بناتے رہتے ہیں۔ یہ ذات کس قدر —— بے ضرر ہوتی ہے کہ والدین اپنے اس انمول مال کو چند شرائط اور چیدہ چیدہ تسکین و تشفی کے چند بولوں پر غیروں کے حوالے کر کے سرخروئی کی دعائیں مانگتے رہ جاتے ہیں۔ اگلا فیصلہ کاتب تقدیر کا ہے۔" وہ مادرانہ شفقت بھرے لہجے میں بولیں۔

"بیٹے میری باتوں کو سمجھنے کی کوشش کیا کرو۔ اس کمپیوٹر کے دور میں بھولا پن اور معصومیت مفقود ہو چکی ہے۔ تم نجانے کس افسانوی اور خیالی دنیا میں رہتی ہو۔ کسی نشیب و فراز اور جوار بھاٹے کا اندازہ ہے نہ سیکھنا چاہتی ہو۔"

"ماما بتائیں میں کیا کروں؟" وہ سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔

"ہر بار میں وہی کرتی ہوں جیسا آپ چاہتی ہیں۔ پھر بھی بارہا مجھے ری جیکٹ کیا جاتا ہے؟ صرف اس لیے کہ میں بظاہر بہت بے ڈھنگی اور بدنما ہوں۔ ہمارے معاشرے کے یہ لوگ کس قدر عاقبت نااندیش اور ناقابل فہم ہیں جبکہ باطن، اخلاق و اتحاد اور حسن کرداری اور پختہ عملی کا شادی کی شرائط میں کوئی عمل دخل نہیں ہوتا۔ ماما آج کے بعد مجھ سے ایسی توقع مت رکھیے گا۔ میری زندگی بے حد اطمینان بخش ہے اور میں اسی میں شاداں و فرحاں ہوں۔ آئی ہوپ کہ جاب ملنے کے بعد مزید بہتر ہونے کی چانسز ہیں۔"

"ان شاءاللہ آج سب کچھ ہمارے حق میں ہو گا۔ کیونکہ میرے جسم کا رواں رواں تمہارے لیے دعا گو ہے۔" ماما نے امید بھرے لہجے میں کہا۔

"آپ ہر بار یہی کہہ کر مجھ سے حاضری کی فرمائش کرتی ہیں۔ کیا آپ اندازہ لگا سکتی ہیں کہ دوسروں کی خاموشی مجھ پر کیا تاثر چھوڑتی ہے۔" وہ رندھی آواز میں بولی۔

"ماں اپنی اولاد کی سوچ دل میں اٹھنے والے خیالات و احساسات تک اس کا چہرہ پڑھ کر پہنچ جاتی ہے۔ تم بھی تو میری ایک نہیں سنتیں۔ پرابلم تمہارے ویٹ کا ہے۔ ورنہ کیا کمی ہے تم میں۔ آج کل کے لڑکے دبلی پتلی لڑکی کو پسند کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر ہر بار تمہاری بہنوں کی جانب ہر ایک کی توجہ کیوں کر مبذول ہو جاتی ہے۔ تم خود جانتی ہو۔ اللہ کرے آج نیک اور روشن ضمیر لوگوں سے واسطہ پڑے۔" وہ دعا مانگنے لگیں۔

"اچھا تو آپ نے اس لیے بہنوں کو خالہ کے ہاں بھیج دیا ہے۔ ماما میری قسمت کی جنگ تو آپ لڑ سکتی ہیں۔ مگر اسے اپنے مطابق ڈھالنے کے اختیارات آپ کو نہیں سونپے گئے۔ وہ اللہ کے ہاتھ میں ہیں۔" وہ خفگی سے بولی اور باہر نکل گئی۔

وہی ہوا جس کا اندیشہ تھا۔ مشہور و معروف والدین کے اکلوتے بدشکل بیٹے کو بھلا عریشہ کیسے پسند آسکتی تھی۔ سیل رواں آیا اور گرد و پیش کے ماحول میں توڑ پھوڑ کر کے گزر گیا۔ عریشہ نے اس قسم کے لوگوں کے سامنے نہ جانے کی قسم اٹھالی

☆ ☆ ☆

"ماما! آپ نے اتنے ڈھیر سارے پاکستانی ڈریسز کیوں بنوا دیے؟ دو چار سے ہی کام چل جاتا۔ صرف پاکستانی کمیونٹی میں ان کی ضرورت محسوس ہو گی۔ ورنہ آفس اور ہر طرح کی پبلک پلیسز پر پینٹ اور ٹی شرٹ چلے گی یا لانگ اسکرٹ اور بلاؤز اور گھر میں نائٹ سوٹ۔" وہ اپنی پیکنگ کرتے ہوئے بہت ایکسائیٹڈ ہو رہی تھی۔

"ماما جانی! آپ اتنی خاموش کیوں ہیں۔ ارے آپ تو رو رہی ہیں۔" وہ ماں کو پیار کرتے ہوئے بولی۔

"ایسا کرنے کا انجام جانتی ہیں آپ۔ میری ناخوشی، بے قراری اور پچھتاوا اور آپ کے یہ آنسو ہر پل میرے راستے میں اک سیلاب کی مانند حائل ہو کر مجھے آگے بڑھنے پر بندش لگا دیں گے۔ مجھے اپنی دعاؤں کے سائے میں رخصت کریں۔ یہی میری کامیابی کا راز ہے۔" وہ سمجھاتے ہوئے بولی۔

"کاش تم اپنے پیا کے سنگ اس گھر سے وداع

ہو گئیں تمہارا ان حالات میں اس گھر کو چھوڑنا ہمیں دکھی کر گیا ہے۔"

"آپ کے نقطہ نظر کو بدلنا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے ماما۔ میری شادی کی پروان چڑھتی ہوئی دیرینہ خواہش کو اپنے من سے اکھاڑ پھینکیں۔ آپ کی حتی الوسع کوشش نے سب کو کس قدر مضطرب کیا ہے۔ جب اپنی ناکامی کا احساس ہونے لگے تو زندگی اجیرن ہو جاتی ہے۔ اس احساس کی جگہ صبر کریں ہمیں ہر طرح کے حالات میں شکر ادا کرنا چاہیے۔ میرے شعور میں صبر کی اصلیت اور اہمیت کے معنی سما گئے ہیں۔ ماما میں بھی راضی برضا کے طویل و وسیع سفر کا وہ مسافر ہوں۔ جس کی کوئی منزل نہیں۔"

آنسوؤں کے ریلے کے سامنے بند باندھنے سے اس کی آنکھیں انگارے بن کر اور خوبصورت ہو گئیں۔

"آپ بھی میری قسمت پر صابر و شاکر ہو جائیں اور مجھے حالات کے دھارے میں بہہ جانے دیں۔ مجھے مجبوراً" آپ کو چھوڑ کر جانا پڑا ہے ماما۔ کب سے جاب کے انتظار میں بیٹھی ہوں۔ بدقسمتی سے یہاں نہ تو جاب اپرچیونٹیز ہیں نہ بزنس کے چانسز مہیا ہیں۔ اینڈ آف دی ڈے مجھے اپنے سروائیول کے لیے ایک مستحکم اور پائیدار کیریئر بنانا ہے۔ آپ فکرمند نہ ہوں۔ فیضی میرے بھائیوں سے بڑھ کر میری بہتری کے لیے سوچتا ہے۔" وہ ماں کو تسلی و تشفی دیے جا رہی تھی۔

"تم سے شادی کیوں نہیں کر لیتا۔" ماں کے منہ سے بادلِ ناخواستہ نکلا۔

"وہ مجھے بہن مانتا ہے ماما۔" وہ توقف کے بعد بولی۔

"ماما آج میں آپ کے تحفظ کے پُرتسکین اور ٹھنڈے سائے کو چھوڑ کر جا رہی ہوں۔ آپ سے کچھ نہیں چھپاؤں گی فیضی کو میں نے اپنے جیسا سمجھ کر منتخب کر لیا تھا۔ دن رات کی پاکیزہ ملاقاتوں میں مجھے اس کی خصلتوں اور کردار سے بے پناہ پیار ہو گیا۔ اس کا بھی یہی حال تھا۔ لیکن وہ مجھے بہن سمجھ کر پیار دیتا رہا اور میں ہونے والے جیون ساتھی کے روپ میں پوجا کرتی رہی۔" اس نے اپنی آخری ملاقات کی ساری تفصیل امی کو سنا دی۔

"ماما اگر میں نازک اندام لڑکی ہوتی تو فیضی کے خیالات میں زمین و آسمان کا فرق اور فاصلہ ہوتا۔ مرد چاہے بذات خود کتنا ہی بے ڈھنگا اور بدصورت کیوں نہ ہو۔ اس کی ڈیمانڈ میں شریک حیات کا حسن و جمال کا پیکر ہونا اولین شرط ہے اور پھر ہمارے معاشرے میں یہ سب ممکنات میں سے ہے۔ ایک عمر رسیدہ مرد بھی سولہ سال کی لڑکی سے شادی کرنے کا حق دار کیوں سمجھا جاتا ہے؟ کیونکہ یہ سب مردوں کی سوسائٹی کی اختراعات ہیں۔" وہ پیکنگ کرتے ہوئے ظاہراً" بے پروائی سے بول رہی تھی۔ مگر وجود کے اندر گہرائی میں بدمزگی اور المناکی تھی۔

"آپ میرے لیے پُرملال ہونا چھوڑ دیں۔ میں اپنی زندگی کی پریکٹیکل سائڈ میں قدم رکھنے جا رہی ہوں شادی ہر مسئلے کا حل ہرگز نہیں ماما۔ ناؤ آئی ایم ہیپی۔"

"کاش تم نے مجھ سے پہلے اس واقعے کا ذکر کر دیا ہوتا۔ سب اکیلے ہی سہہ لیا۔" وہ شاق میں تھیں۔

"ماما' یہ معمولی سی بات تھی۔ یوں سوچیں کہ فیضی نے مجھ سے پیار کی مثال قائم کر دی ہے۔ کیا یہ طمانیت کم ہے۔ میری عزت افزائی کی ہے اس نے۔" وہ بلا تامل بولی۔

"ہاں۔ درست کہتی ہو۔ مگر ماں کا دل کسی قسم کے شواہد و حقائق کا محتاج نہیں۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے ماں کے دل کو کسی خاص الخاص گوشت و پوست سے تشکیل دیا ہے۔ اسی طرح اس میں موجود جذبات و احساسات کو بھی عام رشتوں سے الگ بنایا ہے۔ تم مجھے جو مرضی آئے سمجھا لو۔ مگر یہاں کچھ بھانے والا نہیں۔ یہ اپنا محل نما گھر چھوڑ کر ایک ایک تنکے سے اپنا گھونسلا بنانے والا عمل مجھے پژمردہ کر جاتا ہے عریشہ۔"

"ماما اس گھر کی حقیقت گارا بجری اور اینٹیں ہیں۔ خاموش در و دیوار ہیں۔ آپ نے رشتوں کی بنیاد پر اسے بارونق اور پُرسکون بنایا ہے۔ میں اس گھر میں بسنے والے مکینوں سے لگاؤ اور پیار کی وجہ سے یہاں آنے کی تمنا میں چھٹیوں کی منتظر رہا کروں گی۔ مجھے ان کھوکھلی اور پیار سے عاری چیزوں سے کوئی انس نہیں۔ آپ سب کو چھوڑنے کی کرب ناک اذیت میں مبتلا ہوں گھر کی کیا وقعت ہو سکتی ہے۔ آپ سب لوگ جب میرے پاس وزٹ کرنے آئیں گے تو تب میرے اسٹوڈیو اپارٹمنٹ کی اہمیت اور حیثیت اسی محل کے برابر ہو جائے گی۔" وہ تسلی بخش لہجے میں بولی۔

"میری بچی تمہارے بغیر میرا دم گھٹتا ہے۔ کئی راتوں سے ہم دونوں سو نہیں پائے۔ یہاں تمہیں کس چیز کی کمی ہے۔" ماں نے دکھ بھرے لہجے میں کہا۔

"ماما مجھے اپنا نام اور اپنی ذات کی شناخت چاہیے۔" وہ بیگ کی زپ بند کرتے ہوئے بولی۔

"ہم تمہاری تقدیر کا لکھا نہ بدل سکے۔ ہماری دولت اور اسٹیٹس تمہاری تعلیم و دانشمندی اس مقدر کے آگے ہار گئی۔" وہ زار و قطار رونے لگیں۔

"ماما دل کو یہ کہہ کر تسلی دیں کہ ہو سکتا ہے میری زندگی میں کوئی معجزہ کوئی انہونی رونما ہو کر مجھے ہر طرح کی خوشیوں سے ہمکنار کر دے۔ میں جانتی ہوں ہر سوسائٹی میں عورت کے تحفظ کے لیے مرد کا ساتھ نہایت ضروری ہے۔ لیکن بے غیرتی اور بے شرمی سے اس ساتھ کا حاصل براہِ راست عورت کے نسوانی وقار اور عزتِ نفس پر حملہ آور ہو کر اس کی خوشیوں کو نگل جاتا ہے۔ آخر کار ہمیں اپنے ضمیر کے ساتھ بھی تو رہنا ہے ناں ماما۔"

"تمہارے تمام دلائل خاصے ٹھوس ہیں۔ پھر بھی ایک وعدہ کرتی جاؤ۔" ماں نے منت و سماجت بھرے لہجے میں کہا۔

"اپنا اور ہم سب کی خوشیوں کا خیال رکھنا۔"

وہ مدعا سمجھ کر خاموشی سے ماں کی امید پر حیران و پریشان ہو کر دیکھنے لگی۔

☼ ☼ ☼
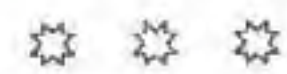
"اس وقت گھر سے فون نہیں آتا۔ خدا خیر کرے۔" اس نے رات کے دو بجے نیند سے چونک کر سائیڈ ٹیبل سے موبائل اٹھا کر دیکھا۔ بے شمار مس کالز تھیں۔ نمبر جانا پہچانا نہ تھا۔ اس نے موبائل کو بند کیا اور بے نیازی سے کروٹ بدل کر سو گئی۔ دوسری رات تیسری اور چوتھی اسی انجان نمبر سے اسی مخصوص وقت پر بارہا فون آتے رہے۔ ہر بار نظرانداز کرتی بڑبڑاتی ہوئی کروٹ بدل لیتی۔ آخر پانچویں رات مارے تجسس و اشتیاق کے اس نے موبائل اٹھا لیا اور مبہم انداز میں بولی۔

"پانچ راتوں سے مجھے کس گناہ کی پاداش میں سزا دی جا رہی ہے۔ مسئلہ کیا ہے؟؟"

"خاصا گمبھیر اور ناقابلِ حل۔" دوسری طرف سے بارعب مردانہ آواز سماعتوں سے ٹکرائی۔

"رانگ نمبر۔" اس نے مختصراً" جواب دیا اور موبائل آف کر دیا۔

اسی نمبر سے فون گاہے بگاہے آتے رہے۔ وہ غصے سے نمبر پڑھتی اور بغیر جواب دیے فون بند کر دیتی۔ آخر کب تک۔ جب وحشائی عروج پر پہنچ جائے تو اس کا علاج اشد ضروری ہو جاتا ہے۔ اس نے پیچ و تاب کھاتے ہوئے فون اٹھایا آج وہ اس ناآشنا مرد کی خوب بے عزتی کرنے کا ارادہ کر چکی تھی۔

"جناب بار بار فون کرنے کی وجہ۔"

"آپ سے بات کرنا چاہتا ہوں۔" دوسری طرف سے آواز دھیمی تھی۔

"نہ جان نہ پہچان اور چلے ہیں بات کرنے۔" وہ تلخی سے بولی۔

"محترمہ عرضداشت سن لیجیے۔ نوازش ہوگی۔" لہجے میں التجا تھی۔

"آوارہ' نکمے اور ہڈحرام لڑکوں کا یہی تو وطیرہ ہے لڑکیوں کو پھانسنے کا۔ مجھے معاف کیجیے۔ کسی اور کا نمبر ٹرائی کریں۔" وہ ہتک آمیز لہجے میں بولی۔

"آپ مجھے غلط سمجھ رہی ہیں۔ میں اوباش اور گلیوں کا آوارہ ٹین ایجر لڑکا نہیں ہوں۔ اگلے مہینے کی بارہ تاریخ کو مابدولت تیس سال کے ہو جائیں گے۔"

لہجے میں ہلکی سی شرارت کی کھنک تھی۔

"یعنی عمر کے اس حصے میں بھی بے ہودگی نہ چھوڑی۔" اس نے برجستہ جواب دیا۔ دوسری طرف سے دبی ہوئی ہنسی ابھری۔

"جو بھی سمجھ لیجیے۔ میں کیا کہہ سکتا ہوں۔"

"کہیے کہیے۔" وہ طنزیہ لہجے میں بولی۔

"ہر طرح کی ہمدردی کے لیے حاضر خدمت ہوں۔"

"تھینک یو۔ سو سویٹ آف یو۔ میں بحرین میں ایک آئل کمپنی میں انجینئر ہوں۔ فیلڈ جاب اور اکیلے پن نے ذہنی طور پر مفلوج کر دیا ہے۔" وہ سنجیدگی سے بولا۔

"مجھے بھی آئیڈیا ہو چلا ہے کہ ذہنی رد و کد نے کچھ جنونی بنا دیا ہے آپ کو۔ ورنہ یوں دن رات کسی کو فون کرنا بد تہذیبی ہے۔ جس کا آپ کو قطعاً" احساس نہیں۔" وہ روکھے لہجے میں بولی۔

"کچھ کھا کر حرام موت مرنے سے بہتر ہے کہ دل کو بہلانے کے تمام حیلے بہانے آزما لیے جائیں۔" وہ معذرت خواہانہ لہجے میں بولا۔

"مسٹر ذرا خودکشی کے لیے گارنٹی شدہ دوا کا استعمال کیجیے گا۔" عریشہ نے ہنستے ہوئے کہا۔

"آپ از راہ مذاق یہ مشورہ دے رہی ہیں۔ کہ سچ مچ سیریس ہیں۔" وہ بھی ہنسنے لگا۔

"آپ کا کیا خیال ہے؟" وہ شگفتہ لہجے میں بولی۔

"میرا خیال ہے آپ ہلکا پھلکا طنز اور معمولی سی خفگی کا اظہار کر رہی ہیں۔ ایم آئی رائٹ۔" وہ بھی شگفتگی سے بولا۔

"او کے بائے بائے۔" عریشہ نے بڑھتی ہوئی گفتگو سے خوفزدہ ہو کر کہا۔

"خدا کے لیے فون بند مت کیجیے گا۔" لہجے میں تڑپ تھی۔

"یہاں کی جان لیوا تنہائی مجھے پاگل کر دے گی۔"

"ٹھیک ہے۔ پاگل خانے آپ جیسے کمزور اور بیمار ذہن رکھنے والوں کے لیے بنائے گئے ہیں۔" وہ لاپروائی سے بولی۔ حالانکہ وہ اس اجنبی کے بارے میں فکر مند ہو گئی تھی۔

"آپ مجھ سے فقط باتیں کریں۔ اس فیلڈ میں کم از کم ایک مترنم نسوانی آواز میرے کانوں میں حلاوت گھول کر میرے دل، ذہن اور روح کو سکون پہنچا رہی ہے۔" وہ تشکر آمیز لہجے میں بولا۔

"آپ اپنی فیملی کو اپنے ساتھ کیوں نہیں رکھ لیتے۔" لہجے میں ہمدردی تھی۔

"شادی کے بغیر ذرا مشکل ہے۔" وہ ہنس پڑا۔

"تو شادی کر لیجیے۔ مسئلہ حل ہو جائے گا۔" اس نے مشورہ دیا۔

"ناممکن ہے۔ کیونکہ کسی کو میں پسند نہیں آتا تو کوئی والدین کی توقعات پر پورا نہیں اترپاتی اسی آنکھ مچولی کے کھیل میں تیس سال کا ہونے والا ہوں۔" لہجہ افسردہ تھا۔

"آج کل کے دور میں لو میرج کو برا نہیں سمجھا جاتا۔ ایسی کوشش کبھی کی ہے آپ نے۔ اچھا ہے۔ شادی سے پہلے ہی دونوں فریقین میں مفاہمت و مناسبت ہو جاتی ہے۔ ازدواجی زندگی کے محاذ پر جنگ وجدل میں کافی حد تک کمی رہتی ہے۔" وہ سنجیدگی سے بولی۔

"انٹرسٹنگ باتیں کرتی ہیں آپ" وہ مسکرا دیا تھا۔

"مجھے بے وقوف بنانے کی کوشش مت کریں۔ مانا کہ عورتیں اپنی تعریف میں احمق بن کر کیا کچھ کر گزرتی ہیں۔ مجھ سے ایسی توقع رکھنے والا خود نادان ہے۔" وہ چڑ کر بولی۔

"بائی گاڈ۔ جو جھوٹ بولوں۔" وہ ایکدم سہم کر بولا۔

"اچھا بھئی۔ اللہ حافظ۔" وہ سنجیدگی سے بولی۔

"نہیں محترمہ اللہ کے لیے نہیں۔" وہ التجائیہ انداز میں بولا۔

"ٹھیک ہے چند منٹ اور سہی۔" تھوڑے توقف کے بعد بولی۔

"مجھے عریشہ کہتے ہیں اور آپ کا نام۔" اس نے بات آگے بڑھانا چاہی۔

"حماد ملک۔" وہ آہستگی سے بولا اور پھر دو گھنٹے کی طویل گفتگو میں ایک دوسرے کا حدود اربعہ معلوم ہو گیا۔ عریشہ رابطہ منقطع ہونے کے بعد سوچ کی گہری وادیوں میں کھو گئی۔ کہ اس کی باتوں کا سحر تھا جو اس نے اس ماحول میں کھو کر اپنے بارے میں سب کچھ بتا دیا۔ جو کہ غیر متوقع اور حیران کن تھا۔

دونوں اس دیار غیر میں تنہا تھے۔ روزانہ کی طویل گفتگو میں نہ چاہتے ہوئے بھی ایک دوسرے کے قریب آتے چلے گئے۔ ذہنی مطابقت میں سکون اور ہم آہنگی کا جو رشتہ ان دونوں کے درمیان قائم ہوا تھا۔ ایسے گمان ہوتا تھا۔ اٹوٹ اور دیرپا بننے والا ہے۔ عریشہ نے اس کی برتھ ڈے پروش بھی کیا اور کارڈ بھی پوسٹ کر دیا۔

آج حماد کا فون نہ آنے کی وجہ سے عریشہ کا اپنے کام میں بھی دل نہ لگا۔ وہ ہمیشہ صبح بیل دے کر اسے بیدار کیا کرتا تھا۔ آج وہ آفس لیٹ ہونے کی وجہ سے بہت اہم میٹنگ سے بھی غیر حاضر تھی۔ باس کے سامنے ندامت اسے اور بھی پریشان کر گئی۔ اس نے محسوس کیا کہ وہ تو حماد پر ہر چھوٹی بات پر بھروسہ کرنے لگی ہے۔ اسے حماد سے بے پناہ ہمدردی کے ساتھ پیار ہو گیا ہے۔ دونوں کی تنہا زندگی کو موبائل نے جو رنگ بخشا تھا خاصا شوخ و شنگ تھا۔ دوبئی جیسی پر رونق جگہ میں بھی وہ تنہائی میں مقید تھی آفس اور گھر دو ہی جگہیں تھیں۔ جہاں اسے دلی اور ذہنی سکون ملا کرتا تھا۔ یہاں کی عیش و طرب زندگی سے لاتعلقی میں وہ حماد کو یاد کرنے لگی تھی۔ وہ کئی بار اسے دوبئی آنے کا کہہ چکی تھی اس کے دل کے ہر گوشے میں حماد نام کی گونجتی صداؤں نے اپنا ڈیرا جما رکھا تھا۔ جبکہ دوسری جانب بھی جذبات اسی ریلے میں بہہ نکلے تھے۔ عریشہ نے اسے بے تابی سے فون کیا تو پتا چلا ریگستان کی شدت کی گرمی میں اسے ڈی ہائیڈریشن ہونے کی وجہ سے اسپتال داخل ہونا پڑا تھا۔

"حماد تو بہت حساس طبیعت کا مالک ہے۔ وہ میری کمی محسوس کر رہا ہو گا۔" وہ یہ سوچ رہی تھی کہ اس کا فون آگیا۔ لہجے میں ابھی بھی نقاہت تھی۔

"عریشہ میں نے شادی کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔" وہ پُر اعتماد لہجے میں بول رہا تھا۔ دل دھک سے رہ گیا۔

"کس سے؟" منہ سے بے اختیار نکلا۔

"ابھی معلوم نہیں۔" وہ اضطراب میں بولا۔ "یہ زندگی کی تنہائی مجھے ختم کر دے گی۔ مجھے ایک رفیق کی ضرورت ہے۔ ایک جیون ساتھی کی تلاش ہے عریشہ۔" وہ خاموش رہی۔

"میرے خطرناک ارادوں نے تمہیں چپ کرا دیا ہے۔" لہجے میں شرارت کا عنصر تھا۔

"ارادے خطرناک نہیں بہت نیک ہیں۔" وہ زبردستی مسکرا کر بولی۔

"عریشہ ہم نے موبائل کی دنیا تو آباد کر رکھی ہے۔ کبھی ویب۔کیم پر ہی آجاؤ۔" حماد نے موضوع بدلا۔

"اس کی کیا ضرورت ہے حماد۔ ہم دونوں نے اپنی تنہائی کا جو سامان کر رکھا ہے۔ مجھے اسی میں اطمینان ہے۔" وہ ایکدم پریشان سی ہو گئی۔ اور جلد ہی سلسلہ منقطع ہو گیا۔

اسی شام اس نے جم جوائن کیا۔ ڈاکٹر سے ڈائیٹ پلین لیا اور اس پر سختی سے عمل ہونے لگا۔ کیونکہ اس بار وہ اپنے موٹاپے کی وجہ سے حماد کو کھونا نہیں چاہتی تھی۔ اسے حماد کی خوش اخلاقی نفاست پسندی اور بلند کرداری کا اندازہ ہو چکا تھا۔ وہ حساس اور صلح جو مرد تھا۔ اتنے مہینوں کے رابطے سے اس کی شخصیت کا ہر پہلو کھل کر اس کے سامنے آچکا تھا۔ اسے پانے کا تصور ذہن پر آسیب کی مانند براجمان تھا۔ ماما سے تذکرہ کرنے میں ہچکچاہٹ اور سبکی محسوس ہو رہی تھی۔ مشورہ لینے میں کسی قسم کی تیزی اور جلدی کو غیر ضروری سمجھ رہی تھی۔ اسے یقین تھا کہ اس دفعہ قسمت یاوری کرنے کو تیار تھی۔ اس کی زندگی کے جمود اور یکسانیت میں خوشگوار انقلاب برپا ہونے والا ہے۔

وہ آفس سے فارغ ہو کر سیدھی ایرپورٹ کی طرف

روانہ ہوگئی۔ اس کے والدین کی فلائٹ پہنچنے میں تھوڑا وقت باقی تھا۔ آج تو گردوپیش کا سارا ماحول خوشی و انبساط میں جھوم رہا تھا۔ ان کی آمد کی نوید کے نشے میں سرشار وہ والدین کو ریسیو کرنے جارہی تھی۔ اس کے لبوں پر کسی فلمی گانے کی دھن تھی۔ اس کے انگ انگ سے پھوٹتی خوشی چھپائے نہ چھپ رہی تھی۔ ویٹنگ لاؤنج میں وہ بار بار گھڑی دیکھ کر دل بہلا رہی تھی کہ مسافروں کی آمد شروع ہوگئی۔ والدین کھڑے ادھر ادھر متلاشی نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ وہ چند قدم کے فاصلے پر کھڑی محظوظ ہورہی تھی۔ اس نے کالے رنگ کی لانگ اسکرٹ پر سفید رنگ کا بلاؤز پہن رکھا تھا۔ ہائی ہیل میں وہ خاصی لمبی لگ رہی تھی۔ پتلا دبلا جسم اور دلکش چہرے کی تمام فالتو چربی پگھل کر اس کے حسن کو دوبالا کررہی تھی۔

آج اس کے بدن اور چہرے پر اصلی عمر کے شگفتہ آثار نمایاں تھے۔ ماں باپ نے اسے چند قدم کے فاصلے سے بھی نہ پہچانا تھا۔ آخر وہ ان کے بمقابل جاکر کھڑی ہوگئی۔ مگر ان کی نظریں تو ـــــ عریشہ کو ڈھونڈ رہی تھیں۔

اس نے قریب جاکر سرگوشی کی۔

"مام میں یہاں ہوں۔" اتنا بڑا ظلم کہ اولاد کو پہچاننے سے انکار۔" دونوں نے غور سے اس کا سر سے پاؤں تک معائنہ کیا۔

"ارے تم عریشہ۔" آواز کی پہچان تڑپی۔ مسکراہٹ نین نقشہ سب ہی تو قابل شناخت تھا۔ والدین حیرت و اشتیاق سے اپنی گڑیا جیسی بچی کو سینے سے بھینچے خوشی سے اشکبار ہوگئے۔ دوہری مسرت سے نہال ہوئے جارہے تھے۔

"تم نے تو کمال کردیا عرشی۔ یہ سب کیسے ہوا؟" پاپا نے یکے بعد دیگرے مارے تجسس کے کئی سوال کردیے۔ اس کی کلیوں جیسی مسکان جواب دینے کو کافی تھی۔

وہ اپنے والدین کو لے کر اپنے چھوٹے سے اسٹوڈیو اپارٹمنٹ پہنچ گئی۔ جونہی مین ڈور کھلا تو ماما حواس باختہ ہوکر اپنی پرانی عریشہ کا اس نئی عریشہ سے مقابلہ کرنے لگیں سلیقے و قرینے سے سجا ہوا گھر صاف ستھرا کچن نکھرا اجلا باتھ روم۔ ترتیب اور تزئین سے ایسا انقلاب کہ کپڑوں کی الماری جو ہمیشہ کپڑوں کے ڈھیر سے کھلی رہتی تھی۔ آج نقشہ ہی فرق تھا۔ بیڈ پر بچھا ہوا بیڈ کور ہر طرح کی سلوٹ سے پاک تھا۔ صوفے پر ملٹی کلر کے کشنز نہایت طریقے سے سجے ہوئے تھے۔ ورنہ اس کے کمرے میں صوفے پر اسی کے کپڑوں کے انبار لگے ہوتے تھے۔ بک شیلف میں کتابیں اور رائٹنگ ٹیبل پر فائلوں کی ترتیب اس کی زندگی کی جانب واپسی کی داستان پیش کررہی تھی۔ اس نے پھرتی سے ٹرالی پر چائے اور لوازمات رکھ کر انہیں پیش کیے اور ان کے دونوں بیگز کو الماری کے کونے میں کھڑا کردیا۔ والدین کی حیرت میں قدرے کمی ہوئی اور وہ مسکرادیے۔ عریشہ اپنی ہی ترنگ اور خودی میں سرشار ان کے آگے پیچھے پھرکی کی مانند گھوم رہی تھی۔ آج اس کا چھوٹا سا اپارٹمنٹ والدین کی موجودگی میں ان کے محل سے کم نہ لگ رہا تھا۔ چند دنوں بعد ہی پاپا نے اسے تین بیڈ روم کا فلیٹ خرید دیا۔ اور دونوں خوشی خوشی بیٹی کے فلیٹ کو سیٹ کرنے میں مصروف ہوگئے۔

☼ ☼ ☼

"مام۔" عریشہ چھوٹے بچوں کی طرح ماں کی آغوش میں سر رکھ کر لیٹ گئی۔

"مجھے آپ سے نہایت ضروری مشورہ لینا ہے ماما۔"

"بیٹا بولو۔ کیا بات ہے؟" وہ پیار و لگاوٹ سے بولی۔

"آپ کی دیرینہ خواہش کے بارے میں۔" وہ جملہ مکمل نہ کرسکی۔

"کچھ اندازہ تو ہوگیا تھا مجھے۔ زندگی میں دلچسپی بہت بڑی گواہی ہے میری جان۔ ہماری جہاندیدہ نگاہوں نے جو دیکھا وہ سچ ہے۔" تھوڑے توقف کے بعد بولی۔

"کون خوش قسمت ہے۔ جس کے نصیب میں تم ہو۔" لہجے میں انتہا کی خوشی تھی۔

"سب بتاتی ہوں مام۔ آپ کو بلانے کا مقصد ہی یہی تھا۔" عریشہ نے موبائل کے دور کی تمام سرگزشت سنادی۔ ماما صرف بھری نگاہوں سے اسے دیکھنے لگیں۔

"ماما۔ اس انکشاف پر کچھ پشیمان سی لگ رہی ہیں آپ" وہ افسردہ سی ہوگئی۔

"ایسی بات نہیں بیٹا۔ یہ سوچ رہی ہوں۔ جس کی خاطر تم نے خود کو بدل لیا جس کے حاصل کی تمنا میں اپنی کھوئی ہوئی خوشیوں کو بحال کرنے کی کوشش کی ہے۔ اپنی زندگی کو شوخ و شنگ رنگوں سے مزین کیا ہے اگر اس کی سوچ میں تم آباد نہیں ہو میں اگر وہ تمہیں محض ایک دوست کا درجہ دیتا ہے۔ تو پھر کیا کروگی۔ ذہنی طور پر خود کو ہر طرح کے حالات کے لیے تیار رکھنا میری بچی۔ تم سے اس نے عہد و پیمان نہیں کیے۔ تم پر فریفتہ ہوکر تمہارے دل میں اپنی جگہ بنانے کی کوشش نہیں کی۔ موبائل پر اپنی تنہائی کے وقت کو گزارنے کا اک سہارا ڈھونڈا ہے اس نے بس بات یہاں تک ہی پہنچی ہے نا۔" ماما فکرمند تھیں۔

"مام اس کا لہجہ ہمیشہ پسندیدگی سے لبریز ہوتا ہے۔ ہاں یہ درست ہے اس نے پیار محبت کے دعوے کیے ہیں نہ ہی مجھے سبز باغ دکھا کر جیتنے کا سامان کیا ہے۔ میری چھٹی حس نے مجھے فیصلہ کرنے پر مجبور کیا ہے۔ میں حماد کو کھونا نہیں چاہتی مام۔" اس کا لہجہ مستحکم تھا۔

"بغیر دیکھے بغیر پرکھے۔" ماما تذبذب میں بولیں۔

"جی۔ مگر بغیر سوچے نہیں مام۔ وہ کردار کا مضبوط نیک طینت دھیمے اور سلجھے مزاج کا نہایت سچا اور کھرا انسان ہے۔ اس کی باتوں میں اظہار کے بغیر ہی محبت اور چاہ کی حدت پوشیدہ ہوتی ہے۔ جب وہ بات کرتا ہے تو فضا میں اس کی آواز کا جلترنگ مجھے مسحور کردیتا ہے۔ میں اس کی ظاہرانہ شخصیت سے متاثر ہوئے بغیر اس کے باطن میں پنہاں ان گنت خوبیوں سے امپریس ہوئی ہوں۔ حالانکہ وہ اجنبی ہے میرے لیے۔ مگر کچھ فسوں ہے اس شخص میں۔ میں ابھی آپ کی

بات کراتی ہوں اور آپ ہی اسے اس ویک اینڈ پر انوائٹ کریں گی۔" وہ اتنی سنجیدہ تھی کہ ماما لرز گئیں۔ اس خوف سے کہ اگر بات نہ بنی تو کہیں میری بچی دل برداشتہ ہو کر پھر سے دنیا کی رنگینیوں اور رونق سے دور نہ ہو جائے۔

"اللہ نہ کرے۔ کہ ایسا ہو۔" وہ غیر اختیاری طور پر تڑپ کر رہ گئی۔

"آکاش بیل کی مانند تمہارے پیار و انس کی کوئی جڑ نہیں۔ اس کے بغیر انجام کیا ہو گا؟"

اسی وقت فون کی بیل ہوئی۔ عریشہ موبائل پر حماد سے بات کرتی ہوئی ماما کے قریب آکر بولی۔

"مام حماد آپ سے بات کرنا چاہ رہا ہے۔"

ماما نے دھڑکتے دل کے ساتھ فون کان سے لگایا۔ سلام دعا کے بعد دونوں میں آدھے گھنٹہ بات ہوتی رہی۔ باتیں ذاتیات سے ہٹ کر تھیں۔ لیکن تھیں کافی دلچسپ۔ وہ قدرے مطمئن ہو گئیں۔

ہفتے کی شام کا کس بے چینی سے انتظار تھا یہ عریشہ ہی جانتی تھی۔ فیضان بھی اس سے ملنے پہنچ چکا تھا۔ آخر کو عریشہ کے ساتھ اس کا رشتہ بھائی کا جو تھا سیایا بھی نہایت سنجیدگی سے حماد کا انتظار کر رہے تھے۔ ماما اپنے رتبے کا پاس رکھتے ہوئے مزے دار کھانے بنانے میں مگن تھیں۔ کبھی کبھار پریشان سوچیں انہیں الجھن میں مبتلا کر دیتیں۔ جبکہ عریشہ کی پر اعتمادی ہر انداز اور ہر ادا سے چھلک رہی تھی۔ تو وہ بھی مطمئن ہو گئیں۔

فیضان اپنی جگہ حماد کے ساتھ ویک اینڈ گزارنے کے منصوبے بنا رہا تھا۔

آج عریشہ نے ڈائننگ روم کو معطر موم بتیوں سے نہایت خوش کن اور مسحور تاثر دے کر ٹیبل کو بھی نہایت سلیقے سے سیٹ کیا۔ کرسٹل کی گہری ڈش میں پانی پر تیرتی ہوئی لال گلاب کی خوشبو بکھیرتی پتیاں اور درمیان میں قوس و قزح کے رنگوں کی موم بتیوں کے سرکل نے ماحول کو دلکش و سحر زدہ بنا دیا تھا۔

فیضان ایک فرماں بردار بھائی کے رتبے کا پاس رکھتے ہوئے ہر کام کو بہتر سے بہتر سر انجام دینے میں خود بھی ماما کے ساتھ کھانا پکانے میں مدد کر رہا تھا۔ اس کی موجودگی کا اپنا ہی دل پذیر سا احساس تھا۔ جونہی سردی کی خوشگوار اور راحت افزا سرمئی شام نے دن کی ضوفشانی پر غلبہ پایا تو فلک بوس اپار ٹمنٹس میں جگمگانے والے قمقمے ستاروں کی مانند حسین لگ رہے تھے۔ عریشہ بالکنی میں کھڑی ہلکی ہلکی خنکی میں بھی حدت محسوس کر رہی تھی۔ اس مقناطیسی جذبے نے۔ اس کے بدن میں طمانیت سے بھرپور روح پھونک دی تھی کہ اسی اثناء میں فیضان بھی اپنی تمام تر مسکراہٹوں کے ساتھ پہنچ گیا۔

"اری یہ جو تم بانکی نار کے روپ میں اٹھلاتی پھرتی ہو۔ اب تو ہر صورت اور ہر حال میں بارات آکر رہے گی۔ بینڈ باجوں کے ساتھ دلہن کو لے کر جائے گی۔ مہندی پر سالا جی خوب بھنگڑا ڈالیں گے کہ جان چھوٹی اس چڑیل سے۔ پھر رخصتی پر مارے ندامت کے منہ چھپائے پھریں گے۔ اور آنسو بہائیں گے ایسے جیسے وہ میکے سے نہیں اس دار فانی سے رخصت ہو گئی ہے۔" وہ چھیڑنے کے موڈ میں تھا۔

"بات تو سچ ہے مگر بات ہے رسوائی کی۔ رخصتی میں اداسیوں اور مایوسیوں کی آمیزش اسی بات کی نشاندہی کرتی ہے کہ جس گھر ڈولی جائے وہاں سے جنازہ نکلے۔ لیکن اب سب والدین الرٹ ہو جائیں۔ وہ زمانہ ان کے ہاتھ سے نکل چکا ہے یہ نسل کمپیوٹر اور موبائل کے دور کی پروردہ ہے اب لڑکی کو خوش مزاج ہم سفر کی ضرورت ہوتی ہے نہ کہ ہر وقت بے وجہ مردانگی کا دبدبہ رعب اور اپنی آن بان کے نشے میں پارٹنر کو حقیر و کمتر ہونے کا احساس دلانے والے شوہر کی۔ کیپلیکس ہے سب اس صنف قوی کا ویسے آپس کی بات ہے۔ ایسے کمزور ذہنی مریض شوہر کی قربت سے تنہائی بہتر ہے۔ کم از کم اپنے اختیارات اور اپنی زندگی کی طرز اور روش پر ایسے شوہر کی پابندی تو نہیں ہوتی۔ لیکن والدین کو کون سمجھائے بے چاری معصوم کچھ تو اس ان دیکھی آگ میں کود کر گل گلزار ہو جاتی ہیں کئی تا حیات جلتی اور بجھتی اپنی زندگی بنا دیتی ہیں۔ لیکن سب سن لیں میں ایسی کیٹیگری میں نہیں آتی۔"

وہ بہت سنجیدہ تھی۔ لہجہ ذو معنی تھا۔

"فی الحال اس پر خوش و مطمئن ہو جاؤ کہ وہ بامراد سر کے بل چل کر آرہا ہے بے چارہ کافی حاجت مند لگتا ہے اور سننے میں شرافت و خلوص کا پیکر بھی۔" وہ از راہ مذاق بولا۔

"ایک بات یاد رکھنا۔ اس کے بعد دنیا اور زندگی ختم تو نہیں ہو جائے گی۔ ابھی آواز کا رشتہ ہے۔ دیکھنے اور ملنے کی بات اور ہی ہوتی ہے۔ حقیقت اور سچائی کافی حد تک سامنے آجاتی ہے۔ کچھ بھی ہو سکتا ہے۔"

"آئی نو۔ یہ بال میں نے دھوپ میں سفید نہیں کیے" وہ اپنے سیاہ لمبے بالوں کو سمیٹتے ہوئے بولی۔

"جی اماں جی اور نظر سوتے میں کمزور نہیں کی۔ دنیا کو دیکھ کر اور پرکھ کر کی ہے۔" وہ ہنستے ہوئے بولا۔

"اری یہ سپنوں کا شہزادہ آبھی تو جائے۔" اس نے پھر چھیڑا۔

"ویسے فلائٹ ٹائم پر پہنچ رہی ہے۔ میں نے معلوم کر لیا ہے۔ آپ دونوں بہن بھائی تیاری پکڑیں۔" ماما نے بالکنی میں جھانکتے ہوئے اطلاع دی۔ تو دونوں ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر ہنس پڑے۔

راستے بھر عریشہ خاموش رہی۔ آج اسے اپنی دونوں بہنیں اور دو بھائی بے تحاشا یاد آرہے تھے۔ قدرتی طور پر اپنی خوشی کے اظہار کے لیے اپنے دوست احباب اپنے خونی رشتوں کی اشد ضرورت ہوتی ہے۔ یہ ایسا جذبہ ہے جسے تنہا اور اکیلے پن میں ہضم نہیں کیا جا سکتا جبکہ بعض اوقات دکھ اور غم کو اپنی عزت نفس اور خاندانی وقار کی خاطر اندر ہی اندر پی لیا جاتا ہے۔ اور ہر ممکن کوشش ہوتی ہے کہ اپنی زندگی کی ناکامیوں اور محرومیوں کی کسی کو کانوں کان خبر تک نہ ہو۔ آج وہ امید اور شادمانی کے نشے میں اس کائنات کے ہر مکین سے دعا کی التجا کر رہی تھی۔ کیونکہ پسندیدگی کا عمل ایسا گمبھیر اور طوالت پر مبنی ہرگز نہیں ہوتا۔ یہ تو پل بھر کا فیصلہ ہوتا ہے۔

عریشہ انہماک سے ہر مسافر کا جائزہ لے رہی تھی۔ اسے اچنبھا ہوا کہ ایک دراز قد و قامت ہشاش بشاش اور سانولے رنگ اور دلکش چہرے والا نوخیز مردان کی جانب چلا آرہا ہے۔ جس کا فربہ جسم ہر قدم پر اپنی موجودگی کی گواہی دے رہا تھا۔ عریشہ نے فیضان کا بازو پکڑ کر اپنی ذہنی حالت کو درست کیا اسے اپنا دکھ بھرا ماضی یاد آگیا۔ اس کے ظاہری وجود کو دیکھ کر کتنے ہی لوگوں نے اسے دھتکارا تھا۔ کسی نے اندر کی عورت کے جذبات و محسوسات کا تصور کرنے کی تکلیف گوارہ نہ کی تھی۔ اس کے کردار و اخلاقیات کو پرکھنے کی ضرورت ہی محسوس نہ کی تھی۔

یہ جوان گنت خوبیوں کا معترف ہے۔ آج اس کی جسمانی نشوونما کے ظاہرانہ پن پر اس کے اندر کا پروقار اور ان گنت اچھائیوں کا مالک انسان قربان کر دوں۔ اصلیت کو اس سراب کی نذر کر دوں۔ جس کا نصیب زوال ہے۔ عروج اور بقا تو ضابطے اور قانون میں ڈھلی ہوئی جبلت کا مقدر ہے۔ وہ خود کو سمجھائے جا رہی تھی۔

ظاہری ساخت کو اپنے مطابق ڈھالنے میں آسانیاں اور کامیابیاں ہیں جبکہ باطن میں پوشیدہ فطرت کے تاریک پہلوؤں کو عمر کے اس حصے میں راہ راست پر لانا ناممکن ہے۔ حماد بے قصور ہے یہ کم بخت تنہائی مایوسی کو جنم دے کر زندگی کو بہاروں سے بے بہرہ کر دیتی ہے اور انسان اپنی ذات سے لاپروا ہو جاتا ہے۔

وہ اسی مثبت کیفیت میں مبتلا اسے اپنی طرف آتے دیکھ رہی تھی۔ اس کے ارادے پختگی کی جانب گامزن تھے مصافحہ کرتے ہوئے دونوں کی نگاہیں ملیں۔ آواز کا رشتہ پسندیدگی اور سراپا احترام و تحسین میں بدل کر اٹوٹ ہو گیا۔

☼ ☼

رضوانہ ارشاد احمد

اتنی تبدیلی آچکی تھی کہ ایڈریس معلوم ہونے کے باوجود اسے راستوں سے مانوس ہونے میں کافی وقت لگا۔ بہرحال اتنی گرمی میں سامان کی مشقت کے ساتھ وہ مطلوبہ ایڈریس پر پہنچا تو بہت مسرت محسوس کر رہا تھا۔

دائیں ہاتھ کو سفری بیگز کی قید سے آزاد کرتے ہوئے اس نے بلو رنگ کے زنگ آلود دروازے پر دستک دی۔ موسم کا مزاج کچھ اس درجہ گرم تھا کہ ایک منٹ انتظار کی زحمت گراں ثابت ہو رہی تھی' چہ جائیکہ وہ پانچ منٹ تک صبر و تحمل سے کھڑا رہا۔ شاید اس لیے کہ وہ اس سے بھی سخت موسم کا عادی تھا۔

مگر اتنے سارے شاپر اور بیگز کے ساتھ کھڑے رہنا تکلیف کا باعث تھا۔ حالانکہ سفر بھی ناگوار نہ گزرا تھا۔ صرف چند گھنٹوں میں وہ جدہ سے یہاں موجود تھا۔ ایئرپورٹ سے ہی ڈیڑھ گھنٹے میں ٹیکسی ڈرائیور نے اسے اس علاقے میں پہنچایا۔ مگر مین روڈ سے تنگ گلیوں میں وہ آنے کو تیار نہ ہوا تو مجبوراً" اسے اپنے سامان سمیت سڑک پر ہی اترنا پڑا۔

اگلی بار اس نے قدرے تیز دستک دی' مگر جواب پھر ندارد' اب کے اسے کوفت ہوئی اور پورا دروازہ دھڑ دھڑا ڈالا۔

"کون ہے۔ کیا دروازہ اکھاڑ دینے کا ارادہ ہے۔" اس بار ایک سریلی' مگر جھنجلائی ہوئی نسوانی آواز سنائی دی اور اگلے پل دروازہ کھل گیا۔

نماز پڑھنے کے سے انداز میں دوپٹہ سر پر لپیٹے' جو چہرہ اس کے سامنے آیا' اس کے نقوش جتنے تیکھے اور پرکشش تھے اس سے کہیں زیادہ تیکھی نگاہیں تھیں' جو سوالیہ مگر بے حد اجنبی انداز میں اس پر جمی ہوئی تھیں۔ چند ساعتوں کے انتظار کے بعد سوال ہوا۔

"فرمائیے۔" جب زبان سے بھی سوال ہوا تو وہ حقیقتاً" گڑبڑا گیا۔ سامنے موجود لڑکی کی آنکھوں میں پہچان کی کوئی رمق نہ تھی۔ وہ دروازے کا صرف ایک پٹ وا کیے اسی حصے میں ایستادہ تھی۔

"کیا ایاز صاحب یہاں رہتے ہیں؟" اس سے قبل کہ سامنے والی کے تیور اس کی خامشی پر مزید جارحانہ ہوتے وہ پوچھ بیٹھا مگر پوچھ کر پچھتایا۔

"آپ سیکٹر ایٹ الیون میں چلے جائیں وہاں جو قبرستان ہے آج کل وہ وہاں قیام پذیر ہیں۔" جواب انوکھا سا ملا تھا۔ وہ بھی کیا کرتی ایک تو گرمی کی شدت نے دماغ پلپلا کر رکھا تھا' اس پر لوڈشیڈنگ کی آفت۔

پھر روز کے حساب سے اماں اور پھوپھو کی طویل بحث نما جھڑپ' جس کی بنیادی وجہ وہی تھی' مگر کیا کرتی خود کو ان جھڑپوں سے علیحدہ کرلینا اب اس کے اختیار میں بھی نہ تھا۔ وہ تو خود بساط کا پٹا ہوا مہرہ بن چکی تھی جو بے دست و پا ہوتا ہے۔ اس کے اختیار میں کوئی کار نہیں ہوتا۔

اس کو احساس ہوا تھا اس نے غلط سوال کرلیا ہے۔

"میرا مطلب تھا' ایاز صاحب کا گھر یہی ہے تو مجھے ان کی بیگم سے ملنا ہے۔ مجھے غضنفر نے یہاں بھیجا ہے۔" اب کے اس نے ایک ہی سانس میں پوری بات کہہ کر سامنے دیکھا۔ جب وہ اسے پہچان نہ رہی تھی تو اس نے اپنا تعارف کروانا بھی مناسب نہ سمجھا۔ مگر ثانیہ کا چہرہ یکدم متغیر ہوا تھا۔

"آپ کہاں سے... میرا مطلب ہے۔" اس نے ٹوٹے ہوئے جملوں میں کچھ کہنے کی سعی کی مگر جملہ ادھورا رہ گیا کیوں کہ اس کی نگاہ ان بیگز پر پڑی تھی جن پر عربی لفظ پرنٹ تھے ایسے پلاسٹک کے شاپنگ بیگز میں غضنفر کی طرف سے پہلے بھی گفٹس آچکے تھے۔

"غضنفر نے آپ لوگوں کے لیے کچھ سامان بھیجا ہے۔" اس نے بائیں ہاتھ میں موجود بیگز کی طرف اشارہ کیا۔ جن پر بڑے واضح انداز میں "اھلا" و سھلا" (خوش آمدید) دیکھ کر بھی وہ اس شخص کو خوش آمدید نہ کہہ سکی کیوں کہ جس شخص نے یہ سب بھیجا تھا اس کی اتنے عرصے کی خامشی سے وہ اس کے ارادوں سے ناواقف تھی۔

ون ہے ثانیہ؟" اندر سے اماں کی آواز آئی وہ ابھی ابھی نہا کر نکلی تھیں۔
"کیا تو دروازے سے ہی چپک گئی ہے۔ اگر کوئی مانگنے والا ہے تو پانچ روپے دے کر جان چھڑا۔ دیکھ کچن کی سلیب پر پانچ روپے پڑے تھے۔" اس شخص تک اماں کی آواز آئی تھی۔
"مانگنے نہیں... دینے والا ہے اماں...!" سست روی سے وہ اندر پلٹ آئی۔
"غضنفر نے کسی کے ہاتھ کچھ چیزیں بھجوائی ہیں۔"
صحن میں بچھی چارپائی پر وہ پاؤں ٹکا کر بیٹھ گئی۔
"ارے... تو تو نے اسے باہر ہی کیوں کھڑا کر دیا۔" اماں کو جھٹکا سا لگا تھا۔
"غضنفر کی خیر خبر تو آئی۔ میرے مولا کا لاکھ لاکھ شکر اور تو ایسی باؤلی... چل جا بیٹھک کا دروازہ کھول کر اسے اندر بٹھا۔ میں دوپٹہ اوڑھ کر آتی ہوں۔" اماں نے خوشی سے کہتے اپنے کالے سفید گیلے بالوں کا ہاتھ سے جوڑا بناتے دوپٹے کی تلاش میں نگاہیں دوڑائیں۔
ثانیہ اٹھ کر بیٹھک میں آئی۔
"اندر آجائیں۔" بیٹھک کا دروازہ کھول کر سر باہر نکالے وہ اس شخص سے بولی۔ جس نے اندر آنے کا مژدہ سن کر شاید خوشی اور تشکر کی سانس سینے میں بھری تھی اور غڑاپ سے اندر گھس آیا تھا۔
ایک چھوٹا سوٹ کیس، دو مناسب سائز کے سفری بیگز جن میں سے کاندھے پر اور ایک اس کے بائیں ہاتھ میں تھا۔ جس کے ساتھ تین، چار بڑی جسامت کے مضبوط پلاسٹک شاپنگ بیگز بھی تھے۔ ثانیہ اس سارے سامان کو الجھن بھری نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔
الجھن تو اسے اس شخص کے چہرے کو دیکھ کر بھی ہو رہی تھی، جس کے چہرے پر اطمینان و سکون موجزن تھا۔ منزل پر پہنچنے کا اطمینان... اس دم اماں اندر آئی تھیں اور ثانیہ شربت کا انتظام کرنے کے لیے وہاں سے نکل گئی۔
رات تک اماں نے جانے کیسے اس بات کو ہضم کیے رکھا۔ انہوں نے ثانیہ کو بھی عافیہ (بڑی بیٹی) کے گھر میلاد قرآن خوانی اور نیاز ہوئیں تھی دعوت میں اپنے نہ آنے پر داماد سے معذرت کے ساتھ بھیجا تو خاصی تاکید کی تھی کہ کسی کو پتا نہ چلے کوئی غضنفر کی طرف سے تحائف اور اس کی خیر خبر لے کر آیا ہے۔ کیا پتا انہوں نے کیا سوچ رکھا تھا۔ شاید وہ پہلے خود غضنفر کے متعلق معلومات حاصل کرنا چاہتی تھیں۔
نائمہ، عظمیٰ اور ثنا تینوں صبح سویرے ہی آپا کی طرف چلی گئی تھیں۔ اب اماں نے اپنا جانا ملتوی کر دیا تھا، یوں ثانیہ، اماں، دادا اور مہمان کو کھانا کھلا کر کچن کی صفائی اور اپنی تیاری کے بعد وہاں پہنچی تو پانچ بج رہے تھے۔ آدھے گھنٹے میں پھوپھو بھی اپنی دونوں شفقتیں بھگا کر وہاں پہنچ گئیں۔
رات بہت جلدی کرتے کرتے بھی ان لوگوں کو گھر پہنچنے میں خاصی دیر ہو گئی۔ حیرت کی بات کہ اماں نے کوئی شور واویلا نہ کیا پھوپھو کے دل میں الگ کھدبد سی مچی ہوئی تھی۔ آخر ایسی کیا بات ہوئی کہ اماں نے بیٹی کے گھر جانا کینسل کر دیا۔ ثانیہ چاہنے کے باوجود اماں کی تاکید کے خیال سے منہ سے بھاپ بھی نہ نکال سکی، خود کو انجان ظاہر کرتی رہی۔
رات میں بستر اٹھا کر بیٹھک تک پہنچنے سے پہلے ہی اماں نے نائمہ کو گھیر لیا۔
"بیٹھک میں مہمان ہے، تم سب بچیاں آج میرے کمرے میں سو جاؤ، اور میرا بستر صحن میں چارپائی پر لگا دینا۔" نائمہ اپنی جگہ ناگواری سے گنگ ہوئی سو ہوئی، باتھ روم سے کپڑے بدل کر باہر آتی پھوپھو بھی ٹھٹک گئی تھیں۔ فوراً" قدم بڑھا کر بھاوج تک پہنچیں۔
"آخر معاملہ کیا ہے بھابی، کون آیا ہے۔" انہوں نے متجسس ہو کر پوچھا۔
"کوئی بھی ہو بی بی، تمہیں اس سے کیا، تم نے تو میری بیٹی کی لٹیا ڈبو دی نا۔ اپنے بخت کی طرح اس کے نصیب پر بھی اکلاپے کی سیاہی پھیرنے میں کوئی کسر نہ رکھی۔"
"سیاہی نہیں پھیری، میں نے آپ کی بیٹی کا بخت چمکا دیا ہے۔ اتنی تو انسان کی پرکھ ہے مجھ میں، ایک نہ

ایک دن تمہیں میری بات کی سچائی کا احساس ہو گا۔"
"رہنے دو، رہنے دو۔" اماں نے کلس کر چہرے کے آگے سے نادیدہ مکھی اڑائی۔
"تم نے تو ماں اور بھائی کی شہ پا کر اپنی سی کر لی مگر بھگت رہے ہیں میں اور میری بچیاں، جب بیاہی ہوئی بیٹی سونی مانگ کے ساتھ گھر بیٹھی ہوئی ہے تو عیب ڈھونڈتے لوگ چھوٹیوں کو کب پوچھیں گے۔" وہ کہتے کہتے چارپائی پر جا بیٹھیں جہاں ثانیہ پہلے ہی موجود تھی۔ یہی اماں تھیں جو پہلے بیٹیوں کو بسا اوقات کوسنے دینے لگتی تھیں۔
"جانے کلموہیوں کے کیسے بخت، کیسی صورتیں ہیں جو کوئی دیکھ کر جاتا ہے تو پلٹ کر واپس نہیں آتا۔" یہ تو پھوپھی بھتیجیوں کی ہمیشہ ڈھال بنتی تھیں۔
"بچیوں کے بخت اور صورتوں کو کیوں کوستی رہتی ہو ان کی صورتیں نہیں اس گھر کی غربت دیکھ کر کوئی پلٹ کر نہیں آتا۔ اپنی اکڑ ختم کرلو بھابی بہت سے مسائل کم ہو جائیں گے۔" اماں اور پھوپھو جب بھی آمنے سامنے ہوتیں دو بدو ہوئے بنا نہ رہ پاتیں۔
"اماں... ختم کریں یہ جھگڑا، گھر میں مہمان موجود ہے۔" ثانیہ کو رات گئے اس بحث بازی سے چڑ ہوئی تو دبے لہجے میں ٹوک دیا۔
"تو مہمان کے آنے سے آخر ثانیہ کے قصے کا کیا تعلق ہے۔" ثانیہ کے ٹوکنے کے باوجود دبی آواز میں سہی پھوپھو غرانے سے باز نہ رہ سکیں۔
"دیکھو لو بی بی..." (لڑنے جھگڑنے کے دوران اماں کے منہ سے پھوپھو کے لیے طنزیہ انداز میں بی بی کا ہی تخاطب نکلتا)
"تمہارا کیا اپنی جگہ... پر میں بھی ماں ہوں، آخر کو میری دعائیں رنگ لے ہی آئیں اور غضنفر کی خیر خبر مل گئی ہے۔" آخر انہوں نے اگل ہی دیا۔ پھوپھو چونک گئیں ثانیہ سر جھکائے بیٹھی رہی۔ ثنا تو آتے ہی کمرے میں ایک طرف لڑھک کر سو چکی تھی۔ نائمہ اور عظمیٰ بھی تجسس میں قریب آگئیں۔
"کیا مطلب...؟ جلدی بولو بھابی۔" پھوپھو کی بے چینی دیدنی تھی۔
"احمد نام ہے لڑکے کا... غضنفر کا دوست ہے، اسی کے ساتھ کام کرتا تھا۔ اب نوکری چھوڑ کر پاکستان آگیا ہے غضنفر نے اس کے ہاتھوں سب کے لیے تحائف بھجوائے ہیں، خود بھی چند مہینوں تک آ رہا ہے۔
دونوں مل کر شراکت میں کاروبار کریں گے۔
فی الحال کراچی میں کوئی اپنا سگا نہیں ہے۔ کہہ رہا تھا غضنفر کے حوالے سے ہی بھروسہ کر کے گھر میں تھوڑی سی جگہ کرائے پر رہنے کے لیے دے دیں۔" اماں پوری تفصیل... بتائے بنا رہ نہ سکیں۔
"ہونہہ گھر پہلے ہی مچھلی بازار سے کم ہے نا، جو ایروں غیروں کو کرائے پر بھی دے دیں۔" ثانیہ بھنا گئی تھی۔
"تین چھوٹے چھوٹے سے کمرے، جس میں سے ایک میں الماریوں اور ٹرنکوں کے ساتھ اماں قابض اور دوسرے میں اپنے سازو سامان کے ساتھ پھوپھو۔ اماں ہم کہاں رہیں گے... اس پر باتھ روم بھی ایک ہے اور وہ بھی اندرونی حصے میں۔" عظمیٰ نے جوڑ توڑ کر کے دہائی دی جواباً" اماں سے سخت قسم کی گھوری وصول کی۔
"میں نے کون سا بیٹھک کرائے پر چڑھا دی ہے۔ مجھے نہیں معلوم... جوان جہان لڑکیوں کا گھر ہے یہ تو صرف چند دن کی بات ہوئی ہے کہیں کرائے کا گھر مل جاتا ہے تو وہ چلا جائے گا۔ آخر داماد کا سنگی، اس کا بھیجا ہوا ہے، کچھ تو لحاظ کرنا پڑے گا۔"
"میں دیکھتی ہوں... کون ہے آخر..." پھوپھو سے رہا نہ گیا تو آگے بڑھیں۔
"اے بی بی... رک جاؤ..." اماں لپک کر خشمگیں انداز میں پھوپھو کے آگے جا کھڑی ہوئیں۔
"رات گئے لڑکی ذات کا ایک غیر مرد کے پاس جانا مناسب نہیں۔"
"لڑکی..." پھوپھو کا تعجب جائز تھا۔ اماں نے آج سے کتنے سال پہلے انہیں لڑکی تسلیم کرنا چھوڑ دیا تھا۔
"ہاں تو... بینتالیس کے پیٹے میں سہی مگر کنواری تو

ہو۔۔۔ جاؤ اپنے کمرے میں، صبح ملاقات کرنا۔" اماں کے حکم سے زیادہ عمر جتانے پر پھوپھو تلملاتی ہوئی اپنے کمرے میں گھس گئی تھیں۔

☼ ☼ ☼

اگلی صبح پھپھو مہمان سے مل کر بیٹھک سے نکلیں تو بڑی نہال اور خوش تھیں۔

اماں صبح فجر کی اذان کے ساتھ ہی مہمان کو جگا کر باتھ روم کے استعمال سے فراغت دلا چکی تھیں۔ پھر ثانیہ اور معوز (پھوپھو) کو نماز فجر کے لیے جگایا تھا خود بھی نماز اور تلاوت قرآن سے فارغ ہو کر اپنا پاندان لیے کچن کے پاس ہی موڑھے پر بیٹھی تھیں۔ ثانیہ سب کے لیے ناشتا تیار کر رہی تھی۔ پھوپھو چارپائی پر جا بیٹھیں۔

"بھابھو۔۔۔ اب تم اپنا نیا چشمہ بنوا ہی لو۔" پھوپھو بہت موڈ میں تھیں اسی لیے اماں کو بھابھو کہا تھا۔

"سبزی کی دکان پر سیم کی پھلیوں کے بجائے گوار کی پھلیوں پر ہاتھ رکھ دیتی ہو۔ لینے تھے پالک کے پتے اور سرسوں پر ہاتھ رکھ دیا۔ بھیا ایک کلو تول دو۔۔۔ پھر جا کر اسے دس باتیں سنائیں کہ میں نے پالک مانگا تھا۔" پھوپھو نے ہنس کر گزشتہ واقعات یاد دلائے تھے۔

"نگاہ کی کمزوری کا یہی عالم رہا تو کہیں ایسا نہ ہو میں دروازے پر دستک دوں اور تم دروازہ کھول کر پانچ کا نوٹ ہاتھ پر رکھ دو کہ جاؤ بی بی تم اب دوسرے در پر جاؤ۔" وہ کہہ رہی تھیں ثانیہ نے کھڑے کھڑے چونک کر باورچی خانے کی کھڑکی سے پھوپھو کا سرخ و سفید چہرہ دیکھا جس پر عجب سی سرخوشی چھائی ہوئی تھی۔

ابھی کل ہی تو اماں نے کہا تھا کوئی مانگنے والا ہے تو پانچ روپے دے دے کہیں یہ بات مہمان نے تو پھوپھو کو نہیں جتائی ثانیہ کو اب ذرا شرمندگی سی ہوئی تھی۔ واقعی اماں کی نظر اب بہت زیادہ کمزور بھی تو ہو گئی ہے۔ آنکھیں چندھیا کر سب کچھ دیکھنے کی سعی کرتی ہیں۔

"ثانیہ کی نوکری لگ جائے تو بنوالوں گی، پر تمہاری کمائی سے ہرگز نہیں بنواؤں گی۔" اماں بے نیازی سی کہہ رہی تھیں۔

"ثانیہ کی نوکری اب بھول جائیں، غضنفر اب آنے والا ہے اس کے ہاتھ پیلے کرنے کی تیاری کریں۔"

"سو بسم اللہ۔ وہ آئے تو سہی جو مجھ سے بن پڑا دے دلا کر عزت سے رخصت کروں گی پر تب تک تو ثانیہ کچھ نہ کچھ کرے گی۔" اماں نے مطمئن انداز میں پان بنا کر منہ میں رکھا۔

"غضنفر کو ثانیہ کے علاوہ کچھ نہیں چاہیے۔ اللہ کا دیا بہت پیسہ ہے اس کے پاس، ان سات سالوں میں کمایا ہی کمایا ہے۔ خرچ کرنے والا تو کوئی تھا ہی نہیں سب جوڑ رکھا ہے ثانیہ کے لیے۔۔۔ میں نہ کہتی تھی ثانیہ کی قسمت سونا ہے سونا۔ اور غضنفر تو ہے ہی ہیرا۔۔۔" پھوپھو بہت لہک لہک کر کہہ رہی تھیں۔

"وہ اپنے پرانے گھر کی مرمت کروا کر نئے ساز و سامان کے ساتھ سیٹ کروائے گا جب وہ یہاں والے گھر میں شفٹ ہو گا تو اسے کھانے پینے کی پریشانی کا سامنا بھی ہو گا اسی لیے وہ جلد از جلد ثانیہ کو رخصت کروائے گا۔ ثانیہ۔۔۔ تم احمد سے ملی ہو نا تمہیں وہ کیسا لگا۔" پھوپھو اٹھ کر کچن میں آتے ہوئے شوخی سے ثانیہ سے پوچھنے لگیں۔

"اے بی بی احمد میاں نے کیا اپنی دوستی کے تمام رازوں کی گٹھری تمہیں ہی سونپ دی۔" اماں کو قلق سا ہوا احمد نے ان سے یہ خوش کن باتیں کیوں نہ کیں، معوز تو پہلے ہی یہ رشتہ کروانے پر اترائی رہتی ہے۔

"ایسا ہی سمجھ لیں بھابھی۔ بہت نائس لڑکا ہے۔" انہوں نے بے ساختہ دل سے تعریف کی۔ چہرہ تو پہلے ہی جانے کس خوشی میں گلرنگ تھا لہجہ بھی کھنک رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

اماں اور پھوپھو کی تو تو میں میں برسوں پرانی تھی۔ ایسا بھی نہیں تھا کہ دونوں کو ایک دوسرے کے وجود سے ہی بیر ہو بلکہ صرف اختلاف رائے ان دونوں کو جلے بازی پر مجبور کرتا تھا۔

اسی کی دہائی میں جب پھوپھو جوان تھیں، خوبصورت تھیں، تعلیم نے ان کی خوبیوں میں چار چاند لگا دیے تھے تو ان کے نخرے بھی ان خوبیوں سے کہیں زیادہ تھے۔

ابا۔۔۔ کے بعد ثریا پھوپھو، صائقہ پھوپھو، شیراز چچا سب ہی مناسب عمر میں شادی شدہ ہو چکے تھے۔ پھوپھو اپنی خوبصورتی کے ساتھ میتھمیٹکس میں ماسٹرز اور نوکری کے بعد، بہت ہائی فائی شخص کے رشتے کی منتظر تھیں۔ دادی کی آخری لاڈلی اور چہیتی اولاد تھیں سو انہوں نے ان کی خواہشوں پہ کبھی "نہ" نہیں کی تھی۔

جب تک دادی میں دم خم رہا بیٹی کے حسب خواہش اچھا سے اچھا بر تلاش کرنے میں کوشاں رہیں۔

بہت سے رشتے آئے۔ مگر پھوپھو کو کسی کے موٹے اور ٹھگنے ہونے پر اعتراض ہوا تو کسی کی عمر زیادہ، کسی کی تعلیم کم، کسی کی نوکری ڈھنگ کی نہ ہونے پر اعتراض، کسی کی کم تنخواہ ان کے دل و دماغ کو بہانے میں ناکام رہتی، غرض یہیں سے اماں اور پھوپھو کی چپقلش کا آغاز ہوا تھا۔

عافیہ، نوا اور ثانیہ چھ سال کی ہو چکی تھی۔ بیچ میں یکے بعد دیگرے ان کے دو مردہ بیٹے پیدا ہوئے ابا اور اماں نے تو اس کو اللہ کی رضا جان لی مگر دادی اٹھتے بیٹھتے طعنے دیتیں۔

نائمہ، عظمی اور ثنا کی پیدائش تک دادی کی صحت عمر کے تنگ گھیر کی وجہ سے ڈانوا ڈول ہو گئی تھی۔ گو پھوپھو اپنی ٹیچنگ کی نوکری سے اچھا خاصا کما لیتی تھیں۔ ان بھابھی یا بھتیجیوں پر خرچ کرنے میں کبھی بخل سے کام نہ لیا (شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ ابا صرف اپنی کمائی سے گھر کا خرچ چلاتے تھے، انہوں نے کبھی پھوپھو سے ایک روپیہ تک ضرورت کے تحت وصول نہیں کیا) اپنے شوق اور ضرورتیں بھی خود ہی پوری کر لیتی تھیں، پھر بھی اماں چاہتی تھیں وہ دادی کی زندگی میں ہی اپنے گھر کی ہو جائیں، حالانکہ یہ بات دادی کے سوچنے کی تھی۔ پھر پھوپھو نے اعلان کر دیا۔

"اچھا رشتہ نہ ملے تو شادی کرنا بھی اتنا ضروری نہیں ہے، لہٰذا آئندہ کوئی ان کے لیے الٹے سیدھے رشتے تلاش کر کے ان پر شادی کے لیے دباؤ نہ ڈالے۔" انہوں نے بلاواسطہ اماں پر ہی چوٹ کی تھی، جب سے دادی بستر سے لگی تھیں اماں ہی ان پر شادی کر لینے کے لیے دباؤ ڈالتی تھیں۔

"ہاں ساری زندگی اپنی ماں کے بعد میرے سینے پر مونگ دلنا اپنی پانچ کم ہیں نا جو تمہاری نکروں کا بوجھ بھی اپنے سر پر لاد لوں۔" اماں بڑبڑائیں۔

"فکر مت کرو بھابھی۔ تم پر بوجھ نہیں بنوں گی بہت پیسہ ہے میرے پاس۔ تمہیں ضرورت ہو تو دو چار لاکھ لے سکتی ہو۔" اپنی حالیہ نکلی ہوئی کمیٹی کے حوالے سے انہوں نے اماں کو چڑایا تھا۔

مگر اماں کو شاید اسی دن ان کے غرور اور پیسے سے چڑ ہو گئی تھی۔ ابا کے نہ نہ کرنے اور اماں کی ناگواری کے باوجود انہوں نے دادی کو شامل مرضی کر کے کمیٹی کی رقم سے گھر کی مرمت اور کمروں پر شلٹو کی چھت کے بجائے ٹائلز کی چھت ڈلوالی تھی۔ تب سے اب تک اس گھر کا نقشہ ویسا ہی تھا اماں کو پھوپھو کا پیسہ لگانا گوارہ نہ تھا اور خود ان کے پاس اتنا پیسہ تھا نہیں کہ گھر میں ضرورت کے تحت تبدیلی لائی جاتی۔

سولہواں سن پورا ہوا تھا عافیہ کا۔ میٹرک کا رزلٹ آنے سے پہلے ہی اماں نے عافیہ کا رشتہ لگایا اور شور مچا مچا کر اس کی شادی کروا کر ہی دم لیا۔

"عافیہ بہت چھوٹی ہے ابھی، اتنی جلدی کیا ہے تعلیم تو مکمل کرنے دیں۔" پھوپھو بھتیجی کی ہمدردی میں اختلاف کرتیں۔

"خود میٹرک پاس ہو گی تو بچوں کی اعلا تعلیم کی طرف خاک رجحان ہو گا۔" پھوپھو غصے میں اماں پر چوٹ کرتیں، مگر اماں ان سنی کر دیتیں۔

"زیادہ چھوٹ دی تو پھوپھی کے ڈھرے پر چل نکلے

گی۔ اس وقت سے ڈر کر ہی ابھی بیاہ رہی ہوں۔" اماں کا اطمینان قابل دید ہوتا مگر پھوپھو کلس کر رہ جاتیں۔ اگر وہ من پسند شریک حیات نہ مل پانے پر آزاد زندگی گزار رہی تھیں تو کسی کو کیوں اعتراض ہوتا تھا۔

پھر کچھ اور وقت گزرا ثانیہ کا سترہواں سال لگ چکا تھا۔ اماں کو اس کی شادی کی ہوک اٹھی مگر رشتہ مناسب نہ مل رہا تھا انہی دنوں پھوپھو کی ایک ساتھی ٹیچر پھوپھو کے ساتھ گھر پر دادی کی عیادت کے لیے آئیں۔

ثانیہ انہیں اپنے منہ بولے بھائی کے لیے کچھ اتنی بھائی کہ انہوں نے گھر کی دہلیز ہی پکڑلی۔ پھوپھو کو بلاشبہ اپنی ساتھی ٹیچر کا ہمنوا ہونا تھا ساتھ ساتھ وہ بھائی اور اماں کو بھی رشتے کی خوبیاں گنواتے ہوئے راضی کرنے کی سعی کر رہی تھیں جو ان کے نزدیک خوبیاں تھیں وہ بقول اماں کے سراسر خامیاں تھیں۔

لڑکا اکیلا تھا' ماں اس کے بچپن میں ہی چل بسی تھی باپ کے ساتھ دس بارہ سالوں سے کراچی میں مقیم تھا' سارے رشتے دار پنجاب کی سائیڈ پر رہنے والے تھے لڑکے کا بی ای کا آخری امتحان ہو رہا تھا کہ باپ بھی علالت کے سبب چل بسا۔ زندگی گزارنے کے عمل میں ہاتھ پاؤں مارنے کو وہ بالکل تنہا رہ گیا تھا۔ محلے داروں سے اچھے تعلقات تھے جن میں ایک رعنا (پھوپھی کی کولیگ) بھی تھیں لڑکا باکردار سیدھا سادا اور محنتی تھا۔ ہر کوئی اسے بیٹی دینے کے لیے تیار تھا۔ مگر اس نے رعنا پر بھروسہ کیا تھا۔ یہاں مستقل جاب نہ ہونے کی وجہ سے وہ بیرون ملک جانے کے بھی انتظام کر چکا تھا۔ اماں کو اس پر زیادہ اعتراض تھا کہ شادی کر کے بیوی کو وہاں بلوانے کا چکر دے کر وہ چلا جائے اور بیوی کو نہ بلوائے تو وہ کیا کر لیں گی۔ ان کی بیٹی اس کے گھر میں تنہا تو زندگی نہیں گزار سکتی اور بیاہی بیٹی کو وہ اپنے گھر میں نہیں رکھیں گی یہ ان کے اعتراضات تھے۔ انہوں نے ابا سے کہہ دیا انہیں یہ رشتہ پسند نہیں ہے۔

مگر پھوپھو نے بھی اس معاملے میں پیچھے نہ ہٹنے کی قسم کھا رکھی تھی۔ لڑکے سے وہ خود بھی کئی بار ملی تھیں اور ہر بار مطمئن ہوئیں۔ ابا کو بھی ملوایا بات چیت کروائی۔

طے یہ پایا کہ رخصتی کے بجائے صرف نکاح کر کے نکاح نامہ سے اسے وہاں بلوانے کے انتظامات کر لے۔ اماں کی ضد بھی پوری ہو جاتی جو ثانیہ کی رخصتی کی حامی نہ تھیں یوں غضنفر کے جانے سے تین دن پہلے ثانیہ اور غضنفر کا نکاح ہو گیا۔ اماں پھوپھو کی کچی ہٹ سے بے حد ناراض تھیں۔ اس لیے غضنفر میں بھی خاطر خواہ دلچسپی نہ لی ایک دو دفعہ سرسری سا ہی دیکھا۔

اکیس سال کا دبلا پتلا' بے حد صاف رنگت کا جاذب نظر نوجوان تھا۔ بڑی بڑی کشادہ آنکھوں میں عزم و ہمت اور دیانت داری کا احساس کروٹیں لیتا صاف نظر آتا تھا ایک پھوپھو کی ضد میں انہوں نے غضنفر کو نظر انداز کیا تھا اگر عافیہ کا شوہر اتنا نظر انداز ہوتا تو تنتنا کر عافیہ کو ہی ماں کے گھر جانے سے روک دیتا۔

بہرحال غضنفر چلا گیا۔ پھوپھو نے ـــــ ایک تصویر ثانیہ کے ہاتھ میں لا تھمائی تھی۔ صرف تصویر ہاتھ میں لینے پر ہی دل کی دھڑکنوں اور ہاتھوں کے ارتعاش سے وہ پریشان ہو چکی تھی' تصویر پھوپھو کے سامنے کیا دیکھتی۔

تصویر کو الماری کھول کر اپنے کپڑوں کے نیچے ڈالنے سے قبل اس نے صرف ایک نگاہ دیکھا تھا کہ اماں نے سوتے میں کروٹ بدلی۔ ثانیہ نے گھبرا کر تصویر کپڑوں کے نیچے گھسا دی۔ کتنے ہی دن اس ایک نگاہ میں کھینچی شبیہہ نے اسے مسرور کیے رکھا تھا۔ دادی کی علالت کچھ اتنی بڑھ گئی کہ اماں گھر کے کاموں کے ساتھ ساتھ اور پھوپھو اپنی جاب کے بعد کا تمام وقت ان کی تیمار داری میں لگی رہتیں۔

ایسے میں انہیں کسی بات کا ہوش نہ تھا' رعنا باجی کے پاس غضنفر کا فون آتا رہتا تھا مگر دادی کا مسئلہ دیکھتے ہوئے انہوں نے ثانیہ کے کاغذات تیار کروانے کے لیے ان پر زور دینا مناسب نہ سمجھا۔

دادی اس دنیا سے چل بسیں' ابا کو شاید انہی کا صدمہ کھلا رہا تھا۔ بہت چپ چپ رہنے لگے تھے۔ رعنا باجی نے پھوپھو سے بات کی اور پھوپھو نے ثانیہ سے' تو وہ رونے لگی۔

"دادی کے انتقال کو دو ماہ ہی تو ہوئے ہیں اور آپ لوگ مجھے یہاں سے نکالنے کی بات کرنے لگیں۔" وہ پھوپھو سے ہی کیا' اماں کے سامنے بھی آنکھوں میں آنسو بھرے شکوہ کناں ہوئی تھی۔ اس کے ایف اے کے ـــــ امتحانات ہونے والے تھے۔ اس نے ابا سے کہا اسے پیپرز دے لینے دیں پھر کاغذات بنوانے کی بات کریں۔ ابا نے خاموشی سے یہ بات مان لی۔

گو بیٹی پرائی ہو چکی تھی مگر پھر بھی اسے خود سے بہت دور بھیجنے کے خیال سے ہی آنکھیں نم ہونے لگی تھیں۔ پیپرز ختم ہوئے' رزلٹ آیا تو وہ بہت اچھے نہ سہی مگر اچھے نمبروں سے پاس ہو گئی تھی۔

اس نے بہت جھجکتے ہوئے اپنے نام آیا غضنفر کا خط کھولا جو رعنا کے ایڈریس پر آیا تھا اور رعنا نے ہی ثانیہ کو لا کر دیا تھا جس میں غضنفر نے اپنے پانچ سالہ کانٹریکٹ' ایک پرائیویٹ کمپنی میں مکینیکل انجینئر کی جاب لگنے کی اطلاع دی تھی اور یہ کہ وہ جلد از جلد اسے اپنے پاس بلانا چاہتا ہے۔

دوسری بار وہ خط پڑھنے کے بعد ہونٹوں پر دھیمی سی جھینپی ہوئی مسکان سجائے وہ کچن سے کمرے میں آئی اپنی آنکھوں سے معدوم ہو جانے والی غضنفر کی شبیہہ وہ دوبارہ تازہ کرنا چاہتی تھی۔ کپڑے الٹ پلٹ کر اپنا خانہ' کیا باقی تمام خانے بھی پلٹ کر دیے مگر غضنفر کی تصویر نہ ملی۔ کیا پتا اماں' نائمہ' عظمی میں سے کس کے ہاتھوں وہ ادھر ادھر ہوئی۔ اسے رکھے گیارہ ماہ بھی تو ہو چکے تھے۔ اپنی لاپروائی کو کوستی وہ دوبارہ کچن میں چلی آئی اور نوٹ بک کھول کر خط دیکھا اس پر لکھے ہوئے ایڈریس اور فون نمبر کو پڑھا۔

جانے اس کے کیا جی میں آئی کہ غضنفر کو خط لکھنے بیٹھ گئی اور تو کچھ سمجھ میں نہ آیا کہ کیا لکھے ہاں دو جملے بڑے واضح لکھے۔

"میں اپنا بی اے کمپلیٹ کرنا چاہتی ہوں اگر آپ اجازت اور ساتھ دے سکیں تو۔۔۔" اور پھر جس روز ابا غضنفر سے ٹیلی فون پر بات کر کے آئے اور تھکے تھکے سے لہجے میں اطلاع دی کہ غضنفر چاہتا ہے ثانیہ اپنا بی اے مکمل کر لے تو اسے بے حد خوشی ہوئی لیکن پھوپھو بھی ابا کی طرح فکر مند ہو گئی تھیں اماں نے گرجنے کے لیے پھوپھو کو نشانہ بنایا۔

"اسی دن کے لیے میں اس رشتے کے حق میں نہ تھی۔" اپنے خدشات بیان کرنے کے بعد وہ کہہ رہی تھیں۔

"بھابھی۔ ثانی کی عمر نہیں نکلی جا رہی' تعلیم انسان میں سمجھ بوجھ کو بڑھا دیتی ہے۔ اگر غضنفر چاہتا ہے ثانی تعلیم مکمل کر کے اس کے ساتھ ازدواجی زندگی شروع کرے تو آپ کو کیا اعتراض ہے۔" پھوپھو کا اماں سے اختلاف ہمیشہ کی طرح انہیں پتنگے لگا گیا۔ مگر ابا نے انہیں ٹھنڈا کر دیا۔

"جیسا غضنفر چاہتا ہے ہمیں ویسے ہی کرنا چاہیے۔" انہوں نے بات ختم کرتے ہوئے ثانیہ کو آگے ایڈمیشن لینے کا کہہ دیا اب اسے قسمت کا ہیر پھیر کہیں گے یا کچھ اور کہ ادھر ثانیہ کے پیپرز ہو رہے تھے ادھر ابا بستر سے لگ گئے۔

دکان بند ہو گئی' پھوپھو نے پتا نہیں کس کس طرح کے واسطے دے کر اماں کو ابا کے بہتر علاج کے لیے راضی کیا کہ اماں پھوپھو کا پیسہ ابا کے علاج پر نہ لگانا چاہ رہی تھیں۔ ثانیہ کے پیپرز ہو گئے۔ ادھر پھوپھو نے ابا کے علاج میں کوئی کسر نہ رکھی مگر جانے کیسی بیماری تھی مکمل طور پر قابو میں آئے بنا ہی ابا کو قبر تک لے گئی۔

یہ پورے گھر والوں کے لیے بہت کڑا وقت تھا۔ اماں پر تو غم کا پہاڑ ٹوٹا تھا۔ پھوپھو بھی کم نڈھال نہ تھیں' سب بہنیں الگ سہمی ہوئی سی تھیں۔ عظمی اور ثنا کی تو عمریں بھی اتنی نہ تھیں۔ رعنا باجی نے غضنفر کو اطلاع دے دی تھی اس کا تعزیتی خط تمام گھر والوں کے لیے اور ایک الگ ثانیہ کے لیے آیا تھا۔ دونوں نے اپنے رشتے کو جانے کیسی بندشوں میں جکڑ رکھا تھا کہ خط و کتابت میں بھی جذبات سے عاری' حالات

کے متقاضی چند روایتی جملوں کے علاوہ کچھ اور نہ کہتے سنتے تھے۔

ابا کے چالیسویں تک عزیز و اقارب کی آمد کے ساتھ گھر کے اخراجات پھوپھو نے اپنی جمع شدہ رقوم میں سے چلائے۔ چالیسویں کے بعد اماں کے حواس تھوڑے تھوڑے کام کرنے شروع ہوئے۔ فکر معاش نے انہیں بوکھلایا۔ ان کے پاس تو جمع جتھا بھی کچھ نہ تھا۔ اس پر چار جوان ہوتی بیٹیوں کے معاشی، تعلیمی اور شادی بیاہ کے اخراجات، جب تک دکان کرائے پر نہ چڑھی دکان میں موجود الیکٹرونک کا سامان بیچ کر ہاتھ کی تنگی دور کرنے کے لیے رقم محفوظ کرلی۔ مگر یہ رقم بھی آخر کتنے مہینے تک کھائی جاسکتی تھی۔ دکان کا کرایہ بس اتنا ہی آجاتا تھا کہ مہینے کا راشن ڈالا جاسکتا تھا۔

پھوپھو اماں کی انا پرستی پر چڑتی تھیں۔ جوان کے پیسوں پر اپنا کوئی حق نہ سمجھتی تھیں یا شاید زمانے سے ڈرتی تھیں لوگ انگلی نہ اٹھائیں، معاشی بوجھ اٹھانے کے لیے نند کو کنوارہ رکھ چھوڑا ہے۔

ثانیہ اس صورت حال سے بہت گھبرائی، اسی پریشانی میں اس نے غضنفر کو خط لکھ ڈالا۔

"آپ کا کانٹریکٹ ختم ہونے میں تین سال ہیں، اور میں چاہتی ہوں آپ کانٹریکٹ ختم کرکے یہاں ہی آجائیں پھر ہم اپنی ازدواجی زندگی کا آغاز کریں۔

دراصل ہم پر اب جو مشکل وقت پڑا ہے، اس میں، میں اماں کا ساتھ نہیں چھوڑنا چاہتی۔ معاشی مسائل کی جدوجہد میں ان کا ہاتھ بٹانا چاہتی ہوں، گھر کی بڑی بیٹی ہونے کے ناتے یہ میرا فرض بھی بنتا ہے مگر چونکہ میں اس گھر کی بیٹی ہونے کے ساتھ ساتھ آپ کے نکاح میں بھی ہوں تو اس سب کے لیے مجھے آپ کی اجازت کی ضرورت ہے امید ہے آپ میرا مسئلہ سمجھیں گے، محض تین سال کی تو بات ہے امید ہے آپ میری خواہش پر غور کریں گے۔" خط ہر بار کی طرح کالج سے لیٹر بکس میں ڈال کر آنے کے بعد کتنے دن تک وہ غضنفر کے رد عمل کے بارے میں متجسس اور فکر مند رہی اس دوران اس نے پھوپھو کے ساتھ ہی ٹیچنگ شروع کردی۔ اماں نے کوئی اعتراض نہ کیا۔

مہوز سے پیسے لیتے ان کی انا اور عزت نفس آڑے آتی تھی، مگر بھتیجیوں پر تو ان کی پھوپھی حق رکھتی تھیں۔ بنا کہے کتنی ہی ضرورتیں بھتیجیوں کی مہوز پوری کردیتیں اور وہ کچھ نہ کہہ پاتیں۔

جب ثانیہ نے اپنی پہلی قلیل سی تنخواہ اماں کے ہاتھ پر لا رکھی تو ان کی آنکھیں چھلک پڑی تھیں۔

"بیٹی بھی تو پرائی امانت ہے اسے مشقت کی بھٹی میں دھکیلنا انہیں زیب نہیں دیتا۔" دل نے دہائی دی تھی مگر منہ پھاڑے کھڑے معاشی مسائل کے آگے انہوں نے دل کی دہائی کو نظر انداز کردیا تھا۔ اب ابا کی جگہ پھوپھو غضنفر سے بات کرنے پی سی او چلی جاتی تھیں بسا اوقات غضنفر کا فون اسکول کے پرنسپل روم میں ان کے لیے آجاتا تھا۔

پھوپھو کے لاکھ کہنے کے باوجود ثانیہ کبھی فون پر غضنفر سے بات کرنے کی ہمت خود میں مجتمع نہ کرسکی خط میں اپنی مرضی کی یکطرفہ بات لکھ دینا آسان تھا مگر فون پر سوال و جواب، وضاحتیں، خواہش، اگلی مرتبہ بات کرنے کے وعدے، یہ سب اسے ناممکن لگتا تھا۔

پھوپھو بگڑتیں اس پر۔

"کیسی بیوی ہو۔ تین سال ہوگئے نکاح کو تمہارا دل نہیں چاہتا اس سے باتیں کرنے کو۔" اور وہ سر جھکائے خاموشی سے سن لیتی۔ اب تو بات کرنا اس کے لیے اور ناممکن تھا اگر وہ اسے اپنے پاس آنے کے لیے کہہ دیتا تو وہ کیا کرتی۔

یہ نہیں تھا کہ وہ اس کے پاس نہیں جانا چاہتی تھی، بس اماں کو مسائل میں گھرا ہوا چھوڑ کر نہیں جانا چاہتی تھی۔ جس حد تک وہ مسائل کم کرسکتی تھی کرنا چاہتی تھی۔

ثانیہ کے خط کے جواب میں غضنفر کا پھر کوئی خط نہیں آیا۔ رعنا باجی اور ان کی پوری سسرال کوہاٹ شفٹ ہوچکی تھی اس لیے اب خط انہی کے گھر آنا چاہیے تھا۔

غالباً" تین یا چار مہینے گزرے ہوں گے جب ابا کے

گھر ثانیہ کے نام بینک ڈرافٹ آیا تھا۔ ایک کثیر رقم کا جو غضنفر نے گھر کے اخراجات اور ضروریات کے لیے بھیجا تھا۔ اتفاق سے ایک بجے اسکول سے آنے کے بعد ثانیہ نے ہی وصول کیا تھا۔ اس نے خاموشی سے وہ چیک محفوظ جگہ پر رکھ دیا ایک ماہ گزرے تھے کہ پھر اخراجات کے لیے ایک معقول رقم کا چیک ثانیہ کے نام آیا۔ دروازے سے ہی عظمیٰ نے اسے پکارا تھا کہ آپ کی ڈاک آئی ہے۔

وہ چیک وصول کرکے اندر آئی تو اماں نے پوچھ لیا غضنفر کا خط آیا ہوگا اس نے سر ہلا دیا تھوڑی دیر بعد پھر اماں سے رہا نہ گیا۔

"کب آرہا ہے کچھ لکھا ہے اس نے...؟" ثانیہ نے ان کے پوچھنے پر بغیر لب ہلائے نفی میں سر ہلا دیا۔ خط میں اور کیا لکھا تھا یہ سب کریدتے اماں کو جھجک آگئی جب سے پھوپھو نے اماں کو بتایا تھا غضنفر سال ڈیڑھ سال تک خود آنے والا ہے اماں نے خدشات دل سے نکال کر چپ سادھ لی تھی۔ اسی لیے جب ڈاکیہ آیا تو انہوں نے یہی سمجھا ثانیہ کے لیے خط آیا ہوگا۔ اسی لیے آنے کا پوچھا تھا۔ اسے پتا ہوتا تو بتاتی ثانیہ کو لگ رہا تھا اس کے سینے پر کوئی سل دھری ہے جسے ہٹانا سانس لینے کے لیے بہت ضروری ہے پھوپھو کے ساتھ رہتے، بینک آتے جاتے، اسے اتنی معلومات حاصل کرنے میں دشواری نہ ہوئی کہ ڈرافٹ اور چیک کیسے واپس بھجوایا جاتا ہے۔ یوں اس نے ضروری کارروائی کے بعد بینک کے ذریعے ہی وہ رقم غضنفر کو واپس بھجوادی، کاغذ پر تحریر ان جملوں کے ساتھ کہ۔

"ساری زندگی اماں اور ابا نے خودداری کے ہمراہ گزاری، مرنے کے بعد میں ابا سے کیسے ان کی خودداری اور عزت نفس چھین کر انہیں دکھ سے ہمکنار کردوں... میں ان پیسوں کا ذکر کرکے اماں کو بھی ناراض نہیں کرسکتی ہوں۔ مجھ سے جو بن پڑا کرلوں گی۔ آپ آئندہ یہ زحمت نہ کیجیے گا۔" اسے نہیں معلوم تھا اس نے اتنے سخت الفاظ تحریر کردیے یا پیسے واپس کردینا غضنفر کو برا لگا اس کے بعد سے غضنفر نے چند مہینوں بعد بھیجے جانے والے لفظوں کا رابطہ بھی منقطع کردیا۔

پھوپھو جس نمبر پر فون کرتی تھیں وہ نمبر بھی بند ہوگیا۔ پھوپھو حقیقتاً" بوکھلا گئی تھیں۔ ثانیہ کے پاس تو خط کیوں نہیں آتا کا جواب تھا مگر آٹھ مہینے سے جو بات سب سے چھپائے ہوئے تھی کیسے بتادیتی، پھوپھو نے اس سے غضنفر کا ایڈریس لے کر اپنی تسلی کے لیے خود خط لکھا برابر والے مرزا صاحب کا ٹیلی فون نمبر بھی دیا کہ وہ فوراً" انہیں فون کرے مگر کئی مہینے بعد تک جواب ندارد...

"پھوپھو... ان کا کانٹریکٹ دو سال تک ختم ہوجائے گا۔ آنا تو انہوں نے یہاں ہی ہے نا۔" غضنفر نے آنے کے بارے میں اسے کچھ بھی نہیں لکھا پھر بھی جانے کس برتے پر پورے یقین سے وہ پھوپھو کو تسلی دے رہی تھی۔

"بے وقوف لڑکی...! شادی شدہ مرد اگر اچانک اپنوں سے رابطہ توڑ دے تو جانتی ہو اس کا کیا مطلب ہوتا ہے۔" پھوپھو کے خشمگیں لہجے سے وہ ڈر گئی تھی۔

"یعنی اس کی دلچسپیوں کا رخ کسی اور جانب ہوگیا ہے اور وہ "کسی" لڑکی بھی ہوسکتی ہے۔ بہرحال تم پریشان مت ہو... میں اس سے رابطے کا کوئی ذریعہ تلاش کرتی ہوں۔" اپنی بات کی سنگینی کا انہیں احساس ہوا تھا اسی لیے فوراً" تسلی دینے کا انداز اپنایا تھا۔

اسی دوران پھوپھو نے اس کی ایما پر بینک میں آتے جاتے کسی سے کہہ سن کر اس کی نوکری لگوادی۔

زندگی خاموش ندی کی طرح ایک ڈگر پر چل نکلی تھی، نائمہ کا گریجویشن کمپلیٹ ہوا تو پھوپھو نے اسے بیوٹیشن کا کورس کروادیا تھا۔ وہ قریبی بیوٹی پارلر میں گیارہ سے پانچ بجے تک سروس دیتی تھی۔ مگر بقول اماں کے اس کے اپنی شکل نکھارنے سنوارنے پر ٹیکس لگتا تھا جب ہی خود گھر میں سر جھاڑ منہ پہاڑ لیے پھرتی تھی البتہ پھوپھو، عظمیٰ اور ثنا کے مزے ہوگئے تھے۔ دونوں کا گریجویشن کا تیسرا سال تھا۔

ثانیہ کے چہرے پر جو قدرتی ملاحت و جاذبیت تھی اسے دیکھتے ہوئے نائمہ خود اسے کوئی کاسمیٹکس پروڈکٹس استعمال نہ کرنے دیتی تھی۔

"ان چیزوں کی عادت ڈال لی تو قدرتی حسن فنا ہو جائے گا۔" وہ ہنس کر کہتی' ثانیہ کو خود ان چیزوں سے دلچسپی نہ تھی' اسے کوئی فرق نہ پڑتا تھا' بینک جاتی تین بجے تک گھر آکر تھوڑی دیر آرام کرتی اور پھر کام کاج میں لگ جاتی۔

وہ ہر ماہ اپنی تنخواہ کے پورے چھ ہزار اماں کے ہاتھ پر رکھتی تو پلٹ کر نہ پوچھتی اماں اس کا کیا کرتی ہیں۔ نائمہ جو لاتی وہ بھی اماں کے ہاتھ پر رکھتی' قناعت قدرت کی طرف سے ان بہنوں کو عطا ہوئی تھی' ہر کوئی اپنے حال پر مطمئن تھا۔

ہاں اب سال بھر سے جو اماں کو ثانیہ اور نائمہ کی شادی کی ہوک اٹھتی تو نشانے پر پھوپھو ہی آتیں' دو کے بجائے چار سال ہونے کو آئے تھے مگر غضنفر آیا نہ اس کی کوئی اطلاع آئی پھوپھو نے دو سال تو اماں کو کسی نہ کسی طرح بہلا لیا تھا مگر جب مزید دن گزرنے لگے تو وہ ثانیہ کے سامنے منت و اصرار پر اتر آئیں۔

"بتا دے ثانی۔۔۔! تم دونوں میں کوئی اختلاف تو نہیں ہو گیا ہے نا۔ جس کی بنا پر غضنفر نے خاموشی اختیار کرلی۔" ثانیہ اپنی طرف سے یقین دلا چکی تھی مگر دل میں اس کے چور تو تھا۔ جبھی نماز پڑھ کے پابندی سے اس کے لوٹ آنے' خیر خبر ملنے کی دعائیں مانگا کرتی تھی۔ مگر دعائیں قبول نہ ہونے اور اماں اور پھوپھو کی آئے دن کی تلخیوں سے وہ چڑچڑی اور ناامید ہو چلی تو اچانک غضنفر کی طرف سے تحائف اور اس کے آنے کی اطلاع لے کر یہ شخص چلا آیا تھا۔

☼ ☼ ☼

لاکھ وہ داماد کا "دستگی" سہی مگر اس کے ہوتے ہوئے اماں نے گویا بیٹیوں کو مرغی کی مانند اپنے پروں میں چھپایا ہوا تھا۔ کچھ وہ بھی بے ضرر سا تھا کسی کو زیادہ پریشان نہ کیا۔ صبح ناشتا کر کے جو نکلتا تو شام ڈھلے ہی اور بعض اوقات رات گئے گھر میں آتا تھا۔

اور جب اسے آنے میں دیر ہوتی تو پھوپھو کی بے چینی اپنے عروج پر ہوتی تھی۔

ادھر وہ

مہمان بیٹھک کا دروازہ بجاتا' ادھر پھوپھو غڑاپ سے اندر پھر پھوپھو کے واپس نکلنے کا انتظار کر کے اماں کھلے دروازے سے اندر داخل ہوتیں تو دھیمی آواز میں باتیں کرتے دونوں ہی خاموش ہو جاتے۔ مہمان اماں سے حال احوال پوچھتا' بیٹھنے کی پیش کش کرتا اور اماں بھنا کر بیٹھک سے نکل آتیں۔

وہ اس کے آنے کے بعد کا پانچواں روز تھا' گرمی اور حبس کا زور کچھ کم ہوا تھا۔ خوشگوار شام کا اختتام قریب تھا جب بیٹھک میں ہونے والی دستک پر صحن کی چارپائی پر بیٹھی بالوں میں مہندی لگاتی پھوپھو ہاتھوں پر سے مہندی چپڑی پلاسٹک کی تھیلی اتارتے اندر لپکی تھیں۔

"دیکھ لو کیسے اتاولی ہوئی بھاگی ہے۔" اماں کا جلا بھنا جملہ پھوپھو کی سماعت تک بھی پہنچا ہوگا' مگر انہوں نے جوابی حملہ کرنا گوارہ نہ کیا آج کل پھوپھو اپنے خوشگوار موڈ کے تحت اماں کے بہت سے طنز ہنس کر پی جاتی تھیں۔

دوسرے ہی منٹ میں پھوپھو کی واپسی ہوئی تھی۔ کئی قسم کے فروٹس اور نمکو کے لفافوں کے ساتھ وہ سیدھی کچن میں ثانیہ کے پاس جا پہنچیں۔

"ثانی ان آموں کا سب کے لیے شربت بناؤ۔ میرے اور احمد کے لیے لے کر بیٹھک میں آجانا۔" لفافے کچن کاؤنٹر پر رکھ کر وہ پلٹیں۔

"اور ہاں ان لفافوں میں دودھ بھی موجود ہے۔۔۔ ذرا دھیان سے کھولنا۔" کہتے ہوئے وہ چارپائی تک گئیں' اپنے مہندی لگے ہاتھوں پر کپڑے کا بنا ہوا لفافہ پہنا اور دوبارہ بیٹھک میں چلی گئیں۔

اماں ان کے جاتے ہی کچن میں آئیں' بے حد ناگواری سے لفافوں میں موجود اشیا کو دیکھا اور پھر صحن میں جا کر پاندان گھسیٹ کر سامنے رکھتے ہوئے ایک بار پھر پان کی گلوری بنانے لگیں' جتنی زیادہ ٹینشن انہیں ہوتی تھی اتنا ہی زیادہ پان وہ کھاتیں۔ ایک کے بعد ایک پان کی گلوری منہ میں رکھنے سے ثانی کو ان کی ذہنی پریشانی کا اندازہ ہو جاتا تھا۔

شربت بنا کر ٹرے میں جگ اور گلاس رکھتے اس نے بیٹھک کے دروازے پر دستک دی تھی۔

"پھپھو۔۔۔" پردہ ہٹائے بنا دستک کے ساتھ اس نے آواز بھی دے ڈالی۔

"اندر آجاؤ ثانی۔" پھوپھو کی چہکتی ہوئی آواز سنائی دی۔ ثانیہ نے نگاہ ترچھی کر کے اماں کو دیکھا۔۔۔ ان تک بھی پھوپھو کی آواز آئی ہوگی۔۔۔ اماں پان چبائے خشمگیں نگاہوں سے اسے ہی دیکھ رہی تھیں۔ وہ غڑاپ سے بیٹھک کا پردہ ہٹا کر اندر جا گھسی۔ ٹرے احتیاط سے سینٹرل ٹیبل پر رکھ کر احمد کو دیکھے بنا سلام کر کے واپس جانے کو مڑی۔ اماں کا اشارہ وہ سمجھ چکی تھی۔

"بیٹھو ثانی۔" پھوپھو نے اس کا ہاتھ پکڑ کر روکا۔

"نہیں وہ۔۔۔ اماں۔۔۔" کچھ جھجکتے ہوئے مہروز کو اس نے اماں کا غصہ یاد دلانا چاہا۔

"چھوڑو بھابی کو۔۔۔ احمد کو دیکھو کیسے مزے مزے کی باتیں کرتا ہے۔" پھوپھو نے اسے زبردستی کھینچ کر بٹھا ہی لیا۔ اس نے خفت سے احمد کو دیکھا۔ اس کے اندازے کے مطابق وہ اسے دیکھتے ہوئے مسکرا رہا تھا۔ اس نے گڑبڑا کر نگاہیں ہٹالیں۔

"اور ایک اچھی خبر بھی سنو۔" پھوپھو گلاسوں میں شربت انڈیلتے ہوئے بولیں۔

"احمد کو اپنے لیے تو کوئی ڈھنگ کا کرائے پر کمرہ ملا نہیں۔ لیکن غضنفر نے اپنے مکان کی از سر نو تعمیر اور فرنشنگ وغیرہ کا کام اسے سونپ دیا۔ غضنفر کو احمد پر بہت اعتماد ہے۔ اس کے باوجود غضنفر نے تاکید کی ہے کہ گھر کا سب کام تمہاری مرضی سے ہوگا۔ کچھ دنوں تک احمد ایک اچھے آرکٹیکچر سے تمہارے گھر کا نقشہ بنوا کر لائے گا' تم دیکھ لینا۔ غضنفر کے ذکر پر ثانیہ کی پلکیں لرز کر جھک گئی تھیں۔ ادھر اماں کی ناراضی کا سوچ کر وہ الگ پریشان تھی' بنا کچھ کہے گھبرا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ نگاہ پل بھر کو احمد کی طرف اٹھی اور دوسرے پل اس کے قدموں نے سرعت سے بیٹھک کی دہلیز پار کرلی۔

"توبہ۔۔۔ کیسی بولتی ہوئی پرشوق نگاہیں تھیں۔۔۔ بڑی معنی خیز سی۔۔۔ اور لبوں پہ تبسم۔۔۔ جیسے ہمہ وقت کے لیے چسپاں رہتا ہو۔" صحن میں آکر گہری گہری سانسیں بھرتے اسے اندازہ نہ ہو سکا کہ اماں اسے کیسی ناپ تول والی نگاہوں سے دیکھ رہی ہیں۔

☼ ☼ ☼

"اماں۔۔۔ یہ مہمان آخر کب جائے گا؟" رات گئے صحن میں بیٹھی مچھروں کے کاٹنے سے اکتائی ہوئی عظمی اپنے دل میں پنپتا سوال لبوں پہ لے ہی آئی۔ لائٹ نہ ہونے کے سبب وہ سب صحن میں ہی موجود تھیں۔ ثنا کی نیند بدمست ہاتھی کی مانند تھی۔ کوئی بھی حالات ہوں' کیسا ہی موسم ہو اس کی نیند پر کچھ اثر انداز نہیں ہوتا تھا۔ اب بھی وہ چارپائی کے ایک جانب دبکی مزے سے سو رہی تھی۔ باقی کی جگہ پر اماں عظمی اور ثانیہ بیٹھی ہوئی تھیں۔ نائمہ دادا کی کوٹھری میں چارپائی پر لیٹی ہوئی میگزین موم بتی کی لو میں پڑھ رہی تھی۔ ان دنوں شکر تھا۔ دادا' چچا کی طرف رہنے گئے ہوئے تھے۔

"مہمان اللہ کی رحمت ہوتے ہیں اور رحمت کے لوٹ جانے کی بات نہیں کرتے۔" کچن کے پاس جلتی گیس لائٹ میں پھوپھو کوئی کتاب پڑھ رہی تھیں۔ عظمی کے بے زار سوال پر جھٹ نصیحت کی۔

"اگر معاملہ غضنفر تک پہنچنے کا نہ ہوتا تو میں کب کا اسے چلتا کرتی۔۔۔ خیر ایک دو دن میں بات کرتی ہوں۔" اماں جیسے خود سے کہہ رہی تھیں۔ بمشکل ہی کوئی سن پایا تھا۔

"مہمان رحمت ہو تب نا۔۔۔ میرے لیے تو زحمت ہی ہے۔ لائٹ جانے کے باوجود کیسی پیاری ہوا' بیٹھک کی بیرونی کھڑکیوں سے آتی ہے۔ کہ نیند نہ آنے

کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور یہاں کبوتر کے کابک نما کمروں میں مچھروں سے جنگ کرتے رات گزر جاتی ہے۔ ان کابکوں میں جتنا زیادہ سامان بھرا ہے اس سے کہیں زیادہ مچھروں کی پیداوار ہے۔" عظمیٰ منہ بناتے ہوئے کہے جا رہی تھی اور پھوپھو کتاب بند کیے اسے گھور رہی تھیں۔

"جھوٹ بولنے سے چہرے کی رونق اڑ جاتی ہے عظمیٰ میرے پہلو سے لگی ساری رات خراٹے بھر کر سوئی ہے۔ پھر بھی ناشکری کی باتیں کر رہی ہے تو۔"

"آپ کے پہلو سے یا نائمہ کے پہلو سے؟ آپ تو اپنا بیڈ شیئر کرنا ہی گوارہ نہیں کرتیں۔" عظمیٰ نے یاد دلایا۔

"بیڈ پر اس کا وجود سمانے کے بعد جگہ بچے گی تو یہ شیئر کرے گی بیٹا۔" اماں نے بھی طنز کیا۔

"صحیح تو کہہ رہی ہیں بھابھی... بھرا ہوا ہاتھ دیکھ کر جھولی پھیلانا چاہیے... یہاں ہاتھ بھر جگہ نہیں بچتی تو اس موٹی کو چھ فٹ لمبی چوڑی جگہ کہاں سے دوں۔"

"پھوپھو..." عظمیٰ برا مان کر چیخی۔

"خدا کے واسطے... آپ لوگ فضول گفتگو کرنا بند کریں۔" ثانیہ آواز دبا کر ناگواری سے بڑبڑائی۔

"لائٹ نہیں ہے' اس سناٹے میں مہمان کو ان ڈائریکٹ باتیں سنانے سے بہتر ہے' سامنے بٹھا کر جو کہنا ہے کہہ کر چلتا کریں... بلکہ بہتر ہی یہی ہے کہ اسے اب رخصت کر دیا جائے۔" اس کے لہجے کی تلخی پر مہوز نے غور کیا۔

"ثانی... تم احمد کے لیے اتنی کانشس کیوں ہو رہی ہو۔" انہوں نے مدھم روشنی میں اس کے چہرے کے تاثرات کھوجنے چاہے۔

"وہ تو مہمان ہے۔ ایک دن چلا ہی جائے گا۔"

"مہمان ہے تو مہمان بن کر رہے' بلائے جان نہ بنے۔" بڑے عجیب سے جھنجلائے ہوئے انداز میں کہہ کر وہ اماں کے کمرے میں اپنے بستر پر جا لیٹی۔ وجود میں عجیب سی بے چینیاں اتر آئی تھیں۔

"وہ کیوں ایسا کر رہا ہے۔" اس کی آنکھوں میں دھند سی اترنے لگی... کل وہ اسے بینک سے واپسی پر ملا تھا۔

"ثانیہ... اگر آپ برا نہ مانیں تو میں آپ سے تھوڑی سی باتیں کرنا چاہتا ہوں۔"

"کیوں..." اس کے ساتھ ساتھ قدم اٹھانے پر وہ محتاط ہو کر چلتے ہوئے پوچھ بیٹھی تھی۔

"بس... میرا دل چاہتا ہے میں آپ سے باتیں کروں۔" اتنی سنجیدہ سی خواہش پر ثانیہ نے سٹ پٹا کر اسے دیکھا تھا۔ اس کی نگاہ شوق کا عالم وہی تھا جو وہ پہلے محسوس کر چکی تھی۔ وہ اپنے دل کی بات کیوں کر رہا تھا' جبکہ وہ جانتا تھا' وہ غضنفر کی منکوحہ ہے۔

"میں نے غضنفر کے پاس آپ کی تصویر دیکھی تھی... بہت رشک آیا تھا مجھے اس کی زندگی پر... کہ ایک بہت اچھی لڑکی۔"

"گویا اب مجھ سے مل کر آپ کا امیج ٹوٹ چکا ہے۔" یہی اخذ کرتے ہوئے ثانیہ نے برجستگی سے احمد کی بات کاٹی۔

"اور اب آپ افسوس کر رہے ہوں گے۔" اس کی بات پر احمد ہنس پڑا تھا۔

"اندازہ لگانے میں بہت جلد بازی کر لی آپ نے۔ میری پوری بات تو سنی ہوتی۔" دونوں ہاتھ پشت پر باندھے اس کے ہمراہ چلتا ہوا وہ شاید بہت سرشار سا تھا۔ مگر ثانیہ بہت کنفیوژ تھی۔

"غضنفر سے بہت ذکر سنا تھا آپ کا... اور یہاں آ کر آپ سے ملنے کے بعد بارہا مجھے اپنی قسمت کے زور آور نہ ہونے پر افسوس ہوا ہے۔" ثانیہ نے اس کی بات نہ سمجھ میں آنے پر مطلب پوچھتی نگاہوں سے اسے دیکھا تھا۔

"مطلب تو میں بعد میں بتاؤں گا۔ آج آپ کو صرف یہ بتانا چاہتا ہوں۔" وہ ساتھ ساتھ چلتے عین اس کے سامنے اس طرح آ کھڑا ہوا تھا کہ ثانیہ اپنا قدم نہ روک لیتی تو بیچ راہ میں اس سے ٹکرا جاتی۔ دونوں کے بیچ چند انچ کا فاصلہ تھا۔ ثانیہ اس کی اس حرکت پر بے حد حیرت سے آنکھیں وا کیے اسے دیکھنے لگی۔

تب ہی احمد کے گھنی مونچھوں تلے مسکراہٹ دبائے ہونٹ ہلے تھے۔

"ثانیہ... جن ساحرانہ آنکھوں میں' میں نے کسی کی پرچھائیں نہیں دیکھی... من کو گرماتی جسم و جان میں ہلچل مچاتی ملن کی آس نہیں دیکھی۔ ان آنکھوں کو میں اپنا تصور... اپنے جذبات دان کرنا چاہتا ہوں۔" ان الفاظ کی ادائیگی کے وقت اس کے لہجے میں جانے کیسی گمبھیرتا اور کشادہ آنکھوں میں اندر تک اتر کر جھانک لینے کا غرور جھلک رہا تھا کہ ثانیہ کو اپنا وجود کسی بھٹی میں سلگتا ہوا محسوس ہوا۔ اسے لگا وہ اپنے قدموں پر کھڑی نہ رہ پائے گی۔ کیا مطلب تھا اس کی اس بات کا۔

"کیا وہ ثانیہ پر... طنز کر رہا تھا۔" احمد پلٹ کر جانے کس سمت جا چکا تھا۔ بدقت اس نے بھی قدم آگے بڑھا دیے تھے۔

اس آدھے دن اور پوری رات وہ الجھن میں مبتلا اس کے لہجے' اس کی باتوں کے معنی جاننے کی سعی کرتی رہی اور صبح بینک میں اپنی سیٹ تک پہنچتے ہی اس نے سب سے پہلا فون جو ریسیو کیا وہ احمد کا ہی تھا جو کہہ رہا تھا۔

"ثانیہ... غضنفر مجھ سے آپ کی بے چینیوں' آپ کے انتظار سے متعلق پوچھتا ہے... مگر میں نے یہ تمام احساسات آپ میں دیکھے ہی نہیں ہیں تو میں اسے کیا بتاؤں... خاموش رہ جاتا ہوں کہ اس سے زیادہ مجھے آپ کے دل کی پروا ہو چلی ہے۔" ثانیہ نے اور کچھ سننے سے پہلے کھٹ سے ریسیور کریڈل پر ڈال دیا تھا۔ اس کے لفظوں میں یہ کیسی حدت تھی کہ اس کی سماعتیں سن کر پگھلنے لگی تھیں۔ پسینے میں بھیگی ہتھیلیاں آپس میں پیوست کیے کتنی دیر لگی تھی' اسے خود کو سنبھالنے میں۔

نہیں' یہ وہ کس راستے پر جا رہی ہے۔ بلکہ یوں کہنا چاہیے' احمد اسے کس راستے پر لگا رہا ہے۔ اس کی زندگی اتنی ارزاں یا اس کے معمولات اتنے سہل تو نہیں ہیں کہ کسی کے شوخی ابرو پر قربان کر دے۔ وہ غضنفر سے دور ہے' یہ احمد نے دیکھا' ان کے گھریلو حالات و معاشی معاملات پریشان کن ہیں یہ بھی احمد کو علم ہے اور یہ سب جانتے ہوئے احمد ثانیہ کی کمزوری کا فائدہ اٹھائے۔ یہ ثانیہ کو گوارہ نہ ہوا... گھر آنے تک اس نے خود کو سنبھال ہی لیا' کیا خبر وہ احمد سے کچھ پوچھے اور وہ جو جواب دے وہ ثانیہ کی توقع کے برخلاف ہو تو...

یوں بھی اس نے اب تک زبان سے ڈائریکٹ ثانیہ سے ایسا کچھ نہیں کہا تھا کہ ثانیہ اس کی خبر لیتی۔ مگر جن نگاہوں سے وہ اسے دیکھتا تھا' وہ اپنا بنا لینے کی خوگر پراعتماد نگاہیں کیوں اسے اپنا اعتماد ڈانواڈول کرتی محسوس ہوتی تھیں۔

رات بستر پر لیٹ کر ثانیہ آنکھیں بند کیے غضنفر کی شبیہ پلکوں تلے لانے کی سعی کرنے لگی' تاکہ احمد کی بات غلط ثابت کر سکے۔

مگر جب جب پلکیں موندتی' دو پرکشش بولتی اور چیلنج کرتی آنکھیں پلکوں کے اندھیروں میں آ کر روشنی بکھیرنے لگتیں' یہ پرشوق آنکھیں احمد کی تھیں' وہ کیوں اسے اتنی گہری نگاہوں سے دیکھتا تھا۔ بہت کوشش کے باوجود وہ غضنفر کی تصویر والی شبیہ اپنے ذہن میں نہ لا سکی تو خفا ہو کر اپنی کھلی آنکھیں چھت پر مرکوز کر دیں اور یوں ہی خفا خفا سی کھلی آنکھوں میں کب نیند اتر آئی اسے پتا ہی نہ چلا۔

صبح پھوپھو کے زبردستی جھنجوڑنے پر اس کی آنکھیں کھلیں' رات بھر کی بے آرامی اس کی بوجھل نشیلی آنکھوں سے عیاں تھی۔

"تم... کسی قسم کے ڈپریشن میں ہو ثانی۔" اس کے ہمراہ ناشتا کرتے ہوئے پھوپھو نے آرام سے پوچھا تھا۔

"نہیں تو پھوپھو... آپ کو ایسا کیوں لگا۔" ثانیہ نے نظریں چرائیں۔ مبادا رت جگے کی سرخی ہی اندر کی پریشانی نگاہوں کے رستے عیاں کر دے۔

"دیکھو... پریشانیاں چھپانے سے مسائل بڑھتے ہیں' جبکہ شیئر کر لینے سے نا صرف من کا بوجھ ہلکا

ہوجاتا ہے۔ مسائل کا بہتر حل ڈھونڈنے میں بھی آسانی ہوجاتی ہے۔ اینی وے۔۔۔ آج احمد تمہیں بینک سے پک کرلے گا۔"

"لیکن کیوں۔۔۔" ثانیہ کے ماتھے پر بل آگئے تھے۔

"پوری بات تو سن لیا کرو۔ اپنی اماں کی طرح تمہیں بھی بیچ میں سے ٹوک کر سوالات پوچھنے کی بیماری ہے۔" پھوپھو کے ڈپٹنے پر وہ چپ تو ہوگئی۔ مگر نگاہوں میں ان کے حکم سے متفق نہ ہونے کا تاثر لیے انہیں دیکھتی رہی۔

"بھئی مجھ سے احمد نے اپنے گھر کے لیے فرنیچر اور دیگر ضروری سامان پسند کروانے میں مدد کا کہا تھا' اب میرے پاس آج وقت ہی نہیں ہے' وہ عارفہ ہے نا۔۔۔ اس کی انگیجمنٹ میں لازی جانا ہے' تمہیں شاید علم نہ ہو' احمد نے اپنے لیے ایک پوش ایریا میں ڈبل اسٹوری تیار شدہ بنگلہ لیا ہے۔ تو اس کی آرائش کرنا رہتا ہے۔ پسند کا مرحلہ طے ہوجائے تو ایک سے دو دن میں سامان اس کے بنگلے میں ڈلیور ہوجائے گا' پھر اسے یہاں رہنے کی ضرورت بھی نہیں رہے گی۔ صبح میں نے احمد کو سی آف کرتے ہوئے اپنی مجبوری بتا کر تمہیں ساتھ لے جانے کو کہہ دیا ہے۔ بھابھی کی فکر مت کرنا' میں ان سے کہہ دوں گی آج تمہیں ڈیڑھ سے دو گھنٹہ اوور ٹائم لگ جائے گا۔"

"اف۔۔۔" پھوپھو کی اپنی من مانیوں نے ثانیہ کا غصہ نقطہ عروج پر پہنچا دیا۔۔۔ مگر اس کے پاس اتنا وقت نہیں تھا کہ وہ پھوپھو سے بحث کرتی' دیر ہوجانے کا سوچ کر وہ اٹھی اور گھر سے نکل گئی۔

ثانیہ نے سوچ لیا تھا' وہ آف ہونے سے آدھ گھنٹہ قبل چھٹی لے کر گھر کے لیے نکل جائے گی۔ اس طرح احمد کے ساتھ جانے سے جان چھوٹ جائے گی اور پھوپھو کے جھوٹ سے بھی بچی رہے گی۔

"ثانیہ۔۔۔" وہ اپنا پرس کھول کر کرایہ نکالتے ہوئے اپنے اسٹاپ کی بس کا انتظار کررہی تھی' جب وائٹ کرولا اس کے نزدیک آن رکی تھی اور اس کے نام کی مدھم سی پکار ہوئی تھی' مگر ثانیہ بری طرح ڈر کر ذرا سا پیچھے ہٹی تھی۔

"مجھے اندازہ تھا آپ یہی کچھ کریں گی۔ اس لیے پچھلے دو گھنٹے سے یہاں آپ کا انتظار کررہا تھا۔" احمد گاڑی سے نکل کر اس کے پاس آن کھڑا ہوا۔ اس کی پرشوق بولتی نگاہوں کو نظرانداز کرکے اس کے متبسم ہونٹوں کو ثانیہ نے کچھ غصے سے دیکھا۔

"دیکھیے۔۔۔ میں آپ کے ساتھ نہیں جانا چاہتی' کیونکہ میری پسند بہت اعلا و ارفع ہے اور نہ مجھے اس کا تجربہ ہے۔ بہتر ہوگا کل آپ پھوپھو کو ہی لے جائیں۔" وہ جل بھن کر بولی اور منتظر نگاہیں ادھر کرلیں جہاں سے اس کے روٹ کی بس آنی تھی۔

"ثانیہ پلیز' آپ ذرہ بھی پسند کریں گی تو وہ میرے لیے سونے کے برابر ہوگا' سو پلیز۔۔۔ مجھے آپ کا تھوڑا سا وقت چاہیے۔" وہ ملتجی ہوا تھا' ثانیہ نے اک گہری سانس بھری' لوگ آتے جاتے ان دونوں کو تک رہے تھے۔ وہ اس کے سامنے اپنی کم اعتمادی کو ظاہر نہیں کرنا چاہ رہی تھی۔ اس لیے اثبات میں ذرا سا سر ہلایا۔

"پلیز۔۔۔" احمد نے جھٹ خوش ہوکر گاڑی کا فرنٹ ڈور کھول دیا اور ثانیہ کے بیٹھنے کے بعد بولا۔

"فی الوقت تو گاڑی کرائے پر لی ہے۔ جلد ہی ان شاء اللہ اپنی لے لوں گا۔ تمہیں کون سا ماڈل پسند ہے۔" کن انکھیوں سے دیکھتے وہ آپ سے تم پر تو آیا ہی۔۔۔ ساتھ ہی اس کی پسند بھی پوچھی۔

"ہم جیسے بسوں میں سفر کرکے خوش رہنے والے ایسی عیاشیوں پر ریسرچ نہیں کرتے۔" وہ تڑخ کر گویا ہوئی اور کھڑکی کی طرف رخ موڑ کر باہر دیکھنے لگی۔

تھوڑی دیر بعد وہ ایک بڑے سے فرنیچر شوروم میں داخل ہورہے تھے' جہاں مختلف اقسام و ڈیزائن اور کلرز کے فرنیچر کو بیڈ روم یا ڈرائنگ روم کے سیٹ اپ میں ترتیب دیا گیا تھا۔

اس کی معیت میں چلتے بے زاری کے باوجود ثانیہ کی نگاہ بھٹک بھٹک کر بے حد دیدہ زیب ڈیزائن کے وائٹ کلر کے بیڈ روم سیٹ پر جارہی تھی۔ مگر وہ احمد کو اپنی پسند بتانا نہیں چاہ رہی تھی۔ حالانکہ احمد اس نظروں کا بھٹکنا پوری طرح محسوس کررہا تھا۔ اسی لیے اس سے پوچھا۔

"کچھ پسند آیا ثانیہ۔"

"نہیں۔۔۔" ثانیہ جان بوجھ کر نفی میں سرہلا گئی۔

"اگر آپ کو کچھ پسند آرہا ہے تو پلیز۔۔۔ دیر نہ کریں' مجھے گھر بھی جانا ہے۔" وہ تیزی سے بولی۔

"او کے۔۔۔ تم رکو میں بس تھوڑی دیر میں آتا ہوں۔" وہ اس کی قطعیت محسوس کرکے غالباً فرنیچرز کی ڈلیوری کے سلسلے میں معاملات طے کرنے گیا تھا۔

وہاں سے نکلنے کے بعد ثانیہ کو گاڑی میں ہی بیٹھے رہنے کا کہہ کر وہ دو ایسے مال میں بھی گیا تھا جہاں گھر کی آرائشی اشیا دستیاب ہوتی ہیں۔ ثانیہ کو اس کے کسی کام سے دلچسپی نہ تھی۔ سو فکرمندی سے وقت دیکھتی بے نیاز بیٹھی رہی۔ ایک بار پھر گاڑی آگے بڑھی تھی۔

"آئیں ثانیہ۔۔۔" ثانیہ نے اس کے مخاطب کرنے پر حیرانی سے اس گھر کو دیکھا' جس کے سامنے وہ کھڑے تھے۔

"یہ آپ مجھے کہاں لے آئے۔" ثانیہ کی حیرانی بجا تھی۔ پھوپھو نے کسی کے گھر جانے کا کوئی ذکر نہ کیا تھا۔

"یہ گھر ہے ثانیہ۔۔۔ ہمارا گھر۔۔۔ اس گھر کو میں صرف تمہاری پسند سے سجانا سنوارنا چاہتا ہوں۔ اسی لیے پھوپھو سے تمہیں ساتھ لے جانے کی اجازت لے کر آیا ہوں' آؤ اپنے گھر کو اندر سے نہیں دیکھوگی۔" وہ ہولے ہولے کہتا اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ کر اسے حیران و پریشان ہوتے دیکھنے لگا۔

"یہ کیا بکواس ہے۔" ثانیہ نے اپنا ہاتھ کھینچا اور جھٹ سے گاڑی سے نکل کر باہر کھڑی ہوگئی۔ احمد بھی گاڑی کا ڈرائیونگ ڈور کھول کر اس کے پیچھے اترا۔

"یہ سچ ہے ثانیہ۔ اس گھر کا چپا چپا تمہارا منتظر ہے' مجھ پر اور اس گھر پر تمہارا حق و اختیار ہے۔ میں نہیں جانتا تم مجھ سے کوئی انسیت رکھتی ہو یا نہیں' لیکن میں تم سے۔۔۔" جذبات کی رو میں اعتراف کرتے احمد اس کی طرف آیا تھا۔

"بس کریں احمد صاحب۔۔۔ پلیز۔۔۔ آپ کو مجھ سے یہ سب کہنا زیب نہیں دیتا۔" ثانیہ نے تڑپ کر تیز لہجے میں احمد کی بات کاٹی تھی۔

"ثانیہ میری بات سنو۔۔۔ میں پھوپھو کی اجازت سے ہی تمہیں یہاں لے کر آیا ہوں۔۔۔ ویسے بھی تم میری ہی ہو تو مجھے تم سے کچھ کہنا ہے۔"

"آپ نے یہ سوچ بھی کیسے لیا کہ میں آپ کے کہنے پر آپ کے ساتھ اس گھر میں چلی جاؤں گی۔ میری ذات کو بیچ چوراہے پر رکھا سامان سمجھ لیا ہے' میرے اپنوں نے بھی اور غیروں نے بھی۔۔۔ بہت دکھ ہورہا ہے مجھے اس بات سے کہ ہر کوئی اپنے حسب خواہش میرے متعلق فیصلے کررہا ہے۔ کسی کو میری عزت نفس کی پرواہ ہی نہیں ہے' حتیٰ کہ آپ کو بھی نہیں' میں کبھی بھی آپ کو اس سب کے لیے معاف نہیں کروں گی احمد۔" دکھ سے ثانیہ کی آواز بوجھل اور پلکیں نم ہوچلی تھیں۔ احمد سوچ ہی رہا تھا کہ کس طرح اس پر سب کچھ واضح کرے۔

اتنے میں ثانیہ نے قریب سے گزرتا ایک رکشا روکا اور سرعت سے اس میں چڑھ بیٹھی۔ احمد لب بھینچے اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔

☆ ☆ ☆

شام ڈھلے وہ گھر پہنچی تھی' اماں نے کوئی سوال و جواب نہ کیا' پھوپھو بھی اطمینان سے اپنے کمرے میں پاؤں پسارے اپنے نیلز فائل کرتی ملیں' وہ ان ہی کے پاس اپنا بیگ پھینکتی غصے میں بیٹھ گئی۔

"مجھے آپ سے اتنی غیر ذمہ داری کی امید نہیں تھی پھوپھو۔ کیا سوچ کر آپ نے مجھے اس شخص کے ساتھ بھیجا تھا۔ کیوں میرا بار' بار تماشا بنا رہی ہیں۔ کیوں پھوپھو۔" وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

"کیا ہوا۔۔۔" پھوپھو اسے چپ کرانے کو آگے بڑھیں تو اس نے ان کے ہاتھ جھٹک دیے۔ گویا یہ ان سے خفگی کا اظہار تھا۔

پھوپھو کشمکش میں پڑ گئیں' جانے اس کے اور احمد کے بیچ کیا بات ہوئی تھی۔ انہیں پہلے احمد سے معلوم کرنا چاہیے' پھر ثانیہ کو چھیڑیں گی۔ یہی سوچ کر وہ احمد کے انتظار میں چپ رہ گئیں اور ثانیہ اپنی اتنی بےعزتی پر کڑھ کڑھ کر رات بھر دادا کی کوٹھری میں روتی رہی۔

احمد ایک طرف اسے غضنفر سے الگ کر رہا تھا تو دوسری طرف غضنفر کو بھی دھوکہ دے رہا تھا۔

جو بھی ہو غضنفر اس کا شوہر تھا۔ ہر حال میں اس نے ثانیہ کا ساتھ دیا تھا۔ پھر کیوں کر وہ پھوپھو کے سراسر غلط ارادوں کو کامیاب ہونے دیتی۔ احمد کی چند ذومعنی باتوں سے جو اس کے اندر ہلچل مچی تھی کہ شاید وہ اسے ہی پسند کر رہا ہے۔ خیانت کا جو احساس اس کے من میں چٹکیاں بھر رہا تھا' وہ احمد کی آج کی حرکت سے بالکل صاف ہو چکا تھا' اب وہ غضنفر کے ساتھ اپنے رشتے اور ارادوں میں مضبوط ہو رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

صبح وہ سو کر اٹھی تو رات بھر جاگنے اور رونے کے سبب سر بھاری بھاری سا ہو رہا تھا۔ جسم میں حرارت بھی محسوس ہو رہی تھی۔ اماں نے اس کا یہ حال دیکھا تو پیچھے پڑ گئیں۔

''چھٹی کر لے' کل بہت تھک کر آئی تھی نا' اتنا کام کا بوجھ ڈالا ہوا ہے ناس ماروں نے... آدھی ہو کر رہ گئی ہے میری بچی۔''

ثانیہ کا کچھ بھی کرنے کو من نہ چاہ رہا تھا۔ اس لیے اس نے بھی اماں کے کہنے پر چپ چاپ ان کی بات مان لی اور سارا وقت نڈھال سی چارپائی پر پڑی رہی۔ شام ڈھلی تو اسے احمد کا انتظار ہوا۔ اس نے سوچ لیا تھا' اب اسے اپنے لیے خود ہی کچھ کرنا ہو گا اور اس کے لیے اس کا احمد سے ایک بار ملنا ضروری تھا۔ شام گہری رات میں ڈھل گئی اور پھر...

رات صبح میں تبدیل ہو گئی۔ اس کا انتظار' انتظار ہی رہا... احمد ان کے گھر نہ آیا۔

''پھوپھو... احمد کہاں ہیں؟'' پھوپھو کے اسکول جانے سے پہلے وہ ان کے سر پر کھڑی کڑے تیوروں سے پوچھ رہی تھی۔

''وہ تو اپنے گھر چلا گیا ہے' پرسوں رات ہی اپنا سامان لے گیا تھا' کیوں... تمہیں کوئی کام ہے اس سے۔''

''بزدل... میں اتنا ہی حوصلہ تھا کہ مجھے گمراہ نہ ہوتے دیکھ کر بھاگ نکلا۔'' اپنے دکھتے سر کو دونوں ہتھیلیوں کے بیچ دبا کر اک گہری سانس خارج کرتے اس نے سوچا تھا۔ پھوپھو نے ایک گہری جانچتی نگاہ اس پر ڈالی تھی۔

''کوئی کام ہے تو مجھے بتا دو۔ میں اسے فون کر لوں گی۔''

''نہیں... مجھے اس سے ملنا ہے۔ میں شام میں آپ کے اسکول آ جاؤں گی' آپ میرے ساتھ چلیے گا... مجھے اس سے کچھ بات کرنی ہے۔'' ثانیہ اپنی بات کہہ کر پلٹی تو مہوز اس کی پشت پر نگاہیں جمائے سوچنے لگیں۔

''ثانیہ کیا بات کرنا چاہتی ہے۔'' اتنا وہ جانتی تھیں کہ ثانیہ کمزور پڑنے والی لڑکی نہیں ہے۔ پھر اسے غصہ کس بات پر ہے... چلو میں خود آج احمد کے لیے اس کا دل صاف کروں گی' دونوں کے بیچ کسی بھی قسم کی غلط فہمی یا ناراضی ثانیہ کے لیے نقصان دہ ہے۔ اس سے پہلے کہ بات خراب ہو تمام بات کلیئر کر دینی چاہیے... اسکول جاتے تمام راستے وہ ان ہی دونوں کے بارے میں سوچتی رہیں۔

شام میں ثانیہ پھوپھو کے ساتھ اس گھر کے آگے کھڑی تھی' جس کے دروازے سے وہ دو دن پہلے لوٹ گئی تھی۔

احمد نے بے حد تپاک سے ان کا خیر مقدم کیا تھا' جیسے اسے پہلے سے ان کے آنے کی خبر ہو' ثانیہ نے خشمگیں نگاہوں سے پھوپھو کو دیکھا' یہ کارنامہ ان ہی کا ہو سکتا تھا۔

''آئی ایم ساری پھوپھو... میرا لاؤنج اور ڈرائنگ

"جس بات کو آپ ادھورا کہہ رہے ہیں۔ وہی میری عزت نفس پر تازیانہ تھی احمد صاحب آپ نے مجھے سمجھنے میں بہت بڑی غلطی کرلی ہے۔ ایک مرد اگر کسی لڑکی کو کمزور دیکھے بس سمجھ کر لوٹ کا مال سمجھ لے تو ایسے شخص کو منہ توڑ جواب دینا ضروری ہوجاتا ہے۔" جہاں ثانیہ کا تنفس لمحہ بہ لمحہ بڑھ رہا تھا وہیں احمد حق دق کھڑا اس کے سخت لہجے کی نفرت سہہ رہا تھا جو کہہ رہی تھی۔

"سالوں سے اگر میرا شوہر میرے پاس نہیں ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ میں کمزور پڑ گئی ہوں' ہم دونوں کے بیچ جو بھی کمٹ منٹ رہی ہے' ہمیں اس کا پاس کرنا ہے۔ الحمد للہ غضنفر سے دور رہنے کے باوجود میرا کردار و میرے ارادے بے حد مضبوط ہیں' اس میں دراڑ ڈالنا آپ کے بس کی بات نہیں مسٹر احمد۔ اور ہاں۔۔۔ میں آپ کی چند اور غلط فہمیاں دور کردینا چاہتی ہوں۔۔۔ تاکہ آپ مزید کسی غلط گمان میں نہ رہیں۔

غضنفر کو میں نے دیکھا نہیں ہے' مگر اس سے میرا دل و روح کا رشتہ مضبوط ہے۔ رہی بات آپ کی دل والی آبزرویشن کی تو جان لیجیے مسٹر احمد۔۔۔ میں ایک معاشی مسائل میں گھری ماں کی بیٹی ہونے کے ساتھ ساتھ ایک باکردار اور باحیا لڑکی بھی ہوں' جو اپنے شوہر سے وابستگی و محبت کا اشتہار لگانا اپنی توہین سمجھتی ہے۔ اسی غلط فہمی کی بناپر آپ کو اپنی من مانی کرنے کا موقع مل گیا ہے۔ دونوں سینے پر بازو لپیٹے ایک دوسرے کے آمنے سامنے ایک دوسرے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے دیکھ رہے تھے۔ فرق صرف اتنا تھا کہ احمد اسے بہت جذب کے عالم میں پیار سے دیکھ رہا تھا' جبکہ ثانیہ کی نگاہوں میں سرد مہری کا عکس رچا ہوا تھا۔ جسے مٹانے کا طریقہ وہ سوچ رہا تھا۔

"اب پلیز۔۔۔ مجھے غضنفر کا نمبر دے دیں۔۔۔ میں غضنفر سے خود بات کرنا چاہتی ہوں۔"

"غضنفر احمد خود تمہارے سامنے کھڑا ہے ثانیہ۔۔۔ آج دل کی ساری بھڑاس نکال لو۔۔۔ اس کے بعد شاید تمہیں زندگی بھر مجھ سے کوئی شکوہ نہ رہے۔" وہ مسکرا کر اطمینان سے گویا ہوا۔

"اوہ پلیز۔۔۔ ثانیہ ناگواری سے آنکھیں میچ کر کھولتے ہوئے گویا ہوئی۔

"غضنفر کو دھوکا دے کر مجھے توڑنے کے لیے آپ اور کتنا گریں گے۔"

"یہ سچ کہہ رہا ہے ثانیہ۔۔۔" پھوپھو کولڈ ڈرنک کے ہمراہ اندر آئی تھیں' ٹرے انہوں نے بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پر رکھ دی اور ثانیہ کے پاس آکر اس کے ہاتھ پکڑ لیے۔

"یہ غضنفر ہی ہے۔۔۔ میری بات کا تو یقین کرو گی نا۔"

"پھوپھو۔۔۔ آپ میرے ساتھ بہت غلط کرنے کی کوشش کرچکی ہیں۔ مجھے مزید بے وقوف مت بنائیں۔" احمد کو دیکھتے وہ بے یقینی سے سرہلا رہی تھی۔ اتنے میں احمد نے ٹیبل کی دراز سے ایک تصویری فریم نکالا اور ثانیہ کی نگاہوں کے سامنے سیدھا کردیا۔ ثانیہ کھلی آنکھوں میں بے یقینی بھرے کبھی اپنے اور غضنفر کے نکاح والے روز کی تصویر کو دیکھتی اور کبھی سامنے کھڑے احمد کے چہرے کے نقوش کو' بلاشبہ وہ غضنفر ہی تھا' یہ سب کیا ہورہا تھا اس کے ساتھ۔۔۔ وہ سر تھام کر دھیرے دھیرے پیچھے ہٹنے لگی۔

"غضنفر کے آنے پر تم نے اور بھابھی نے اسے نہیں پہچانا تو یہ بہت پریشان ہوا تھا' پھر اس نے بھابھی کے اپنے متعلق خیالات جاننے کے لیے خود کو غضنفر کا دوست ظاہر کیا۔ کیونکہ وہ خود بھی گلٹی فیل کررہا تھا کہ دوسری جگہ شفٹ ہوجانے کے بعد سے وہ ہم لوگوں سے رابطے میں نہ رہا تھا' تو شاید ہم اس سے ناراض ہوں' یہی وجہ تھی کہ غضنفر نے بھابھی سے غلط بیانی کی' مگر جب میں صبح غضنفر سے ملی تو فوراً" اسے پہچان لیا اور اس سے بازپرس کی تھی کہ کیوں اس نے بھابھی کو اپنے متعلق نہیں بتایا' میں خود سب کو غضنفر کے آنے کی خوشخبری سنانا چاہتی تھی۔ مگر۔۔۔ غضنفر نے یہ کہہ کر مجھے روک دیا کہ سچ جان کر شاید ثانیہ اس کے سامنے نہ آئے اور بھابھی الگ داماد کی خاطرداری میں پریشان ہوتی پھریں گی۔ جبکہ وہ صرف چند روز میں اپنے گھر کی رینوویشن کرواکر وہاں چلا جائے گا۔

مگر اسے نئے گھر کا مشورہ میں نے ہی دیا تھا۔ تب ہی احمد کو خواہش ہوئی کہ وہ تمہیں ساتھ لے جاکر تمہاری پسند سے کچھ چیزیں اور ضروری سامان لینا چاہتا ہے۔ اسی لیے میں نے تمہیں احمد کے ساتھ جانے دیا۔۔۔ ہمارا ارادہ غضنفر احمد کا نیا گھر سیٹ ہوتے ہی سب کو سرپرائز دینا تھا۔

"مجھے اس پوری کہانی سے کوئی سروکار نہیں۔" وہ پھوپھو کے سہل انداز میں سچ بتانے پر دکھ و صدمے سے کہتی غضنفر احمد کو دیکھنے لگی۔

"میں سمجھ پائی ہوں تو صرف اتنا کہ آپ نے اپنے اختیار کا غلط استعمال کیا ہے۔ مذاق بنایا ہے میری خودداری' میری عزت نفس کا' احمد بن کر مجھے بہکانے کی سعی کی تھی۔ آزمانا چاہ رہے تھے مجھے کہ میں اپنے نفس کے تابع ہوں یا نہیں۔۔۔ بصورت دیگر مجھے چھوڑنے کا اختیار تو تھا ہی آپ کو۔" سرد مہری سی سرد مہری تھی لہجے میں۔

"ایسا کچھ نہیں ہے ثانیہ۔" غضنفر تڑپ کر آگے بڑھا۔

"ایسا ہی ہے۔۔۔ کتنی پاگل اور بے وقوف تھی میں' جو اپنے دل کے کورے کاغذ پر صرف اور صرف آپ کی سنگت کے لمحات تحریر کرنے کے خواب بُجو دیکھتی رہتی تھی اور آپ مجھ سے مل کر پہلے مجھے پرکھنا چاہ رہے تھے' میں آپ کے لائق بھی ہوں یا نہیں۔" اب اس کا لہجہ ہی نہیں' نگاہیں بھی زخم زخم سی غضنفر احمد پر جمی تھیں' پھر یک دم وہ پلٹی اور کمرے سے نکل گئی۔

"ثانیہ۔۔۔ تم جو کچھ بھی سوچ رہی ہو یا کہہ رہی ہو وہ سب سراسر غلط ہے۔" غضنفر اس کے پیچھے لپکا اور چند قدم میں ہی اسے بازوؤں سے جکڑ کر اپنے سامنے زبردستی روکنے کی سعی کرنے لگا۔

"چھوڑیں مجھے۔۔۔ میں ابھی آپ سے کوئی بات' کوئی صفائی سننا نہیں چاہتی۔" وہ آنکھوں کی نمی چھپانے کو اس کی جانب سے رخ موڑ گئی۔

"رونا چاہتی ہو تو بے شک رو لو۔۔۔ مگر مجھے غلط مت سمجھو' تمہاری پرکھ یا تمہاری آزمائش میرا مقصد ہو تو مجھے اگلی سانس نصیب نہ ہو۔۔۔ میں نے تم پر خود سے زیادہ بھروسہ کیا ہے ثانیہ! صرف تمہارے لیے میں نے دور دیس میں خود کو کسی بھی قسم کی غلاظت سے بچاکر رکھا۔ جو لڑکی اپنے خونی رشتوں کے لیے بے حد حساس و خوددار ہوسکتی ہے وہ اپنے شوہر کے لیے کتنی دیانت دار ہوگی' اس کا مجھے علم تھا۔

ہاں میں مانتا ہوں تمہیں اپنے سامنے پاکر مجھے اپنی نگاہوں اور اپنے جذبات پہ اختیار نہ رہتا تھا' تم میری شریک زندگی تھیں' اسی بنا پر تمہارے لیے اپنی پسندیدگی ظاہر کردی۔ تم مجھ سے انجان تھیں' مجھے غلط سمجھنے میں حق بجانب بھی تھیں۔

تم میرے لیے کیسی فیلنگز رکھتی ہو یہ جاننا میرا حق تھا ثانی' مگر اس کے لیے میں نے غلط وقت کا انتخاب کرلیا۔ آئی ایم ساری ٹو سے ثانی۔۔۔ چاہے جانا ایک مرد کی بھی خواہش ہوتی ہے۔ یہی جاننے کے لیے میں نے تمہیں ہرٹ کیا۔ مگر جلد ہی مجھے اپنی غلطی کا احساس ہوگیا تھا۔ میں تمہیں سچ بتانے کے لیے ہی یہاں لایا تھا۔ میری بات سنے بنا ہی تم چلی گئیں۔" بتاتے بتاتے غضنفر کی گرفت ڈھیلی ہوئی تھی۔ ثانیہ نرمی سے اپنا بازو چھڑاتی وہیں نیچے جانے والی پہلی

سیڑھی پر بیٹھ کر بے آواز رونے لگی۔ شاید وہ سچ کہہ رہا ہو' ثانیہ نے اسے سمجھنے میں غلطی کرلی ہے۔ دل تاویلیں دینے لگا۔ غضنفر سچ کہہ رہا ہے' ایک شوہر کی حیثیت سے حال دل بتانے اور اس کے دل کا حال جاننے کی جلد بازی کرلی' تو اسے معافی مل جانی چاہیے۔ دور دیس سے اس کی خاطر تو لوٹ کر آیا ہے' نہ آتا تو وہ کیا کرلیتی۔

"پلیز۔۔۔ پلیز آئی ایم ساری ثانی پلیز۔" وہ بھی اس کے برابر سیڑھی پر بیٹھتے ہوئے ملتجی ہوا تو ثانیہ اپنا دوپٹہ درست کرتے ہوئے تھوڑا دور کھسک گئی۔

"دیکھو اب تم زیادتی کررہی ہو' میں تمہارا ہزبینڈ ہوں' ایسی بھی کیا دوری' قریب رہ کر بھی معافی تلافی ہوسکتی ہے۔" ثانیہ کو نرم پڑتے دیکھ کر اس کے انداز میں شوخی در آئی۔ ثانیہ گھبرا کر اٹھ کھڑی ہوئی مگر غضنفر نے اس کی کلائی تھام کر اسے جانے سے روکا۔

سنو کچھ دیر رک جاؤ
کوئی تدبیر کرلیں گے

جو سارے خواب دیکھے ہیں
انہیں تعبیر کرلیں گے

بنا تیرے یہ جیون ہم
کہو کیسے بتائیں گے

ثانیہ کو جانے سے روکنے کے لیے کسی نظم کا ایک حصہ بڑے خوب صورت لہجے میں وہ گنگنانے لگا۔

"رہنے دیں' مجھے یہ شاعری وغیرہ سمجھ میں نہیں آتی۔" ثانیہ نے دل کی دھڑکنیں سنبھالنے کی سعی میں اپنے دوپٹے سے چہرے پر موجود آنسوؤں کے نشان صاف کرتے ہوئے غضنفر کو دھیرے سے ٹوکا تھا۔ غضنفر آہستگی سے ہنستے ہوئے اسے دیکھتا رہا۔

"میری سنگت میں رہوگی تو بہت آسانی سے سمجھنے لگوگی۔ تم نے مجھے معاف کردیا ہے نا۔" ثانیہ کچھ نہ بولی اور کلائی چھڑانے کی سعی میں دوبارہ ہلکے سے جھٹکے پر اس کے برابر میں جا بیٹھی۔

"اب ہاں بول بھی دو ثانیہ۔۔۔ بے چارا کب سے گڑگڑا رہا ہے۔" پھوپھو پیچھے سے آکر کڑے تیوروں سے ثانیہ کو گھورتے ہوئے گھرکنے لگیں۔ وہ غضنفر کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دیکھتے ہوئے چھڑانے کی سعی میں حیا سے سر جھکا گئی۔

"ابھی گھر جاکر مجھے تمہاری اماں کے سامنے بھی احمد کو غضنفر احمد ثابت کرنے کے لیے ایک لمبی بحث و مباحثہ تو تو' میں میں کا معرکہ سر کرنا ہے۔ میرا تو ابھی سے ان کے ساتھ ہونے والی جنگ کا سوچ کر سر دکھ رہا ہے۔ تمہیں رکنا ہے تو رکو' غضنفر تمہیں چھوڑنے آجائے گا' میں رکشا پکڑ کر چلی جاتی ہوں۔" وہ فراٹے سے کہتی دونوں کو پھلانگ کر دھم دھم زینہ اترنے لگیں۔

"پھوپھو۔۔۔ رکیں۔۔۔ میں بھی ساتھ چلوں گی۔" اس نے بے بسی سے اپنی کلائی غضنفر کے ہاتھ میں جکڑی دیکھی۔

"پہلے بتاؤ۔۔۔ ایک ماہ بعد تمہیں رخصت کرا کر اس گھر میں لانے کی بات کروں پھوپھو سے۔"

"اتنی جلدی۔۔۔" وہ پھر ہراساں ہوئی' ساتھ ہی پچھتانے لگی کہ ناراضی ختم کرنے کا اظہار کیوں کردیا۔

"میرا بس چلے تو آج' ابھی' اسی وقت سے تمہیں یہاں سے خود سے دور نہ جانے دوں' مگر ہائے رے زمانے کے ریت و رواج۔" غضنفر نے ٹھنڈی سی آہ بھری' ثانیہ سرخ پڑنے لگی۔

"اتنی گرمی میں ٹھنڈی آہیں بھرنا صحت کے لیے اچھا ہے۔ اب مجھے جانے دیں گے تو ہی ہمیشہ کے لیے لائیں گے نا۔" بمشکل ثانیہ نے آواز نکال کر اسے پھوپھو کے جانے کا اور اپنے ماننے کا احساس دلایا تھا اور کلائی چھوٹتے ہی وہ سرپٹ گیٹ کی طرف بھاگی تھی۔

گیٹ پر پھوپھو اس کا انتظار کررہی تھیں۔ اس کے گلگوں چہرے کو دیکھ کر پھوپھو نے شکر ادا کیا کہ بدگمانی کے بادل چھٹے تو سہی۔ رکشا میں بیٹھی دونوں ہی اپنی اپنی جگہ سرمئی شام کی رعنائی کو پوری طرح محسوس کررہی تھیں۔

☆ ☆

"شہر کے گنجان علاقے میں سفاک شوہر کے ہاتھوں معصوم بیوی کا قتل"

ابھی تو وہ تدفین سے آرہی تھی کہ شام کے اخبار نے چار کالمی خبر لگا دی تو فریال تم آج خبر کا حصہ بن گئیں" برکہ نے افسوس کے ساتھ سوچا اور بہت سے رکے ہوئے آنسوؤں نے آنکھوں کی راہ پکڑلی۔ ہاکر تو خبروں پر نمک مرچ چھڑکتا آگے نکل گیا لیکن اس کی سوچوں کو ماضی کے دریچے پر لا کھڑا کیا۔

"برکہ تم ہمارے گھر کیوں نہیں آتیں؟" آج فضا خالہ نے جیسے اس سے جواب لے کر ہی چھوڑنا تھا۔ زبان پر آئے جواب کو اس نے کئی مرتبہ تولا لیکن خالہ بھی تو اصرار کیے جارہی ہیں تو بتا ہی دینا چاہیے برکہ نے دل کڑا کیا۔

"خالہ بات یہ ہے کہ آپ کے گھر ماشاءاللہ ہر وقت مرد ہوتے ہیں نا اس لیے مجھے آنا جانا اچھا نہیں لگتا۔"

"یہ کیا بات ہوئی مردوں کی موجودگی کی بات تم نے خوب ہی کہی کیا تمہارے گھر اور بلڈنگ کے دوسرے گھروں میں خدا نا خواستہ مرد نہیں ہیں؟" فضا خالہ خاصی چراغ پا ہوئی تھیں۔

"خالہ ہوتے تو ہیں لیکن ایک مقررہ وقت پر چلے جاتے ہیں آنے جانے اور ملنے ملانے میں کوئی قباحت محسوس نہیں ہوتی۔" برکہ نے اپنی صفائی پیش کی۔

"یہ تو خیر نہ آنے کا ایک بہانہ ہے۔" خالہ نے برا منایا تھا۔ برکہ فضا خالہ یا ان کی بیٹیوں کے متعلق برا گمان نہ رکھتی تھی لیکن گھر میں مرد و خواتین، اپنے پرائے ہر طرح کے لوگوں کا جمگھٹا سا لگا رہتا جس سے پردہ داری متاثر ہوتی جبکہ اس کا خیال تھا کہ حیا تو ماحول ہی سے پیدا ہوتی ہے اور یہ بات تھی بھی سو فیصد درست۔

خیر سے خالہ کی اپنی بھرپور فیملی تھی آٹھ بیٹیاں اور چار بیٹے اچھا وقت تھا خالہ نے ایک ساتھ تین فلیٹ بک کرائے تھے اور کچھ اس ترکیب سے درمیانی دیواریں ہٹائی گئی تھیں کہ پلازہ کے تیسرے فلور پر حویلی کا گمان ہوتا چار، چار کمروں کی دو روشیں اور ان کے آگے دو بڑے دالان ہوادار کھلا کھلا اور روشن، جس کو خالہ کی بیٹیوں کے سلیقے نے چار چاند لگا دیے تھے۔ جو آتا اس کا دل لگ جاتا اور کچھ خالہ کی اپنی عادت بھی سب سے مل جل کر رہنے کی تھی۔

☼ ☼ ☼

"اے ہے آفتاب! تجھے اتنا تیز بخار ہے اور یوں بستر رول رہا ہے۔" خالہ نے بھانجے کے ماتھے پر بخار کی حدت کو محسوس کر کے دہائی دی۔ ایک تو خالہ بھانجے کا رشتہ ایسا، پھر عادت بھی خیر خواہانہ۔ "خالہ کس طرح جاؤں اکیلے، جانے کی ہمت نہیں" پھر بیگم ہی کو لے جاتے۔" خالہ خاصی فکرمند تھیں، ساتھ ہی برہم بھی۔ "نہیں کلینک میں دوائیوں کی بو سے متلی ہونے لگتی ہے۔" آفتاب نے دکھڑا سنایا۔ "آفتاب چل تو میرے گھر، چل میرا اظہر تمہیں ڈاکٹر کے پاس لے جائے گا۔" اور آفتاب میاں اس دن سے جو خالہ کے گھر آئے تو ڈیڑھ ماہ گزر گیا پہلے طبیعت خراب تھی، پھر دل یہیں لگ گیا تھا۔ بیوی گھر میں تنہا کیا رہتی وہ بھی چلی آئی، خالہ کے گھر کوئی کمروں کی کمی تو نہ تھی۔

"تمہیں کیا ہوگیا؟" نرگس منہ سوجائے موٹے موٹے آنسو پونچھتی دالان میں آکر بیٹھی تو تخت پر بیٹھیں ترکاری بناتی فضا خالہ ہولتی ہوئی ان کے قریب آگئیں۔

"آج پھر کچھ ہوگیا؟" خالہ نے تجسس سے پوچھا۔

"ہونا کیا ہے بھابھی! فرحان کا دماغ ذرا غصہ آجائے تو دھنک کر رکھ دیتا ہے، بچے بڑے ہو رہے ہیں نہ انہیں پڑھانے لکھانے کی فکر ہے، نہ اب کام کاروبار کی یہ بھلا کب تک اس طرح پھرتے رہیں گے؟ بس ذرا بولو تو اپنا حشر برا کرا لو۔" وہ پھس پھس کر کے رونے لگیں۔

"اے ماہرہ پانی کا گلاس لاکر دو پھوپھی کو اور ہاں نرگس اب تمہیں کہیں جانے کی ضرورت نہیں بھائی کا گھر ہے بیٹھو آرام سے یہ فرحان کا بچہ جب تک ناک رگڑتا ہوا نہ آجائے۔" اور یوں نند تو رہی تھیں ایک کرکے ہفتہ بھر میں تینوں بیٹے بھی خیر سے ماموں کے ہاں براجمان ہوگئے اور فرحان صاحب کہیں سینہ تانے سر اٹھائے کھڑے ہوں گے۔ نہ وہ ناک رگڑتے ہوئے آئیں گے نہ نرگس جائے گی۔

"اے فضا! میری بہن، میرے لیے ذرا جلدی سے ایک پلنگ پر بستر لگوا دے، بڑی تھک گئی ہوں۔" پڑوسن کی بہن ایک ہاتھ میں بڑا سا شاپر اور دوسرے ہاتھ سے ایک درمیانے سائز کا چرمی بیگ کھینچتی ہوئی لائیں اور جیسے بیچ دالان میں ڈھے سی گئیں۔ خالہ نے جلدی جلدی چائے بنوا کر پلائی اور ساتھ ہی پلنگ بھی آراستہ کرا دیا۔

"ہاں فرحت آپا کیا ہوگیا؟" فضا خالہ نے اوسان بحال ہوتے دیکھے تو پوچھ لیا۔

"بس کیا کہوں؟ آج کا دن دیکھنے کے لیے میں نے اس بیٹے کو پیدا کیا تھا کہ جب ماں بوڑھی ہو جائے تو کہہ دے کہ میرے گھر کا ماحول خراب ہوتا ہے، تم کہیں اور چلی جاؤ، ارے یہی سننے کے لیے میں نے اس کے سر پر سہرا سجانے کی خواہش کی تھی کہ بیوی کی لگائی بجھائی میں آکر ماں کو دربدر کر دے۔" فرحت خالہ نے اپنا ماتھا پیٹا۔

"اوئی آپا تم دربدر کیوں ہوئیں؟ تمہاری بہن کا گھر کھلا ہے جب تک شہروز معافی نہ مانگے تمہیں جانے کی ضرورت نہیں۔" لیکن تین مہینے گزرنے کو آئے عید آئی تو بہو، بیٹا فرحت خالہ سے ملنے آئے، پھر شہروز تو اکثر ہی ماں سے سلام دعا کے لیے آجاتے، لیکن لے جانے کی انہوں نے کبھی بات نہ کی۔

☼ ☼ ☼

"یہ تم یہاں بیٹھی موٹے موٹے آنسو کیوں بہا رہی ہو؟" خالہ نے بھتیجی کو روتے دیکھ کر خونی رشتے کے جوش میں اپنے سے لپٹا لیا۔

"ان محترمہ کو گھر کے کام بھاری لگتے ہیں، کہتی ہے پھوپھو کے ہاں دیکھو، ہر ایک صرف ایک ایک کام کرتا ہے اور مجھے سارے کام کرنا پڑتے ہیں۔" جواب میں

روبینہ بھابھی جیسے پھٹ پڑی تھیں۔

"پھوپھو کی تم نے خوب کہی' یہ نہیں پتا کہ پھوپھو کے سینے پر کیسی بھاری سل دھری ہے۔ چھ چھ بیٹیوں کی۔" اس لمحے خالہ کو اپنی بیٹیاں بھاری لگیں۔

"پھوپھو میں کام کی وجہ سے نہیں بلکہ اپنے اکیلے پن سے بے زار ہوں۔ کوئی بھی تو نہیں ہوتا باتیں کرنے کے لیے۔ کمپیوٹر پر بیٹھو تو امی منع کرتی ہیں' آخر میں اکیلی کیا کروں؟" رومیصا نے لفظ اکیلی پر خاصا زور دیا تھا۔

"نہ بیٹا نہ تو بھلا اکیلی کہاں ہے' چل اپنی بہنوں کے پاس چل اور یوں رومیصا بھی اس گھر کی مہمان ہوگئی۔ بھانجے کی بیوی بیمار تھی' بچے چھوٹے چھوٹے تھے۔ خالہ خیریت کے لیے گئیں تو انہیں اور بچوں کو ساتھ لیتی آئیں۔

وقار حسین بھی اس پرہنگام زندگی سے بے زار بھی ہوتے تو خالہ بڑے مان سے کہتیں "پتا نہیں کس کی دعا لگ جائے اور ہماری بچیوں کے نصیب کھل جائیں۔"

"ہونہہ اس مرغی خانے میں بھلا کون آئے گا؟" وہ چڑ جاتے۔" وقار حسین یہ لوگ تو گھر کی رونق ہیں' تمہیں خوامخواہ ہی چڑ ہوتی ہے۔" خالہ بڑے مان سے کہتیں عموماً" وقار حسین کاروباری مصروفیت سے فارغ ہوکر گھر آتے تو سیدھا اپنے کمرے کا رخ کرلیتے۔

اکثر خالہ کا باورچی خانہ ہوٹل کا سماں پیش کررہا ہوتا' بچیاں کام کر کرکے تھکی جارہی ہوتیں اور فضا خالہ ثواب کمانے اور دعائیں لینے میں مصروف و مگن۔

ٹرن۔۔۔ ٹرن۔۔۔ ٹرن۔۔۔ "کون ہوں۔" خالہ گیٹ کی طرف دوڑیں۔

"وہ آنٹی میں اظہر کا دوست سمیع۔"

"بیٹا آؤ بھلا باہر کیوں کھڑے ہو۔" فضا خالہ نے اسے اندر بلا کر پورے خاندان کی خیر خیریت لی۔

"ارے سمیعہ بیٹا چائے تو لاؤ بھائی کے لیے۔" بھائی کے نام پر سمیع کے منہ میں کڑواہٹ گھل گئی' لیکن وہ بولا کچھ نہیں' بلکہ اخبار کھول لیا کہ امی تو کسی کو چائے شربت کے بغیر رخصت ہی نہیں کرتیں۔ چولہے پر ہانڈی بھونتی سمیعہ کو اس وقت چائے بنانا ناگوار ہورہا تھا۔

"فضا بھابھی! اے فضا بھابھی! بھئی کہاں چلی گئیں؟" نرگس نے دونوں بڑے کمروں میں دیکھنے کے بعد جب بھاوج کو کچن کے آس پاس بھی کہیں نہیں پایا تو وہیں کھڑے کھڑے زور سے پکارا تو "آئی آئی نرگس" کہتی فضا خالہ گھبرائی گھبرائی سمیع کو ڈرائنگ روم میں بیٹھا چھوڑ کر ان کی طرف چل دیں۔

"امی چائے لے لیں۔" سمیعہ چائے کی ٹرے تھامے ڈرائنگ روم کے دروازے میں کھڑی ماں کی منتظر تھی۔ شاید امی باتوں میں لگی ہوں گی' انہیں یاد بھی کب رہتا ہے۔ سمیعہ نے قدم اندر کی جانب بڑھا دیے۔ "لائیے!" جیسے کوئی منتظر ہی تو تھا۔ گھبرا کر پیچھے ہٹنا چاہا' لیکن گرفت خاصی مضبوط تھی۔

"یہ دوسری چائے کون پیے گا؟"

"میں امی کو بھیج دیتی ہوں۔" سمیعہ نے جان چھڑانی چاہی۔

"آپ بہت تھکی ہوئی لگ رہی ہیں' چائے آپ ہی پی لیجئے۔" اپنے متعلق موصوف کے تجزیے پر اس کی جان ہی تو جل گئی تھی۔

"اچھا۔" چائے میں چینی ڈالنے کے بہانے وہ ہاتھ چھڑا کر بھاگتی ہوئی ڈرائنگ روم سے باہر آگئی۔

"توبہ توبہ کس نیچر کے ہوتے ہیں یہ انسان بھی۔" سمیعہ نے واش بیسن میں جاکر ہاتھوں کو صابن سے خوب مل مل کر دھویا تھا۔

☼ ☼ ☼

فرحان انکل تو نہ آنے تھے' نہ آئے۔ لیکن نرگس پھوپھو کے ساتھ ان کے تینوں صاحبزادے مزے سے یہیں کے ہورہے تھے۔ یوں اظہر' اطہر' اشعر اور احمر کے ساتھ ذیشان' نعمان اور فرمان بھی لڑکوں والے کمروں کے مکین ہوگئے۔ ادھر رومیصا لڑکیوں والے کمروں میں ایک اضافہ تھا۔ فلیٹوں والی حویلی میں اتنے افراد کے بیڈ تو ممکن ہی نہ تھے۔ سو قالین پر گدے اور تکیے' چادریں لگاتے اور اٹھاتے ہوئے ہی نہدیہ کو اچھی خاصی تکان ہوجاتی۔

☼ ☼ ☼

"فریال پلیز دو کپ گرما گرم چائے۔" فرمان لڑکیوں کے کمرے کے دروازے کے بیچوں بیچ براجمان تھا۔

"پورے چھ فٹ کے انسان ہو اور یوں بغیر دستک دیے چلے آتے ہو۔" زوبیہ نے بڑے ہونے کے ناتے اچھی خاصی ڈانٹ پلائی تھی۔ لیکن جیسے فرمان نے سنا ہی نہ ہو۔ "اخلاقی گراوٹ کے ساتھ ساتھ لگتا ہے سماعت میں گرانی بھی ہے۔" سمیعہ نے دانت کچکچائے۔

"فریال پلیز۔" اس نے بال بناتی فریال کو ایک مرتبہ پھر مخاطب کیا۔

"ان لوگوں سے تو صرف باتیں سن لو بس۔" وہ بھلا کب چوکنے والا تھا۔ ایک دھیمی مسکراہٹ کے ساتھ فریال کچن کی طرف چل دی اور فرمان اس کے پیچھے پیچھے زوبیہ' نہدیہ اور سمیعہ نے ایک دوسرے کو معنی خیز نظروں سے دیکھا۔ یہ بات تو اماں کو محسوس کرنی چاہیے۔ سمیعہ نے انجانے خدشے کے تحت سوچا تھا۔

پر اماں اول تو محسوس ہی نہیں کریں گی اور اگر احساس دلایا گیا تو کہیں گی' چل کملی ہوگئی ہے۔ آپس میں بہن' بھائی ہیں۔ ایک دوجے سے ہی کام کرائیں گے نا۔" نہدیہ نے اماں کی نقل اتاری تھی۔ حالانکہ جوان بیٹیوں کی مائیں تو سوتے میں بھی آنکھیں کھلی رکھتی ہیں۔ زوبیہ نے دکھ سے سوچا اور سب پھر اپنے اپنے کاموں میں مصروف ہوگئیں کہ مصروفیات بھی انسان کو دور تک سوچنے کا موقع کب دیتی ہیں اور فضا خالہ کے ہاں لڑکیوں کے لیے گھریلو مصروفیات کے سوا تھا ہی کیا۔

"فضا بیگم اب بس کرو' بہت کر چکی نیکیاں' آج کل

اپنا گزارہ مشکل ہو رہا ہے کہ مہنگائی کا جن بوتل سے باہر آگیا ہے۔ اِدھر بزنس خسارے میں چل رہا ہے۔" آج وقار حسین کچا چٹھا لیے بیٹھے تھے۔

"دیکھو وقار حسین مہمان تو اللہ کی رحمت ہوتے ہیں۔ خسارہ ان کی وجہ سے نہیں بلکہ ہماری کسی کوتاہی کا نتیجہ ہوگا۔"

"لیکن مہمان تو تین دن کا ہوتا ہے۔ ماہ و سال کا نہیں، پھر ابھی ایک جاتا نہیں کہ تم دوسرا لے آتی ہو۔ انہیں اپنے اپنے گھروں کو رخصت کردو یا پھر میں چلا جاتا ہوں، تم سنبھالو۔" وقار حسین کی دھمکی اور تجویز خاصی کارگر رہی تھی۔

دوسری صبح چائے کے لیے نعمان سے دودھ منگوایا گیا۔ دوپہر کے لیے سبزی ذیشان سے کہی گئی۔

"آفتاب میاں تم آٹا لادو، آج تمہارے خالو جلدی میں تھے سب کچھ رہ گیا۔" خالہ نے مصنوعی پریشانی سے کہا۔ سب نے حیرت سے ایک دوسرے کی جانب دیکھا اور مردہ مردہ قدم اٹھاتے سودا لینے چل دیے۔ مگر اب فضا خالہ خود ہی دل میں شرمندہ شرمندہ سی تھیں کہ لو کوئی یوں بھی گھر آئے مہمانوں سے سودے منگوایا کرتا ہے۔

وقار حسین کی ترکیب کارگر نکلی اور پھر دو چار دن بعد ہی رخت سفر بندھنے شروع ہوئے، لیکن فرمان نے گھر واپس جانے سے صاف منع کردیا۔

"میں نے واپس اس کوٹھری میں نہیں جانا، جہاں ہر دم والدین کی لڑائی میں اولاد کا سانس لینا بھی دوبھر ہوجاتا ہے۔"

"پر بیٹا دوسرے کے محل کو دیکھ کر اپنی جھونپڑی کو آگ نہیں لگایا کرتے۔" نرگس نے فرمان کو سمجھانے کی کوشش کی۔

"لیکن میں نے کہہ دیا نا کہ میں نے نہیں جانا۔" وہ ٹھنکا تھا۔ اس کی نگاہیں سامنے کچن میں آٹا گوندھتی فریال کا طواف کررہی تھیں۔ ماں نے بیٹے کی نگاہوں کے تعاقب میں نظر دوڑائی تو عجیب سی الجھن میں گرفتار ہوگئیں۔

وہ تو ہمیشہ سوبر سی زوبیہ اور سمیعہ کو پسند کرتی آئی تھیں۔ فریال میں تو نری جذباتیت تھی۔ انہیں خطرہ اس وقت محسوس ہوا جب وہ سر پر آگیا تھا اور ان کے ہاتھ مزید تیزی سے سامان باندھنے میں مصروف ہوگئے۔

"آپ سب لوگ جارہے ہیں۔" کچن سے نکل کر کمرے میں آتی فریال نے جو بوریا بستر سمیٹا دیکھا تو فرمان کی طرف رخ کرکے سوال کیا۔

"مجبوری ہے۔" فرمان نے ایک سرد آہ کھینچی۔

"ہونہہ کیا مجبوری ہے؟" لیکن دوسرے ہی لمحے پھوپھی کے تیور دیکھ کر اس نے کمرے کی راہ لی۔

"ہمیں جلد ہی کوئی فیصلہ کرنا ہوگا۔" فرمان جاتے جاتے کمرے میں آکر اسے میسج دے گیا تھا۔

☼ ☼ ☼
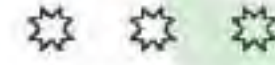
خالہ چڑھی سانسوں اور سوجے چہرے کے ساتھ دھم سے صوفے پر آگری تھیں۔ "برکہ میں لٹ گئی، تباہ ہوگئی، برباد ہوگئی۔" وہ نان اسٹاپ اپنی بربادی پر گریہ کناں تھیں۔

"خالہ یہ لیں تھوڑا پانی تو پئیں۔" برکہ نے آگے بڑھ کر پانی سے بھرا گلاس فضا خالہ کو پکڑایا، جس کو وہ غٹاغٹ یوں پی گئیں جیسے نہ جانے کتنے صحرا پار کرکے آئی ہوں۔" برکہ کیا کروں؟" وہ اپنے دونوں ہاتھ دونوں گھٹنوں پر زور، زور سے مار کر اپنی بے بسی کا اظہار کررہی تھیں۔

"کیا ہوگیا خالہ؟" برکہ جان کر بھی انجان بن گئی۔

"ہونا کیا تھا، وہ نصیبوں جلی بدبخت آج اپنی ماں کے منہ پر کالک مل کر باپ کی عزت کو خاک میں ملا کر خاندان کی ناک کٹوا کر کورٹ میرج کر آئی ہے۔" فضا خالہ تڑپ کر بولیں۔

"ہاں خالہ یہ تو بہت ہی برا ہوا۔ فریال کو ایسا ہرگز نہ کرنا چاہیے تھا۔" برکہ نے ان کا غم بانٹا۔ "اس مگر تمہیں کیسے پتا کہ یہ فریال کی بات ہے؟" خالہ چونکیں۔

"عشق اور مشک بھلا چھپائے چھپتے ہیں؟" فریال کی فرمان کے ساتھ بے تکلفی اور ملاقاتوں کے سارے پلازہ والے گواہ ہیں۔" برکہ نے جیسے ان کے سر پر بم پھوڑا تھا۔

"ہائے میں مرگئی۔" خالہ بدحواس ہورہی تھیں۔

"خالہ چونکہ آپ کے ہاں حجاب وغیرہ کا اہتمام نہیں کیا جاتا، اس لیے شاید آپ کو معیوب نہ لگتا ہو لیکن حقیقت یہ ہے کہ حیا و پاکیزگی تو ماحول ہی سے پیدا ہوتی ہے۔"

"شام کو جب باپ، بھائی آئیں گے تو کیا قیامت ٹوٹے گی" خالہ خوف سے تھر تھر کانپ رہی تھیں۔

"اس بے غیرت نے کچھ بھی تو نہ سوچا اپنی بہنوں کے مستقبل کو بھی نگل گئی۔" خالہ پھر دہائی دینے لگیں۔ اگرچہ حادثہ ایسا تھا کہ برکہ کو خالہ اور ان کی فیملی سے دلی ہمدردی ہورہی تھی، لیکن وہ سوچ رہی تھی کہ آخر ہم اپنی آنکھیں کیوں بند کرلیتے ہیں، کیوں اللہ اور اس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقوں سے انحراف کی راہ پر چلتے ہیں۔ نفس کے بندے بن کر احکام الٰہی سے پہلو بچاتے اور نظریں چراتے ہیں۔ کیوں مسلم معاشروں میں چلمنیں سمیٹ دی گئیں۔ کیوں کھڑکیوں، دروازوں کے پردے سرکا دیے گئے۔ لباسوں سے پہلے دوپٹہ غائب ہوا، سر کھلا، پھر بازو ننگے ہوئے، پنڈلیوں کی نمائش ہوئی تو فتنوں کو آنے سے کون روکتا کہ حیا و حجاب تو فتنوں کا دروازہ بند رکھتے ہیں۔ اگر اپنے اپنے دروازوں پر حجاب کی چوکھٹ فٹ نہ کی تو۔۔۔ برکہ کے روئیں روئیں میں اضطراب بپا تھا۔

وقار حسین کو اپنے وقار کو بچانے کے لیے نہ چاہتے ہوئے بھی فریال کو فرمان کے ساتھ شادی ہال سے رخصت کرنا پڑا۔ حالانکہ نرگس ان کی بہن فرحان صاحب کو جس طرح نبھاتی چلی آرہی تھیں یا تو وقار صاحب بلیک میل ہوتے یا نرگس ذہنی و جسمانی طور پر ٹارچر کی جاتیں۔ ایسے میں بابل سکھی سنسار کی کیا دعائیں دیتا۔

آج پھر فریال کے قتل نے زخموں پر سے کھرنڈ نوچ ڈالے تھے۔ والدین کی دعاؤں کے بغیر رخصت ہونے والی فریال نے پچھلے پانچ سالوں کا لمحہ لمحہ کیسے گزارہ تھا یہ تو وہی جانتی ہوگی، لیکن دو بیٹوں کی پیدائش کے بعد تیسری مرتبہ بیٹی کی پیدائش پر فرمان کا موڈ مسلسل آف تھا۔ "آخر بیٹا ہی کیوں پہلے بھی ہمارے دو بیٹے ہیں؟" وہ آج فرمان کے سامنے اڑی تھی۔ "اس لیے کہ کہ کل وہ بھی اپنی ماں کی طرح ماں، باپ کے منہ پر کالک نہ مل دے۔"

دوسرے ہی لمحے فریال کے ہاتھ میں پکڑا گرم گرم چائے کا کپ فرمان کے سر پر ٹوٹا تھا۔ "تم۔۔۔ تم جس کی خاطر میں نے اپنی اپنے والدین کی عزت کی قربانی دی، بدنامی مول لی۔" وہ غصے سے پھنکاری۔ "بھگوڑی تمہاری یہ جرات" فرمان اپنے جھلستے چہرے کے ساتھ غصے سے بے قابو ہوکر اٹھا اور نحیف و نزار فریال کی گردن اس کے ہاتھوں کے وحشیانہ دباؤ کو زیادہ دیر برداشت نہ کرسکی اور ایک طرف ڈھلک کر اخبار کی خبر کا حصہ بن گئی۔ برکہ کی آنکھیں برکھا رت بنی برس رہی تھیں۔

☼ ☼

مکمل ناول

نفیسہ سعید

جہاز کے لینڈ کرتے ہی اس کا دل چاہا وہ اڑ کر لاؤنج سے باہر نکل کر اپنے پیاروں کے پاس پہنچ جائے لیکن بہت کوشش کے باوجود سامان کی کلیئرنس میں ہی تقریباً" ایک گھنٹہ لگ گیا اور پھر نہایت بے قراری کے عالم میں باہر نکلتے ہی سامنے کھڑے امان کو دیکھ کر وہ خود پر قابو کھو بیٹھی امان بھی اسے دیکھ کر تیزی سے آگے بڑھا اور گلے لگا لیا جانے کتنی دیر وہ اسی طرح امان کے گلے لگی رہی جب اسے شفا نے بازو سے پکڑ کر ہٹایا اور ہنستی ہوئی بولی۔

"ہم بھی آئے ہیں تمہیں لینے بہنا ہم پر بھی نظر کرم کرو۔" نیبو نے بنا کوئی جواب دیے شفا کو گلے لگا لیا اور ساتھ ہی اپنی آنکھوں میں آئے آنسوؤں کو ٹشو پیپر سے صاف کیا۔

"حماد نہیں آیا۔" اسے اپنے قریب سے ہی حمزہ کی آواز سنائی دی۔

"نہیں۔" مختصر جواب دے کر وہ حمزہ سے ملی اور پھر شفا سے باتیں کرتی ہوئی باہر نکلی حمزہ اور امان ٹرالی کے ساتھ کافی آگے نکل چکے تھے جبکہ وہ سب کی خیر خیریت دریافت کرتی آہستہ آہستہ شفا کے ساتھ باہر جا رہی تھی جب اچانک شفا کو بھی حماد یاد آ گیا۔

"تم حماد کو کیوں نہیں لے کر آئیں؟" جواباً" وہ خاموش رہی۔ یہ تو سب جانتے تھے کہ سکندر نہیں آ رہا لیکن وہ حماد کو بھی چھوڑ کر آئے گی اس کا علم کسی کو نہ تھا اسی لیے یہ خبر سب کے لیے ہی حیرت کا سبب بننے والی تھی کہ تقریباً" سوا سالہ بچہ چھوڑ کر کوئی ماں دوسرے دیس آ جائے کوئی اس ماں کے دل کا حال نہ جانتا تھا جس نے اپنا صرف ایک ماہ کا بچہ خود سے دور کر رکھا تھا یہ تو صرف وہ ہی جانتی تھی کہ وہ حماد کے بغیر کس طرح زندگی گزار رہی ہے اپنے سسرال میں تو اسے کبھی کسی کے سوالوں کا جواب نہ دینا پڑا لیکن یہاں میکے میں جگہ جگہ اس سے جواب طلبی ہو گی اس کا اندازہ اسے ایئرپورٹ پر ہی ہو گیا تھا یہی وجہ تھی کہ گھر سے ایئرپورٹ تک کے تمام راستے وہ خود کو لوگوں کے سوالنامہ کے لیے تیار کرتی رہی اور پھر اس کی توقع کے عین مطابق گھر جاتے ہی اسے حماد کے حوالے سے ہر ایک کو فیس کرنا پڑا۔ ویسے بھی امان کی شادی کے سلسلے میں گھر مہمانوں سے بھرا پڑا تھا۔

"نیبو تمہارا بیٹا نہیں آیا۔" جیسے ہی وہ سامان رکھ کر فارغ ہوئی چھوٹی چچی حیرت کا اظہار کرتی اس کے سامنے آ کھڑی ہوئیں۔

"نہیں چچی۔ اصل میں وہ چھوٹا بہت ہے یہاں کی گرمی برداشت نہیں کر سکتا۔" وہ آہستہ سے جواب دے کر ردا کے پاس جا بیٹھی جو غالباً" مہمانوں کی فہرست بنا رہی تھیں اسے اتنے عرصہ بعد یوں اپنوں کے درمیان بیٹھنا بہت اچھا لگ رہا تھا وہ تو اب تک یقین ہی نہ کر پا رہی تھی کہ وہ اپنی سرزمین پر اپنے گھر میں موجود ہے شفا چائے کے ساتھ بہت سارے لوازمات لے آئی تھی لیکن اس کا دل کچھ بھی کھانے کو نہ چاہا اس نے چائے کا کپ اٹھا کر آہستہ آہستہ پینی شروع کی ساتھ ہی ساتھ وہ ہال میں ہونے والے تمام عمل کو بھی بڑی دلچسپی سے دیکھ رہی تھی جب اچانک اسے کسی نے پکارا۔

"ارے نیبو تم آگئیں۔" اس نے نظر اٹھا کر مخاطب کی جانب دیکھا وہ یقیناً" رحاب تھی پہلے سے ذرا موٹی اور رنگت بھی خوب کھلی کھلی' خوب بجی سنوری رحاب پہچانی ہی نہ جارہی تھی رحاب پر نظر پڑتے ہی یک دم اس کے سامنے گزرا ہوا کل اپنی پوری تلخی سمیت آن کھڑا ہوا اسے بالکل اپنے قریب سے ہی سنان کی درد میں ڈوبی آواز سنائی دی وہ آواز جو آج بھی اس کے خوابوں میں آکر اس سے نیند چھین لیا کرتی تھی۔

"میرا مشورہ مانو نیبو تم سکندر سے شادی کرلو کیونکہ یہ ہی ہم دونوں کے لیے بہتر ہوگا۔" یہ آواز سنان کی ضرور تھی لیکن الفاظ اس کے نہ تھے اس کے اندر کوئی اور بول رہا تھا اسے تو مجبور کیا گیا تھا ان الفاظ کی ادائیگی کے لیے جن کے ادا ہوتے ہی اس کا سنان سے ہر رشتہ ختم ہوگیا وہ جو یہ سمجھتی تھی کہ اس کے اور سنان کے درمیان موجود دل کا رشتہ بہت ہی مضبوط اور اٹوٹ ہے اس دن پہلی بار اسے اندازہ ہوا کہ دل کے رشتے مضبوط ضرور ہوتے ہیں لیکن اتنے ہی نازک بھی جو ذرا سی ٹھیس لگنے سے پارہ پارہ ہوجاتے ہیں ایسا ہی کچھ نیبو کے ساتھ بھی ہوا سنان کے منہ سے نکلے ہوئے صرف ایک جملے نے اس کے حساس دل کو چھلنی چھلنی کردیا خاموشی سے فون رکھنے تک وہ دل ہی دل میں فیصلہ کرچکی تھی کہ آج کے بعد یہ آواز دوبارہ نہیں سننی فون بند کرتے ہی وہ سنان کے لیے آخری بار تڑپ تڑپ کر روئی اس قدر کہ شفا سے سنبھالنی مشکل ہوگئی پھر اس کے ہاں کرتے ہی اگلے ہفتہ اس کا نکاح سکندر سے کردیا گیا رخصتی دو ماہ تک متوقع تھی تاکہ پیپرز وغیرہ تیار ہوسکیں یہ دو ماہ کا عرصہ نیبو نے ایک پتھر کی مانند گزارہ سنان نے اس دوران اس سے رابطہ کرنے کی کافی کوشش کی لیکن وہ خود تک آنے والے ہر راستے کو بند کرچکی تھی اس نے اپنا موبائل آف کردیا اور وہ اس سلسلے میں شفا سے بھی کچھ سننے کو تیار نہ تھی۔

حیرت کی بات تو یہ تھی کہ اس نے ان دو ماہ میں ایک بار بھی سنان کو یاد نہ کیا حالانکہ وہ جانتی تھی کہ وہ صرف ماں اور بہن کی محبت کے ہاتھوں مجبور ہوا ہے لیکن اس کی اس مجبوری نے شفا کے دل میں ایک گرہ سی باندھ دی جو رخصتی تک دور نہ ہوئی وہ جب جب سوچتی اسے بے حد دکھ ہوتا کہ ہر شخص نے اپنے مفاد کے لیے اس کی خوشیوں کو داؤ پر لگادیا اور ان تمام لوگوں میں سنان بھی شامل تھا یہ ہی وجہ تھی کہ رحاب کے ساتھ منسلک سنان کے رشتہ نے اس کے دل سے رحاب کو بھی دور کردیا جبکہ جنید تو اس کے دل سے اس دن ہی اتر گیا تھا جس دن اس نے اپنی جھوٹی انا کی سربلندی کے لیے اسے ناجائز طور پر استعمال کیا تھا یہ ہی سبب تھا کہ دو سال سے زائد عرصہ گزر جانے کے باوجود وہ آج تک کچھ نہ بھولی تھی اب جو رحاب نے اسے مخاطب کیا تو نیبو کا دل ہی نہ چاہا کہ جواب دے وہ اسے مکمل طور پر نظر انداز کرتی اٹھ کھڑی ہوئی اور قریبی سوٹ کیس سے کپڑے نکالنے لگی تاکہ فریش ہوسکے۔

"نیبو تم نے شاید رحاب بھابھی کو پہچانا نہیں۔" یہ اس کی کوئی کزن تھی جو شاید اسے یہ احساس دلانا چاہ رہی تھی کہ اس کی حرکت بدتمیزی میں شمار ہوتی ہے اور پھر نہ چاہتے ہوئے بھی اسے رحاب کی طرف پلٹنا پڑا رسمی سا گلے بھی ملی۔

"مجھے آئے ہوئے تقریباً" گھنٹہ ہوگیا ہے آپ شاید بازار گئی ہوئی تھیں۔" رحاب اس کا تنقیدی جائزہ لیتے ہوئے خاصی متاثر نظر آرہی تھی۔ جس کا اندازہ نیبو کو فوراً" ہی ہوگیا وہ جانتی تھی کہ رحاب ظاہری شان و شوکت پر جان دینے والی عورت ہے اس خیال کے ذہن میں آتے ہی نیبو نے سوٹ کیس کھول کر اپنا جیولری باکس نکالا اور ردا کے حوالے کردیا۔

"پلیز ذرا میری یہ جیولری سنبھال لیں ایک تو یہاں لوڈشیڈنگ بہت ہوتی ہے جب آئی تھی تب بھی لائٹ نہ تھی اب پھر چلی گئی مسلسل جنریٹر کی آواز نے میرا دماغ شل کردیا ہے اور پھر آپ نے اے سی بھی جنریٹر پر نہیں لگایا! آپ کو پتا ہے میں اتنی گرمی بالکل بھی برداشت نہیں کرسکتی ہمارے ہاں تو کبھی لائٹ گئی ہی نہیں ہے اور میں ہر ٹائم اے سی میں رہنے کی اتنی عادی ہوچکی ہوں کہ سمجھ میں نہیں آرہا یہاں کس طرح رہ پاؤں گی شکر ہوا میں حماد کو نہیں لائی ورنہ بہت مشکل ہوتی۔" اس کی گفتگو پر سکندر کا رنگ کب چڑھا اسے اندازہ ہی نہ ہوا اور اب اپنے الفاظ کی ادائیگی پر وہ خود بھی حیران رہ گئی۔ وہ اس قدر تبدیل ہوچکی تھی اسے خود بھی اندازہ نہ تھا اور اس دن پہلی رات بھی آٹھ گھنٹے کی لوڈشیڈنگ نے اسے سکندر کی یاد دلادی۔

"تمہارا اوپن ٹکٹ ویسے تو تین ماہ کا ہے مگر مجھے امید ہے کہ تم دو ماہ سے بھی پہلے واپس آجاؤ گی کیونکہ یہاں کی سہولیات دیس میں ٹکنے نہیں دیتیں۔" سکندر کا فخریہ لہجہ اسے سخت برا لگا۔

"وہ دیس میرا اپنا ہے سکندر اور مجھے یقین ہے کہ یہاں کی کوئی لگژری سہولت میرے لیے میرے وطن اور اپنے پیاروں سے بڑھ کر نہیں ہوسکتی۔" لیکن ایک ہی رات میں اسے اپنا دعوا بودا محسوس ہوا جو بھی تھا ملائیشیا میں قیام کے دو سال میں اسے لوڈشیڈنگ جیسا عذاب نہ بھگتنا پڑا تھا اور پھر یہاں کئی بار بھی شہر کے خراب حالات کے باعث اسے گھر میں محصور ہونا پڑا اسے اپنے گھر کے بوائل پانی میں بھی بو محسوس ہوتی وہ جب سے آئی تھی مسلسل منرل واٹر استعمال کررہی تھی وہاں کی کرنسی یہاں کئی گنا بڑھ گئی تھی یہ ہی وجہ تھی کہ وہ جب بازار جاتی بے دریغ خرچ کرتی اس کی شاہ خرچی نے سب کو دنگ کررکھا تھا اور ہر دفعہ کی قیمتی شاپنگ سے رحاب کے چہرے پر آتے تاثرات اسے خوب مزا دیتے وہ جو وہاں سے سوچ کر آئی تھی کہ گھر جاتے ہی اپنے ماں باپ سے سکندر کے رویہ کا ذکر ضرور کرے گی انہیں بتائے گی کہ آپ کے ایک غلط فیصلہ نے میری زندگی کو اجیرن کرکے رکھ دیا ہے اس نے تو یہاں تک سوچ لیا تھا کہ اب واپس سکندر کے پاس نہیں جانا لیکن عجیب بات تھی کہ پاکستان آتے ہی اس کا وجود دو حصوں میں منقسم ہوگیا تھا اس کے وجود کا ایک حصہ یہاں تھا جبکہ دوسرا وہ ملائیشیا ہی چھوڑ آئی تھی ہر گزرتا دن اس کی بے چینی میں اضافہ کا سبب بن رہا تھا وہ جو آج تک یہ سمجھتی رہی کہ اس کی زندگی حماد کے بغیر بھی گزر سکتی ہے اس کی یہ سوچ خام خیال ثابت ہوئی نا صرف حماد بلکہ یہاں آکر تو اسے اپنا وہ گھر بھی شدت سے یاد آیا جہاں پورے استحقاق کے ساتھ ایدھا براجمان تھی جو دنیا کی نظر میں کچھ نہ ہوتے ہوئے بھی سکندر کے لیے سب کچھ تھی اور ایک وہ خود جو سکندر کی سب کچھ ہوتے ہوئے بھی شاید کچھ نہ تھی جو بھی تھا یہاں رہائش کے دوران لوگوں کی دی ہوئی عزت و احترام نے اسے یہ باور کروا دیا کہ عورت جو کچھ ہے اپنے گھر سے ہے لوگوں کی رشک بھری نظروں اور تعریفی کلمات نے اسے یہ احساس دلایا کہ اس کا سبب سکندر کی ذات ہے سچ ہے گھر کے بغیر عورت کی ذاتی حیثیت بالکل زیرو ہے اس خیال نے نیبو کو باز رکھا کہ وہ سکندر کے حوالے سے کسی سے کوئی گفتگو نہ کرے بلکہ جس طرح دنیا سمجھ رہی ہے سمجھتی رہی کیونکہ اسی میں اس کی بھلائی تھی کہ اپنی عزت خود بنائی جائے ورنہ دوسری

صورت میں کوئی بھی آپ کو عزت کے لائق نہیں سمجھے گا۔

☼ ☼ ☼

"یہ لو نبیو سے بات کرلو۔" وہ ٹیرس پر بیٹھی نیچے آتے جاتے لوگوں کو دیکھنے میں منہمک تھی جب اسے بالکل اپنے قریب جنید کی آواز سنائی دی اس نے پلٹ کر ایک نظر جنید پر ڈالی جو فون اس کی طرف بڑھائے منتظر کھڑا تھا کہ وہ کب اس کے ہاتھ سے لے۔

"کون ہے؟" نبیو نے سیل لیتے ہوئے آہستہ سے سوال کیا۔

"سکندر ہے تمہارا سیل شاید آف ہے اس لیے تمہاری خیریت دریافت کرنے کے لیے میرے نمبر پر فون کرلیا۔" جنید کی وضاحت اس کے لیے حیرت انگیز تھی اسے سکندر سے کم از کم یہ توقع نہ تھی کہ اس کے سیل آف ہونے کی صورت میں وہ جنید سے رابطہ کرے گا اسی حیرت کی کیفیت میں اس نے خاموشی سے سیل اپنے کان سے لگالیا جبکہ جنید اندر کمرے میں جاچکا تھا۔

"ہیلو۔"

"کیسی ہو؟"

"ٹھیک ہوں حماد کیسا ہے؟"

"بالکل فٹ اور تمہیں بہت یاد کررہا ہے۔"

"حماد مجھے یاد کررہا ہے؟" وہ حیرت بھری سرگوشی میں بولی۔

"کیوں کیا تم اس کی ماں نہیں ہو؟" سکندر کا انداز گفتگو اس کے لیے بالکل نیا تھا وہ تو اس لہجہ کی عادی ہی نہ تھی دل تو چاہا پلٹ کر پوچھے آپ نے مجھے کب حماد کی ماں بننے دیا لیکن یہ وقت اور یہ جگہ اس بحث کے لیے قطعی نامناسب تھے بہتر یہی تھا کہ خاموش رہا جائے اور وہ خاموش ہی رہی۔

"بہرحال میں نے تمہاری خیریت دریافت کرنے کے لیے فون کیا تھا کیونکہ مجھے اندازہ ہے کہ دیس کے لوگوں کو دوسروں کے ٹوہ لینے کی بہت عادت ہے ایسے میں اگر میں تم سے رابطہ نہ کروں، تمہاری خیریت دریافت کرنے کے لیے تو تمہارے اپنے تمہارا جینا حرام کردیں گے خاص طور پر تمہاری بھابھی۔" وہ بلا تکان اپنا تجزیہ پیش کررہا تھا نبیو کو سمجھ نہ آیا کہ یہ اظہار ہمدردی تھا یا طنز بہرحال جو بھی تھا وہ سکندر کے اندازے کی اس قدر درستگی پر دنگ رہ گئی ساتھ ہی ساتھ اسے طمانیت کا احساس بھی ہوا کہ کسی بھی حوالے سے سہی سکندر نے اس کا خیال تو رکھا۔

☼ ☼ ☼

وہ شفا کے ساتھ پارلر آئی ہوئی تھی جہاں شفا اور رحاب کو اپنا ہیئر کٹ لینا تھا جبکہ نبیو وہیں قریب رکھی کرسی پر بیٹھی پارلر میں کام کرنے والی لڑکیوں کو دیکھنے میں منہمک تھی جو بڑی مشاقی سے اپنا ہر کام سر انجام دے رہی تھیں اسی دوران اس کا سیل بج اٹھا سکندر کا نمبر دیکھتے ہی اس نے یس کا بٹن دبا کر فون کان سے لگالیا۔

"ہیلو۔"

"تم واپس کب آرہی ہو؟" بغیر تمہید کے سکندر نے سوال کیا۔

"ابھی تو کچھ پتا نہیں ہے۔" وہ اس سوال کے لیے قطعی تیار نہ تھی اس لیے یک دم گڑبڑا سی گئی۔

"دراصل شادی کی دعوتوں کا سلسلہ جاری ہے اور سب ہی چاہتے ہیں کہ میں ان میں شریک ہو کر واپس جاؤں۔"

"ویل تمہیں تقریباً" ایک ماہ سے کچھ زیادہ وقت ہوگیا ہے اسی لیے پوچھا اور ویسے بھی تمہیں حماد بہت یاد کررہا ہے۔"

"جی میں آپ کو دو تین دن تک کنفرم بتادوں گی۔" حماد کا نام سنتے ہی اس کا دل بھر آیا اور لہجہ نم ہوگیا۔

"او کے اللہ حافظ۔" فون بند کرکے اس نے ہینڈ بیگ میں رکھتے رکھتے ایک نظر سامنے مرر سے نظر آتے رحاب کے عکس پر ڈالی جس کی مکمل توجہ کا مرکز اس وقت اسی کی ذات تھی۔

"لگتا ہے سکندر بھائی تمہارے بغیر اداس ہوگئے ہیں۔" قد آدم آئینہ میں تفصیل سے اپنا جائزہ لیتی ہوئی رحاب کا انداز بالکل سرسری سا تھا۔

"آں۔ ہاں۔" وہ چونک اٹھی۔

"تو پھر کب واپس جارہی ہو؟"

"دیکھو شاید اگلے ہفتہ تک۔" واپس تو جانا ہی تھا جب یہ طے تھا تو کیوں نہ اس عزت کے ساتھ واپس جایا جائے کہ آپ کا شوہر آپ کے لیے بے قرار ہے نبیو کا جواب اس سوچ کے عین مطابق تھا جو اس نے رحاب کو دیا اور گھر آتے ہی رحاب تقریباً" ایک ایک فرد کو بتا چکی تھی کہ سکندر اور حماد نبیو کے فراق میں بے تاب ہیں اور وہ چاہتے ہوئے بھی کسی بات کی تردید نہ کرسکی اگلے پندرہ دن میں اس کی سیٹ کنفرم ہوگئی اور اس نے واپسی کی راہ لی اس امید کے ساتھ کہ شاید کوئی نئی بہار اس کی زندگی میں داخل ہونے کی منتظر ہو۔

☼ ☼ ☼

فاطمہ اور رفیدا سندھا گئی ہوئی تھیں جہاں سکینہ کے دیور کی شادی تھی جانا تو نبیو نے بھی تھا لیکن جانے کیوں صبح اٹھتے ہی اس کی طبیعت خراب ہوگئی سر میں ہلکا ہلکا سا درد تو رات سے ہی تھا لیکن صبح ناشتا کرنے کے ساتھ ہی اسے یک دم ہی الٹیاں شروع ہوگئیں۔ الٹیوں کے ساتھ آنے والے چکر نے اسے اس قدر نڈھال کردیا کہ اس کے لیے اٹھ کر کھڑا ہونا محال ہوگیا مجبوراً" فاطمہ اسے گھر ہی چھوڑ گئیں جبکہ سکندر اپنے فارم پر گیا ہوا تھا فاطمہ اسے سوپ بھی بنا کر دے گئی تھیں جو جوں کا توں فریج میں رکھا تھا اس نے صرف معمولی سا چکھا ہی تھا کہ متلی سی محسوس ہونے لگی اور پھر ڈر کے مارے اس نے ہاتھ ہی نہ لگایا فاطمہ نے ایدھا کو جاتے جاتے خصوصی ہدایت کی تھی کہ نبیو کا خیال رکھے اور اس ہدایت ہی کے تحت ایدھا نے اسے دوپہر میں فرائیڈ رائس اور شاشلک بھی بنا دیا تھا لیکن طبیعت کی خرابی کے سبب نبیو سے کچھ بھی نہ

لھایا گیا اور وہ سارا دن اسی طرح کمرے میں نڈھال پڑی رہی جیسے ہی شام کے سائے گہرے ہوئے اور اندھیرا اس کے کمرے کی کھڑکی سے جھانکنے لگا وہ ایک دم ہی بے زار سی ہو گئی دل چاہا کہ فوراً ہی کمرے سے باہر نکل جائے لہٰذا جیسے تیسے وہ اٹھ کھڑی ہوئی پاؤں میں سلیپر پہنے بالوں میں برش کر کے انہیں سمیٹ کر کیچر لگا لیا۔

"مجھے کچھ دیر باہر بیٹھ کر ٹی وی دیکھنا چاہیے۔" گھر میں پھیلے سناٹے سے گھبرا کر اس نے سوچا۔

"کیوں نہ میں ایدھا کے ساتھ باہر واک کر آؤں۔" حالانکہ اس کی ایدھا کے ساتھ اتنی دوستی نہ تھی پھر بھی اس خیال کے ذہن میں آتے ہی وہ ایدھا کے کمرے کی طرف بڑھ گئی حسب معمول اس کے کمرے کا دروازہ بند تھا ویسے بھی حماد اپنی پھوپھو اور دادی کے ساتھ گیا ہوا تھا تو ظاہر ہے کہ ایدھا بھی اس کی طرح اکیلی اپنے کمرے میں ہی تھی اسی سوچ کے تحت اس نے ایدھا کے کمرے کے دروازے کا ناب گھما دیا اور تیزی سے دروازہ کھولتے ہی سامنے نظر آنے والے منظر نے اسے اپنے پاؤں پر کھڑا رہنا دشوار کر دیا ایدھا اپنے کمرے میں اکیلی نہ تھی اس کے ساتھ سکندر بھی تھا ایدھا کے ساتھ ساتھ سکندر کو بھی یہ امید نہ تھی کہ نبیو اس طرح ایدھا کے کمرے میں آجائے گی کیونکہ ایدھا کو کوئی ڈیڑھ سال سے اس گھر میں تھی بلکہ شاید اس سے بھی کچھ زیادہ ٹائم ہو گیا تھا لیکن کبھی بھی آج سے پہلے نبیو اس کے کمرے میں نہ آئی تھی دونوں کا اگر آمنا سامنا ہوتا تھا تو صرف کچن میں یا لاؤنج میں یہ ہی وجہ تھی کہ اسے اس طرح کمرے میں عین اپنے سامنے دیکھ کر سکندر اور ایدھا دونوں کے ہی حواس گم ہو گئے۔

"آپ یہاں کیا کر رہے ہیں؟" وہ اپنے قدم گھسیٹتی سکندر کے سامنے جا کھڑی ہوئی اس کے حلق سے نکلنے والی آواز بھی خلاف توقع خاصی تیز تھی جس کی سکندر کو بالکل بھی امید نہ تھی وہ تو شاید یہ تصور بھی نہ کر سکتا تھا کہ نبیو اس طرح اس کے سامنے کھڑی ہو کر اس سے کسی بھی سلسلے میں جواب طلبی کر سکتی ہے۔

"ایسا تو آج سے پہلے کبھی نہیں ہوا تھا پھر آج کیسے اس میں اتنی جرات آگئی کہ وہ مجھ سے میرے معمولات کے بارے میں دریافت کرے شاید میرا ہی قصور تھا جو میں نے پچھلے کچھ دنوں میں اسے کچھ زیادہ ہی منہ لگا لیا تھا۔" اس سوچ کے دماغ میں آتے ہی سکندر کے ماتھے پر پڑی تیوریوں میں کئی گنا اضافہ ہو گیا۔

"واٹ ڈو یو مین؟" اس نے اپنی بھنویں اچکاتے ہوئے سخت لہجہ میں سوال کیا۔

"تم اچھی طرح جانتی ہو میں اس طرح کے سوال و جواب کا عادی نہیں ہوں۔" تھوڑی دیر قبل نبیو کو اچانک اپنے سامنے دیکھ کر سکندر کے اندر جو گھلٹی سی پیدا ہوئی تھی وہ فوراً ہی اڑن چھو ہو گئی اس نے خود کو ایسے سنبھال لیا جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو جبکہ ایدھا اس تمام گفتگو کے دوران باتھ روم جا چکی تھی بالکل اس طرح جیسے اس کا اس مسئلہ سے کوئی تعلق ہی نہ ہو حالانکہ سکندر کے اس جواب نے نبیو کو دو کوڑی کا کر دیا تھا پھر بھی اس نے ہمت نہ ہاری اور بدستور سکندر کے سامنے ڈٹی کھڑی رہی۔

"بے شک آپ اس طرح کے سوال و جواب کے عادی نہ ہوں گے لیکن آج آپ کو میرے اس سوال کا جواب دینا ہو گا کہ آپ اس آوارہ لڑکی کے ساتھ کس طرح گلچھرے اڑا رہے ہیں؟ آپ میں ذرا سی بھی شرم ہو تو آپ کو پتا چلے کہ یہ کتنی گھٹیا حرکت ہے جو ابھی آپ نے کی ہے۔" سکندر جیسا بھی تھا اس کا قانونی شوہر تھا اس کے بیٹے کا باپ تھا پھر وہ کس طرح برداشت کرتی کہ وہ گھر میں بدحال پڑی ہو اور اس کا شوہر اس کے بچے کی میڈ کے ساتھ عیاشی کر رہا ہو۔

"ہٹو میرے سامنے سے تم جاہل قوم کی جاہل عورت تم لوگوں کو سوائے دوسروں کی کردار کشی کے کوئی اور کام بھی کرنا آتا ہے یا نہیں؟" وہ حلق کے بل چلایا اس کی تیز آواز سنتے ہی نبیو لرز گئی وہ گھر پر بالکل تنہا تھی ایسے میں اگر سکندر غصہ کی حالت میں اس

سے کوئی زیادتی کرتا تو وہ اپنا بچاؤ بھی نہ کر سکتی تھی اس خیال کے تحت ہو سکتا ہے کہ وہ خاموشی سے کمرے سے باہر نکل جاتی اگر باتھ روم سے ٹاول لپیٹ کر ایدھا باہر نہ نکل آتی اس کے شرمناک حلیے نے نبیو کو سلگا کر رکھ دیا لیکن اس سے بھی زیادہ گھٹیا اس کی وہ حرکت تھی جو اس نے نبیو کو تپانے کے لیے کی وہ اسے بالکل نظرانداز کرتی ہوئی سکندر کی جانب بڑھی اور اسے بازو سے تھام لیا۔

"کول ڈاؤن مائی ڈیئر۔" سکندر کے کندھے پر پیار سے اپنا بازو رکھتے ہوئے اس نے پچکارا اور پھر اسے ساتھ لیے نبیو کے پاس سے گزرتی باہر نکل گئی اس کی اس حرکت نے نبیو کی برداشت کو بالکل ختم کر دیا اور وہ خود پر سے اختیار کھو بیٹھی تیزی سے ان کے پیچھے باہر لپکی اور حلق کے بل چلائی۔

"چھوڑو اسے حرافہ عورت۔" وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ ایدھا اردو نہیں جانتی لیکن اپنے غصہ کا اظہار اپنی زبان میں زیادہ اچھی طرح کیا جا سکتا ہے۔ اس کے منہ سے نکلنے والے ان الفاظ کی دیر تھی کہ سکندر نے پلٹ کر ایک زوردار طمانچہ اس کے منہ پر دے مارا۔

"منع کیا تھا زیادہ بکواس مت کر لیکن تم پچ تمہاری سمجھ میں کوئی بات نہیں آتی الو کی پٹھی اب بول کے دکھاؤ۔" نبیو کے سر کے بالوں کو اس نے اپنی مٹھی میں جکڑ کر زوردار جھٹکا دیتے ہوئے نفرت سے کہا خوف کے سبب نبیو کی سانس بند ہونے لگی۔

"چھوڑو مجھے پلیز مجھے چھوڑ دو۔" خود کو چھڑوانے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے وہ رو پڑی لیکن اس کے رونے کا بھی سکندر جیسے پتھر دل انسان پر کوئی اثر نہ ہوا۔

"اب بولو اگر اپنے باپ کی اولاد ہو تو اب بکو، جو تم پچھلے پندرہ منٹ سے بک رہی ہو گھٹیا عورت۔" اسے سر کے بالوں سے پکڑ کر سکندر نے دیوار پر دے مارا اس کے ہونٹوں سے رستے خون کا ذائقہ اس کے حلق کے اندر تک اتر گیا دیوار سے ٹکرانے کے بعد وہ ننگے فرش پر آگری تکلیف کی شدت کے سبب اس کے حلق سے تیز چیخ برآمد ہوئی ساتھ ہی اس کے پیٹ میں اینٹھن سی ہوئی جس کے سبب اس کے لیے فرش سے اٹھنا محال ہو گیا اسے اب اندازہ ہوا کہ وہ صبح سے بھوکی ہے وہ اپنا پیٹ پکڑ کر بلک بلک کر رونے لگی اس کی یہ آواز سننے والا وہاں کوئی نہ تھا ایدھا اور سکندر وہاں سے جا چکے تھے یہ جانے بغیر کہ وہ زندہ بھی ہے یا نہیں اور وہ ساری رات اس نے ایک شدید اذیت کے عالم میں گزاری خود کو بمشکل گھسیٹتی وہ اپنے کمرے تک آئی اور بستر پر گرتے ہی بلک بلک کر رونے لگی اس کا یہ رونا، تکلیف اور تڑپ دیکھنے والا وہاں کوئی نہ تھا سوائے اللہ کی ذات کے جو بندوں سے ان کے کیے گئے ہر ظلم کا حساب ضرور لیتا ہے لیکن بندہ اس بات کو نہیں سمجھتا یہ ہی وجہ ہے وہ ظلم کرتے وقت اللہ کو بھول جاتا ہے لیکن اللہ بدلہ لیتے ہوئے ظالم کو یاد ضرور رکھتا ہے اور اسے ہی شاید مکافات عمل کہتے ہیں۔

☼ ☼ ☼

نبیو نے کمرے سے باہر نکلنا بالکل ترک کر دیا تھا بس صبح میں ایک کپ چائے کے ساتھ کوکیز لے لیتی یا پھر دل کرتا تو نوڈلز بنا لیتی ورنہ سارا دن کمرے میں پڑی رہتی اپنی تکلیف سے بڑھ کر احساس ذلت تھا جو اسے کمرے سے باہر نکلنے بھی نہ دیتا اس کی بھوک و پیاس بالکل ختم ہو چکی تھی وہ خود میں ایدھا کا سامنا کرنے کی ہمت نہ پاتی تھی ایدھا اس دن سے مسلسل اس کے لیے دوپہر میں کھانا رکھ جاتی تھی لیکن نبیو کا دل ہی نہ چاہتا کہ وہ اس کھانے کو ہاتھ لگائے یہ ہی وجہ تھی کہ ایک دن کا کھانا اگلے دن دوپہر تک جوں کا توں پڑا رہتا جو ایدھا واپس لے جاتی اور پھر سے تازہ کھانا رکھ جاتی اس واقعہ کے تقریباً چار دن بعد رفیدا اور فاطمہ بھی واپس آگئیں فاطمہ جس دن سندھ کا کن گئی تھیں نبیو کی طبیعت اس دن بھی خراب تھی یہ ہی وجہ تھی کہ سامان رکھ کر ہاتھ منہ دھوتے ہی وہ نبیو کے کمرے میں آگئیں جو اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔

"کیا ہوا تم نے لائٹ کیوں نہیں جلائی۔" فاطمہ نے ٹٹول کر سوئچ بورڈ سے ٹیوب لائٹ کا بٹن آن کیا اور ایک سیکنڈ میں ہی کمرا دودھیا روشنی میں نہا گیا سامنے ہی بیڈ پر آڑی ترچھی نیبو پڑی تھی جس کی دھونکنی کی مانند تیز چلتی سانسوں کی آواز اتنی دور سے بھی واضح سنائی دے رہی تھی۔ فاطمہ تیزی سے آگے بڑھیں اور نیبو کے چہرے پر بکھرے ہوئے بالوں کو سمیٹا اور اس کے ماتھے پر ہاتھ رکھا جو بخار کی شدت سے سلگ رہا تھا وہ گھبرا اٹھیں اور اسے چھوڑ کر تیزی سے باہر کی جانب لپکیں۔

"ایدھا... ایدھا۔" سکندر گھر واپس آچکا تھا اور برآمدے میں رفیدا کے قریب ہی بیٹھا شادی کا احوال سن رہا تھا ایک دم جو گھبراہٹ کے عالم میں کمرے سے باہر آتی فاطمہ کو دیکھا تو خود بھی اٹھ کھڑا ہوا۔

"کیا ہوا اماں خیریت تو ہے؟"

"خیریت کہاں؟ جانتے ہو نیبو سخت بخار میں پھنک رہی ہے اور تمہیں اتنا بھی ہوش نہیں کہ اسے ڈاکٹر کے پاس ہی لے جاتے۔" فاطمہ غصہ سے چلائیں۔

"ہفتہ والے دن بھائی صالح اس سے ملنے آرہے ہیں اور اس کی حالت دیکھو تو ایسا محسوس ہو رہا ہے جیسے کوئی مردہ ہو لوگ کیا سمجھیں گے ہم نے اسے بھوکا مار رکھا ہے۔" فاطمہ کی پریشانی ان کے لہجہ سے ہویدا تھی۔

"ہاں تو آنے دو ماموں صالح کو وہ خود دیکھ لیں ایک بیمار مریضہ جو انہوں نے پاکستان سے لاکر ہمارے پلے باندھ دی ویسے بھی اماں برا نہ منانا وہ تو جس دن سے شادی ہو کر یہاں آئی ہے ایسی ہی گم سم ہے لگتا ہے اسے ہم پسند ہی نہ آئے تھے بلکہ میرا تو خیال ہے وہ یہاں شادی پر راضی ہی نہ تھی۔" رفیدا نے اپنے بھائی کی حمایت کرتے ہوئے کہا۔

"دراصل میں ماموں صالح نے کوئی فکر و گر تو دیکھا نہیں بس نری گوری چمڑی لاکر میرے متھے منڈھ دی اور اب جو میں ان کا لایا ہوا تحفہ بھگت رہا ہوں تو میرے خیال میں اس سلسلے میں انہیں ہمارا شکر گزار ہونا چاہیے۔" سکندر کی ڈھٹائی پورے عروج پر تھی۔

"پھر بھی سکندر جو بھی ہے وہ تمہاری بیوی ہے ذمہ داری ہے وہ تمہاری۔" جانے کیوں آج فاطمہ کے اندر نیبو کی ہمدردی جاگ رہی تھی۔

"اماں تم کو پتا تھا مجھے بھرے بھرے جسم کی لڑکیاں اچھی لگتی ہیں یہ سوکھی چمڑی تو مجھے کبھی بھی پسند نہ آئی پھر بھی تم نے ماموں صالح کے کہنے پر مجھے یہاں پھنسایا۔" اور سکندر کے ان الفاظ نے اندر پڑی نیبو کو سلگا کر رکھ دیا ہے بے عزتی اور ہتک کے شدید احساس نے اس کے اعصاب کو سن کر دیا وہ جو بچپن سے اس خیال میں زندہ تھی کہ حسن اس کی پہچان ہے آج یہ خیال ٹوٹ کر کرچی کرچی ہو گیا۔

"حسن دیکھنے والے کی نظر میں ہوتا ہے۔" بہت پہلے کہیں پڑھا ہوا یہ جملہ آج شدت سے اسے یاد آیا اور وہ سسک پڑی۔

"جس سے محبت کی جائے وہ دنیا کا حسین ترین انسان ہوتا ہے۔ ہماری محبت دیکھنے والے کو حسن بخشتی ہے۔" ایسا محسوس ہوا جیسے سنان اس کے کان کے قریب گنگنایا ہو وہ چونک اٹھی بمشکل آنکھیں کھولیں اور تکیہ سے سر اٹھایا سارا کمرہ بھائیں بھائیں کر رہا تھا جبکہ باہر سے سکندر اور رفیدا کی مسلسل آوازیں سنائی دے رہی تھیں جانے سکندر کیا کہہ رہا تھا کیونکہ اب وہ ملائی میں بات کر رہا تھا جو نیبو کو سمجھ تو آتی تھی لیکن اس کے تیز تیز بولتے جملے اس کیفیت میں وہ سمجھ نہ پا رہی تھی البتہ ہر جملے کے ساتھ رفیدا کی بے اختیار ہنسی اسے اپنی ذات کی تذلیل محسوس ہو رہی تھی۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے رفیدا اس پر ہی ہنس رہی ہو اور پھر یہ آوازیں یک دم بند ہو گئیں اور باہر خاموشی طاری ہو گئی اور اگلے ہی سیکنڈ میں فاطمہ کمرے کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گئیں وہ خاموشی سے آنکھیں موندے لیٹی تھی آنسو ایک لکیر کی شکل میں اس کے گالوں پر بہہ رہے تھے۔

"نیبو" فاطمہ نے بالکل قریب آکر اسے پکارا۔

"سکندر گاڑی نکال رہا ہے تم کپڑے تبدیل کر کے باہر آجاؤ میں تمہیں ڈاکٹر کے پاس لے کر جاؤں۔" فاطمہ نے آہستہ سے اسے کندھے تھام کر ہلایا وہ بنا کچھ کہے خاموشی سے اٹھ کھڑی ہوئی بمشکل اپنے وجود کو گھسیٹتی الماری سے کپڑے نکال کر باتھ روم میں گھس گئی سنک کے سامنے کھڑے ہو کر اپنے منہ پر پانی کے چھینٹے مارتے ہوئے بے اختیار اس کی نظر سامنے لگے آئینہ میں نظر آتے اپنے عکس پر پڑی زرد چہرہ اندر دھنسی آنکھیں جن کے گرد کالے حلقے نمایاں تھے یہ تو وہ نیبو ہرگز نہ تھی جسے وہ جانتی تھی جانے وہ ہنستا مسکراتا خوبصورت چہرہ کہاں گم ہو گیا اس وقت تو سامنے نظر آنے والا چہرہ کسی مردے کے چہرے سے بھی بدتر تھا۔

"سکندر صحیح کہتا ہے کیا ہے مجھ میں جو کوئی شخص مجھ سے محبت کرے میں ایسی تو نہ تھی پھر مجھے کیا ہوتا جا رہا ہے۔" اپنی حالت پر تاسف زدہ وہ کمرے سے باہر نکلی گھر کے عین سامنے سکندر گاڑی لیے کھڑا تھا فاطمہ بھی اس کے ساتھ تھیں وہ خاموشی سے پچھلا دروازہ کھول کر ڈھے سی گئی سکندر اور فاطمہ جانے آپس میں کیا بات کر رہے تھے اس نے سننے کی کوشش ہی نہ کی اور بددلی سے گاڑی کی سیٹ سے ٹیک لگا کر آنکھیں موندلیں اور تقریباً پندرہ منٹ کے اندر ہی وہ ایک مشہور سرکاری اسپتال میں موجود تھی جہاں آتے ہی اکثر اسے اپنے ملک کے سرکاری اسپتال یاد آجاتے جن کا کوئی پرسان حال نہ تھا جبکہ یہاں کی گورنمنٹ اپنے عوام کو تمام تعلیمی اور صحت کی سہولیات فراہم کرنے کی ذمہ دار تھی جس کا واضح ثبوت وہاں کے سرکاری اسپتال اور اسکول تھے اسپتال کی ایمرجنسی میں آئے اسے بمشکل پندرہ سے بیس منٹ ہی ہوئے تھے جب اس کے تمام ٹیسٹ لے لیے گئے اور پھر جلد ہی اس کی تمام میڈیکل رپورٹس بھی آگئیں اس تمام عرصہ میں سکندر سخت بےزار کن صورت بنائے اس کے قریب ہی کرسی پر براجمان تھا جبکہ فاطمہ باہر تھیں۔

"مبارک ہو مسٹر سکندر آپ کی بیوی امید سے ہے۔" ٹیبل کے سامنے بیٹھی لیڈی ڈاکٹر نے تمام رپورٹس کا جائزہ لینے کے بعد سکندر کو مقامی زبان میں مخاطب کیا۔

"پریگننٹ۔" اسے یک دم شاک سا لگا وہ تو جب سے پاکستان سے آئی تھی مسلسل منصوبہ بندی کی گولیاں استعمال کر رہی تھی پھر یہ سب کیسے ہو گیا وہ پریشان ہو اٹھی اور اس کی یہ پریشانی فاطمہ اور سکندر سے چھپی نہ رہ سکی۔

"کیا تم یہ بچہ نہیں چاہتیں؟" گاڑی میں بیٹھتے ہی سکندر نے قدرے چبھتے ہوئے انداز سے نیبو سے سوال کیا اور یہ ایک ایسا سوال تھا جس کا جواب چاہتے ہوئے بھی نیبو وہاں نہ دے سکی۔

"میرے چاہنے یا نہ چاہنے سے کیا ہوتا ہے اب تو جو ہونا تھا وہ ہو چکا۔" تلخی سے جواب دے کر اس نے اپنی نظر کھڑکی سے باہر دوڑتے بھاگتے نظاروں پر لگادی ہلکی ہلکی برستی بارش باہر کے مناظر کو بہت خوبصورتی بخش رہی تھی لیکن آج نیبو کو کچھ بھی اچھا نہ لگ رہا تھا اس کے دل کا موسم خزاں زدہ تھا اور سچ تو یہ ہے کہ باہر کا موسم بھی صرف اس وقت ہی اچھا لگتا ہے جب آپ کے اندر کا موسم اچھا ہو اور پھر گھر پہنچتے ہی اس نے پہلی فرصت میں ربیعہ کو کال ملا کر ساری بات بتائی۔

"او مبارک ہو۔" ربیعہ نے خلوص دل سے اسے مبارک دی جسے نیبو نے بالکل نظر انداز کر دیا ربیعہ کو ساری بات بتانے کا مقصد ہرگز یہ نہ تھا جو وہ سمجھی تھی نیبو کے پاس سوائے ربیعہ کے کوئی ایسا ساتھی نہ تھا جس سے وہ اپنا اتنا اہم مسئلہ ڈسکس کر سکتی۔

"مجھے یہ بچہ نہیں چاہیے۔" وہ فیصلہ کن انداز میں بولی۔

"مجھے ابارشن کروانا ہے۔ میں نے اس سلسلے میں مشورہ کرنے کے لیے تمہیں فون کیا ہے۔"

"پاگل ہو گئی ہو تم بھلا تم خود سوچو تم دونوں میاں بیوی کے کسی بھی پرابلم سے اس معصوم جان کا کیا تعلق ہے جو ابھی دنیا میں آئی بھی نہیں ہے۔" ربیعہ نے اسے سمجھاتے ہوئے بڑے پیار سے کہا۔

"تم نہیں جانتیں ربیعہ! میں نے حماد کی پیدائش سے لے کر آج تک کا وقت کتنی اذیت سے گزارا ہے۔ ابھی تو میں اس اذیت ہی کی عادی نہیں ہو سکی ہوں تو بتاؤ بھلا مزید تکلیف کیسے بھگت سکوں گی' میرا یقین کرو ربیعہ پورے نو ماہ کی تکلیف برداشت کر کے اپنا بچہ کسی دوسرے کے حوالے کرنا کس قدر اذیت ناک عمل ہے۔ تم کبھی نہ جان سکوگی' کیونکہ تم اس تکلیف سے نہیں گزریں۔" وہ سسک رہی تھی' اس کے لہجہ میں بولتا دکھ ربیعہ کا دل چیر رہا تھا۔ اس کے پاس کوئی ایسا جملہ نہ تھا جس سے وہ اس ہجر کی ماری ماں کو تسلی دے۔ لیکن جو بھی تھا نبیو کے دکھ اور تکلیف نے اسے بھی رُلا دیا۔ بے شک وہ بھی یہاں پردیس میں اپنے گھر والوں سے دور تن تنہا تھی' لیکن اس کے ساتھ عبدالوہاب اور اس کے دو پیارے پیارے بچے تھے' جبکہ نبیو تو بالکل ہی تہی دامن تھی۔

"اگر تم میری اس سلسلے میں کوئی مدد نہیں کر سکتیں تو میں سامنے والی شوبھا سے بات کر لیتی ہوں۔" اس کی مسلسل خاموشی سے اپنا مطلوبہ نتیجہ حاصل کرتی ہوئی نبیو بولی۔

"دیکھو نبیو جو تم چاہ رہی ہو وہ اس مسئلے کا حل نہیں ہے۔"

"تو پھر تم بتاؤ حل کیا ہے۔" جواباً" وہ تھکے تھکے انداز میں بولی۔

"میری مانو تم اس سلسلے میں انکل صالح سے بات کرو' انہیں اپنا تمام مسئلہ بتاؤ' انہیں ہر وہ بات بتادو جو تمہارے دل کے اندر ہے اپنے ساتھ سکندر کا رویہ' ایدھا اور سکندر کے تعلقات اور حماد کی خود سے دوری جہاں تک میں سمجھتی ہوں وہ یقیناً" اس سلسلے میں تمہاری مدد کریں گے' کیونکہ یہاں سارے خاندان میں ان کی کافی سنی جاتی ہے۔" ربیعہ اسے سمجھاتے ہوئے بولی۔

"یاد رکھو نبیو ظلم کرنے سے زیادہ گناہ گار وہ ہے جو ظلم سہتا ہے۔ اپنی خاموشی کو ختم کرو' کب تک اس احساس کے ساتھ اپنی ہر بے عزتی برداشت کروگی کہ کہیں تمہارے حالات لوگوں کو تم پر نہ ہنسائیں۔ نبیو! اپنے اندر ہمت پیدا کرو' حالات کا مقابلہ کرنے کی اور یہ عہد کرو کہ کچھ بھی ہو جائے تم نے اپنا یہ بچہ سکندر کے حوالے نہیں کرنا اور اس کے لیے ابھی سے کوشش کرو۔" ربیعہ نے اسے ایک نیا راستہ دکھایا۔ یہ سب تو اس نے کبھی سوچا بھی نہ تھا اب جو ربیعہ نے سمجھایا تو اسے سب کچھ سمجھ میں آگیا۔

"ہاں شاید تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔" ربیعہ کی حوصلہ افزائی نے اس کے اندر ایک نئی روح پھونک دی۔

"مجھے انکل صالح سے ضرور بات کرنی چاہیے۔"

"ہاں ضرور کرو اور اگر پھر بھی تمہارے مسئلے کا حل نہ نکلے تو میں تمہارے ساتھ ہوں۔" فون رکھتے رکھتے اس نے نبیو کو ہر ممکن تسلی دی۔

☼ ☼ ☼

تمہارے یوں بچھڑنے کا مداوا ہو بھی سکتا تھا
ذرا جو تم ٹھہر جاتے کوئی تدبیر کر لیتے

سنان اپنی آنکھوں پر بازو رکھے پچھلے ایک گھنٹہ سے اسی پوزیشن میں لیٹا ہوا تھا۔ بظاہر تو ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے سوچکا ہو۔ لیکن اس کے مسلسل ملتے پاؤں اس امر کی نشاندہی کر رہے تھے کہ وہ جاگ رہا ہے۔ شبنم دوبار اسے اسی حالت میں لیٹا دیکھ کر دروازے سے واپس پلٹ گئی تھیں۔ لیکن اب جو تیسری بار انہوں نے اندر جھانکا تو اسی سابقہ پوزیشن میں اسے لیٹا دیکھ کر وہ واپس نہ پلٹ سکیں اور اندر داخل ہو کر اس کے بالکل سر کے قریب جا پہنچیں۔

"سنان۔۔۔" انہوں نے ہولے سے پکارا۔ کچھ دیر جواب کا انتظار کیا۔ کوئی رسپانس نہ پا کر وہ بے اختیار اس کا بازو ہلا بیٹھیں۔

"سنان۔۔۔"

"جی۔۔۔" اس نے اسی پوزیشن میں لیٹے لیٹے جواب دیا۔

"کھانا کھالو بیٹا دوپہر کے تین بج گئے ہیں۔"

"مجھے بھوک نہیں ہے۔" اس کی سابقہ پوزیشن برقرار تھی۔ اس کے انکار کے بعد مزید بحث کرنا بے کار تھا۔ شبنم جانتی تھیں کہ اگر اس نے انکار کر دیا تو اب اس سے ہاں کروانا مشکل ہے۔ کیونکہ پچھلے کچھ سالوں سے وہ پہلے والا سنان نہ رہا تھا جو اپنی ماں کی ہر بات پر ہاں کرنا اپنا فرض سمجھتا تھا اور یقیناً" اس سب کی ذمہ دار وہ خود ہی تھیں۔ کچھ دیر تو وہ اس کے انکار کے بعد بھی کھڑی رہیں۔ لیکن جب کوئی رد عمل سنان کی طرف سے نہ ملا تو تھکے تھکے قدموں سے واپسی کے لیے پلٹ گئیں۔ ابھی دروازے تک نہ پہنچی تھیں کہ اپنے پیچھے انہیں سنان کی آواز سنائی دی۔

"ایک منٹ امی رکیے گا۔" وہ فوراً" رک گئیں اور پلٹ کر دیکھا سنان بیڈ سے پاؤں لٹکا کر بیٹھا ہوا تھا۔ شبنم اس کے پاس جا کھڑی ہوئیں۔

"کیا ہوا بیٹا بولو۔" بے قراری ان کے لہجہ میں جھلک رہی تھی۔ انہیں پکارنے والا بالکل ساکت ہو چکا تھا' جیسے کوئی پتھر کا مجسمہ۔

"سنان تم کچھ کہہ رہے تھے۔" شبنم نے بے اختیار اس کے کندھے کو پکڑ کر ہلایا۔

"آں۔۔۔ ہاں۔" وہ چونک اٹھا۔ نظر اٹھا کر ماں کی جانب تکا۔ اس کی لال سرخ آنکھوں میں پانی سا تیر رہا تھا۔ کسی خیال کے تحت شبنم شرمندہ سی ہو گئیں۔

"کیا بات ہے بیٹا بولو۔" نہ چاہتے ہوئے بھی نمی ان کے لہجہ میں گھل گئی۔

"امان کی شادی میں نبیو آپ سے ملی تھی۔۔۔؟" یہ کیسا سوال تھا شبنم کو امید نہ تھی کہ سنان ان سے نبیو کے بارے میں کوئی بات کرنے والا ہے۔ وہ گڑبڑا سی گئیں۔ سمجھ ہی نہ آیا کیا جواب دیں۔

"ہاں ملی تو تھی کیوں کیا ہوا؟"

"نہیں بس ایسے ہی پوچھ لیا' پتا نہیں کیوں مجھے ایسا لگ رہا ہے وہ اپنے گھر میں خوش نہیں ہے۔" وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑایا۔

محسوس تو شبنم کو بھی ایسا ہی ہوا تھا۔ لیکن جب انہوں نے رجاب سے یہ ذکر کیا تو اس نے فوراً" سے بیشتر ان کے اس خیال کو رد کر دیا۔

"یہ صرف آپ کی فضول سوچ ہے۔ وہ اپنے گھر میں بہت خوش ہے۔ ہر دوسرے دن سکندر بھائی کا اسے فون آتا ہے اور پھر ایسا شوہر کہاں ملے گا جو بیوی کے پیچھے اس کا بچہ سنبھال رہا ہو اور بیوی مزے سے گھوم پھر رہی ہو اور ہاں پلیز اب آپ یہ الٹی سیدھی باتیں سنان کے سامنے مت کیجیے گا۔"

اتنے سال گزرنے کے باوجود رجاب کے لہجہ میں آج بھی نبیو کے لیے موجود حسد جھلک رہا تھا۔ اس دن کے بعد انہوں نے دوبارہ اس نہج پر سوچا بھی نہ تھا تو پھر یہ بات سنان تک کیسے پہنچی جہاں تک انہیں یاد پڑتا تھا سنان تو نبیو سے ملا بھی نہ تھا اور وہ بھی ان کے گھر ہونے والی دعوت میں بھی شریک نہ ہوئی تھی۔ پھر سنان نے اتنی گہرائی تک کیسے سوچا۔

"تم ملے تھے نبیو سے؟" اپنے اندر کی خلش ان کی نوک زبان پر بھی آگئی۔

"آپ کو امید ہے کہ اتنا سب کچھ ہونے کے بعد وہ مجھ سے ملے گی۔" الٹا وہ ان سے سوال کر بیٹھا' جس کا جواب شبنم کے پاس نہ تھا۔

"آپ اسے نہیں جانتیں امی وہ بہت ضدی لڑکی ہے' ایک بار جو چھوڑ دیا سو چھوڑ دیا۔ وہ سست ضرور ہے' لیکن اگر کسی مقصد کو اپنی زندگی کا حصہ سمجھ لے تو ہار نہیں مانتی اور پھر میرے پاس تو خود اتنی ہمت نہ تھی کہ میں اسے فیس کر سکتا۔ آپ تو اچھی طرح جانتی ہیں نا کہ میں نے آپ سب کے کہنے پر کس طرح اس کا دل توڑا تھا اور مجھے یقین تھا کہ جو کچھ میں اس سے کہہ رہا ہوں اس سب کے بعد میں کبھی بھی دوبارہ اس سے بات نہ کر سکوں گا پھر بھی میں نے وہ سب کیا جسے کرنے پر میرا دل اور ضمیر دونوں آمادہ نہ تھے۔" وہ تھکے تھکے لہجہ میں بولا' شبنم چور سی بن گئیں۔

"میں نے اسے ایک' دو بار باہر دیکھا تھا۔ اس کے چہرے کی شادابی نچڑ گئی ہے۔ آنکھوں کی چمک ماند پڑ گئی ہے۔ وہ بہت نڈھال تھی۔ ہنسی اس کے لبوں تک آنا بھول گئی ہے۔ بہت کمزور ہو گئی ہے امی وہ۔" وہ ایک جذب کے عالم میں بول رہا تھا۔ اس کے الفاظ

قطرہ قطرہ بن کر شبنم کے دل میں اتر رہے تھے۔ کاش جنید اور رجاب اپنی ضد میں میرے بچے کی خوشیاں داؤ پر نہ لگاتے۔ کیا ملا ان دونوں کو میرے معصوم بچے کا دل اجاڑ کر، لیکن شاید نبیو اس کا نصیب ہی نہ تھی۔ ورنہ یہ سب کچھ اتنا مشکل نہ ہوتا جتنا ہوتا گیا۔ اس کو کہتے ہیں اللہ کے رضا اور نصیب کا لکھا جس کے آگے انسان بالکل بے بس ہو جاتا ہے اور اس سوچ نے ان کے دل کو ڈھارس دینے میں مدد دی۔

"تمہارے ماموں کا فون آیا تھا۔" ضروری تھا کہ سنان کا دھیان کسی اور طرف لگایا جائے۔

"وہ رخصتی کے بابت دریافت کر رہے تھے کہ کب تک ارادہ ہے۔" انہیں یہ ہدایت بھی رجاب نے ہی دی تھی کہ سنان کو جلد از جلد مدینہ کے پاس بھیج دیں۔ تاکہ اس کا دل بہل سکے۔ کیونکہ سنان کی یہ کھوئی کھوئی سی کیفیت کسی سے بھی پوشیدہ نہ تھی۔ اس کے قریبی سب لوگ ہی جانتے تھے کہ وہ نبیو کے فراق میں دنیاداری بھول چکا ہے۔ آج بھی اس کے دل سے نبیو کی یاد نہیں گئی۔ وہ ابھی بھی اس کے حصار محبت میں گرفتار ہے اور اس کا آسان حل یہی نظر آ رہا تھا کہ جلد از جلد اس کی شادی کروی جائے۔ تاکہ وہ گھرداری میں الجھ کر اپنے ماضی سے پیچھا چھڑا سکے۔ حالانکہ ماضی ایسی چیز ہے جو انسان کا پیچھا اتنی آسانی سے نہیں چھوڑتا۔ مگر یہ بات سب کی سمجھ میں نہیں آتی۔

"آپ کا جب دل چاہے یہ کار خیر انجام دے دیں۔ کیونکہ مجھے اس تمام سلسلے سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ پاؤں میں سلیپر پہنے اور بڑے بڑے ڈگ بھرتا دروازہ کھول کر کمرے سے اور پھر گھر سے ہی باہر نکل گیا۔ اسے جاتا دیکھ کر شبنم کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور بے اختیار ان کے دل سے دعا نکلی۔

"اے خدا میرے بیٹے کے نصیب میں بھی سچی خوشیاں لکھ دے۔ وہ خوشیاں جو اس سے روٹھ گئی ہیں، اس کے نصیب کی روٹھی خوشیوں کی ذمہ دار بھی میں ہی ہوں، میری بدنصیبی کہ بیٹی کا گھر بسانے کے لیے بیٹے کا دل اجاڑ دیا۔ میرے مالک مجھے معاف کر دے۔" دعا کے ساتھ ساتھ ان کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔

☼ ☼ ☼

نبیو کے فون کرنے کے دو دن بعد ہی صالح محمد اور عائشہ فاطمہ کے گھر آن موجود ہوئے۔ ان کا غصے سے سرخ چہرہ اور اکھڑا اکھڑا انداز فاطمہ کو سمجھا گیا کہ ضرور دال میں کچھ کالا ہے۔ ویسے بھی صالح محمد نا صرف ان سے بڑے تھے بلکہ اپنی بارعب شخصیت کے باعث سارے خاندان میں عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ ان کی اس طرح بغیر اطلاع آمد فاطمہ اور گھر کے دیگر افراد کے لیے اچنبھے کا باعث تھی۔

"مجھے تو یقین نہیں آتا کہ تم اتنی ظالم بھی ہو سکتی ہو۔"

فاطمہ کے سلام کے جواب میں انہوں نے کھڑے کھڑے ہی انہیں لتاڑ دیا۔

"بھلا پرائے دیس سے ایک بچی لا کر اس کے ساتھ ایسا سلوک بھی روا رکھا جا سکتا ہے، جو تم سب نے مل کر نبیو کے ساتھ کیا۔ مجھے تو شرم آتی ہے تمہیں اپنی بہن کہتے ہوئے۔" وہ صوفہ پر بیٹھنے کے بعد بھی مسلسل بول رہے تھے۔ غصہ کی شدت سے ان کا چہرہ لال بھبھوکا ہو رہا تھا۔

"میری سمجھ میں نہیں آ رہا ماموں کہ ہم نے ایسا کیا کر دیا جو آپ آتے ہی اتنا غصہ کر رہے ہو۔" فاطمہ تو خاموشی سے سر جھکائے کھڑی تھیں، لیکن رفیدا جو ماموں کی آمد کی اطلاع سن کر ابھی ابھی لاؤنج میں آئی تھی۔ زیادہ دیر برداشت نہ کر سکی اور فوراً ہی بول پڑی۔ اس کے اس طرح بولنے کا صالح محمد نے سخت برا منایا۔ جس کا اندازہ ان کے چہرے کے بگڑے زاویے کو دیکھ کر بخوبی لگایا جا سکتا تھا۔

"تم خاموش رہو رفیدا ہم تم سے بات نہیں کر رہے۔" رفیدا کی دخل اندازی عائشہ کو بھی پسند نہ آئی اور انہوں نے فوراً ٹوک دیا۔

"یہ اس گھر کی ممبر ہے مامی اور آپ اس سے اس لہجہ میں بات نہیں کر سکتیں۔" سکندر نے ایک نظر رفیدا کے خفت زدہ چہرے پر ڈالی اور پھر فوراً پلٹ کر عائشہ کو جواب دیا۔

"اور تم لوگ سب کر سکتے ہو؟" عائشہ نے تیکھے لہجے میں پوچھا۔

"میں آپ کی بات سمجھا نہیں، آپ ذرا کھل کر بتائیں، کیا کہنا چاہتی ہیں۔" سکندر کی بے نیازی پورے عروج پر تھی۔

"پہلے تو تم مجھے یہ بتاؤ یہ سامنے کھڑی لڑکی کون ہے؟" صالح محمد نے عائشہ کو اشارے سے خاموش کرواتے ہوئے دروازے میں کھڑی ایدھا کی سمت دیکھا۔ جس کا مختصر لباس انہیں مجبور کر رہا تھا کہ اس کے متعلق کی جانے والی گفتگو کے دوران بھی اس کی طرف نگاہ اٹھانے سے گریز کیا جائے۔

"حماد کی میڈ۔" جواب سکندر کے بجائے رفیدا کی جانب سے آیا۔

"لیکن مجھے تو یہ میڈ سے زیادہ کچھ اور دکھائی دے رہی ہے۔"

"میں آپ کا مطلب پھر نہیں سمجھا کہ آپ کیا کہنا چاہ رہے ہیں۔"

"اس عورت کا حلیہ میڈ سے زیادہ دھندا کرنے والی جیسا ہے۔" اب انکل صالح سے مزید برداشت نہ ہوا اور وہ ترخ کر بولے۔

"ماموں آپ جو بات کرنے آئے ہیں وہ کریں۔ میرے گھر کے کسی بھی فرد کی کردار کشی کا آپ کو کوئی حق حاصل نہیں ہے۔" سکندر نے بات کرنے کے دوران ایدھا کو بھی کمرے میں واپس جانے کا اشارہ کر دیا۔

"دیکھو فاطمہ بات صرف اتنی ہے کہ ایدھا اور سکندر کے درمیان جو بھی تعلق ہے وہ اب کسی سے ڈھکا چھپا نہیں ہے۔" صالح محمد کے ان الفاظ نے کمرے میں موجود تمام لوگوں کے چہرے کی رنگت کو یکسر تبدیل کر دیا۔ کسی کو امید نہ تھی کہ وہ اس طرح کھل کر اس موضوع پر گفتگو کریں گے۔

"اول تو شرعی اور قانونی لحاظ سے یہ تعلق ناجائز ہے۔ دوئم اس تعلق کے نتیجے میں یہ اپنی بیوی کی حق تلفی کر رہا ہے۔ جس کا اسے قطعی احساس نہیں ہے اور نہ ہی تم اسے اس غلطی کا احساس دلا رہی ہو۔ جبکہ یہ تمہاری ذمہ داری ہے کیونکہ تم اس کی ماں ہو۔"

"پہلے تو مجھے یہ بتائیں کہ آپ سے یہ سب بکواس کس نے کی ہے؟" سکندر نے نبیو کی جانب تکتے ہوئے زہرخند لہجہ میں کہا۔

"جس نے بھی کہا تم وہ چھوڑو صرف یہ بتاؤ کیا یہ سب غلط ہے۔ کیا تم نے ایک ماں کی گود اجاڑ کر ڈیڑھ، دو ماہ کا بچہ اس عورت کے حوالے نہیں کیا؟ جواب دو میری ان سب باتوں کا۔"

"میں نے آپ کو پہلے بھی بتایا تھا کہ وہ حماد کی میڈ ہے۔"

"میڈ ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ بچہ کو ماں سے مکمل طور پر علیحدہ کر دیا جائے۔ بہرحال اب تک جو بھی ہوا وہ سب ہو گیا۔ لیکن آئندہ تم مجھے نبیو کا سرپرست سمجھنا اور یاد رکھنا یہ اب میری ذمہ داری ہے اور اس کے سلسلے میں ہونے والی کسی بھی شکایت کی بازپرس میں خود تم سے کروں گا۔ کیونکہ اللہ کے سامنے اس پر کی جانے والی ہر زیادتی کا ذمہ دار میں ہوں۔ میں نے ہی تمہاری نیک نیتی کی گواہی دے کر اس کے باپ سے یہ رشتہ مانگا تھا۔" بات کرتے کرتے صالح محمد اٹھ کھڑے ہوئے۔ ان کے ساتھ ہی عائشہ بھی اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"اور ایک بات اور آئندہ اگر تم لوگوں نے اس بچی سے کوئی زیادتی کرنے کی کوشش کی تو میں اپنا اور تمہارا رشتہ بھول جاؤں گا اور پھر کہیں ایسا نہ ہو کہ میں تم لوگوں کو عدالت میں گھسیٹنے پر مجبور ہو جاؤں۔" سکندر کچھ کہتے کہتے رک گیا۔ فاطمہ بالکل خاموش تھیں جیسے منہ میں زبان ہی نہ ہو۔

"ماموں آپ اطمینان سے بیٹھیں اور کھانا کھا کر جائیں۔" رفیدا نے آگے بڑھ کر صالح محمد کے ہاتھ

تھامتے ہوئے کہا۔

"نہیں رفیدا پہلے یہ صرف میری بہن کا گھر تھا۔ لیکن اب بیٹی کا بھی ہے اور میں بہن بیٹی کے گھر سے پانی پینا بھی پسند نہیں کرتا۔" انہوں نے اپنا ہاتھ چھڑا کر رفیدا کے سر پر رکھتے ہوئے کہا۔

"اور ہاں فاطمہ اب اس بچی کی گود خالی کرنے سے پہلے ہی سوچ لینا کہ اس کا باپ بھی یہاں موجود ہے۔" صالح محمد نے آگے بڑھ کر نیبو کے سر پر ہاتھ رکھا جو قریبی صوفے پر سر جھکائے خاموش بیٹھی اپنے ہونٹ چبا رہی تھی۔ صالح محمد کے اس محبت بھرے اظہار نے اس کے دل کو مزید دکھی کر دیا اور اس کی آنکھیں پانی سے لبالب بھر گئیں۔

"اور ایک آخری بات سکندر تمہیں اور بتا دوں' کسی بھی قانون کے تحت تم اپنی پاک باز اور نیک بیوی سے اس کے بچے چھین کر ایک بے لباس اور فاحشہ کے حوالے نہیں کر سکتے۔ کیونکہ جو تربیت یہ اپنے بچوں کی کر سکتی ہے وہ ایدھا کے بس کی بات نہیں ہے اور اگر یقین نہ ہو تو کسی بھی عدالت میں اس بات کو ثابت کر کے دکھا دینا چلو عائشہ۔" عائشہ کو پکارتے ہوئے وہ شیشے کا دروازہ کھول کر لاؤنج سے باہر نکل گئے۔ ان کے باہر نکلنے کے کچھ دیر تک تو سب لوگ اپنی اپنی جگہ ساکت کھڑے ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔ ان کو سمجھ ہی نہ آ رہا تھا کہ یہ سب کیا ہو گیا۔ ماحول پر ایک سکوت سا طاری ہو گیا تھا جسے رفیدا کی آواز نے توڑا اور سب ہی یک دم ہوش میں آ گئے۔

"ماں تم کو آج کل بہت ہمدردی ہو رہی تھی اس سے اب بھگتو۔" یہ کہہ کر وہ کمرے میں رکی نہیں کچھ گنگناتی اپنے کمرے کی سمت بڑھ گئی اگلے ہی پل سکندر اور فاطمہ بھی اس کے پیچھے ہی چل دیے نیبو خاموشی سے اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گئی ربیعہ کے کہنے پر صالح محمد سے بات کرنے کا اس نے رسک ضرور لے لیا تھا لیکن یہ نہ جانتی تھی کہ اب آگے کیا ہونے والا ہے۔ صالح محمد کی آمد کا رد عمل رات ہونے سے پہلے ہی ظاہر ہونا شروع ہو گیا شام کو ہی سکینہ اپنے بیٹے کبیر کے ساتھ آ گئی کچھ دیر بعد ہی عمر اور روزینہ بھی پہنچ گئے غالباً" ان کی یہ آمد فاطمہ یا سکندر کی طرف سے کیے جانے والے فون کال کا نتیجہ تھی۔ آتے ہی ان کا زور زور سے بولنا اس بات کی نشاندہی کر رہا تھا کہ وہ تمام بات سے بخوبی آگاہ ہیں نیبو کے کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا جس سے باہر ہونے والی ہنگامہ آرائی اس کے کمرے تک آ رہی تھی۔

"اس کی اتنی جرات کیسے ہوئی کہ اس نے ماموں کو فون کر کے سکندر کی کردار کشی کی۔" سکینہ کا اشارہ یقیناً" اسی کی جانب تھا۔

"معاف کرنا سکندر اس میں سارا قصور تمہارا ہے تم اچھی طرح جانتے ہو میرا میاں ابھی بھی میرا موبائل چیک کرتا ہے کہ میں کس سے بات کر رہی ہوں ایک تم ہو جس نے شاید کبھی یہ بھی نہیں دیکھا کہ تمہاری بیوی کے فون میں کس کس کا نمبر موجود ہے۔" سکینہ کی بات سو فیصد جھوٹ پر مبنی تھی اس کا میاں نا صرف ایک شریف النفس انسان تھا بلکہ اس پر سکینہ کا مکمل کنٹرول بھی تھا۔ نیبو تو کیا کوئی بھی نہیں مان سکتا تھا کہ وہ سکینہ کا فون چیک کرتا ہو گا لیکن اس کی بات رد کرنے کی جرات بھی کسی میں نہ تھی۔

"میری اور روزینہ کی شادی کو اتنے سال ہو گئے اس میں ابھی ایک اتنی جرات نہیں ہے کہ کسی سے میری شکایت کر سکے۔" یہ عمر کی لن ترانی تھی دونوں بہن بھائی یہ ثابت کرنے کی کوشش کر رہے تھے کہ سب سے زیادہ آزادی اس گھر میں صرف نیبو کو ہی حاصل ہے جس کا وہ ناجائز استعمال کر رہی ہے۔ جواباً" سکندر نے کیا کہا نیبو کو سمجھ ہی نہ آیا ایک تو اس کی آواز خاصی دھیمی تھی دوسرا اسے دم حماد کے رونے کی آواز اندر تک سنائی دی تھی یقیناً" اس کی وجہ کبیر تھا وہ جب بھی آتا تھا مسلسل حماد کے ساتھ شرارت کرتا اس سلسلے میں اسے کوئی بھی منع نہ کرتا تھا جب حماد زیادہ چڑ جاتا تو رونے لگتا پھر کچھ دیر تک تو کبیر باز رہتا لیکن جیسے ہی حماد سب کچھ بھول کر پھر اس سے کھیلنے کی کوشش کرتا وہ دوبارہ اسے تنگ کر کے رلا دیتا ایسا ہی

اب بھی مسلسل ہو رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد حماد کے رونے کی آواز باہر سے آنے والی آوازوں کو معدوم کر دیتی نیبو چڑ سی گئی اسے کبیر پر سخت غصہ آیا جو ایک چھوٹے معصوم بچے کو مسلسل تنگ کر رہا تھا لیکن وہ باہر جا کر کچھ کہہ نہ سکتی تھی کیونکہ اس وقت باہر جا کر کچھ کہنا بالکل ایسے تھا جیسے بھڑوں کے چھتے میں ہاتھ ڈالنا لہٰذا وہ خاموشی سے اٹھی قریب رکھا دوپٹہ اٹھایا باہر نکل آئی لاؤنج میں سب کو نظر انداز کر کے اس نے جیسے ہی شیشے کی دروازہ دھکیل کر باہر نکلنا چاہا یک دم حماد بھاگتا ہوا اس کی طرف آیا وہ بے اختیار رک گئی سرخ سفید رنگت گول مٹول حماد نیبو نے جھک کر اس کے گال پر بوسہ دیا۔

"میرے ساتھ باہر چلو گے آئس کریم لے کر دوں گی۔" اس کے لہجہ میں مامتا جھلک رہی تھی۔

"نہیں۔" حماد نے نفی میں اپنا سر ہلایا۔

"تم گندی عورت ہو میرے پاپا کو تنگ کرتی ہو۔" ملائی زبان میں جیسے ہی اس نے یہ جملہ کہا اسے اپنے قریب ہی کبیر کا قہقہہ سنائی دیا یہ جملہ یقیناً" اسی کا سکھایا ہوا تھا نیبو کو یقین آ گیا کہ اس خاندان کا ہر فرد نفسیاتی مریض ہے وہ ایک ٹھنڈی سانس بھر کر سیدھی ہو گئی پہلے دل تو چاہا کہ اسے خوب کھری کھری سنائے یا کم از کم سکندر سے جا کر یہ سوال کرے کہ۔

"یہ ہے وہ تربیت جس کے لیے تم نے اپنے بیٹے کو میڈ کے حوالے کیا تھا۔" وہ جانتی تھی کہ ان دونوں باتوں کا کوئی فائدہ نہیں ہے کبیر پر اس کی کسی ڈانٹ کا اثر ہونے والا تھا نہ ہی سکندر کے نزدیک اس کے کہے گئے کسی جملے کی اہمیت تھی خود کو بے وقعت کرنے سے اچھا تھا خاموشی سے باہر نکل جائے اور اس نے ایسا ہی کیا لکڑی کے گیٹ سے باہر نکلتے ہی اس کی نگاہ سامنے روڈ کے دوسری طرف کھڑی شوبھا پر پڑی شوبھا نے اسے دیکھتے ہی ہاتھ ہلایا۔ نیبو نے ایک پل کے لیے سوچا اور روڈ کراس کر کے اس کے قریب جا پہنچی۔

"میرے ساتھ مارکیٹ تک چلو گی۔" چونکہ شوبھا انڈین تھی اس لیے نیبو اس سے ہمیشہ اردو میں ہی بات کرتی تھی۔

"شیور۔" اس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

پاکستان سے واپس آتے ہوئے اسے روا نے کافی رقم دی تھی اور آج انکل صالح بھی جاتے ہوئے اسے کچھ ملائی کرنسی دے گئے تھے جبکہ سکندر کا کہنا تھا کہ جب میں ضرورت کی ہر چیز تم کو لا دیتا ہوں تو پھر الگ سے پیسوں کا کیا جواز بنتا ہے البتہ امان کی شادی کے سلسلے میں اس نے نیبو کو نا صرف اچھی خاصی شاپنگ کروائی تھی بلکہ خاصی رقم بھی دی تھی جس میں سے ابھی بھی کچھ اس کے پاس محفوظ تھی اسی لیے وہ مارکیٹ تک آ گئی تھی تاکہ اپنی ضرورت کی کچھ اشیاء خرید کر کمرے کی الماری میں رکھ لے پھر واپسی میں وہ سامنے ہی اسٹال لگائے بیٹھی ملائی عورت کے پاس رک گئی اس کے پاس سانبھر اور روائل چاول موجود تھے جن کے ساتھ لال بڑی مرچ کی چٹنی اور چھوٹی چھوٹی فرائی مچھلیاں بھی تھیں۔

"کھانا کھاؤ گی۔" گھر کی ٹینشن کو خارج کرنے کے لیے ضروری تھا کہ اپنا دھیان باہر لگایا جائے اسی سوچ کے تحت اس نے شوبھا سے سوال کیا اور اس کے مثبت جواب کے ساتھ ہی دونوں سامنے رکھی کرسیوں پر بیٹھ گئیں۔ کچھ دور فٹ پاتھ پر غالباً" کوئی چینی عورت بیٹھی تھی اس کے پاس رکھے مالٹے اس بات کی نشاندہی کر رہے تھے کہ وہ عبادت کر رہی ہے۔ نیبو بڑی دلچسپی سے اس سارے منظر کو دیکھ رہی تھی۔

"جانتی ہو یہ جس جگہ بیٹھی ہے یہاں ان کی مخصوص عبادت گاہ ہے۔" شوبھا نے اس کی نظروں کے تعاقب میں دیکھتے ہوئے اسے معلومات فراہم کیں۔ اتنی دیر میں ان کا آرڈر کیا ہوا کھانا بھی پہنچ گیا تھا۔

"ہاں مجھے ایک دفعہ سکندر نے بتایا تھا کہ یہ اپنی عبادت گاہیں اسی طرح روڈ کے کنارے بناتے ہیں اور پھر وہاں یہ سب فروٹ رکھ جاتے ہیں جو غالباً" ان کے کسی دیوتا کے لیے ہوتا ہے۔" نیبو نے آہستہ آہستہ کھاتے ہوئے جواب دیا۔

"ہاں اور جب ان کی کوئی منت پوری ہوتی ہو تو دیوتا وہ فروٹ رات میں ہی زمین پر آکر کھالیتا ہے ورنہ اگلی صبح یہ سب کچھ ویسا ہی عبادت گاہ میں موجود رہتا ہے۔"

"اور اگر یہ تمام فروٹ رات ہی کوئی شخص آکر لے جائے تو کیسے پتا چلے کہ دیوتا نے کھایا؟" نیبو کو چینی قوم کے اس عقیدے نے تھوڑا سا حیران کردیا۔

"ظاہری بات ہے سب کو ہی پتا ہے کہ یہ منت کا پھل ہوتا ہے پھر کیسے کوئی شخص اتنی جرات کر سکتا ہے کہ عبادت گاہ میں آکر چوری کرلے۔" شوبھا نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

"تم بھی خود آزما کر دیکھ لینا اگر منت پوری نہ ہونی ہو تو پھل صبح تک اسی روڈ کے کنارے موجود مخصوص عبادت گاہ میں رکھا ملے گا بصورت دیگر تمہاری منت پوری ہوگئی ہوگی۔"

"اچھا۔" نیبو نے مزید بحث میں الجھنا بے کار سمجھا سب کے اپنے اپنے عقائد اور رسومات ہوتی ہیں اس سلسلے میں الجھنا صرف بے قوفی ہوتی ہے اس خیال نے اسے مزید کچھ کہنے سے باز رکھا اور پھر جب وہ ڈیڑھ سے دو گھنٹہ بعد گھر واپس آئی تو سکینہ جاچکی تھی البتہ روزینہ اور عمر گھر میں موجود تھے۔ وہ خاموشی سے اپنے کمرے میں آگئی شاپنگ بیگ بیڈ پر رکھے ہی تھے کہ روزینہ بھی اس کے پیچھے ہی آگئی ویسے بھی وہ بڑی بے ضرر سی عورت تھی کبھی کسی کے مسئلے میں دخل اندازی نہ کرنے والی اس کی جاب کافی سخت تھی صبح سے لے کر شام سات تک وہ آفس میں رہتی آج بھی شاید وہ آفس سے سیدھی ہی یہاں آگئی تھی تھکن اس کے چہرے پر پھیلی ہوئی تھی۔

"السلام علیکم بھابھی آجائیں بیٹھ جائیں۔" نیبو نے خوش دلی سے سلام کر کے بیڈ پر اس کے لیے جگہ بنائی۔

"کیسی ہیں آپ؟" وہ بھی اس کے قریب ہی بیٹھ گئی۔

"شکر الحمدللہ میں تو بالکل ٹھیک ہوں سوچا چلتے چلتے تمہاری خیریت بھی دریافت کرلوں کیسی ہو تم؟"

"آپ کے سامنے ہی ہوں جیسی ہوں۔" نہ چاہتے ہوئے بھی وہ تھوڑی سی تلخ ہوگئی۔

"ویسے تم نے اچھا کیا انکل صالح کو ایدھا اور سکندر کے بارے میں سب کچھ بتادیا۔" روزینہ دھیمی آواز میں بولی نیبو کی سمجھ میں نہ آیا کہ اسے کیا جواب دینا چاہیے کیونکہ اس گھر میں رہتے ہوئے اس کے لیے دوست اور دشمن کی پہچان بہت مشکل تھی وہ جواباً خاموش رہی۔

"میں جانتی ہوں نیبو تمہارے لیے ہم میں سے کسی پر بھی اعتبار کرنا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن بھی ہے پھر بھی یقین کرو میری سب ہمدردیاں تمہارے ساتھ ہیں اگر تمہیں اس گھر میں رہتے ہوئے کبھی بھی میری مدد درکار ہو ضرور بتانا ہو سکتا ہے میں تمہارے کسی کام آجاؤں۔" روزینہ ہمیشہ سے نیبو کے ساتھ ہمدردانہ رویہ رکھتی تھی جس کا اندازہ کئی بار اسے ہوا تھا پھر بھی اس سلسلے میں کسی پر اعتبار کرنا ایک مشکل امر تھا وہ نہیں چاہتی تھی کہ کسی کو بھی علم ہو کہ صالح محمد کو فون اس نے کیا ہے یہ ہی سوچ کر وہ خاموش رہی۔

"اچھا چلو اب میں چلتی ہوں۔" اس کی مسلسل خاموشی کو محسوس کر کے روزینہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"عمر گاڑی اسٹارٹ کر رہا تھا میں نے سوچا تم سے مل لوں۔" اس نے اپنے جلدی اٹھنے کا جواز بھی بتادیا اس کے ساتھ ہی نیبو اٹھ کھڑی ہوئی۔

"شکریہ بھابھی آپ کی اس ہمدردی کا۔" روزینہ سے گلے ملتے ہوئے اس نے کہا۔

"یقین کریں اگر مجھے کبھی بھی کوئی مسئلہ ہوا تو میں ضرور آپ سے ڈسکس کروں گی۔" ربیعہ نے اسے جو حوصلہ عطا کیا تھا اس کی جھلک اس کے لہجہ میں بھی آگئی جسے روزینہ نے بھی واضح طور پر محسوس کیا اسے آج اور کل کی نیبو میں ایک واضح فرق نظر آیا اسے اندازہ ہوا کہ شاید نیبو کو اس گھٹن میں کوئی روزن مل گیا ہے جس نے اسے زندگی گزارنے کا سلیقہ سکھا دیا

ہے یا شاید گزرتے وقت نے اسے مضبوط کردیا تھا بہرحال جو بھی تھا روزینہ کو یہ سب اچھا لگا کیونکہ اسے ہمیشہ باحوصلہ عورتیں اچھی لگتی تھیں۔

☆ ☆ ☆

محسوس کر رہا ہوں میں جینے کی تلخیاں
شاید مجھے کسی سے محبت نہیں رہی

ایک انجان نمبر سے آنے والا انجان میسج جانے کس کا تھا جو نیبو کے موبائل پر موصول ہوا نمبر غالباً پاکستان کا تھا اور ایسا پہلے ایک ہفتہ سے مسلسل ہو رہا تھا اور وہ چاہ کر بھی نہیں جاننا چاہتی تھی کہ یہ نمبر کس کا ہے ابھی بھی میسج پڑھ کر بے دلی سے اس نے موبائل سائیڈ پر رکھ دیا۔

"کس کا میسج ہے؟" سکندر کمپیوٹر پر کوئی کام کر رہا تھا بظاہر تو ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ نیبو سے قطعی لاتعلق ہو لیکن اس کے سوال کرتے ہی نیبو کو اندازہ ہوا کہ اس کی توجہ مکمل طور پر اس کی طرف ہی لگی ہوئی تھی۔

"پتا نہیں۔" اس نے بے دلی سے جواب دے کر آنکھیں موندلیں۔

"یہ نمبر تو پاکستان کا ہے۔" سکندر نے کب اس کے قریب رکھا فون اٹھایا اسے پتا ہی نہ چلا جب اپنے قریب سکندر کی آواز سنی تو چونک کر آنکھیں کھول دیں سکندر غالباً اسی نمبر پر کال ملا رہا تھا نیبو کے پاؤں سے تو زمین ہی سرک گئی وہ سوچ بھی نہ سکتی تھی کہ سکندر اس طرح بھی کر سکتا ہے کیونکہ وہ جیسا بھی تھا کم از کم تجسس اس کی فطرت میں شامل نہ تھا یہ یقیناً سکینہ کی پڑھائی ہوئی کوئی پٹی تھی نیبو گھبرا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"میرا فون دو۔" سکندر نے اس کا بڑھا ہوا ہاتھ سختی سے تھام لیا فون ابھی بھی اس کے کان سے لگا تھا یقیناً دوسری طرف بیل جارہی تھی فون کیسے پتا بھی وہ جانتی تھی کہ دوسری طرف کون ہے کال ریسیو کرلی گئی تھی نیبو کو سانس لینا محال ہوگیا دوسری طرف سے کچھ کہا گیا سکندر نے کوئی بھی جواب نہ دیا وہ مسلسل خاموشی سے دوسری طرف کی بات سن رہا تھا نیبو کا ہاتھ ابھی بھی اس کے ہاتھ میں تھا۔

"یہ سنان کون ہے؟" کان سے فون لگائے لگائے وہ نیبو کی طرف پلٹا۔

"اب یہ مت کہنا کہ تم نہیں جانتیں کیونکہ تمہارا وہ پرانا عاشق ابھی بھی تمہارے فراق میں مر رہا ہے۔" پتا نہیں سنان نے فون بند کیا تھا یا ابھی بھی لائن پر موجود تھا نیبو کو سمجھ ہی نہ آیا کہ وہ کیا جواب دے۔

"اماں... اماں۔" وہ اسے بازو سے پکڑ کر باہر لے آیا۔

"دیکھو ذرا ماموں صالح کو فون میں انہیں بتاؤں اس نیک پارسا عورت کے کرتوت جس کے یار ابھی بھی پاکستان سے اسے فون کرتے ہیں۔" وہ مسلسل چلا رہا تھا جبکہ نیبو دعا کر رہی تھی کہ زمین پھٹے اور وہ اس میں سما جائے یہ تو صرف وہ اور اس کا اللہ ہی جانتا تھا کہ سکندر جو کچھ کہہ رہا ہے سب لغو اور فضول ہے لیکن آج اس کی اس بات کی گواہی دینے والا وہاں کوئی نہ تھا۔

"کیا ہوگیا کیوں اتنا ہنگامہ کر رہے ہو؟" فاطمہ کے ساتھ رفیدا بھی کمرے سے باہر آگئیں۔

"کسی سے میسج پر بات کر رہی تھی میں نے اس کے ہاتھ سے فون چھین کر کال ملائی دوسری طرف کوئی مرد تھا فون ریسیو کرتے ہی بولا میں جانتا تھا جان من تم ضرور فون کرو گی کیونکہ تم تو بنی ہی اپنے سنان کے لیے تھیں یہ جانے سکندر جیسے لوگ کہاں سے بیچ میں آگئے۔" سکندر کی بات سو فیصد جھوٹ پر مبنی تھی نیبو جانتی تھی کہ سنان کبھی بھی ایسی گھٹیا زبان استعمال نہیں کرتا اپنی اس دن کی بے عزتی کا بدلہ لینے کا موقع آج ہی سکندر کے ہاتھ آیا تھا جسے وہ کسی بھی صورت ضائع نہ کرنا چاہتا تھا اسی لیے اس کے جو دل میں آرہا تھا وہ بکے جارہا تھا اس کی ہر بات کا مقصد صرف اور صرف نیبو کو بدکردار ثابت کرنا تھا کیونکہ اسی طرح وہ صالح محمد کو نیچا دکھا سکتا تھا۔ نیبو کا ذہن بالکل ہی ماؤف ہوگیا۔

"توبہ استغفار میرے بیٹے کو سارے خاندان میں بدنام کردیا اور اپنے گندے کرتوتوں کا پتا ہی نہیں۔"

فاطمہ اس کے قریب آکر بولیں۔ "بکواس کررہا ہے یہ بہتان لگا رہا ہے مجھ پر۔" نیبو سکندر سے اپنا بازو چھڑواتے ہوئے زور سے چیخی۔

"میں بکواس کررہا ہوں۔" سکندر نے اسے بالوں سے پکڑ کر گھسیٹا۔

"پھر سے کہنا میں بکواس کررہا ہوں۔ بولو ذرا ایک بار پھر سے بولو۔" وہ مسلسل اس کے بالوں کو جھٹکے دیتا ہوا بولا۔

"ہاں۔ ہاں۔ جھوٹ بول رہے ہو تم۔" وہ تکلیف اور ذلت کے ملے جلے احساس کے تحت روتے ہوئے بولی۔

"صرف مجھ سے اپنا بدلہ لینے کے لیے جھوٹا الزام لگا رہے ہو۔"

"میں تم پر الزام لگا رہا ہوں آوارہ عورت۔" سکندر نے اس کے منہ پر ایک زوردار طمانچہ مارا۔ اسے لگا اس کی سانس بند ہوجائے گی۔ وہ زمین پر بیٹھ کر زور زور سے رونے لگی اس سے قبل کہ سکندر ایک بار پھر اس کی طرف بڑھتا فاطمہ دونوں کے درمیان آگئیں اور سکندر کو بازو سے پکڑ کر روک لیا۔

"چھوڑ دو اسے سکندر یہ ماں بننے والی ہے اس حالت میں اگر بچے کو کوئی نقصان پہنچا تو کیا ہوگا لوگ ہمیں ہی ذلیل کریں گے اسے کوئی کچھ نہ کہے گا۔" فکر اس کی نہ تھی بلکہ اس بچے کی تھی جو دنیا میں آیا نہ تھا جو بھی تھا فاطمہ کی بروقت مداخلت نے اسے بچالیا تھا۔

"اسے تو میں چھوڑ دیتا ہوں لیکن تم ابھی ماموں صالح کو فون کرو اور ہاں عبدالوہاب اور اس کی پاکستانی بیوی کو بھی بلاؤ میں سب کو بتاؤں اس عورت کے کرتوت۔" وہ ہاتھ میں پکڑا موبائل نچا کر بولا۔

"صالح کسی کام کے سلسلے میں پاکستان گیا ہوا ہے واپس آجائے تو میں ضرور بات کروں گی لیکن فی الحال ابھی تم اپنی زبان بند رکھو۔"

"اور یہ تم کسے فون ملا رہی ہو؟" سکندر سے بات کرتے کرتے وہ رفیدا کی طرف متوجہ ہوئی جو لینڈ لائن سے کسی کا نمبر ڈائل کررہی تھی۔

"عبدالوہاب کو۔" رفیدا کے جواب نے نیبو کے ہوش گم کردیے سنان کے میسج ابھی بھی اس کے موبائل میں موجود تھے جو سکندر کے ہاتھ میں تھا یہ میسج اسے گناہ گار ثابت کرنے کے لیے کافی تھے اگر پاکستان بھی اس نمبر کا حوالہ دیا جاتا تو سب سمجھ جاتے کیا قصہ ہے اور اسے ہی قصوروار سمجھا جاتا اس کا دماغ شل ہوگیا وہ سمجھ نہ پارہی تھی کہ سنان نے اس کا نمبر لیا کہاں سے لیکن وہ اتنا جانتی تھی کہ وہ ابھی بھی اسے میسج بھیجے گا جو اس کے گناہوں کی فہرست میں اضافہ کا سبب بنیں گے ضروری تھا کسی طرح شفا کو فون کرکے یہ سب کچھ بتایا جائے یا کم از کم ربیعہ سے ہی اس کا رابطہ کرنا لازمی ہوچکا تھا اس سے پہلے اگر یہ سب کسی اور سے ربیعہ تک پہنچے گا تو لازمی اسے ذلت کا سامنا کرنا پڑے گا۔

"اللہ میری مدد فرما۔" بے اختیار اس کے دل سے دعا نکلی جو اگلے ہی لمحے عرش پر جا پہنچی۔

"رکھو فون جب تک صالح بھائی سے بات نہ ہو تم عبدالوہاب کو فون نہیں کروگی۔" فاطمہ نے آگے بڑھ کر لائن ڈسکنکٹ کردی جس کا رفیدا نے خاصا برا منایا غصہ کے اظہار کے طور پر وہ صوفہ سے اٹھی گود میں رکھا کشن زمین پر پھینکا اور پاؤں پٹختی اپنے کمرے میں چلی گئی —— دروازہ بند کرنے کی آواز لاؤنج میں بھی سنائی دی۔ سکندر لاؤنج کا دروازہ کھول کر باہر نکل گیا حماد اس سچویشن سے گھبرا کر رونے لگا تھا ایدھا اسے اٹھا کر اندر کمرے میں لے گئی۔ فاطمہ اس طرح کچن کی جانب بڑھ گئیں جیسے کچھ دیر قبل یہاں کچھ ہوا ہی نہ تھا نیبو دیوار سے ٹیک لگا کر زور زور سے رونے لگی اس کے رونے کی آواز سن کر فاطمہ پھر نکلیں کچھ دیر کھڑی اسے دیکھتی رہیں کچھ سوچا پھر آگے بڑھیں نیبو کو زور سے تھام کر کھڑا کیا وہ بنا احتجاج کیے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"اپنے کمرے میں جاؤ یہ مسئلہ رونے دھونے سے حل ہونے والا نہیں ہے۔ سکندر بہت غصہ میں ہے میں کوشش کروں گی کہ آج جو کچھ ہوا اس کا ذکر اپنے

بھائی سے نہ کروں لیکن تم بھی آئندہ احتیاط کرنا اپنے پچھلے معاشقے کو بھول جاؤ اب تم شادی شدہ عورت ہو جس کے لیے اس کا مرد ہی سب کچھ ہوتا ہے اگر مرد کے تعلق غیر عورتوں سے ہوں تو کوئی انگلی نہیں اٹھاتا لیکن اگر عورت خراب ہو تو معاشرہ جینے نہیں دیتا اب تم خود سوچو تم پاکستان سے آتے ہی پریگننٹ ہوگئیں ساتھ ہی تمہاری عاشقی کی خبریں بھی عام ہورہی ہیں بھلا بتاؤ ہمارے لیے کتنی بے عزتی ہے یہ سب کچھ جو سنے گا وہ تو تمہارے بچے پر بھی شک کرے گا۔"

فاطمہ کا اظہار ہمدردی اس کی سمجھ میں اب آیا تو اس بات کا مقصد یہ ثابت کرنا تھا کہ میں بدچلن عورت ہوں اسی لیے اتنی تمہید باندھی گئی اس کا مطلب یہ تھا کہ ان میں سے کوئی بھی ایسا نہ تھا جو انسان کہلانے کے لائق ہو اسے یک دم ہی اپنے آپ سے گھن محسوس ہوئی جو سکندر جیسے خود غرض شخص کا بچہ دوسری بار پیدا کرنے والی تھی۔ وہ تو آج تک یہ ہی سمجھ نہ پائی تھی کہ سکندر، اس کی ماں اور بہن کو اس سے کیا دشمنی ہے؟ اگر وہ سکندر کی شادی پاکستان میں نہیں کرنا چاہتے تھے تو کیوں کی؟ یہ رشتہ اس کے ماں باپ نے زبردستی تو نہ دیا تھا پھر وہ جتنا سوچتی اس کا دماغ شل ہوتا جاتا سکندر کا رویہ اس کی سمجھ سے بالاتر ہوگیا تھا اس کے اس نفسیاتی پن کی کوئی نہ کوئی وجہ ضرور تھی جو جلد ہی اسے معلوم ہوگئی جسے سنتے ہی نیبو پر سب کچھ واضح ہوتا گیا۔

✲ ✲ ✲

"نیبو سے بات ہوئی؟" ردا نے شفا کے قریب بینچ پر بیٹھتے ہوئے اپنا کئی بار کا کیا ہوا سوال پھر سے دہرایا جہاں تک شفا کو یاد پڑتا تھا پچھلے پندرہ دن سے اس کی ماں کوئی پچاس دفعہ یہ سوال کرچکی تھی جس کا جواب ہمیشہ نفی میں ہی ہوتا۔

"نہیں امی اس کا فون ابھی بھی آف جارہا ہے۔" اس نے جواب دے کر دور کھڑے جنید اور امان پر ایک نظر ڈالی جو آئی سی یو کے باہر کسی ڈاکٹر سے مصروف گفتگو تھے۔

"پاپا کو روم میں کب شفٹ کررہے ہیں۔"

"میرا خیال ہے شام تک کردیں گے تم ایسا کرو نیبو کے گھر کے نمبر پر فون کردیا پھر سکندر سے بات کرو تم جانتی ہو تمہارے پاپا نے روم میں جاتے ہی ایک بار پھر نیبو کی بابت دریافت کرنا ہے۔"

"دو دن پہلے میری سکندر بھائی سے بات ہوئی تھی انہوں نے کہا تھا گھر جاکر نیبو سے بات کرواتے ہیں لیکن ابھی تک ان کی کال ہی نہیں آئی اب مجھے اچھا نہیں لگ رہا ایک بار پھر انہیں ڈسٹرب کروں۔" شفا نے تفصیل سے جواب دیا۔

"اچھا۔" ردا نے کچھ دیر سوچا اور پھر اپنے پرس کی زپ کھول کر تھوڑی سی تلاش کے بعد ایک کارڈ نکال کر شفا کی طرف بڑھایا۔

"اس کے پیچھے نیبو کے گھر کا نمبر ہے میرا خیال ہے تم اس نمبر پر فون کرو۔" اسے کارڈ تھما کر وہ جنید کی جانب چل دیں اور پھر کئی بار کی کوشش نے شفا کو مایوس کردیا بیل تو جارہی تھی شاید گھر پر کوئی نہ تھا وہ بھی بینچ سے اٹھ کر وہیں چل دی جہاں اس کے گھر کے دیگر افراد موجود تھے۔ پہلے وہ آئی سی یو کی طرف گئی شیشے کی دیوار سے اس پار اپنے باپ پر ایک نظر ڈالی ان کی آکسیجن ہٹا دی گئی تھی ایک نرس ان کے قریب کھڑی تھی غالباً "انہیں روم میں شفٹ کیا جارہا تھا اسے کسی قدر اطمینان حاصل ہوا پھر وہ واپس پلٹ کر اپنی ماں کی جانب آگئی۔

"میرا خیال ہے ان کے گھر پر ہی کوئی نہیں ہے مگر آپ پریشان نہ ہوں میں آج رات کو گھر جاتے ہی دوبارہ فون کروں گی۔" ردا کے سوال کرنے سے قبل ہی اس نے انہیں تفصیل بتا کر تسلی بھی دے ڈالی اور پھر اپنے وعدہ کے مطابق رات کے نو بجے جب ملائیشیا میں بارہ بج چکے تھے اس نے دوبارہ کال کی تین بار فون کسی نے ریسیو نہ کیا چوتھی بار دوسری طرف سے فون اٹھا لیا گیا۔

"ہیلو۔" نیند میں ڈوبی ہوئی آواز رفیدا کی تھی۔

شفا شرمندہ سی ہوگئی اپنی پریشانی میں اس نے ٹائم کے اس فرق پر دھیان ہی نہ دیا تھا جو بھی تھا اب فون بند کرنا نری حماقت تھی۔

"السلام علیکم مجھے نیبو سے بات کرنی ہے۔" رفیدا سے اس کی ویسے بھی اتنی بات چیت نہ تھی۔

"اماں.... اماں۔" رفیدا نے بنا جواب دیے فون سائیڈ پر رکھ کر اپنی ماں کو پکارا اس کی تیز آواز ایئرپیس سے باہر بھی سنائی دے رہی تھی جلد ہی فون ایک بار پھر اٹھالیا گیا۔

"السلام علیکم آنٹی میں شفا بات کررہی ہوں۔"

"وعلیکم السلام بیٹا خیریت تم نے اتنی رات میں فون کیا۔"

"جی دراصل نیبو کا فون مسلسل آف جارہا تھا۔" اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ وہ کیا بات کرے۔

"ہاں وہ اسپتال میں ہے۔"

"اسپتال میں۔" اسے اچنبھا سا ہوا جہاں تک اسے یاد پڑتا تھا ابھی تو نیبو کی ڈلیوری میں تقریباً" دو ماہ کا وقت درکار تھا پھر وہ اسپتال میں کیوں تھی وہ گھبرا سی گئی۔

"آنٹی سب ٹھیک تو ہے نا؟"

"ہاں ہاں اللہ کا شکر ہے سب ٹھیک ہے۔ دراصل سکندر کو اللہ تعالیٰ نے ایک اور بیٹے سے نوازا ہے۔"

"اوہ۔ آپ کو بہت بہت مبارک ہو۔" اسے عجیب تو لگا فاطمہ نے نیبو کے بجائے سکندر کا نام لیا۔ لیکن وہ بولی کچھ نہیں۔

"خیر مبارک اور تمہارے وہاں سب خیریت ہے۔"

"جی ہاں بس پاپا کو ہارٹ اٹیک ہوا ہے اسی سلسلے میں نیبو سے رابطہ کررہے تھے جو نہ ہوسکا سو آپ کو زحمت دی اب پلیز ہوسکے تو میری اس سے بات ضرور کروادیجیے گا میں منتظر رہوں گی۔"

"اچھا۔ اب کیسے ہیں احتشام بھائی۔"

"شکر الحمدللہ اب تو ٹھیک ہیں بہرحال آپ سکندر بھائی اور نیبو کو بھی ہماری طرف سے مبارک دیجیے گا اور ہوسکے تو اس کی ہم سے بات کروادیں کیونکہ گھر میں سب ہی بہت پریشان ہیں۔"

"میں سکندر سے کہہ دوں گی وہ بات کروادے گا تم گھر پر سب کو میرا سلام دینا۔" اس کے ساتھ ہی فاطمہ نے فون بند کردیا۔

"عجیب سے لوگ ہیں اگر آنٹی فون بند کرنے سے پہلے اللہ حافظ کہہ دیتیں تو ان کا کیا جاتا۔" شفا نے جھلس کر سوچا تھوڑی دیر تو وہ ریسیور ہاتھ میں لیے بیٹھی رہی پھر فون رکھ کر دوبارہ اپنی مما کا نمبر ملایا تاکہ انہیں نیبو اور اس کے بیٹے کے بارے میں اطلاع دے سکے۔

☼ ☼ ☼

وہ دائیں طرف کروٹ لیے کاٹ میں لیٹے اس چھوٹے سے فرشتے کو دیکھنے میں اتنی محو تھی کہ کب دروازہ کھول کر سکندر اور حماد اندر آئے اسے پتا ہی نہ چلا۔

"واؤ یہ تو بہت کیوٹ ہے۔" حماد کی آواز اس کے کان سے ٹکرائی وہ یک دم چونک اٹھی۔ سکندر بھی کاٹ کے پاس کھڑا تھا۔

"مجھے یہ بے بی لینا ہے۔" حماد اس کے قریب آگیا۔

"جسٹ اے منٹ بیٹا ابھی دیتے ہیں تمہیں یہ پیارا سا بے بی۔" سکندر نے باہر رکھی بے بی چیئر لاکر کاٹ کے قریب رکھ دی۔ حماد اس پر چڑھ گیا اور فوراً" کاٹ میں لیٹے ابوذر کے ننھے سے ہاتھ کو تھام لیا نیبو اس منظر کو بڑی دل چسپی سے دیکھ رہی تھی۔

"ایک مکمل فیملی میں 'میرا شوہر اور میرے دونوں بچے۔" کچھ دیر کے لیے ہی سہی اس نے اپنے دل کو اطمینان دلایا۔

"کیسی ہو؟" سکندر اس کے قریب آکھڑا ہوا۔

"ٹھیک ہوں۔" مختصر سا جواب دے کر وہ اٹھ بیٹھی اور بیڈ سے ٹیک لگالی۔ اتنی دیر میں سکندر اپنی جیب سے کچھ نکال چکا تھا۔

"یہ لو اپنا سیل۔" اس نے نیبو کا موبائل اس کے تکیے کے قریب رکھ دیا۔

"میں نے سم تبدیل کردی ہے نئی سم میں تمہارے تمام جاننے والوں کا نمبر محفوظ کردیا ہے مجھے امید ہے کہ اب تم اپنا نمبر فالتو لوگوں کو نہ دوگی۔" بات کرتے کرتے وہ رکا ایک نگاہ نیبو پر ڈالی جو خاموشی سے بیٹھی اپنے ناخنوں کو تک رہی تھی۔

"تمہارے گھر والے تم سے بات کرنا چاہتے ہیں چاہو تو تم خود فون کرلو۔ اس میں بیلنس ہے ورنہ تمہاری بہن کچھ دیر تک تمہیں کال کرلے گی۔"

"اوہ تو یہ وجہ ہے جو آج اتنے عرصہ بعد مجھے فون لوٹانے کی ضرورت پیش آئی۔" نیبو نے تلخی سے سوچا اس سے قبل کہ وہ کچھ کہتی اس کا سیل گنگنا اٹھا۔ امان کا نمبر اسکرین پر جگمگا رہا تھا۔

"ہیلو۔" یس کا بٹن پش کرکے اس نے فون کان سے لگالیا دوسری طرف شفا تھی جس نے بڑے پرجوش انداز میں مبارک باد دی پھر گھر کے تقریباً" تمام افراد نے اس سے فرداً" فرداً" بات کی اس کی ناسازی طبیعت کے باعث روا نے سب کو منع کردیا کہ کوئی اسے احتشام صاحب کے بارے میں نہ بتائے گا ویسے بھی اب وہ بالکل ٹھیک تھے اور جب اس سے امان کی بیوی حریا نے بھی بات کی تو اسے یک دم رحاب یاد آگئی۔

"رحاب بھابھی کہاں ہیں؟" فون رکھنے سے قبل اس نے شفا سے دریافت کیا۔

"وہ دراصل اپنی امی کی طرف گئی ہیں۔ مرینہ پاکستان آئی ہوئی ہے اگلے ہفتہ سنان کی شادی ہے اسی سلسلے میں شاپنگ میں مصروف ہیں۔" شفا نے تفصیل سے جواب دیا اور نیبو کچھ بول ہی نہ سکی سنان سے اس کا کوئی رشتہ نہ تھا جو تھا وہ بھی ٹوٹے ہوئے زمانے گزر گئے پھر بھی جانے کیوں اس کی شادی کا سنتے ہی نیبو کا دل بجھ سا گیا اسے احساس ہوا شاید سنان آج بھی اس کے دل میں کہیں موجود ہے۔

"میں بھی کتنی بے وقوف ہوں خود ایک شادی شدہ زندگی گزار رہی ہوں دو بچوں کی ماں بن چکی ہوں اور آج بھی یہ چاہتی ہوں کہ سنان کسی کا نہ ہو شاید میں خود غرض ہوگئی ہوں جو کسی دوسرے کو خوش نہیں دیکھ سکتی۔" اس سوچ نے اسے شرمندہ کردیا۔

"اللہ کرے سنان کو وہ تمام خوشیاں نصیب ہوں جو میرا مقدر نہ بن سکیں۔" اس نے صدق دل سے دعا کی۔

کیسے انداز شوق سے کہہ دیا تم نے الوداع
جیسے صدیوں سے تیرے دل پر کوئی بوجھ تھے ہم

اس کی آنکھ سے آنسو ٹپکا اس نے گھبرا کر سکندر کی طرف دیکھا جو فون پر شاید امان سے بات کرنے میں مصروف تھا۔

"شکر ہے اس نے نہیں دیکھا ورنہ جانے میرا کیا حشر کرتا۔" اپنے دل کی خلش دور کرنے کے لیے اس نے کاٹ میں پڑے ابوذر کو گود میں اٹھالیا اسے اپنے سینے سے بھینچتے ہوئے اسے احساس ہوا کہ اس کی زندگی کا حاصل تو اب صرف اس کے بچے ہیں۔

☼ ☼ ☼

جانے وہ کون تھی جو پچھلے آدھے گھنٹہ سے مسلسل سکندر کے پاس کھڑی تھی نیبو نے اسے آج سے قبل پہلے کبھی نہ دیکھا تھا فاصلہ ہونے کے باوجود وقفہ وقفہ سے اس کی کھنکتی ہنسی کی آواز نیبو کے کانوں سے ٹکرا رہی تھی آج حماد کی سالگرہ تھی جس کا اہتمام ایک قریبی ہوٹل میں کیا گیا تھا تمام مہمان آچکے تھے جن سے نیبو بخوبی واقف تھی واحد یہ لڑکی تھی جسے اس نے آج پہلی بار دیکھا تھا اسے حیرت تھی کہ سکندر جیسا خشک مزاج مرد بھی کسی لڑکی کے ساتھ کھڑا بلند و بانگ قہقہہ لگا سکتا ہے اسی تجسس نے اسے مجبور کیا کہ وہ روزینہ سے اس لڑکی کے بارے میں دریافت کرے جو اس کے برابر ہی صوفے پر براجمان کسی رشتہ دار خاتون سے باتوں میں مگن تھی جب اسے نیبو نے ٹھوکا دیتے ہوئے اپنی طرف متوجہ کیا۔

"بھابھی یہ لڑکی کون ہے؟" اس نے کچھ فاصلے پر

کھڑی لڑکی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے روزینہ سے دریافت کیا۔

"کون سی لڑکی؟" روزینہ نے بے دھیانی سے یہاں وہاں دیکھا۔

"او وہ سامنے دیکھیں بلیک میکسی میں جو سکندر کے قریب کھڑی ہے۔"

"کہاں... اوہ اچھا وہ والی۔" نیبو کے اشارے کی طرف دیکھتے ہوئے اس نے سر ہلایا۔

"وہ سکندر کے چھوٹے چچا رحی احمد کی بیٹی نور ہلیزا ہے۔"

"مگر میں نے تو اسے پہلے کبھی نہیں دیکھا؟" نیبو نے حیرت سے کہا۔

"حالانکہ میں تو کئی بار ان کے گھر گئی ہوں۔"

"نہیں دیکھا ہو گا کیونکہ وہ اس سے قبل یہاں تھی نہیں۔" روزینہ نے اپنی توجہ مکمل طور پر نیبو کی طرف مرکوز کر دی۔

"اصل میں شاید تمہیں کسی اور بات کا علم بھی نہیں ہے۔"

"کسی اور بات سے کیا مراد ہے آپ کی؟" نیبو نے اپنے قریب ہی کاٹ میں لیٹے ہوئے ابوذر کے منہ سے فیڈر ہٹا کر سائیڈ پر رکھتے ہوئے سوال کیا۔

"یہ لڑکی سکندر کی صرف کزن ہی نہیں ہے بلکہ اس کی سابقہ منگیتر اور محبوبہ ہونے کا اعزاز بھی رکھتی ہے۔" وہ آہستہ آواز میں بولی۔

"واٹ... "سکندر کی محبوبہ" کیا یہ سچ ہے؟" درحقیقت خبر خاصی حیران کن تھی۔

"ہاں بھلا میں تم سے جھوٹ کیوں بولوں گی۔"

"نہیں نہیں بھابھی میرا یہ مطلب نہیں ہے مجھے تو حیرت صرف اس بات پر ہے کہ جب سکندر کی کزن نا صرف اس کی محبوبہ بلکہ منگیتر بھی تھی تو پھر میں ان دونوں کے درمیان کہاں سے آ گئی۔" اس نے اپنے قریب کھڑے حماد کو دیکھا جو ابوذر کو پیار کرنے آیا تھا۔ حماد ماں کے قریب نہ پھٹکتا تھا مگر بھائی کی محبت اسے نکلنے نہ دیتی تھی۔ ذرا ذرا دیر میں وہ اسے چھونے ضرور آتا تھا۔ اس کا ابوذر سے یہ اظہار محبت نیبو کو بہت اچھا لگتا ابھی بھی وہ سب کچھ بھول کر ایک پل کے لیے حماد اور ابوذر کی جانب متوجہ ہو گئی اسی سمے اس کی نگاہ ایدھا پر پڑی جو سکندر اور نور ہلیزا کے پاس جا کھڑی ہوئی تھی۔

"بھابھی کیا آپ کو ان دو عورتوں کے درمیان میری جگہ نظر آ رہی ہے؟" اس کی اس بات کا جواب روزینہ کے پاس نہ تھا' اس نے ایک ٹھنڈی سانس بھری۔

"آپ مجھے بتائیں گی کہ سکندر نے نور ہلیزا سے شادی کیوں نہ کی؟"

"ہاں مگر پہلے تم یہ وعدہ کرو کہ کسی سے یہ سب باتیں نہ کرو گی جو میں تمہیں بتاؤں گی۔"

"آپ اچھی طرح جانتی ہیں کہ میری کسی سے اتنی دوستی نہیں ہے جس سے میں یہ سب کچھ شیئر کروں۔"

"اصل میں نیبو شادی سے صرف پندرہ دن قبل یہ لڑکی اپنے بینک میں جاب کرنے والے کسی سکھ نوجوان کے ساتھ بھاگ گئی تھی۔" روزینہ کی آواز بالکل مدھم ہو گئی۔

"اوہ..." اس کی سمجھ میں نہ آیا وہ مزید کیا کہے۔

"اور پھر اس کے بعد نہ جانے اس نے رامیش سے نکاح کیا یا نہیں مجھے تو یہ بھی علم نہیں ہے کہ وہ مسلمان ہوا بھی تھا یا نہیں بہرحال جو بھی ہے کچھ عرصہ قبل جب تم پاکستان گئی تھیں اپنے بھائی کی شادی کے سلسلے میں' ان ہی دنوں یہ محترمہ روتی دھوتی واپس آ گئیں اور ماں باپ نے اسی عزت سے دوبارہ گلے لگا لیا وہ تو شکر ہے اپنے ساتھ کوئی بچہ نہیں لے آئی ورنہ جانے اس کا کیا مذہب ہوتا جس کی ماں مسلمان اور باپ سکھ تھا اللہ معاف کرے۔"

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ نور ہلیزا کی محبت نے سکندر کو کبھی میرا نہ ہونے دیا۔"

"غلط سمجھ رہی ہو تم سکندر نے اس کا غم ایک ہفتہ سے زیادہ نہ منایا تھا' اس واقعہ کے صرف ایک ماہ بعد ہی اس کا افیئر کسی ہندو لڑکی سے شروع ہو گیا تھا یہ وہ دن تھے جب فاطمہ برملا یہ کہتی تھیں کہ سکندر ایک ہندو کو... اسلام میں داخل کرنے والا ہے وہ لڑکی رفیدا کی دوست بھی تھی۔"

"او وہ پھر..." اس کے رکتے ہی نیبو جلدی سے بولی۔

"پھر کیا وہ بھی سکندر کو دھوکہ دے گئی اور یہاں سے جاب ختم کر کے انڈیا واپس چلی گئی لیکن جاتے جاتے اس نے سکندر پر نہایت ہی رکیک قسم کے الزامات لگائے جانتی ہو اس نے کیا کہا؟" بات کرتے کرتے اس نے نیبو کے خوبصورت چہرے پر ایک نظر ڈالی پنک کامدانی سوٹ کی جھلک اس کے چہرے پر بھی پڑ رہی تھی جس سے نیبو کی رنگت خاصی کھلی کھلی سی محسوس ہو رہی تھی۔

"نہیں..." نیبو نے نفی میں سر ہلایا۔

"جلدی سے بتا دیں میرا خیال ہے کیک آ گیا ہے۔" اسے خطرہ تھا کہیں روزینہ کی بات درمیان میں ہی نہ رہ جائے جبکہ آج وہ سب کچھ جان لینا چاہتی تھی۔ سکندر کی مختلف پرتوں میں چھپی شخصیت حیرت در حیرت اس کے سامنے عیاں ہو رہی تھی اس کی شخصیت کا ہر نیا رنگ اسے چونکا رہا تھا' وہ حیرت کے ساتھ ساتھ شاکڈ بھی تھی اس کا دل دھک دھک کر رہا تھا جانے اب روزینہ مزید کیا کہنے والی تھی کون سا نیا انکشاف اس کی نوک زبان پر تھا۔ مارے تجسس کے اس کا سارا وجود ہمہ تن گوش تھا۔

"سادھنا جانے سے پہلے مجھ سے اور رفیدا سے ملی تھی اس کا کہنا تھا کہ سکندر ہم جنس پرستی کا شکار ہے۔"

"کیا۔" اس کا منہ شدید حیرت کے عالم میں کھلا کا کھلا رہ گیا۔

"ہاں نیبو جانے یہ سچ تھا یا جھوٹ وہ کہتی تھی کہ اس نے یہ سب کچھ خود اپنی آنکھوں سے دیکھا اس کا کہنا تھا سکندر کی اس گھٹیا حرکت نے اسے مجبور کیا ہے کہ وہ اپنے وطن واپس لوٹ کر اپنے ہی ہم مذہب سے شادی کر لے کیونکہ اسے یہاں آ کر اپنے ہم مذہبوں اور سکندر میں کوئی نمایاں فرق نظر نہ آ رہا تھا۔" نیبو کے کان سائیں سائیں کر رہے تھے اس نے دور کھڑے سکندر پر ایک نگاہ ڈالی بظاہر صاف ستھری لیکن درحقیقت گھناؤنی شخصیت۔

"بیٹا زندگی میں ہمیشہ کوشش کرنا بلندی کی جانب دیکھو۔" اس کے کانوں میں اپنے باپ کا یہ جملہ گونجا' اس کا دل رو دیا۔

"کاش پاپا آپ یہاں ہوتے تو آپ کو پتا چلتا کہ میں کتنی بلندی پر ہوں جہاں سے نیچے آنا نا صرف مشکل بلکہ ناممکن ہے' آپ کے اس شوق بلندی نے مجھے ایک پہاڑ پر لا کھڑا کیا ہے۔ پاپا جہاں سے گر کر میرا وجود ریزہ ریزہ ہو سکتا ہے اور کچھ بھی نہیں' جانے کیوں ماں باپ اپنی اولاد کو ایسی بلندیوں کی طرف دھکیلتے ہیں جہاں سے واپسی کا کوئی راستہ نہیں ہوتا۔

"بھابھی ان سب باتوں کا انکل صالح کو علم تھا؟" اس نے ایک نظر دور بیٹھے انکل صالح اور عائشہ آنٹی پر ڈالی۔

"تمہارا کیا خیال ہے؟" روزینہ نے پلٹ کر اس سے سوال کیا۔

"میرا تو یہ خیال ہے کہ وہ لاعلم تھے ورنہ کبھی میرے ساتھ یہ زیادتی نہ کرتے۔" وہ پُراعتماد لہجہ میں بولی۔

"تو پھر یہ سن لو کہ تمہارا خیال سو فیصد غلط ہے۔" روزینہ اٹھ کھڑی ہوئی کیک کاٹنے کے لئے ٹیبل پر رکھا جا چکا تھا۔

"اٹھ جاؤ تم بھی کیونکہ رفیدا مسلسل ہمیں ہی دیکھ رہی ہے۔" نیبو خاموشی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"ایک اور دھوکہ' ایک اور مفاد پرستی' یہ سب لوگوں کو میں ہی کیوں نظر آئی تھی۔" اس کے دل میں ایک شکوہ سا ابھرا۔

"اصل میں یہاں کوئی بھی سکندر کو رشتہ دینے پر آمادہ نہ تھا اور سچی بات تو یہ ہے کہ اسے بھی شادی کا کوئی خاص شوق نہ تھا وہ تو رفیدا اور اس کی ماں چاہتی تھیں کہ اسے ایک غیر اخلاقی اور گھناؤنے فعل سے باز رکھا جائے جس کا بہتر حل اس کی شادی میں پوشیدہ تھا

اس سلسلے میں ماں نے اپنے بھائی سے رابطہ کیا جنہوں نے اپنی بیوہ بہن کے دکھ کو محسوس کرکے تمہارے رشتہ کے لیے کوشش کی اور خوش قسمتی سے وہ کامیاب بھی رہے اور سب کچھ تو چھوڑو مجھے صرف اتنا بتاؤ تمہارے ماں باپ سگے تھے؟" اس نے اپنی بات کے اختتام پر ہی نبیہو سے سوال کیا۔ ایسا سوال جس کا جواب وہ جانتی تھی لیکن اس سوال میں چھپا طنز نبیہو کو زمین میں گاڑ گیا۔

"ہمیں تو یہ سمجھ میں نہیں آتا کس طرح تمہارے گھر والوں نے بغیر کسی انکوائری اور چھان بین کے سکندر کو تمہارا رشتہ دے دیا؟" ایک اور سوال جس کا جواب وہ دینا ہی نہ چاہتی تھی اسی لیے خاموشی سے آگے بڑھ گئی انکل صالح کے پاس سے بنا سلام دعا لیے وہ ٹیبل کی جانب آگئی جہاں کیک کاٹنے کے لیے اس کا انتظار ہو رہا تھا وہ پہلا دن تھا جب نور ہلیزا اس کی زندگی میں آئی لیکن پھر آنے والے دن میں اس کی حیثیت نبیہو کی زندگی میں ایک لازمی کردار کی سی ہو گئی ایک ایسا کردار جو اس کی روزمرہ زندگی کا لازمی حصہ بن گیا۔

☼ ☼ ☼

ابوذر جاگ گیا تھا اس کے رونے کی آواز سنتے ہی نبیہو بے چین ہو اٹھی جلدی جلدی شاور بند کیا۔ باتھ گاؤن لپیٹا جب تک باتھ روم کا دروازہ کھول کر وہ کمرے میں آئی ابوذر کی آواز خاموش ہو گئی شاید حماد آگیا تھا۔ ابوذر اسے پہچانتا تھا اکثر و بیشتر اسے سامنے دیکھ کر وہ رونا بھی بھول جاتا تھا اب بھی یقیناً" ایسا ہی ہوا تھا لیکن کمرے میں موجود ابوذر کا کاٹ خالی تھا غالباً" فاطمہ اسے باہر لے گئی تھیں کیونکہ رفیدا گھر پر نہ تھی اور حماد کسی ایسی حرکت کا مرتکب نہیں ہو سکتا تھا یہ سوچ کر اس نے کپڑے لیے اور اپنے کمرے کا دروازہ کھول کر کاریڈور سے ہوتی ہوئی لاؤنج میں آگئی سامنے رکھے صوفے پر نور ہلیزا ٹانگ پر ٹانگ دھرے اپنے موبائل پر بزی تھی اس کے قریب ہی ابوذر خاموشی سے لیٹا ہوا تھا قریب رکھی بے بی چیئر پر بیٹھا حماد مزے

سے پڑا کھا رہا تھا فاطمہ بھی اپنے سامنے پزا اور کوک کاٹن لیے بیٹھی تھیں۔ نور ہلیزا کی وہاں موجودگی قطعی غیر متوقع تھی اسی لیے نبیہو تھوڑی سی نروس ہو گئی۔

"السلام علیکم۔" اس نے بنا کسی کی جانب دیکھے سلام کیا جس کا جواب دینے کی زحمت کسی نے نہ کی۔ نور ہلیزا مسلسل موبائل پر بزی تھی اور فاطمہ کھانے میں، وہ تھوڑی سی شرمندہ ہو گئی۔

"لائیں اسے مجھے دے دیں۔" نہ چاہتے ہوئے بھی اسے نور ہلیزا کو مخاطب کرنا پڑا۔ نبیہو کے پکارنے پر اس نے نگاہ اٹھا کر اک ذرا کی ذرا اس کی جانب دیکھا اور خاموشی سے ابوذر کو اٹھا کر اس کی طرف بڑھا دیا جسے نبیہو نے فوراً" سے بیشتر تھام لیا۔

"جب نہانے جایا کرو تو اسے مجھے دے جایا کرو ابھی نور نہ دیکھتی تو یہ کاٹ سے گر جاتا۔" کھانے کا شغل جاری رکھتے ہوئے اس کی ساس نے جتایا۔

"جی اچھا۔" مختصر سا جواب دے کر وہ کچن میں آگئی تاکہ ابوذر کے لیے فیڈر تیار کر سکے سامنے سلیب پر موجود فاسٹ فوڈز کے ڈبے اس امر کی نشاندہی کر رہے تھے کہ یہ سب نور ہلیزا لے کر آئی ہے کیونکہ اس کے علاوہ اس وقت گھر پر کوئی اور موجود نہ تھا۔ نبیہو نے بنا کسی چیز کو ہاتھ لگائے خاموشی سے فیڈر تیار کیا کچن کی کھڑکی پر پڑنے والی بوندوں نے اسے احساس دلایا کہ باہر بارش ہو رہی ہے وہ کھڑکی کے مزید قریب ہو گئی تاکہ باہر کا منظر دیکھ سکے۔

ہلکی ہلکی بوندا باندی میں خوبصورت ہرے بھرے درخت اور بھی حسین و دلفریب لگ رہے تھے بے خیالی میں ہی اس کی نگاہ گھر کے گیٹ پر پڑی رفیدا اپنی سائیکل لے کر اندر آ رہی تھی وہ ہمیشہ سائیکل پر ہی آفس جاتی تھی نبیہو نے گھڑی پر ایک نظر ڈالی ابھی رفیدا کی واپسی میں پورا گھنٹہ باقی تھا غالباً" اس کی جلدی واپسی کا سبب بھی نور ہلیزا ہی تھی۔ نبیہو تیزی سے کچن سے نکل کر اپنے کمرے میں آگئی اس وقت اس کا موڈ رفیدا کا سامنا کرنے کا بالکل بھی نہ تھا' ابوذر فیڈر پیتے ہی سو گیا اس نے اپنے کمرے کی کھڑکی پر پڑا پردہ ہٹا کر

باہر جھانکا بارش ابھی بھی جاری تھی سامنے ہی سکندر کی گاڑی کی موجودگی اس بات کا ثبوت تھا کہ وہ بھی گھر آچکا ہے نبیہو کا دل چاہا وہ سڑک پر دور تک اس بارش میں بھیگتی ہوئی جائے اس خیال کے آتے ہی اس نے پلٹ کر ایک نظر ابوذر پر ڈالی اور ایک ٹھنڈی آہ بھری عشاء کے بعد وہ ابوذر کو لے کر باہر نہ جا سکتی تھی یہ اس کی ساس کا حکم تھا جس پر عمل کرنا اس کی مجبوری تھی اس نے اپنے کمرے کے پیچھے کی جانب کھلنے والے دروازہ کا لاک کھولا اور پہلی ہی سیڑھی پر بیٹھ گئی جانے کتنی دیر وہ اس طرح بیٹھی رہی جب اس کی توجہ کچھ ملی جلی آوازوں نے اپنی جانب مبذول کروائی نور ہلیزا گھر جا رہی تھی رفیدا اسے چھوڑنے باہر آئی تھی حماد بھی ان کے ساتھ تھا کچھ ہی پل میں سکندر کی گاڑی کے اسٹارٹ ہونے کی آواز نے واضح کیا کہ وہ نور ہلیزا کو اس کے گھر سیگا پور چھوڑنے گیا ہے۔

اس کا بے ساختہ دل چاہا وہ بھی ساتھ جائے کیونکہ وہاں ربیعہ رہتی تھی پچھلے کچھ دنوں سے اس کا دل ربیعہ سے ملنے کو چاہ رہا تھا نہ چاہتے ہوئے بھی اپنی اس خواہش کو دل میں دبائے وہ اندھیرے میں سیڑھی پر بیٹھی رہی گاڑی کی دور تک معدوم ہوتی لائٹیں دیکھ کر وہ اٹھ کھڑی ہوئی پیٹ میں اٹھتی ٹیس نے اسے احساس دلایا وہ بھوکی ہے اسی لیے خاموشی سے کچن میں رکھے ٹیبل پر آگئی جہاں دوپہر کا سالن اور چاول جوں کے توں موجود تھے اس نے پلیٹ میں تھوڑا سا کھانا نکالا اور کمرے میں آگئی' سکندر کی واپسی کب ہوئی اسے علم ہی نہ ہو سکا ویسے بھی وہ آج کل زیادہ تر دوسرے کمرے میں ہی سوتا تھا وجہ ابوذر تھا بقول سکندر کے' رات میں وقفہ وقفہ سے ابوذر کے رونے کی آواز اسے ڈسٹرب کرتی تھی جس کی بنا پر وہ صبح اپنا کام صحیح طور پر انجام نہ دے پاتا تھا' جو بھی تھا سکندر کی اس روٹین سے اب نبیہو کو کوئی فرق نہ پڑتا تھا۔ وہ تنہائی کی عادی ہو چکی تھی اس کی زندگی میں اب اگر کوئی احساس باقی تھا تو وہ یقیناً" ابوذر تھا۔ اس کے علاوہ اسے اب کسی کی بھی کوئی پروا نہ رہی تھی۔ یہ ہی وجہ تھی وہ بنا کسی

احساس کے جلد ہی سو گئی۔

☼ ☼ ☼

جانے فون کے دوسری جانب کون تھا۔ وہ پچھلے پندرہ منٹ سے سکندر کو اسی طرح فون پر بات کرتا دیکھ رہی تھی۔ اس کی آواز اس قدر دھیمی تھی کہ باوجود کوشش کہ وہ سن نہ پا رہی تھی کہ فون کس کا ہے۔

ٹی وی پر اس کی پسندیدہ ملائی سیریل آ رہی تھی جسے پوری توجہ سے دیکھتے ہوئے بھی اس کا دھیان بار بار بھٹک کر سکندر کی جانب جا رہا تھا۔ فون بند کرتے ہی اس نے اپنے قریب بیٹھی رفیدا سے کچھ کہا۔ جس نے فوراً" نبیہو پر نگاہ ڈالی۔

"لگتا ہے بھابی کے گھر مہمان داری کا رواج نہ تھا۔" یک دم رفیدا کے با آواز بلند مخاطب کیے جانے پر وہ چونک اٹھی۔ رفیدا کی بات کا مقصد کیا تھا' وہ سمجھ ہی نہ پائی اور نا سمجھی والے انداز سے اس کی جانب تکا۔

"وہاں تو شاید کسی بھی چیز کا رواج نہ تھا۔ مہمان داری تو بہت دور کی بات ہے۔" یہ طنزیہ فقرہ سکندر کی جانب سے آیا تھا۔ وہ اب بھی نہ سمجھ پائی تھی کہ کیا ہوا ہے؟

"تم مجھ سے کچھ کہہ رہی ہو؟" سکندر کی بات کو قطعی نظرانداز کرتے ہوئے اس نے بڑے تحمل سے رفیدا کو مخاطب کیا۔

"ظاہر ہے تمہارے علاوہ اور کون ہے یہاں کم ذات' جس سے کچھ کہا جائے۔" سکندر تنک کر بولا' جبکہ رفیدا خاموشی سے ٹی وی اسکرین پر نظریں جمائے ٹانگیں ہلا رہی تھی۔ بالکل ایسے جیسے بات کو ہوا دینے کے علاوہ اس کا دوسرا مقصد نہ تھا۔ اس کی تو سمجھ میں ہی نہ آ رہا تھا کہ یک دم سکندر کو ہوا کیا ہے وہ ہونق بنی اس کی جانب دیکھ رہی تھی۔

"جانتی ہو فون کس کا آیا تھا؟"

"نور ہلیزا کا۔" کچھ دیر نبیہو کے چہرے پر نظریں جمائے ہوئے اس نے خود ہی جواب بھی دے دیا۔

"کہہ رہی تھی تمہاری بیوی بہت جاہل عورت

ہے۔ اسے گھر میں آئے ہوئے کسی بھی مہمان سے سلام دعا لینے کی بھی تمیز نہیں ہے۔" سکندر کی آواز یک دم تیز ہو گئی۔ کمرے سے ایدھا اور حماد بھی باہر نکل آئے۔ جن پر نظر پڑتے ہی وہ رج کر شرمندہ ہوئی۔ اسے سمجھ نہ آیا نور ہلیزا کی اس بے جا شکایت کا مقصد کیا ہے؟

"میں نے اسے سلام کیا تھا جس کا جواب اس نے خود ہی نہ دیا تھا۔ میری بات کا یقین نہ ہو تو اماں سے پوچھ لیں۔" اس نے شرمندہ سی آواز میں فاطمہ کی گواہی طلب کی جو اس سارے قصے سے لاتعلق مزے سے ٹی وی دیکھ رہی تھیں۔ یہ تو اس گھر کا شروع سے رواج تھا۔ دونوں ماں، بیٹیاں کوئی بھی بات شروع کرنے کے بعد بالکل اس طرح ظاہر کرتیں جیسے میاں، بیوی کے کسی بھی مسئلے سے ان کا کوئی تعلق نہ ہو۔ ابھی بھی فاطمہ کا انداز یہی ظاہر کر رہا تھا۔

"تمہارے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ میں جھوٹ بول رہا ہوں۔" وہ یک دم دھاڑا، نیبو خائف سی ہو گئی۔

"میرا یہ مقصد نہ تھا۔"

"تو کیا نور ہلیزا جھوٹ بول رہی ہے؟ یہ مقصد تھا تمہارا۔" سکندر نے اس کی بات کاٹتے ہوئے ہاتھ میں پکڑا موبائل دیوار پر دے مارا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ سکندر کے اس قدر غصہ کی وجہ کیا ہے؟ اس نے ایسا کیا کیا تھا جو سکندر اتنا انتہائی ری ایکٹ کر رہا تھا۔

"ماں یہ تمہارا لایا ہوا عذاب ہے جو میں بھگت رہا ہوں۔" قریب رکھی کرسی پر اس نے زور سے لات رسید کی۔ نیبو ڈر کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ سکندر کی تیز آواز سنتے ہی ابوذر بھی ڈر گیا اور با آواز بلند رونے لگا، جسے فوراً" آگے بڑھ کر ایدھا نے گود میں لے لیا۔ یہ دیکھتے ہی نیبو کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔

"چھوڑو اسے ہاتھ مت لگانا۔" سکندر کو بھول کر وہ غصہ کی کیفیت میں ایدھا کی جانب بڑھی اور اس کے ہاتھ سے ابوذر کو کھینچ لیا اور یہی شاید اس کی ایک بڑی غلطی تھی جس کا اندازہ اسے اگلے ہی پل ہو گیا۔ سکندر غصہ کی کیفیت میں تیزی سے آگے بڑھا اور اسے گلے سے دبوچ لیا۔

"ابھی میں نے تم سے کہا تھا تمہیں بالکل بھی تمیز نہیں ہے اور تم نے ایک ہی سیکنڈ میں میری بات کو سچ کر دکھایا۔"

"چھوڑو مجھے۔" اس کے ایک ہاتھ میں ابوذر لٹکا رو رہا تھا۔ دوسرے ہاتھ سے بمشکل وہ خود کو چھڑواتی ہوئی بولی۔ اس کی آنکھوں کے آگے آتا اندھیرا اسے احساس دلا رہا تھا۔ اگر سکندر نے مزید اسے کچھ دیر اسی طرح دبوچے رکھا تھا۔ شاید وہ اپنے پاؤں پر مزید کھڑی نہ رہ سکے گی۔ "زندگی کتنی خوب صورت ہوتی ہے" اس احساس نے اسے مسلسل مزاحمت پر مجبور کر دیا۔

"چھوڑو اسے یہ تو مر جائے گی اور تمہاری ساری جوانی جیل کی اندھیری کوٹھڑی میں گزر جائے گی۔" بھائی سے ہمدردی جتاتے ہوئے رفیدا نے اسے چھڑوانے کی کوشش کی، سکندر نے اسے دھکا دے کر صوفہ پر دے پھینکا۔

"یاد رکھنا جب تک میرے گھر میں ہو میرے گھر آئے ہوئے کسی بھی فرد کو تم سے شکایت نہ ہو، ورنہ جان سے مار دوں گا۔" غصہ سے دندناتا ہوا وہ لاؤنج کا دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔ ایدھا حماد کو لے کر پہلے ہی وہاں سے جا چکی تھی۔

"آئے ہائے جلدی جاؤ رفیدا، بھائی کو روکو، کہیں اس غصہ میں کچھ اور نہ کر لے، میرا بدنصیب بچہ۔" فاطمہ نے دہائی دی، رفیدا فوراً" سے پیشتر سکندر کے پیچھے بھاگی نیبو بمشکل اٹھی، روتا ہوا ابوذر ابھی بھی اس کی گود میں تھا۔ بے بسی کی شدت میں اس کا دل چاہا وہ دھاڑیں مار، مار کر روئے اپنی اس خواہش کو بمشکل ضبط کرتی وہ کمرے تک آئی اور پھر نیچے کارپٹ پر بیٹھتے ہی پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ آج اسے احساس ہو گیا تھا کہ اس گھر میں اس کا وجود ایک فاضل پرزے سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔ وہ سمجھ چکی تھی کہ سکندر اور اس کے گھر والوں کو اس کی ضرورت نہیں ہے۔ ابھی تک اس

گھر میں اس کا قیام صرف اور صرف نیبو کی کوششوں کا نتیجہ تھا۔ لیکن آج یہ تمام کوششیں لاحاصل ہو گئیں۔

"آر یا پار اب مجھے جلد ہی اپنی زندگی کا کوئی فیصلہ کرنا ہو گا۔" اس ساری رات روتی بلکتی نیبو نے اپنے دل کو یہ سمجھاتے گزار دی کہ اب اسے جلد ہی کوئی فیصلہ کرنا ہو گا اور اس سلسلے میں وہ پہلے ربیعہ کو اعتماد میں لینا چاہتی تھی، لیکن ساتھ ہی ساتھ اس کے لیے اب ناگزیر ہو چکا تھا کہ وہ اپنے گھر والوں کو اپنے تمام حالات بتائے۔ تاکہ اس کی روشنی میں کوئی نیا قدم اٹھایا جا سکے۔

اس سے قبل کہ وہ کسی کو کچھ بتاتی یک دم ہی حالات کچھ ایسے تبدیل ہوئے کہ وہ چاہتے ہوئے بھی کسی سے کچھ نہ کہہ سکی۔

☼ ☼ ☼
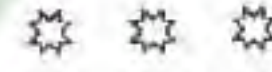
باہر سے آتے تیز شور کی آواز سے نیبو کی آنکھ کھل گئی۔

"یہ صبح صبح کون آ گیا؟" نیبو نے بمشکل اپنی آنکھیں کھولتے ہوئے گھڑی پر ایک نظر ڈالی، ابھی صرف آٹھ بج کر دس منٹ ہوئے تھے۔ بستر سے اٹھنے کی کوشش کے ساتھ ہی سر میں اٹھتی ٹیس نے اسے گزرا ہوا کل یاد دلا دیا۔ جس کے ساتھ ہی گزرے ہوئے کل کے واقعے نے اس کی اذیت میں کئی گنا اضافہ کر دیا۔ ابوذر سو رہا تھا۔ وہ بمشکل اٹھی۔ منہ پر پانی کے چھینٹے مارے اور کمرے کا دروازہ کھول دیا۔ وہ جاننا چاہتی تھی صبح صبح برپا ہونے والے اس شور کا پس منظر کیا ہے۔

"میں نیبو کو آج اور ابھی لے کر جاؤں گا، دیکھتا ہوں مجھے کون روکتا ہے۔" "یقیناً" یہ آواز انکل صالح کی تھی۔

"انہوں نے اپنی بیوہ بہن کی پریشانی دور کرنے کے لیے تمہارا اور سکندر کا رشتہ طے کروایا تھا۔" کان کے قریب ہی ربیعہ کی سرگوشی ابھری نیبو کا دل یک دم ہی نفرت سے بھر گیا وہ تیزی سے آگے بڑھی لاؤنج کے دروازے پر پہنچتے ہی اس کے قدم ساکت ہو گئے سامنے ہی سارا گھر موجود تھا۔ عمر، سکینہ، سکندر اور رفیدا کے علاوہ دیوار سے ٹیک لگائے ایدھا بھی کھڑی تھی۔ فاطمہ سامنے رکھی اونچی سی کرسی پر براجمان تھیں عائشہ اور محمد صالح لاؤنج کے وسط میں کھڑے تھے لگتا تھا کسی نے انہیں بیٹھنے کے لیے بھی نہیں کہا نیبو حیران تھی اس نے انکل صالح سے کوئی رابطہ نہ کیا تھا پھر وہ کیوں آئے تھے؟ کل والے واقعہ کی اطلاع انہیں کس نے دی؟ بے شمار سوالات ایک ہی پل میں اس کے دماغ میں آئے جن کا جواب اسے تھوڑی ہی دیر میں مل گیا۔

"آپ اسے بڑے شوق سے لے جا سکتے ہیں کیونکہ میں نے آپ کو بلوایا بھی اسی لیے تھا۔" اس پر نظر پڑتے ہی سکندر چلایا۔

"اوہ تو ان تمام لوگوں کو سکندر نے خود بلوایا ہے۔" تذلیل کے ایک اور احساس نے اس کی آنکھوں میں مرچیں سی بھر دیں۔

"ہاں ماموں لے جائیں اسے اپنے ساتھ اب ہم سکندر کی شادی اس کی پسند سے کریں گے۔" رفیدا نے بڑے ٹھنڈے انداز میں اس پر وار کیا سکینہ اور عمر خاموشی سے بیٹھے تھے حیرت کی بات یہ تھی کہ فاطمہ کا رد عمل بالکل ایسا تھا جیسے اس سارے مسئلے سے ان کا کوئی تعلق ہی نہ ہو۔

"ٹھیک ہے یہ میرے ساتھ رہے گی ابھی تو فی الحال میں اسے اور ابوذر کو لے کر جا رہا ہوں لیکن یاد رکھنا جلد ہی حماد بھی ہمارے پاس ہو گا چلو نیبو پندرہ منٹ میں اپنا سامان لے کر باہر گاڑی میں آ جاؤ میں تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔" سکندر کو جواب دیتے ہی انہوں نے نیبو کو بھی ہدایت دی اور خود تیزی سے باہر نکل گئے ان کی تقلید میں آنٹی عائشہ بھی باہر نکل گئیں اب یہاں مزید رکنا نیبو کے لیے مشکل نہیں ناممکن بھی تھا اس بات کا فیصلہ وہ رات ہی کر چکی تھی لہٰذا خاموشی سے اپنے کمرے میں آ گئی اس کے پاس کوئی دوسری چوائس نہ

تھی اس وقت یہاں سے نکلنے کا واحد راستہ انکل صالح کے گھر تک کا تھا اپنی آگے کی زندگی کا فیصلہ وہ یہاں سے جا کر ہی کر سکتی تھی خاموشی سے اپنا اور ابوذر کا سامان پیک کرکے وہ باہر آگئی کسی نے بھی اسے روکنے کی کوشش نہ کی اس گھر میں اس کی کیا حیثیت تھی؟ اب مزید یہ جاننے کی خواہش اس کے دل میں نہ تھی تقریباً" آدھے گھنٹے میں وہ انکل کے گھر پہنچ چکی تھی راستہ میں ہی انہوں نے ابوذر کے دودھ کے ٹن دلیہ اور دیگر سامان پیک کروالیا تھا وہ بالکل خاموش تھی وہ انکل صالح کے ساتھ ان کے گھر اس حالت میں آئے گی یہ تو اس نے سوچا بھی نہ تھا اسے تو امید ہی نہ تھی کہ سکندر اور اس کے گھر والے اسے اس طرح کھڑے کھڑے گھر سے نکال دیں گے وہ ابھی تک شاک کی حالت میں تھی شام ہوتے ہی ربیعہ اور عبدالوہاب بھی وہاں پہنچ گئے اس کی اجڑی ہوئی حالت دیکھتے ہی ربیعہ رونے لگی جبکہ اس کے آنسو خشک ہو چکے تھے اسے محسوس ہو رہا تھا اب وہ تھک گئی ہے اب جو بھی ہو وہ ہر حال میں پاکستان جانا چاہتی تھی چاہے دنیا کچھ بھی کہے اس کا دل یہاں سے اچاٹ ہو چکا تھا اس کے دل سے دنیا کی باتوں کا خوف اڑن چھو ہو گیا تھا۔

"تم نے اپنے گھر اطلاع دی ہے۔"

ربیعہ نے اسے کندھے سے تھام کر ہلایا۔

"نہیں پہلے میں ذرا مولانا عبدالرزاق سے مشورہ کرلوں پھر اس کے گھر فون کریں گے۔" مولانا عبدالرزاق کا نام نیبو پہلے بھی سن چکی تھی یہاں اکثر کونسلنگ کے سلسلے میں ان سے ہی رابطہ کیا جاتا تھا۔

"پھر بات ہوئی آپ کی مولانا صاحب سے۔"

عبدالوہاب نے دریافت کیا۔

"ہاں دو دن تک وہ مصروف ہیں پھر سکندر کی طرف جائیں گے اس سے بات کرکے نیبو سے ملاقات کریں گے اس کے بعد کونسلنگ کروائی جائے گی پھر جو بھی فیصلہ ہوا اس کی روشنی میں پاکستان رابطہ کیا جائے گا۔" انکل نے ہر نقطہ کی وضاحت کرتے ہوئے سمجھایا۔

"انکل پلیز مجھے یہ سب کچھ نہیں کرنا مجھے ہر حال میں پاکستان واپس جانا ہے 'میں اب مزید یہاں نہیں رہ سکتی۔" صالح کی بات ختم ہوتے ہی نیبو تیزی سے بولی سب نے ایک ساتھ اس کی جانب دیکھا سختی سے اپنے ہونٹوں کو بھینچے وہ گود میں دھرے اپنے ہاتھوں کی جانب تک رہی تھی شدید ضبط کے باوجود آنسو اس کے گال کو گیلا کر چکے تھے اس کا دکھ ربیعہ کے دل کو چیر گیا گھر سے اس طرح نکالے جانے کی جو اذیت نیبو محسوس کر رہی تھی اس کا اندازہ کوئی چاہ کر بھی نہیں لگا سکتا تھا بے عزتی کے شدید احساس نے اسے ادھ موا کر دیا تھا۔ اپنوں سے دور پردیس کی یہ رسوائی اسے خون کے آنسو رلا رہی تھی "اب مجھے یہاں نہیں رہنا" یہ فیصلہ وہ سکندر کے گھر سے نکالے جانے سے قبل ہی کر چکی تھی پچھلے تین دنوں سے وہ جس کرب کا شکار تھی اس کا واحد حل اب سکندر سے علیحدگی میں پنہاں تھا یہ ہی وجہ تھی کہ اسے کسی بھی کونسلنگ سے کوئی سروکار نہ تھا۔

"مجھے اپنے گھر کال کرنی ہے 'میں اپنے والد سے ہر مسئلہ ڈسکس کرنا چاہتی ہوں۔" وہ حتمی اور اٹل لہجہ میں بولی۔ انکل صالح خاموشی سے اس کے چہرے پر نظریں جمائے جانے کیا سوچ رہے تھے جبکہ عائشہ ابوذر کو گود میں لیے اس کے قریب ہی بیٹھی تھیں۔

"یہ وقت جذباتی فیصلے کرنے کا نہیں ہے تمہیں جو بھی کرنا ہے سوچ سمجھ کر کرنا ہوگا کیونکہ تم پاکستان کے کسی دوسرے شہر میں نہیں ہو جہاں سے ٹکٹ کروا کر میں تمہیں واپس بھیج دوں تم ایک دوسرے ملک میں موجود ہو جہاں کے اپنے کچھ قاعدے 'قوانین ہیں جن پر عمل پیرا ہونا تمہارے لیے بہت ضروری ہے۔"

"کیا مطلب؟" وہ بھنویں اچکا کر بولی۔

"مجھے اپنے ملک واپس جانے کے لیے آپ کے ملک کے کن قاعدے اور قوانین کو فالو کرنا ہوگا؟ پلیز انکل ذرا آپ مجھے وضاحت سے سب کچھ سمجھائیں میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ میں واپس کیوں نہیں جا سکتی۔" وہ الجھ گئی تھی صالح انکل کی بات سمجھ ہی نہ پائی۔

"تمہارا پاسپورٹ کہاں ہے؟" کسی بھی بات کی وضاحت سے قبل انہوں نے نیبو سے صرف یہ ہی ایک سوال کیا جسے سنتے ہی وہ چونک اٹھی۔

"پاسپورٹ وہ تو شاید سکندر کے پاس ہے بلکہ یقیناً" اس کے پاس ہی ہوگا آپ مانگیں وہ دے دے گا۔" اس کا لہجہ یقینی تھا۔

"اور ابوذر کے کاغذات مثلاً" اس کا برتھ سرٹیفکیٹ اور پاسپورٹ وغیرہ وہ کہاں ہیں۔" اوہ یہ سب تو اس نے سوچا ہی نہ تھا انکل نے صحیح کہا تھا وہ اتنی آسانی سے اس مصیبت سے جان نہیں چھڑوا سکتی تھی۔ مایوسی کی ایک شدید لہر نے اسے اپنی لپیٹ میں لے لیا۔

"لیکن جب سکندر نے مجھے رکھنا ہی نہیں ہے تو وہ میرے تمام پیپرز بھی دے دے تاکہ میں واپس جا سکوں۔" مایوسی میں امید کی ایک جھلک اسے نظر آئی۔

"ہاں تمہارے پیپرز تو وہ دینے کو تیار ہے لیکن کیا تم حماد کے ساتھ ساتھ ابوذر کو بھی سکندر کے حوالے کرو گی؟" انکل نے نیبو سے دریافت کیا جو ہونق بنی ان کا منہ تک رہی تھی۔

"دیکھو بیٹا تم ابوذر کو اپنے ساتھ پاکستان نہیں لے جا سکتیں یہ یہاں کا قانون ہے۔"

"کیوں نہیں لے جا سکتی 'میں اس کی ماں ہوں کوئی بھی قانون چند ماہ کے بچے کو اس کی ماں سے جدا نہیں کر سکتا۔"

"یہ ہی بات تو میں تمہیں سمجھا رہا ہوں دیکھو نیبو اگر تم پاکستان جانا چاہو گی تو ہمارے ملک کے قانون کے تحت تمہیں اکیلے واپس جانا ہوگا کیونکہ تم اس بچے کو دوسرے ملک نہیں لے جا سکتیں۔"

"لیکن ہمارے ملک کے قانون میں تو ہمیشہ ماں کا ساتھ دیا جاتا ہے خواہ اس کا تعلق کسی بھی ملک سے ہو۔" اس نے حیرت سے ربیعہ کی سمت دیکھا اس کے چہرے پر بکھری حیرت یہ ثابت کر رہی تھی کہ وہ بھی اس نقطہ سے اسی طرح لاعلم تھی جس طرح نیبو۔

"لیکن یہاں ایسا نہیں ہے البتہ اگر تم سکندر سے علیحدگی اختیار کرکے یہاں رہنا چاہو تو اس سلسلے میں ہم سب تمہاری مدد کر سکتے ہیں۔"

"کیسی مدد؟"

"جیسے میں کوشش کرکے تمہیں یہاں کوئی معقول سی جاب دلوا سکتا ہوں 'تمہاری یہاں رہائش کا انتظام بھی ہو سکتا ہے بلکہ اگر تم چاہو تو تم ہمارے ساتھ ہمارے گھر پر بحیثیت بیٹی کے رہ سکتی ہو کیوں عائشہ ٹھیک کہہ رہا ہوں نا میں؟" بات کرتے کرتے انہوں نے عائشہ کو مخاطب کیا جنہوں نے اثبات میں سر ہلا کر ان کی بات کی تصدیق کی۔

"یہاں رہائش اختیار کرنے میں تمہیں ایک فائدہ اور بھی ہوگا وہ یہ کہ میں کوشش کرکے حماد بھی تمہیں دلا دوں گا۔" انکل کی یہ تمام گفتگو اس کے کسی بھی مسئلے کا حل نہ تھی وہ یہاں شادی ہو کر سکندر کے ساتھ رخصت ہو کر آئی تھی اب اگر سکندر اس سے کوئی تعلق اور رشتہ نہ رکھنا چاہے تو وہ کس طرح یہاں رہ سکتی تھی کس حیثیت سے وہ اپنی زندگی دیار غیر میں گزار لیتی اپنے پیاروں سے دور عورت اپنوں سے دوری صرف ایک شخص کے لیے برداشت کرتی ہے جو اس کے شوہر کے منصب پر فائز ہوتا ہے اب اگر وہ شخص ہی اپنا نہ ہو تو پھر کس طرح ساری زندگی گزاری جا سکتی ہے۔ انسان تو سارے معاشرے کے ایک ہی جیسے تھے جو ہاتھوں میں سنگ ریزے لیے جابجا کھڑے نظر آتے ہیں جہاں کہیں موقع ملے اپنے سامنے کھڑے فرد کو لہولہان کر دیں ایسے میں کس طرح وہ اپنی ساری جوانی تیاگ دے یہ سب اس نے سوچا ضرور مگر کہا کچھ نہیں وہ جان چکی تھی جذباتی پن اس تمام مسئلے کا حل نہیں ہے بلکہ اب اسے جو بھی کرنا ہے بہت سوچ سمجھ کر کرنا ہے فی الحال ضروری تھا کہ انکل جو کچھ کہیں ان کی ہاں میں ہاں ملائی جائے۔

"ٹھیک ہے انکل آپ وہ ہی کریں جو آپ کو مناسب لگے۔" بولتے ہوئے اس کی آواز رندھ گئی' ربیعہ نے جلدی سے آگے بڑھ کر اسے اپنے ساتھ لگالیا۔

"ہمت کرو نیبو' خدا پر بھروسہ رکھو وہ جو بھی کرے گا بہتر کرے گا۔" وہ اس کا سر تھپکتے ہوئے دھیرے سے بولی۔

"ہمت ہی تو ہے جو یہ سب کچھ برداشت کر رہی ہوں ورنہ شاید کب کی مرگئی ہوتی۔"

"اچھا یہ ابوذر کو لو وہ کب سے بھوکا ہے پھر ہاتھ منہ دھو کر کپڑے تبدیل کرلو میں اور وہاب تمہیں ذرا باہر گھما لائیں شاید اسی طرح تمہارا دل کچھ بہل جائے۔" شاید ربیعہ نہیں جانتی تھی کہ وہ دل جو ٹوٹ کر بکھر جائیں وہ اس طرح نہیں بہلتے پھر بھی نیبو نہ چاہتے ہوئے بھی خاموشی سے تیار ہو کر ان کے ساتھ باہر آگئی کم از کم وہ اپنا خیال رکھنے والے خود سے منسلک لوگوں کو مایوس نہ کرنا چاہتی تھی ویسے بھی وہ جان چکی تھی اچھی یا بری اپنی زندگی اسے خود جینی ہے اب فیصلہ اس کے اپنے ہاتھ میں تھا کہ وہ کیسی زندگی گزارنا پسند کرتی ہے۔

☼ ☼ ☼

"دیکھو بیٹا اللہ تعالیٰ نے مردوں کو عورتوں کا ولی مقرر فرمایا ہے' اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں جگہ جگہ فرماتا ہے کہ اپنی بیویوں سے نیک سلوک کرو خاص طور پر سورۃ النساء میں اس بارے میں کچھ جگہ وضاحت کی گئی ہے۔" مولوی صاحب سانس لینے کے لیے رکے اور پل کے پل سکندر کے چہرے پر ایک نظر ڈالی۔

"جانتے ہو اللہ تعالیٰ میاں بیوی کے درمیان صلح کو بہت پسند فرماتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

"اگر کوئی عورت اپنے شوہر کی جانب سے زیادتی یا بے رغبتی کا خوف رکھتی ہو تو دونوں (میاں بیوی) پر کوئی حرج نہیں کہ وہ آپس میں کسی مناسب بات پر صلح کرلیں اور صلح (حقیقت میں) اچھی چیز ہے۔"

(سورۃ النسا)

نیبو سر پر دوپٹہ اوڑھے خاموشی سے سر جھکائے مولانا عبدالرزاق کی تمام گفتگو سن رہی تھی وہ دو گھنٹے قبل ان کے ساتھ سکندر کے گھر آئی تھی کیونکہ مشاورت کے لیے سکندر نے انکل صالح کے گھر آنے سے صاف انکار کردیا تھا اس کا کہنا تھا کہ یہ مشاورت لڑکی کے گھر ہوتی ہے جہاں دونوں فریقین کی جانب سے ایک فرد کی موجودگی ضروری ہے اب جبکہ نیبو کا گھر یہاں نہیں ہے تو یہ معاملہ سکندر کے گھر پر طے پایا جانا چاہیے اس سلسلے میں مولانا صاحب نے دوبار اس سے ملاقات کی اور اسے سمجھانا چاہا لیکن وہ مسلسل اپنی بات پر اڑا رہا وہ صالح محمد کو نیبو کا سرپرست تسلیم کرنے پر رضامند ہی نہ تھا۔

"ٹھیک ہے اگر وہ یہاں نہیں آتا تو یہ بھی وہاں نہ جائے گی۔" انکل صالح نے غصہ میں آکر اپنا فیصلہ سنا دیا مزید ایک ہفتہ اسی کھینچا تانی میں گزر گیا اور بھی جانے کتنا ٹائم اسی طرح گزر جاتا اگر اسی رات پاکستان سے روا کا فون نہ آجاتا۔ رات کے ایک بجے سوتی جاگی کیفیت میں تھی جب پاکستان سے آنے والی کال نے اس کے تمام احساسات کو بیدار کردیا عام طور پر کبھی بھی اسے اس وقت کوئی فون نہ کرتا تھا کسی انہونی کے احساس نے اس کے دل کی دھڑکن کو تیز کردیا اس نے کانپتے ہاتھوں سے یس کا بٹن دبا کر سیل اپنے کانوں سے لگالیا۔

"السلام علیکم۔" دھیمی آواز میں بولتے ہوئے اس نے ابوذر پر ایک نظر ڈالی جو اس کے پہلو میں بے خبر سو رہا تھا۔

"وعلیکم السلام۔" روا کی آواز اسے بھیگی ہوئی محسوس ہوئی۔

"شاید میری ماں میرے تمام حالات جان چکی ہے۔" پہلا خیال۔ اس کے ذہن میں یہ ہی آیا۔

"کیا بات ہے ممی سب خیریت تو ہے؟"

"خیریت کہاں بیٹا تمہارے پاپا آئی سی یو میں ہیں۔" بغیر کسی تمہید کے روا روتے ہوئے بولیں۔

"کیا ہوا پاپا کو؟" وہ ایک دم شاک ہو گئی یہ بالکل ایک غیر متوقع خبر تھی۔ اس کا دل صبح سے گھبرا رہا تھا' جس کی وجہ اب سمجھ میں آئی۔

"یا اللہ میرے پاپا کو صحت عطا فرما۔" اس کے دل کی گہرائیوں سے آواز نکلی حالانکہ ابھی وہ یہ بھی نہ جانتی تھی کہ احتشام صاحب کو ہوا کیا ہے؟

"ان کو دوسرا ہارٹ اٹیک آیا ہے ڈاکٹرز کا کہنا ہے کہ بائی پاس کرنا پڑے گا ہم تمہیں پردیس میں پریشان نہ کرنا چاہتے تھے بیٹا اسی لیے اطلاع نہ دی لیکن اب جب ڈاکٹرز نے آپریشن بتایا تو میں صبر نہ کر سکی کیا تم کسی طرح پاکستان نہیں آسکتیں۔" بات کرتے کرتے ردا نے وہ سوال کیا جس کا جواب دل کی گہرائیوں سے سوائے ہاں کے کچھ نہ تھا۔

"بیٹا میں چاہتی ہوں تم پاکستان آکر اپنے پاپا سے مل لو ویسے بھی وہ تمہیں بہت یاد کرتے ہیں ہمارا پروگرام تھا ایک ماہ تک وہاں آنے کا لیکن یہ بس اچانک ہی پرسوں جانے انہیں کیا ہو گیا۔" ردا بھرائی ہوئی آواز میں اسے تمام تفصیل سنا رہی تھیں جسے وہ خالی الذہنی سے سن رہی تھی مصیبت ایک کے بعد ایک اس کی طرف لپک رہی تھی اس کی سمجھ میں نہ آیا وہ ردا کو کیا جواب دے اس کا بس چلتا تو ابھی اڑ کر پاکستان چلی جاتی لیکن پاؤں میں پڑی مجبوری کی زنجیریں اسے جکڑے ہوئی تھیں۔

"تم کہو تو میں سکندر سے بات کروں تمہیں پاکستان بھجوا دے بے شک پندرہ دن کے لیے ہی سہی۔" ردا اس کے دل کی کیفیت سے بے خبر بولے جا رہی تھیں نہیں جانتی تھیں کہ ان کی لاڈلی بیٹی کس اذیت سے دوچار ہے۔

"نہیں ممی پلیز آپ انہیں کچھ مت کہیں میں خود بات کر کے آپ کو کل تک بتا دوں گی اور آپ اپنا خیال رکھیے گا اللہ پاپا کو جلد صحت عطا فرمائے گا۔"

اور پھر فون بند کرنے تک اس نے ردا کو اپنے بارے میں کچھ بھی نہ بتایا یہ بھی نہیں کہ وہ انکل صالح کے گھر قیام پذیر ہے وہ نہیں چاہتی تھی کہ اس پریشانی میں اپنی ماں کو مزید کوئی دکھ دے وہ ساری رات نیبو نے جائے نماز پر گزار دی وہ رو رو کر اپنے باپ کی صحت و سلامتی کے لیے دعائیں کرتی رہی باپ کی تکلیف نے اپنا درد بھی بھلا دیا۔

"پلیز انکل آپ سکندر سے کہیں میرا پاسپورٹ دے دے مجھے ہر حال میں پاکستان جانا ہے۔" وہ روتے ہوئے صالح محمد سے التجا کر رہی تھی جو خاموشی سے اس کی ہر بات کو سن رہے تھے انہیں صبح ہی پتا چلا تھا کہ احتشام آئی سی یو میں ہیں۔ اس کے بعد امان اور ردا کو فون کر کے انہوں نے تمام صورت حال معلوم کر لی تھی احتشام کے بائی پاس کی خبر نے انہیں بھی پریشان کر دیا تھا اب ان کی سمجھ میں بھی نہ آرہا تھا کہ فوری قدم کیا ہونا چاہیے؟

"ٹھیک ہے بیٹا تم خود کو سنبھالو میں سکندر سے بات کرتا ہوں۔" اسے تسلی دیتے وہ گھر سے چلے گئے شام کو ان کی واپسی تک نیبو جلے پیر کی بلی کی طرح گھر میں پھرتی رہی وہ پہلا دن تھا جب اسے ابوذر کا خیال بھی نہ آیا آج اگر اسے کچھ یاد تھا تو صرف اپنا باپ' وہ مسلسل شفا سے رابطہ میں تھی جو پل پل کی خبریں اسے دے رہی تھی کتنے خوش نصیب تھے سب لوگ جو ایک ساتھ تھے ایک وہ ہی بد نصیب تھی جو اپنوں سے دور قید تنہائی کاٹ رہی تھی شام تک انکل کے انتظار میں گزارے جانے والے چھ گھنٹے اسے چھ صدیوں کے برابر لگ رہے تھے۔

"انکل لے آئے آپ میرا پاسپورٹ؟" انکل کے گھر میں داخل ہوتے ہی وہ بے قراری سے ان کی جانب بڑھی' انہوں نے رک کر ایک نظر اس کے ستے ہوئے چہرے پر ڈالی۔

"تم نے آج کھانا نہیں کھایا؟" یہ اس کے سوال کا جواب تھا' اسے یاد آیا وہ صبح سے بھوکی تھی حالانکہ عائشہ کئی بار اس کی منت کر چکی تھیں کہ وہ کچھ کھا لے مگر جانے کیوں اس کا دل ہی نہ چاہ رہا تھا۔

"دل نہیں چاہا کھانا کھانے کو۔" وہ دھیمے سے بولی۔

"تو آؤ پہلے میرے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھاؤ پھر بات

کرتے ہیں" بمشکل اپنے حلق سے چند نوالے اتارنے کے بعد وہ پھر سے اپنے مدعا پر آگئی۔

"انکل مجھے پاکستان جانا ہے اپنے پاپا کے پاس۔"

"دیکھو نیبو میں نے تمہیں پہلے ہی کہا تھا کوئی بھی کام جذباتی ہو کر مت کرو بلکہ ہر بات سوچ سمجھ کر کرو۔" انکل نے پاس رکھے برتن میں اپنے ہاتھ دھوئے اور انہیں تولیہ سے خشک کرتے ہوئے نیبو کو سمجھایا۔

"دیکھو بیٹا میں تمہیں پہلے بھی سمجھا چکا ہوں فی الحال ان حالات میں تمہارا پاکستان جانا قطعی غیر مناسب ہے جب تک تمہارے بارے میں کوئی حتمی فیصلہ نہ ہو تمہارا یہاں موجود رہنا اشد ضروری ہے۔"

"لیکن انکل میرے پاپا سیریس کنڈیشن میں ہیں۔" وہ روتے ہوئے بولی۔

"ٹھیک ہے اگر تم چاہتی ہو پاکستان جانا تو بے شک جاؤ اس سلسلے میں سکندر کو بھی کوئی اعتراض نہیں ہے' میں کل ہی تمہارے پیپرز جمع کروا دیتا ہوں لیکن یہ یاد رکھنا کہ تم یہ سفر تنہا ہی کرو گی ابوذر تمہارے ساتھ نہ ہو گا اور پھر یہ بھی سوچو نیبو اگر تمہیں وہاں پہنچتے ہی سکندر طلاق کے پیپرز بھجوا دے تو تم کیا کرو گی۔" انکل کے آخری جملے نے روتی ہوئی نیبو کو سر اٹھانے پر مجبور کر دیا طلاق کا خوف اس کے اعصاب کو جھنجلا گیا وہ بھی اس وقت جب اس کا باپ اسپتال میں زندگی و موت کی کشمکش میں پڑا ہو اس کے دونوں بچے اس سے میلوں دور ہوں' آج سے چار سال قبل شروع ہونے والا یہ کٹھن سفر اسے تہی دامن کر کے ایک جھٹکے میں ہی ختم ہو جاتا وہ جہاں سے چلی تھی وہاں واپس پہنچ جاتی اپنی ذات کی نفی کر کے بھی اسے کچھ حاصل نہ ہوتا' خسارہ اس کا مقدر بن جاتا سکندر ہر ظلم کے بعد بھی فاتح ہی قرار پاتا دو بیٹے' پسندیدہ بیوی اور ہر طرح کی عیاشی اس کا نصیب بن جاتی' اس کے ہاتھ کیا آتا سوائے ذلت اور رسوائی کے' انکل کیا کہنا چاہتے تھے وہ با آسانی سمجھ گئی ویسے بھی گزرتے ہوئے وقت اور حالات نے اسے اپنی عمر سے زیادہ سمجھ دار بنا دیا تھا آہستہ آہستہ وہ اپنے جذبات پر قابو پانے کا فن سیکھ گئی تھی۔

"ٹھیک ہے' انکل مگر میں اپنی ممی کو کیا جواب دوں؟" وہ اپنی جذباتی کیفیت سے ایک دم ہی باہر نکل آئی۔

"گڈ نیبو تم کافی سمجھدار ہو بیٹا اور مجھے تمہاری یہ عادت بہت پسند ہے تم ہر بات جلدی مان جاتی ہو۔" انکل نے اطمینان بھرا سانس لیتے ہوئے اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔

"تم اپنی والدہ سے کہو کہ تمہارے پیپرز نیشنلٹی کے لیے جمع ہیں لہٰذا ان دنوں تمہارا ویزہ لگنا نا صرف مشکل بلکہ ناممکن بھی ہے پھر بھی انہیں سمجھا دینا کہ تم کوشش کر رہی ہو جیسے ہی ممکن ہوا تم پاکستان ضرور آؤ گی۔"

"ٹھیک ہے انکل۔" بات اس کی سمجھ میں آگئی۔ اب وہ آسانی سے اپنے گھر والوں کو قائل کر سکتی تھی۔

"اور ہاں آج مجھے سکندر کا فون بھی آیا تھا۔"

"سکندر کا فون؟" اس نے حیرت سے سوال کیا۔

"ہاں وہ تم سے ملنا چاہتا ہے اس سلسلے میں اس نے مولانا عبدالرزاق سے بھی رابطہ کیا ہے۔"

"ضرور یہ اس کی کوئی چال ہو گی ورنہ میں نہیں سمجھتی کہ وہ اتنی آسانی سے آپ کو فون کر کے مجھ سے ملاقات کی بات کرتا۔" وہ خاصی بدظن تھی' بدگمانی اس کے لہجہ سے جھلک رہی تھی جسے صالح محمد نے محسوس ضرور کیا مگر کہا کچھ نہیں۔

"اصل میں' میں نے حماد کے لیے یہاں کی ایک شرعی عدالت سے رجوع کیا تھا جو قریبی اسلامک سینٹر میں موجود ہے' میرا مطالبہ حماد کی کسٹڈی کا تھا تین سالہ بچہ کوئی بھی باپ اپنی تحویل میں نہیں رکھ سکتا وہ بھی اس صورت میں جب وہ دوسری شادی کرنا چاہتا ہو۔"

"وہ تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اپنے بیٹے سے جدائی کے تصور نے اسے مجھ سے رابطہ کرنے پر مجبور کر دیا۔" بات اس کی سمجھ میں آگئی۔

"ہاں۔۔۔ اور اب جب اس نے خود مجھ سے رابطہ

کرلیا ہے تو میرا خیال ہے کہ تم مولانا صاحب کے ساتھ فاطمہ کے گھر چلی جاؤ سکندر تم سے مشاورت اپنے گھر میں ہی کرنا چاہتا ہے اس سلسلے میں وہ کوئی بات سننے پر آمادہ نہیں ہے۔" اپنے باپ کی بیماری، ماں کے دکھ، بہن بھائیوں کی پریشانی اور ان حالات میں ان سے دوری نے نیہو کو اندر سے توڑ دیا تھا بظاہر وہ مضبوط نظر آرہی تھی لیکن جو کیفیت اس کے دل کی تھی وہ ہی جانتی تھی اسی احساس شکست نے اسے مجبور کیا کہ وہ مولانا صاحب کے ساتھ واپس اس گھر میں جائے جہاں واپس نہ جانے کی قسم وہ دل ہی دل میں کئی بار کھا چکی تھی شاید ابھی اس کے نصیب کی مزید کچھ آزمائشیں باقی تھیں اسے لگا وہ اپنے رب کی پسندیدہ بندی ہونے کا اعزاز حاصل کرچکی ہے یہ ہی وجہ تھی جو وہ آزمائشوں کے لیے منتخب کرلی گئی تھی اور جب وہ مشاورت کے لیے سکندر کے گھر آئی تو یہ سوچ چکی تھی سمجھوتہ وہ واحد حل ہے جو اس کی زندگی کو تاریک ہونے سے بچا سکتا ہے اور یہ سمجھوتہ اسے اپنے بچوں کے لیے کرنا تھا جنہیں لے کر وہ یہاں سے نہ جا سکتی تھی۔

"مولانا صاحب یہ بہت نافرمان ہے، میرے حکم کی روگردانی کرتی ہے۔" وہ اپنی سوچوں میں گم تھی جب سکندر کی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی وہ یک دم چونک اٹھی۔

"تو کیا تم نافرمان نہیں ہو؟" مولانا صاحب نے الٹا سکندر سے سوال کیا۔

"کیا تم اپنے رب کے حکم کی روگردانی نہیں کرتے؟" مولانا صاحب کے اس سوال کا بھی جواب سکندر کے پاس نہ تھا اس نے خاموشی سے سر جھکا لیا۔

"جب تم اپنے رب کی نافرمانی کرتے ہو تو کیا وہ تمہیں بے گھر کردیتا ہے؟ تمہارے نصیب میں لکھا گیا رزق چھین لیتا ہے؟ یا تمہیں دنیا میں ذلیل و خوار کرتا ہے؟ تمہیں بیماریوں کے بوجھ سے لاد دیتا ہے؟ بتاؤ سکندر تمہارا رب تمہاری نافرمانیوں پر تمہیں کون سی سزا دیتا ہے؟ وہ نافرمانی جو تم اس کی دن رات کرتے ہو کیا وہ ان پر تمہیں معاف نہیں فرماتا؟ بے شک معاف فرماتا ہے جب ہم اس سے معافی طلب کرتے ہیں تو تمہارے خیال میں یہ عورت جو آج تمہارے سامنے سر جھکائے بیٹھی ہے تم سے معافی کی طلب گار نہیں ہے۔" مولانا صاحب نے اسے ایک بار پھر لاجواب کردیا۔

"اللہ تعالیٰ نے تو بدکار عورتوں کے لیے بھی معافی کی گنجائش رکھی ہے پھر تم کیوں اس کے حکم سے روگردانی کرتے ہوئے اپنی بیوی کو گھر سے نکالنے کے درپے ہو، کیوں اس سے دونوں بچے چھیننا چاہتے ہو کوئی بھی ظلم کرنے سے پہلے یاد رکھنا اللہ تعالیٰ ظالم سے حساب ضرور لیتا ہے۔" بات کرتے ہوئے مولانا صاحب کے لہجہ میں اشتعال آگیا۔

"تم ایک نیک عورت کے ساتھ زیادتی کے مرتکب ہو رہے ہو وہ بھی صرف اس بنا پر کہ یہ تم کو ناپسند ہے۔" نیہو نے ایک نگاہ سکندر کے چہرے پر ڈالی اپنی ناپسندیدگی کا اظہار وہ مولانا صاحب کے سامنے بھی کرچکا تھا۔ اس سوچ نے نیہو کے دل کو دکھ سے بھر دیا آج اس کے باپ کا بائی پاس تھا شاید آپریشن شروع ہوچکا ہوگا اس نے سامنے لگی دیوار گیر گھڑی پر ایک نظر ڈالی بے اختیار ہی سورہ فاتحہ کا ورد اس کی زبان سے جاری ہوگیا۔

"دیکھو بیٹا قرآن نے ہمیشہ عورتوں کے ساتھ نیک سلوک کا حکم دیا ہے فرمان خداوندی ہے۔

"ان کے ساتھ اچھے طریقے سے برتاؤ کرو پھر بھی اگر تم انہیں ناپسند کرتے ہو تو ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو اور اللہ اس میں بہت سی بھلائی رکھ دے۔" مولانا صاحب نے اپنی گود میں رکھے قرآن شریف کو کھول کر سورۃ النساء کی مذکورہ بالا آیت نا صرف پڑھ کر سنائی بلکہ قرآن مجید کو سکندر کے سامنے بھی کردیا۔

"دیکھو بیٹا تمہاری کوئی بھی شکایت ایسی نہیں ہے جسے بنیاد بنا کر تم اپنی بیوی سے علیحدگی اختیار کرنا چاہتے ہو، یاد رکھو جائز کاموں میں طلاق اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ ناپسند کیا جانے والا فعل ہے تو کیا تم بلا

جب کوئی ایسا فعل سرانجام دینا پسند کرو گے جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک ناپسندیدہ ہو۔" مولانا صاحب نے اپنی بات کے اختتام پر سکندر پر ایک نظر ڈالی۔

"مولانا صاحب اس کے کسی غیر مرد سے تعلقات بھی ہیں جو پاکستان سے نا صرف اسے میسج کرتا ہے بلکہ اکثر و بیشتر اس کے فون بھی آتے رہتے ہیں۔" ایک اور نیا الزام کوئی اور وقت ہوتا تو وہ چلا اٹھتی مگر اس وقت وہ سوچنے سمجھنے کی تمام صلاحیتیں کھو چکی تھی۔

"تمہارا شوہر جو الزام تم پر لگا رہا ہے کیا وہ درست ہے۔" مولانا صاحب کی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی، اس نے خالی خالی نظروں سے ان کی جانب تکا وہ سمجھ ہی نہ پائی وہ کیا کہنا چاہتے ہیں۔

"نیک عورتوں کے لیے نیک مرد اور بری عورتوں کے لیے...." جانے یہ آواز کس کی تھی اس نے چونک کر ایک نظر سکندر کی چہرے پر ڈالی۔

"تو کیا میں بدکردار عورت ہوں جو میرے مقدر میں سکندر جیسا مرد لکھ دیا گیا۔" اسے سوچنے سے بھی یاد نہ آیا اس کی زندگی کا کوئی ایسا پل جو یہ ثابت کردے کہ نیہو احتشام ایک بدکردار عورت ہے۔

"دیکھو بیٹی شادی کے بعد عورت اپنے مرد کی امانت ہوتی ہے۔" اس کی خاموشی سے جانے مولانا صاحب نے کیا نتیجہ اخذ کیا۔

"اگر تمہارے شوہر کی بات درست ہے تو اپنی اصلاح کرو، اگر یہ تم پر بہتان باندھ رہا ہے تو پھر اس کی پکڑ اللہ تعالیٰ کے ہاں ضرور ہوگی۔"

"یہ بہتان نہیں ہے، آپ پوچھیں اس سے کیا اس کے تعلقات کسی شان نامی شخص سے نہیں ہیں۔" نیہو کی خاموشی نے سکندر کو مزید شہ دے دی۔

"شان۔" اس کے سوئے ہوئے احساسات جھنجلا اٹھے اس نام کے ساتھ ہی وہ سب کچھ بھول گئی وہ جسمانی طور پر یہاں تھی دماغی طور پر وہ کراچی کے ایک کارڈیو اسپتال کے آئی سی یو کے باہر بیٹھی تھی جہاں اس کا باپ ایڈمٹ تھا اس کے آس پاس گھر کے تمام افراد موجود تھے بے اختیار سورۃ فاتحہ کا ورد اس کی زبان پر جاری ہوگیا آنکھوں سے جاری آنسو اس کے گالوں کو بھگوتے جارہے تھے۔

"دیکھو بیٹا اللہ تعالیٰ معاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے بہتر یہ ہے کہ تم دونوں سب کچھ بھلا کر آپس میں صلح کرلو کیونکہ یہ عمل اللہ تعالیٰ کے نزدیک نہایت پسندیدہ عمل ہے۔" جواباً سکندر نے کیا کہا وہ سمجھ نہ پائی عین اس وقت اس کے قریب رکھا موبائل فون بج اٹھا بے اختیار اس کی نگاہ سامنے لگی گھڑی پر پڑی شاید آپریشن مکمل ہوچکا تھا صرف تین گھنٹوں میں ایسا ہونا مشکل ہی نہیں ناممکن امر بھی تھا پھر یہ فون کس کا آرہا تھا شاید انکل صالح کا ہو اس نے کپکپاتے ہاتھوں سے فون اٹھایا جو بند ہوچکا تھا۔

"نیہو بنت احتشام کیا تمہیں اپنے شوہر کی تمام باتیں منظور ہیں وہ سب جو ابھی اس نے تم سے کہا؟" اسے یاد ہی نہ آیا کہ سکندر نے اس سے کیا کہا تھا اس کا پورا جسم ہولے ہولے لرز رہا تھا وہ خوف زدہ تھی فون ایک بار پھر بج اٹھا، کمرے میں موجود دونوں افراد نے بھی بے اختیار اس کے زرد چہرے پر نظر ڈالی۔

"کس کا فون ہے؟" سکندر کی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی اس نے اپنے ہاتھ میں تھامے سیل پر ایک نظر ڈالی اسکرین پر جگمگانے والا نمبر یقیناً "شفا" ہی کا تھا وہ کپکپا اٹھی۔

"یا اللہ خیر کرنا مجھے کسی بھی بری خبر سے محفوظ رکھ میرے مالک میرے باپ کو صحت کاملہ عطا فرمانا۔" دل ہی دل میں دعا کرتے ہوئے اس نے لیس کا بٹن دبا کر سیل اپنے کانوں سے لگا لیا اپنے دل کی دھڑکن کی آواز اسے اپنے کانوں میں سنائی دے رہی تھی اس وقت اس کی ذات کمرے میں موجود دونوں نفوس کی مکمل توجہ کا مرکز تھی دوسری طرف شفا کی آواز سنتے ہی اسے محسوس ہوا جیسے وہ بے ہوش ہوجائے گی اسے اپنی ٹانگوں سے جان نکلتی ہوئی محسوس ہوئی اس کا تمام جسم سن ہوگیا سکندر نے کب اس کے ہاتھ سے سیل تھاما اسے ہوش ہی نہ رہا اس کا ذہن مکمل طور پر تاریکی میں ڈوب چکا تھا یقیناً "وہ بے ہوش ہوگئی تھی۔

(تیسرا اور آخری حصہ آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

فوزیہ یاسمین

زوبیہ کو اپنے گھر میں اپنی خالہ شائستہ کی روح نظر آتی ہے۔ مگر وہ اس سے بات نہیں کرتی۔۔۔ مگر زوبیہ ان سے بات کرنے کے لیے بے حس ہے۔ میں اس کی ملاقات رخسار سے ہوتی ہے۔ جو اس کے کالج میں ساتھ پڑھتی ہے اور روحوں سے بات کرنے کا دعوا بھی کرتی ہے۔۔۔ رخسار اسے رات کے دو بجے اپنے گھر کی چھت پر لے جاتی ہے اور اس سے کہتی ہے کہ وہ اس کی خالہ کی روح کو بلائے۔۔۔ اور روح کو بلانے کی کوشش کرتی ہے۔

رگو میلہ، سنبل اور نمل کو یونیورسٹی میں ایڈمیشن مل جاتا ہے۔۔۔ اور اسی خوشی میں نمل ان دونوں کو پیلس میں لنچ کی دعوت دیتی ہے۔۔۔ اس آفر پر دونوں حیران رہ جاتی ہیں۔ جبکہ دوسری طرف خرم، ذکی سے شرط ہارنے کے بعد اس کی عجیب و غریب شرط کو قبول کرلیتا ہے۔ اور انہیں پیلس میں لنچ کے لیے کہہ دیتا ہے۔

زوبیہ اپنی خالہ سے بات کرنے کے بعد بہت مطمئن ہوتی ہے۔۔۔ رخسار اس کے بے وقوف بن جانے پر خوش ہے۔۔۔ وہ دونوں واپس جانے کے لیے سیڑھیوں کی طرف بڑھتی ہیں کہ اچانک لائٹ چلی جاتی ہے۔۔۔ اور کوئی رخسار کو اندھیرے میں زخمی کر دیتا ہے۔۔۔ اب آگے پڑھیں۔

۳۱
اکتیسویں قسط

بلال اختر کا لہجہ اتنا حتمی تھا جیسے وہ فون پر ہم کلام نہ ہوں بلکہ خرم کے روبرو کھڑے ہوں اور زوبیہ کو اس کے ساتھ موجود دیکھ رہے ہوں۔

خرم نے کچھ چونک کر زوبیہ کو دیکھا اسے معلوم تھا زوبیہ گھر میں بتائے بغیر اس کے ساتھ آئی تھی پھر انہیں کیسے پتا چلا کہ زوبیہ اس وقت کہاں اور کس کے ساتھ ہے۔

دوسرے یہ کہ ان کے پاس خرم کا نمبر ہونا اس بات کی دلالت کرتا تھا کہ وہ ہوا میں تیر نہیں چلا رہے بلکہ کسی یقین کے پیش نظر ہی اس سے مخاطب ہیں۔

"ہیلو خرم! میں نے کہا ہے میری زوبیہ سے بات کراؤ فوراً" ان کا برہم سا لہجہ خرم کی سماعت سے ٹکرایا تو اس نے بغیر کسی تامل کے زوبیہ کی طرف موبائل بڑھایا۔

اسے بھلا اس سارے جھمیلے میں پڑنے کی کیا ضرورت تھی وہ اگر جانتے تھے کہ زوبیہ اس کے ساتھ ہے تو اسے خوامخواہ کا جھوٹ بول کر خود کو ہلکان نہیں کرنا تھا۔

یہ سب زوبیہ کا دردسر تھا لہٰذا اس نے اسے ہی نبٹنے کو دے دیا۔

زوبیہ اس کے موبائل دینے پر استفہامیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

"تمہارے فادر کا فون ہے۔" خرم نے نہایت دھیمی آواز میں کہا مگر زوبیہ کی سماعت پر جیسے کوئی بم پھٹا ہو ایسا دھماکا ہوا۔

وہ آنکھیں پھاڑ کر خرم کو ایسے دیکھنے لگی جیسے اس کی دماغی حالت پر شک ہو رہا ہو۔

"بات کرو ناں وہ ویٹ کر رہے ہیں۔"

"تم ۔۔۔ تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے۔" زوبیہ بدک کر پیچھے ہٹ گئی وہ اتنی دھیمی آواز میں بولی تھی کہ خرم بمشکل سن پایا تھا پھر بھی اس نے موبائل کے اسپیکر پر انگلی رکھ دی اور درسانیت سے کہنے لگا۔

"انہیں پتا ہے تم میرے ساتھ ہو۔ اب چھپانے کا کوئی فائدہ نہیں۔ بات کرلو ان کی ٹینشن دور ہو جائے گی۔"

"مگر ۔۔۔ انہیں کیسے پتا چل سکتا ہے ۔۔۔ تم، تم فون بند کردو بلکہ ان سے ۔۔۔ ان سے پوچھو کہ انہوں نے تمہیں کیوں فون کیا اور ۔۔۔ اور ان کے پاس تمہارا نمبر کہاں سے آیا۔" زوبیہ بری طرح ہکلاتے ہوئے ہراساں انداز میں بولی۔

"یہ سب سوال تم خود کرلو۔" خرم بے زاری سے بولا موبائل کان سے ہٹا ہونے کے باوجود اسے بلال اختر کا مسلسل ہیلو ہیلو کرنا صاف سنائی دے رہا تھا۔

خرم کی بات پر زوبیہ خوفزدہ نظروں موبائل کو دیکھتے ہوئے سر زور زور سے نفی میں ہلانے لگی۔

خرم اس صورت حال پر تپ کر رہ گیا اس نے بلال اختر سے بات کرنے کے بجائے موبائل آف کر دیا اور نہایت غصے سے گاڑی کا دروازہ کھولتا گاڑی میں بیٹھ گیا۔

زوبیہ نے اس کے تیور دیکھ کر جلدی سے اس کی تقلید کی پھر سارے راستے اسے نہایت رش ڈرائیونگ کرتا دیکھ کر بھی خاموش بیٹھی رہی ایک طرح سے وہ یہاں موجود ہو کر بھی یہاں موجود نہیں تھی اس کا ذہن مسلسل بلال اختر کے فون کے متعلق سوچ رہا تھا۔

انہیں بھلا کیسے پتا چل گیا اور اگر پتا چل ہی گیا ہے تو اب گھر پہنچ کر اسے کیا کرنا ہوگا وہ کیسے انہیں سمجھائے گی۔

سوچ سوچ کر اس کا دل ڈوبا جا رہا تھا اس کی ہر ہر حرکت اس کے شدید نروس ہونے کو ظاہر کر رہی تھی بری طرح ہاتھوں کی انگلیوں کو ایک دوسرے سے مسلنا۔ بار بار ٹھیک ٹھاک بندھے بالوں کو کانوں کے پیچھے اڑسنا۔ ہونٹ چبانا اور آنکھوں میں آئی نمی کو پلکیں جھپکا کر پینے کی کوشش کرنا۔

خرم دیکھ تو رہا تھا مگر اس کا تسلی دینے کا کوئی ارادہ نہیں تھا ایک تو وہ اس کی بات پر یقین کر کے فارم ہاؤس جانے پر بری طرح پچھتا رہا تھا۔

دوسرے زوبیہ کے گھر والوں کے سب جان جانے پر وہ لوگ جس طرح اس کے اور زوبیہ کے بارے میں سوچ رہے ہوں گے اس سے بھی اسے شدید کوفت ہو رہی تھی۔

زوبیہ اگر بلال اختر سے بات کرلیتی تو شاید وہ who carcs سوچ کر بلال اختر کے اپنے متعلق لگائے اندازوں کو جھٹک دیتا۔

مگر زوبیہ نے اس طرح منہ چھپا کر یہ ثابت کر دیا تھا کہ اس کا خرم کے ساتھ ہونا ایک بہت ہی معیوب حرکت تھی جس پر بات کرنا اس سے بھی شرمناک تھا۔

زوبیہ کا یہ انداز اس کی جھنجلاہٹ میں اضافہ کر رہا تھا آخر کافی دیر بعد اس نے بھنائے ہوئے انداز میں کہا۔

"تمہارے فادر نے تمہیں تمہارے موبائل پر فون کیوں نہیں کیا تم کہیں بھی جاتی ہو اور کسی کے ساتھ بھی جاتی ہو انہیں صرف تم سے بازپرس کرنی چاہیے تاکہ دوسرے لوگوں کو پریشان کیا جائے۔" اس کی بات پر زوبیہ الجھن بھری نظروں سے اسے دیکھ کر رہ گئی تبھی خرم کچھ چونکتا ہوا بولا۔

"تمہارا موبائل کہیں سائلنٹ پر تو نہیں ہے تم میرا فون بھی اٹینڈ نہیں کر رہی تھیں۔" اس کے پوچھنے پر زوبیہ اپنا پرس کھولتے ہوئے کہنے لگی۔

"اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ انہوں نے مجھے فون کیا یا نہیں لیکن ان کے پاس تمہارا نمبر کیسے آگیا اور انہیں یہ کیسے پتا چلا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں۔

اب میں گھر جا کر ان سے کیا کہوں گی۔" زوبیہ موبائل تلاش کرتے ہوئے رندھی ہوئی آواز میں بول رہی تھی۔

"میں تمہیں گھر سے دور اتار دیتا ہوں اگر گھر کے پاس کوئی پارک وغیرہ ہے تو تم کہہ دینا کہ میں واک کرنے گئی تھی۔" خرم نے لاپروائی سے کہا۔

"وہ لوگ اتنے بے وقوف نہیں ہیں اور پاپا کا تمہیں فون کرنے کا مطلب یہی ہے کہ انہیں یقین ہے کہ میں تمہارے ساتھ ہوں۔

کہیں انہوں نے راستے میں ہمیں کہیں دیکھ تو نہیں لیا۔" زوبیہ نے موبائل تلاش کرنے کی کوشش ترک کرتے ہوئے کہا۔

"کیا پتا" خرم نے عدم دلچسپی سے موڑ کاٹنے کے لیے اسٹیرنگ گھمایا۔

"لگتا ہے میں اپنا موبائل گھر پر ہی بھول آئی ہوں!" زوبیہ نے پرس بند کیا اور بڑبڑانے والے انداز میں بولی۔

"کہیں تمہارا موبائل تمہارے پاپا کے ہاتھ تو نہیں لگ گیا اس پر میں نے کالز کی تھیں اور میسج کیا تھا تم کب آؤ گی میں باہر تمہارا ویٹ کر رہا ہوں۔" خرم نے پرسوچ انداز میں کہا تو زوبیہ ایسے چونکی جیسے اس کی بات کے سچ ہونے کا یقین ہو۔

وہ خوفزدہ نظروں سے خرم کو دیکھتی چلی گئی اس کی گھبراہٹ میں کئی گنا اضافہ ہو گیا اسے بالکل روہانسا ہوتا دیکھ کر خرم نے بڑی کھوکھلی سی تسلی دی۔

"تمہارے پاپا تو اس وقت آفس میں ہوتے ہیں ناں موبائل تو تم گھر پر بھولی ہو۔" زوبیہ نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ بے چینی سے کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔

"اگر لا مَن مل جاتی تو ہم بتا بھی دیتے ہم کہاں گئے تھے اب کچھ کہیں گے تو وہ تمہارے ساتھ ساتھ مجھے بھی

پاگل سمجھیں گے۔" خرم نے منہ بناتے ہوئے کہا۔
زوبیہ اس پر ایک زخمی سی نظر ڈال کر رہ گئی اس پل اسے لگا کہیں خرم بھی دوسروں کی طرح پاگل تو نہیں سمجھ رہا لیکن وہ تو خود شائستہ خالہ کی روح دیکھ چکا ہے وہ بھلا ایسا کیوں سوچے گا۔
خرم نے اس کے گھر سے کافی دور جب گاڑی روکی تو زوبیہ اترنے کے بجائے دور سے اپنے گھر کی گلی کو دیکھتی رہی۔
"کیا میں چلوں۔" خرم اس کے چہرے پر پھیلے اضطراب کو دیکھتے ہوئے بولا تو زوبیہ حیرانی سے اسے دیکھنے لگی۔
"نہیں، نہیں تم جو کچھ کر رہے ہو وہی بہت ہے خوامخواہ پاپا تمہیں کچھ الٹا سیدھا بول دیں گے تو مجھے اور شرمندگی ہوگی۔" زوبیہ کے لہجے میں شدید ندامت تھی خرم چپ ہو کر رہ گیا۔
جو اس نے زوبیہ کے ساتھ کیا تھا اس کے سامنے آج کی یہ محنت کچھ بھی نہیں تھی۔
زوبیہ دل کڑا کرتی اترنے لگی تو خرم بے اختیار بول اٹھا۔
"میں یہیں انتظار کر رہا ہوں اگر بات زیادہ بگڑے تو مجھے فون کر کے بلا لینا۔" زوبیہ صرف سر ہلا کر رہ گئی اس نے یہ نہیں کہا کہ۔
"اگر تمہیں بلا لیا تو بات زیادہ بگڑ جائے گی۔" وہ ماتھے پر آئے پسینے کو پونچھتی گھر کے گیٹ کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔
گھر میں داخل ہونے کے لیے وہ پہلے ہی چابی لے کر نکلی تھی لہٰذا گیٹ کھولنے میں اسے کوئی دقت نہیں ہوئی۔
اپنے گھر کے وسیع و عریض لان میں کھڑے ہو کر وہ یہ اندازہ نہیں لگا سکتی تھی کہ بلال اختر اور عائشہ اس وقت گھر کے کس حصے میں موجود ہوں گے۔
زیادہ امکان یہی تھا کہ وہ دونوں نیچے لاؤنج میں ہوں گے لہٰذا وہ سامنے والے دروازے سے داخل ہونے کی بجائے گھر کے پچھلے حصے کی طرف بڑھ گئی جہاں سے وہ کچن کے دروازے سے آرام سے گھر میں داخل ہو سکتی تھی۔
سوا چار بج رہے تھے کچن سے سارا کام سمیٹ کر ملازم کچن کی بتی بجھا کر اپنے کمرے میں چلے گئے ہوں گے البتہ کچن کا دروازہ اس لیے کھلا چھوڑ گئے ہوں گے کہ ساڑھے پانچ بجے بغیر کسی کو پریشان کیے وہ خود ہی دروازہ کھول کر کام پر واپس آ سکیں اور عائشہ اختر کو چائے وغیرہ دے سکیں۔
چنانچہ کچن کا دروازہ کھول کر وہ بڑی احتیاط سے اندر داخل ہوئی کچن حسب توقع خالی تھا اور چاروں طرف پھیلا منجمد سناٹا گواہی دے رہا تھا کہ باہر لاؤنج میں بھی کوئی نہیں ہے۔
زوبیہ موقع کا فائدہ اٹھاتی جلدی سے کچن سے باہر نکلی اور زینے کی طرف بڑھ گئی وہ کسی کی بھی نظر پڑنے سے پہلے اپنے کمرے میں داخل ہو جانا چاہتی تھی اور آج تو قسمت بھی اس کا خوب ساتھ دے رہی تھی جو زینے سے لے کر دروازے تک اسے کوئی بھی نظر نہ آیا یہاں تک کہ وہ اپنے کمرے میں پہنچ گئی۔
مگر کمرے میں قدم رکھتے ہی اس کا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا سانس نیچے رہ گیا۔
بلال اختر اور عائشہ اختر دونوں اس کے کمرے میں موجود تھے۔
عائشہ اختر بستر پر ٹانگیں لٹکائے بیٹھی تھیں جبکہ بلال اختر ان کے سامنے ہاتھ میں موبائل پکڑے اس طرح کھڑے تھے جیسے ابھی ابھی کسی سے بات کر کے فارغ ہوئے ہوں اور اس کا لب لباب عائشہ اختر کو سنا رہے ہوں۔
زوبیہ پر پہلے عائشہ اختر کی نظر پڑی اس نے ان کے چہرے پر واضح طور پر اطمینان پھیلتے دیکھا تھا اور بلال اختر کی

پڑنے تک وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔
"زوبیہ کہاں تھیں تم۔" عائشہ اختر نے بے قراری سے پوچھا اور اس سے پہلے کہ وہ اس کی طرف بڑھتیں بلال درمیان میں آ گئے۔
"تم ٹھیک تو ہو نا بیٹا۔" ان کے لہجے میں غیر معمولی محبت تھی۔
"ج۔۔۔ جی۔" زوبیہ کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا اسے کیا کہنا چاہیے جبکہ بلال اختر اس کے قریب آ کر اسے شانوں سے تھامتے ہوئے بولے۔
"تمہاری مما کی تو عادت ہے بلاوجہ پریشان ہو جانے کی۔ تمہاری شاید طبیعت خراب ہو گئی تھی ملازمہ نے گھبرا کر تمہاری مما کو فون کیا انہیں گھر آ کر جب تم کہیں نظر نہ آئیں تو انہوں نے مجھے فون کر دیا۔
اور میری حماقت دیکھو کہ میں بھی آفس سے اٹھ کر فوراً ہی آ گیا تمہاری مما سے کہا بھی نہیں کہ اوپر چھت پر یا پیچھے سرونٹ کوارٹر کی چھت پر جا کر دیکھیں تم فراغت کے ٹائم میں وہیں چلی جاتی ہو۔ میں بھی دوڑا دوڑا گھر آ گیا۔
کہاں چھت پر تھیں۔" بلال اختر بہت پچکارنے والے انداز میں بول رہے تھے۔
زوبیہ کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا وہ اس کے ساتھ کیا کھیل، کھیل رہے ہیں جب انہیں پتا ہے کہ وہ خرم کے ساتھ تھی اپنے کمرے میں بھی وہ سینڈل پہنے اور پرس لٹکائے داخل ہوئی ہے صاف ظاہر ہو رہا ہے وہ چھت پر نہیں تھی بلکہ باہر سے آ رہی ہے پھر وہ اس طرح کیوں پیش آ رہے تھے زوبیہ ان کی منطق تو نہیں سمجھی تھی البتہ تھوڑی سی پر سکون ہو گئی تھی کہ وہ ان کے ممکنہ سوالوں سے بچ گئی ہے اس کا سر خود بخود اثبات میں ہل گیا۔
"دیکھا میں نے پہلے ہی کہا تھا مگر تم مانتی ہی نہیں ہو۔" بلال اختر بہت پرجوش انداز میں عائشہ اختر کی جانب پلٹے۔
حالانکہ بلال اختر کی زوبیہ کی جانب کمر تھی پھر بھی وہ پورے وثوق سے کہہ سکتی تھی کہ بلال اختر نے عائشہ اختر کو کوئی اشارہ کیا تھا۔ شاید خاموش رہنے کا۔
کیونکہ عائشہ اختر ان کا اشارہ پاتے ہی کھڑی ہو گئی تھیں وہ بھی اس کے گال کو بڑے دلار سے تھپکتی اور پیار بھرے دو چار جملے بولتی آگے بڑھ گئیں۔
ان دونوں کے کمرے سے جانے کے بعد بھی زوبیہ کتنی دیر اپنی جگہ جمی رہی اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ اس کے والدین اس سے باز پرس کیے بغیر اس کے کمرے سے کیوں چلے گئے۔
اگر انہوں نے خرم کو فون نہ کیا ہوتا تو وہ یہ سمجھ لیتی کہ انہیں اس کا گھر سے باہر جانا پتا ہی نہیں چلا لیکن اب وہ ایسی کوئی تاویل خود کو نہیں دے سکتی تھی جس سے بلال اختر اور عائشہ اختر کے رویے کی وضاحت ہو پاتی۔
وہ سوال جواب سے بچ جانے کے باوجود ایک الجھن میں مبتلا ہو گئی تھی جسے وہ دونوں ہی دور کر سکتے تھے جبکہ ان سے وہ کچھ پوچھنے کی حماقت نہیں کرنا چاہتی تھی اچھا ہی تھا اگر یہ باب یہیں بند ہو رہا تھا اسے کیا ضرورت تھی دبی چنگاری کو ہوا دینے کی۔

☆ ☆ ☆

عائشہ اختر ملازمہ کے فون پر فوراً اپنا پروگرام کینسل کر کے گھر آ گئی تھیں مگر گھر آنے پر جب انہیں زوبیہ اپنے کمرے میں نظر نہ آئی تو وہ پیچھے سرونٹ کوارٹر کی طرف اسے تلاش کرنے چلی گئیں جہاں کالج کے بہانے وہ پہلے بھی ۔۔۔ جا کر بیٹھ جاتی تھی۔
لیکن جب وہ وہاں بھی نہ ملی تو عائشہ اختر اسے سارے گھر میں تلاش کرنے لگیں مگر تمام ملازم اور عائشہ اختر

گھنٹے بھر کی کوشش کے بعد بھی کامیاب نہ ہوئے تب عائشہ اختر نے بری طرح روتے ہوئے بلال اختر کو فون کیا وہ بھی گھبرا کر اپنی میٹنگ کینسل کر کے آ گئے آتے ہی انہوں نے زوبیہ کے موبائل پر کال کی تو عائشہ اختر نے چڑ کر بتایا۔

"موبائل اس کا سائیڈ ٹیبل پر ہی رکھا ہے میں پہلے ہی فون کر چکی ہوں تبھی تو کہہ رہی ہوں وہ گھر پر ہی ہے کہیں باہر نہیں گئی۔" بلال اختر نے کچھ سوچتے ہوئے اس کا موبائل سائیڈ ٹیبل پر سے اٹھا کر چارجر سے الگ کیا اور اس کی مسڈ کالز دیکھنے لگے۔ جہاں ان کے اور عائشہ اختر کے علاوہ ایک اور نام کی تین مسڈ کالز موجود تھیں۔

خرم کا نام پڑھ کر وہ بری طرح چونک اٹھے انہوں نے ٹائم دیکھا تو وہ تینوں کالز عائشہ اختر کے فون کرنے سے پہلے کی تھیں یہی نہیں اس کے نام کا ایک میسج بھی موجود تھا جسے کھول کر پڑھنے پر ان کا دماغ گھوم گیا۔

اس میسج کے مطابق تو زوبیہ اس لڑکے کے ساتھ کہیں باہر جا رہی تھی اور وہ باہر گاڑی میں اس کا انتظار کر رہا تھا انہوں نے فوراً" اپنے موبائل سے خرم کو کال کی تاکہ وہ زوبیہ کا نمبر دیکھ کر ہوشیار نہ ہو جائے۔

حسب توقع خرم نے انجان نمبر کی کال بڑی بے پرواہی سے ریسیو کر لی البتہ اس وقت انہیں شدید حیرت ہوئی جب ان کے تعارف کرا کر زوبیہ سے بات کرنے کی خواہش ظاہر کرنے پر خرم کے کسی انداز سے اس کا ہڑبڑانا ظاہر نہیں ہوا پھر بھی انہیں اس کی خاموشی پر غصہ آ گیا تو انہوں نے قدرے سختی سے اپنا مطالبہ دوہرا دیا۔

خرم اب بھی کچھ بولا نہیں مگر کچھ آوازیں ان کی سماعتوں سے ضرور ٹکرائیں جو اتنی سرگوشیانہ تھیں کہ وہ ٹھیک طرح سے الفاظ سمجھ نہ سکے مگر یہ اندازہ انہیں بخوبی ہو گیا کہ خرم زوبیہ کو بات کرنے کے لیے کہہ رہا ہے مگر وہ انکار کر رہی ہے پھر اچانک لائن ڈسکنیکٹ ہو گئی اور اس کے بعد خرم کا فون سوئچ آف آنے لگا۔

دوسری طرف عائشہ اختر انہیں کسی سے فون پر زوبیہ سے بات کرنے پر اصرار کرتا دیکھ کر ان کے نزدیک چلی آئیں اور۔ "کون ہے کس سے بات کر رہے ہیں۔" کی تکرار کرنے لگیں تو بلال اختر نے تنگ آ کر فون بند کر دیا اور خرم کے بارے میں انہیں مختصراً" بتا دیا۔

جسے سن کر وہ توفق ہوتے چہرے کے ساتھ بستر پر بیٹھتی چلی گئیں۔

"میری بیٹی اور ایک لڑکے کے ساتھ۔" ان پر تو جیسے آسمان گر پڑا تھا۔

"وہ کوئی معمولی لڑکا نہیں ہے۔ تم نے تو شاید اسے دیکھا نہیں بہت گڈ لکنگ ہے وہ۔ اور سب سے بڑھ کر فرقان حسن کا اکلوتا بیٹا ہے۔

خاندان' حسب نسب' دولت' وجاہت کسی چیز میں اس کا کوئی ثانی نہیں ہے۔" بلال اختر بہت کھوئے کھوئے لہجے میں بول رہے تھے عائشہ اختر چیخ پڑیں۔

"بھاڑ میں جائے اس کی دولت اور وجاہت۔ جس نے میری بیٹی کو ورغلا لیا میں لعنت بھیجتی ہوں اس کے حسب نسب پر۔"

"تم یہ کیسے کہہ سکتی ہو کہ وہ زوبیہ کو ورغلا رہا ہے آج کل لڑکے لڑکیاں شادی سے پہلے ڈیٹس مارتے ہیں اگر وہ زوبیہ کے لیے سیریس ہے تو اس سے اچھی بات اور کیا ہو سکتی ہے۔"

"بلال آپ ہوش میں تو ہیں آپ کی جوان بیٹی ایک غیر لڑکے کے ساتھ ہے اور آپ۔۔۔۔"

"وہ کوئی غیر نہیں ہے میں اس لڑکے کے گھر کا پتا تک جانتا ہوں میں اگر چاہوں تو ابھی اور اسی وقت اس کے پاس پولیس لے کر پہنچ سکتا ہوں۔

لیکن میں بات خراب نہیں کرنا چاہتا۔ ٹھہرو میں ڈاکٹر شکیلہ کو فون کرتا ہوں۔" بلال اختر نے کچھ چونکتے ہوئے ڈاکٹر شکیلہ کا نمبر تلاش کرنا شروع کر دیا جبکہ عائشہ اختر کی بے قراری کو کسی طرح قرار نہیں آ رہا تھا۔

"بلال خدا کے لیے' کچھ تو موقع کی نزاکت کو سمجھیں اس وقت ایک ایک لمحہ قیمتی ہے اس سے پہلے کہ ہماری بچی کے ساتھ کوئی انہونی ہو جائے آپ خرم کے والد کو فون کریں۔

ڈاکٹر شکیلہ کو ان باتوں میں انوالو کر کے آپ کیوں اسے اسکینڈلائز کر رہے ہیں آخر آپ میری بات کیوں نہیں سن رہے۔" عائشہ اختر کہتی چلی گئیں اور بلال اختر' ڈاکٹر شکیلہ کے فون ریسیو کرنے پر انہیں ساری تفصیل سے آگاہ کرنے لگے۔

ان کا رد عمل کچھ ملا جلا سا تھا ان کے لیے بھی زوبیہ کا ایک لڑکے کے ساتھ ہونا خاصا حیران کن تھا وہ زوبیہ کی طرف سے فکر مند بھی ہو گئی تھیں مگر ان کی تشویش میں اس وقت کمی آ گئی جب انہوں نے خرم کے بیک گراؤنڈ کے بارے میں سنا۔

"ایسی ہائی فائی فیملیز میں ایسے افیئرز کوئی بہت بڑی بات نہیں ہوتے بلکہ میں تو کہوں گی خرم کے خلاف کوئی ایکشن لینے سے پہلے ان دونوں کے بیچ تعلقات کی نوعیت کو سمجھنا بہت ضروری ہے۔" ڈاکٹر شکیلہ بڑی سنجیدگی سے بول رہی تھیں۔

"ڈاکٹر اس کے لیے وقت چاہیے جبکہ زوبیہ ابھی پچھلے ڈیڑھ گھنٹے سے اس کے ساتھ ہے" بلال اختر نے وال کلاک پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔

"میں آپ کا مطلب سمجھ رہی ہوں مگر آپ یہ بھی تو سوچیں زوبیہ خود اپنی مرضی سے اس کے ساتھ گئی ہے ایسے میں خرم کے خلاف پولیس میں کیس کرنے سے بدنامی آپ کی زیادہ ہو گی جبکہ خرم اور اس کی فیملی کو اتنا فرق نہیں پڑے گا۔

اصل میں' میں صرف یہ کہنا چاہ رہی ہوں خرم کی فیملی کے ساتھ بگاڑ پیدا کرنے کے بجائے آپ تعلقات استوار کرنے کی کوشش کریں۔

زوبیہ ماشاء اللہ اتنی حسین ہے اگر خرم اس میں سیریسلی انوالو ہو جاتا ہے تو آپ بس فٹافٹ اس کی شادی خرم سے کر دیں اس سے پہلے کہ وہ اس کی ذہنی حالت کے بارے میں کچھ بھی جان سکے آئی ہوپ شادی کے بعد زوبیہ میں بہت سارے پازیٹیو چینج آ جائیں گے' اور وہ ایک نارمل لڑکی کی طرح بی ہیو کرنے لگے گی۔

لیکن ان سب باتوں پر عمل کرنے کے لیے آپ کو بڑی سمجھ داری سے کام لینا ہو گا ابھی جب زوبیہ گھر آتی ہے تو اس پر کچھ ظاہر کرنے کی ضرورت نہیں کہ آپ کو اس کے خرم کے ساتھ جانے کے متعلق کچھ پتا ہے یا اس پر کوئی آبجیکشن ہے۔"

"مگر ڈاکٹر میں نے تو خرم کے موبائل۔۔۔۔"

"مجھے پتا ہے آپ نے خود ہی ابھی تھوڑی دیر پہلے بتایا ہے لیکن زوبیہ خود سے یہ ہرگز نہیں پوچھے گی کہ آپ کو کیسے پتا چلا یا آپ نے خرم کو فون کیوں کیا etc پھر بھی خلاف توقع ایسا ہوتا ہے تو آپ بھی کھل کر بات کر لیجیے گا لیکن خود سے اسے مت چھیڑیں۔

اس کا ایک لڑکے کے ساتھ ہونا ہمارے لیے باعث فکر ہے مگر اس نے آج جو اسٹیپ لیا ہے وہ ظاہر کر رہا ہے کہ اس کے کانفیڈنس لیول میں فرق آیا ہے وہ آج کل کی لڑکیوں کی طرح اکیلے باہر آ جا سکتی ہے۔

اسے گھر آنے پر بہت ڈانٹ کر اس کے اس کانفیڈینٹ کو دوبارہ زیرو میں کنورٹ مت کریں۔" ڈاکٹر شکیلہ نے ایسی چار پانچ نصیحتیں کر کے فون بند کر دیا۔

بلال اختر نے اسپیکر آن کر دیا تھا تاکہ عائشہ اختر بھی ساری گفتگو سن سکیں انہوں نے بڑے صبر سے فون بند ہونے کا انتظار کیا اور فون بند ہوتے ہی ایک ہی سانس میں شروع ہو گئیں۔

"آپ اور ڈاکٹر شکیلہ جانے کون سی تصوراتی باتیں کر رہے ہیں۔ اس لڑکے کا خاندان۔ اس کی دولت و وجاہت

ارے میں کہتی ہوں اگر وہ ہماری بچی کے ساتھ کچھ کر گزرا تو آپ کیا اس کے اونچے خاندان کو پھانسی چڑھائیں گے اور اگر چڑھا بھی دیں گے تو کیا اس سے ہمارے نقصان کی تلافی ہو جائے گی۔" ان کی بات پر بلال اختر زچ ہو کر بولے۔

"زوبیہ خود اس کے ساتھ گئی ہے اور بہت دیر سے اس کے ساتھ ہے اب ایسے میں ہم کیا کر سکتے ہیں تم کیا چاہتی ہو کیا ہم پولیس کو انفارم کر دیں۔ جس کا کوئی فائدہ نہیں اور صرف نقصان ہے۔"

"نہیں 'میں پولیس کو بلانا نہیں چاہتی لیکن ہم ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر تو نہیں بیٹھ سکتے نا۔" عائشہ اختر کچھ روہانسی ہو گئیں تو بلال اختر بھی رسانیت سے کہنے لگے۔

"کچھ دیر انتظار کر لینے میں کیا حرج ہے ہو سکتا ہے وہ آنے ہی والی ہو۔" عائشہ اختر کی شکل سے لگ رہا تھا کہ وہ ان سے متفق تو نہیں ہیں لیکن بحث بھی نہیں کرنا چاہ رہیں اس لیے خاموش ہو گئی ہیں۔

انہوں نے جب خرم کو فون کیا تھا تب اسے گھر سے نکلے دو گھنٹے سے اوپر ہو گئے تھے۔ کم از کم خرم کے میسج اور مسڈ کال سے تو ایسا ہی لگ رہا تھا اور اب انہیں خرم کو فون کیے ہوئے بھی پون گھنٹہ ہو گیا تھا۔

یہ پون گھنٹہ ان کے لیے کسی صدی سے کم نہیں تھا عائشہ اختر تو بار بار رونا اور بین کرنا شروع کر دیتیں آخر بلال اختر کو ایک بار پھر اپنے موبائل کو نکال کر فون ملانا پڑا اور اس بار وہ ڈاکٹر شکیلہ کو نہیں بلکہ اپنے دوست کو فون کر رہے تھے جو نا صرف پولیس کے محکمہ میں ڈی آئی جی کی پوسٹ پر تھے بلکہ زوبیہ کی ذہنی حالت سے کافی حد تک واقف بھی تھے۔

کافی عرصے پہلے زوبیہ نے اپنی ایک دوست رخسار پر اپنے ہی گھر کی چھت پر حملہ کر دیا تھا تب بھی اس بات کو دبانے اور اسے پولیس کیس بننے سے ڈی آئی جی صاحب نے ہی روکا تھا اب بھی فون ملنے پر بلال اختر نے بغیر تردد کیے انہیں ساری صورت حال سے آگاہ کر دیا کہ اب بھی وہی ان کی عزت پر حرف آئے بغیر بہترین حل بتا سکتے تھے۔

"Are you sure وہ فرقان کے بیٹے' خرم کے ساتھ ہے۔" ڈی آئی جی صاحب نے تصدیق کرتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں ابھی پرسوں میری اس سے ملاقات بھی ہوئی تھی۔" یہ کہہ کر انہوں نے یونیورسٹی جانے والا واقعہ بھی سنا دیا۔ کچھ لمحوں کے لیے ڈی آئی جی صاحب سوچ میں پڑ گئے پھر گلا کھنکارتے ہوئے بولے۔

"ویسے تو زوبیہ کو گھر سے نکلے بہت دیر ہو گئی ہے لیکن پھر بھی میرا مشورہ یہی ہے کہ خرم کے خلاف کوئی ایکشن مت لو۔

فرقان میرا بہت اچھا دوست ہے خرم کو بھی تقریباً" بچپن سے ہی دیکھ رہا ہوں وہ بہت ڈیسنٹ سا لڑکا ہے۔ پھر سب سے بڑی بات یہ کہ زوبیہ خود اس کے ساتھ گئی ہے تم اگر خرم کے خلاف کوئی ایکشن لو گے تو فرقان بھی خاموش نہیں بیٹھے گا اور ساری بدنامی تمہارے حصے میں آجائے گی۔

کیا پتا دونوں میں صرف دوستی ہو جو کہ آج کل بہت عام ہے پھر تم کیوں رائی کا پہاڑ بناؤ۔"

"سچ پوچھو تو میں بھی تب سے یہی سوچ کر خاموش بیٹھا ہوا تھا فرقان حسن کوئی معمولی آدمی نہیں ہے میں اس کیس کو آف دا ریکارڈ رکھ کر رخسار والے کیس کی طرح دبا نہیں سکتا۔" بلال اختر کے کہنے پر ڈی آئی جی صاحب کچھ چونکتے ہوئے بولے۔

"یار تمہارا تو گھر خریدا ہے فرقان نے تمہاری تو اس سے اچھی سلام دعا ہو گی۔"

"گھر خریدا ہے تبھی تو اتنا جانتا ہوں مگر سلام دعا کچھ نہیں ہے نا ہی میں ان کے بارے میں کچھ زیادہ جانتا ہوں مجھے تو بس اتنا پتا ہے کہ میری بیٹی اس قسم کی لڑکی نہیں ہے کہ کسی لڑکے کے ساتھ باہر چلی جائے I am shocked" بلال اختر کے لہجے میں تھکاوٹ تھی۔

"شاکڈ تو میں بھی ہوں لیکن آج کل یہ سب بہت عام باتیں ہیں اگر وہ دونوں سیریس ہیں تب تو بہت اچھی بات ہے پھر تو یہ تمہاری بیٹی کے لیے ایک آئیڈیل رشتہ ہو گا۔" ڈی آئی جی صاحب وثوق سے بولے۔

"کہہ تو تم ٹھیک رہے ہو مگر جب تک خرم کوئی قدم نہ اٹھائے ہم کیا کر سکتے ہیں اور اس کے قدم اٹھانے تک میں بیٹی کو ایسے ہی اس کے ساتھ پھرنے تو نہیں دے سکتا نا۔"

"ارے یہ کون کہہ رہا ہے ایسا کرو ابھی تو خاموشی سے زوبیہ کے گھر آنے کا انتظار کرو زیادہ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں خرم کافی اچھا لڑکا ہے زوبیہ آنے ہی والی ہو گی۔

اور آئندہ کے لیے اس قسم کی صورت حال سے بچنے کے لیے ایسا کرو فرقان سے تعلقات بڑھاؤ۔

جب خرم یہ دیکھے گا کہ تم اس کے والد کے ملنے جلنے والوں میں سے ہو تو اگر افیئر چلا رہا ہو گا تو پیچھے ہٹ جائے گا اور اگر سیریس ہو گا تو فوراً" کوئی پریکٹیکل قدم اٹھائے گا۔"

"تعلقات ایک دن میں تو نہیں بن جاتے اس میں تو بہت ٹائم لگے گا۔" بلال اختر چڑ گئے ڈاکٹر شکیلہ نے بھی ابھی انہیں یہی مشورہ دیا تھا مگر ڈی آئی جی صاحب تو مشورے کے ساتھ ساتھ حل بھی بتا رہے تھے۔

"ارے بات تو سنو۔ اس ویک اینڈ پر عالم کی شادی کی سلور جوبلی پارٹی ہے۔

تمہارا انویٹیشن بھی ہو گا میں بھی آ رہا ہوں اور مجھے یقین ہے فرقان اور اس کا بیٹا بھی آئے گا بس وہیں میں ساری میٹنگ کرا دوں گا۔" ڈی آئی جی صاحب کے ذہن میں ایک الجھن چل رہی تھی جس کا وہ تذکرہ نہیں کرنا چاہ رہے تھے ورنہ بلال اختر اور پریشان ہو جاتے۔

انہیں خرم کی منگنی کی اطلاع ملی تھی مگر وہ مصروفیت کے باعث جا نہیں سکے تھے اب ان کی سمجھ میں یہ نہیں آ رہا تھا کہ وہ منگنی برقرار ہے یا ٹوٹ گئی۔

ڈی آئی جی صاحب کی بات بلال اختر کے دل کو لگی وہ خود بھی ایسا ہی کوئی اتفاق چاہ رہے تھے وہ فون بند کر کے عائشہ اختر کو ساری بات بتانے لگے۔

عائشہ اختر' ڈی آئی جی صاحب کے منہ سے بھی بلال اختر کی طرح خرم کی اتنی تعریفیں سن کر متاثر سی ہو گئی تھیں اور تبھی زوبیہ نے کمرے میں قدم رکھ کر گویا ان کے اندر ایک نئی روح پھونک دی۔

زوبیہ کے چہرے پر گھبراہٹ ضرور تھی مگر ایسا کوئی تاثر نہیں تھا جو عائشہ اختر کو ہولا دیتا چنانچہ وہ خوش آئند امیدیں لیے بغیر کچھ پوچھ تاچھ کیے ڈاکٹر شکیلہ کے مشورے پر عمل کرتی اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئیں۔

☼ ☼ ☼

"میرا تو دل چاہتا ہے پڑھائی چھوڑ دوں یا پرائیویٹ پڑھ لوں۔" نمل نے رجسٹر بند کرتے ہوئے کہا اور بڑے غصے سے پین کا کیپ بند کیا' سنبل بس ایک نظر اسے دیکھ کر رہ گئی۔

رات ہی نمل نے سنبل کو فون کر کے رومیلہ کے ساتھ ہوئے دھوکے کے متعلق بتایا تھا وہ دونوں آدھی رات تک ابرار بھائی کے اس اقدام پر کڑھنے کے ساتھ ساتھ رومیلہ کے لیے کوئی حل تلاشتی رہیں اور ناکام ہو کر بالآخر فون بند کر کے سونے لیٹ گئیں۔

تین گھنٹے کی بے چین اور کچی سی نیند لے کر جب وہ یونیورسٹی پہنچا ہے تو ہر ایک کی زبان پر۔
"خرم کے ساتھ وہ اجنبی حسینہ" کا چرچا ان دونوں کو جھنجلاہٹ میں مبتلا کر گیا۔
خرم نے سمیر اور اس کے دوستوں کے ساتھ اتنی مار پیٹ کی اس کے باوجود وہ پوری کہانی بمع خرم اور زوبیہ کی تصویر کے ساتھ نیٹ پر آ گئی تھی۔
ہر ایک کے موبائل میں کیمرہ موجود ہے اور بھلا ایسے مناظر کون بخشتا ہے۔
زوبیہ کو گود میں اٹھائے خرم کی تصویر پر جتنے ریمارکس تھے ان سے زیادہ خرم اور نمل کی منگنی ٹوٹنے کی پیش گوئیاں موجود تھیں۔
نمل اور سنبل نے تو یہ سب پڑھا تھا نہ دیکھا تھا البتہ یونیورسٹی میں قدم رکھتے ہی ہر ایرے غیرے کے منہ سے پوری تفصیل سن سن کر ازبر ہو گئی تھی۔
نمل نے ہر ممکن کوشش کی تھی تحمل کا مظاہرہ کرنے کی مگر سب اس کا ضبط آزمانے پر تلے ہوئے تھے۔
اس نے جیسے تیسے دو پیریڈز اٹینڈ کیے لیکن فری پریڈ آنے پر سنبل نے فوراً" اسے لائبریری چل کر بیٹھ جانے کا مشورہ دیا تھا۔
نمل بھی جانتی تھی سنبل یہ کیوں کہہ رہی ہے اسی لیے سخت بےزاری سے اپنی چیزیں سمیٹ رہی تھی مگر جیسے ہی اس نے بیگ میں رجسٹر ڈال کر بیگ کندھے پر ڈالا اس کی کلاس کی لڑکیاں اس کے گرد جمع ہونے لگیں۔
"نمل کل جو کچھ بھی ہوا وہ بہت شاکنگ تھا۔" سب سے پہلے آسیہ نے بظاہر بڑی ہمدردی سے کہا نمل لب بھینچے اسے دیکھے گئی۔
"مجھے تو یہ وہی لڑکی لگ رہی ہے۔ جس کا تم نے خرم کو موبائل نمبر لینے بھیجا تھا رومیلہ کی شادی پر۔ تم نے بہت بڑی غلطی کی تھی یار بھلا اپنے منگیتر کے ساتھ کوئی ایسی شرط لگاتا ہے۔"
"اور کیا۔ اب نقصان تو تمہارا ہی ہوا ہے نا۔"
"میرا کیا نقصان۔" نمل ان سب کے باری باری بولنے پر تنک کر بولی۔
"اب بنو مت جیسے تمہیں کچھ اندازہ ہی نہیں۔ وہ دونوں کتنے فری لگ رہے تھے ایک دوسرے سے۔" ایک لڑکی نے آنکھیں نچاتے ہوئے معنی خیز انداز میں کہا۔
"اوہ کم آن فرح۔ ہم دونوں کو ان بے کار کی باتوں میں کوئی دلچسپی نہیں۔" سنبل نے بےزاری سے کہتے ہوئے قدم بڑھائے مگر وہ سب راستہ گھیرے کھڑی تھیں۔
"تمہیں کیوں دلچسپی ہو گی تمہاری منگنی تھوڑی خطرے میں پڑ رہی ہے بلکہ تم تو خوش ہو رہی ہو گی کہ خرم جیسا شخص اگر تمہیں نہیں مل سکا تو نمل کو بھی کیوں ملے۔"
"زبان سنبھال کر بات کرو آسیہ۔" سنبل چیخ کر بولی۔
"ٹھیک ہی تو کہہ رہی ہوں۔ کبھی نمل کو سمجھایا نہیں کہ اتنا اچھا منگیتر ملا ہے اس کی قدر کرو وہ سمیر جیسے لفنگے کے ساتھ گھومے جا رہی ہے اور تم نے آنکھیں بند کر رکھی ہیں اس کا صاف مطلب یہی ہے کہ......"
"اس کا صاف مطلب یہی ہے کہ مجھے خرم میں دلچسپی ہے نہ اسے مجھ میں لہٰذا اب تم لوگ راستہ صاف دیکھ کر ٹرائی مار سکتی ہو۔" نمل نے ایک ایک لفظ چباتے ہوئے آسیہ کی بات کاٹ دی تو اس کو تو آگ ہی لگ گئی۔
"توبہ توبہ۔ نمل کیسی باتیں کرتی ہو۔ ہم تو یہاں تمہارا دکھ بانٹنے آئے تھے اور تم ہماری ہی کردار کشی کرنے لگیں۔"
"کوئی ضرورت نہیں ہے تم لوگوں کو میرا دکھ بانٹنے کی کیونکہ مجھے کوئی دکھ ہے ہی نہیں۔" نمل چیخ پڑی۔

"جھوٹ مت بولو تمہاری شکل بتا رہی ہے تم رات بھر جاگی ہو منگنی ٹوٹنا کسی بھی لڑکی کے لیے معمولی بات نہیں ہو سکتی۔" فاخرہ کے بولنے پر نمل پل بھر کے لیے لاجواب ہو گئی پھر جان چھڑانے والے انداز میں بولی۔
"مجھے لائبریری جا کر نوٹس بنانے ہیں فار گاڈ سیک میرے راستے سے ہٹ جاؤ۔" نمل کے جھنجلائے ہوئے لہجے پر آسیہ نخوت سے گردن جھٹکتی ایک طرف ہٹ گئی۔
"جاؤ جاؤ ہم کون سا مر رہے ہیں تم سے بات کرنے کے لیے۔" آسیہ کے ہٹتے ہی نمل اور سنبل تیزی سے آگے بڑھ گئیں مگر ان کے قدموں سے زیادہ ان کی آوازوں میں تیزی تھی جو کلاس سے نکلتے نکلتے بھی یہ جملے ان کے کانوں میں پڑ ہی گئے۔
"بھلائی کا تو زمانہ ہی نہیں۔ کسی سے ہمدردی کرو تو ایسا لگتا ہے جیسے ادھار مانگ رہے ہیں۔"
"ارے اس کا تو دماغ شروع سے ہی خراب ہے خرم نے اس کی مدد کی اور اس نے خرم کو ہی تھپڑ مار دیا تھا اچھا ہی ہے جو خرم کو وہ دوسری لڑکی مل گئی۔"
"ہاں یار کتنی حسین ہے نا۔ نمل تو کچھ بھی نہیں ہے اس کے سامنے۔" نمل کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ پلٹ کر فرح کے منہ پر تھپڑ مار دے۔
سنبل اس کی کیفیت بخوبی سمجھ گئی تھی اس نے نمل کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑا اور اسے گھسیٹتی ہوئی باہر لے گئی۔
لائبریری میں آ کر وہ دونوں کتنی دیر کتابیں ٹیبل پر ڈال کر گہرے گہرے سانس کھینچتی رہیں آخر سنبل نے ہی اپنے تنفس پر قابو پاتے ہوئے دھیمے لہجے میں کہنا شروع کیا۔
"تمہیں ان ساری باتوں کو فیس کرنا ہی ہو گا تم بھلے ہی اس منگنی کو اہمیت نہ دو لیکن ہے تو یہ ایک کمٹ منٹ۔ اگر یہ ختم ہو گی تو یہ سارے ری ایکشن تو سامنے آئیں گے۔
ہمدردی کی آڑ میں طعنے۔
زوبیہ یا کسی بھی لڑکی کے ساتھ موازنہ۔
خرم کے ساتھ تمہارے غلط رویے پر سرزنش وغیرہ لہٰذا تمہیں اپنے آپ کو زیادہ سے زیادہ پرسکون رکھنا ہو گا اگر اسی طرح ہر ایک سے لڑنے کھڑی ہو گئیں تو۔"
"چلو ٹھیک ہے مجھے یہ سب سننا پڑے گا اور تمہیں بھی لوگوں کی وہ ساری بکواس سننی پڑے گی جس میں ایک فیصد سچائی نہیں۔" نمل بگڑ کر بولی تو سنبل پھیکی سی ہنسی ہنس دی۔
"سچائی تو کسی بھی بات میں نہیں ہے وہ جو انہوں نے کہا تھا کہ ہم تمہارا دکھ بانٹنے آئے ہیں تو وہ کیا سچ تھا۔"
"ایک بات ضرور سچ تھی" نمل سنجیدگی سے بولی تو سنبل اسے سوالیہ انداز میں دیکھنے لگی۔
"زوبیہ مجھ سے زیادہ حسین ہے۔ میں اس کے سامنے کچھ بھی نہیں ہوں۔" نمل کسی غیر مرئی نقطہ کو دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھی اس کی ہاتھ میں پکڑے پین پر گرفت تکلیف دہ حد تک سخت ہو گئی تھی۔ سنبل حیرانی سے اسے دیکھتی چلی گئی پھر اس کیفیت کے زیر اثر بولی۔
"تمہیں دکھ ہو رہا ہے نمل۔" نمل نے ایسے پین ٹیبل پر پھینکا جیسے خود پر حاوی ہوتے احساس سے باہر نکل آئی ہو پھر بڑے ہلکے پھلکے انداز میں پوچھنے لگی۔
"کیوں کیا مجھے دکھ نہیں ہو سکتا۔ مجھے خرم سے شادی نہیں کرنی وہ ایک الگ بات ہے لیکن وہ کسی اور لڑکی کی وجہ سے مجھے سب کے سامنے ریجیکٹ کر کے چلا جائے تو اس سے میری عزت نفس مجروح ہوتی ہے۔" نمل نے رسانیت سے اپنا موقف سمجھانے کی کوشش کی مگر سنبل ہنوز اسے حیرت سے دیکھتی رہی۔

"ایسے کیا دیکھ رہی ہو کیا مجھے انسلٹ فیل نہیں ہونی چاہیے۔"

"اگر تمہیں انسلٹ فیل ہو رہی ہے تب تو ٹھیک ہے لیکن اگر تم کچھ اور فیل کر رہی ہو تب یہ بہت خطرناک بات ہے۔" سنبل کے سنجیدگی سے تجزیہ کرنے پر تمثیل عجیب سے انداز میں ہنس دی۔

"ہنسنے کی بات نہیں ہے تم بھول رہی ہو خرم صرف بدلہ لینے کے لیے تم سے شادی کر رہا ہے اور یہ بات اس نے خود تم سے کہی ہے۔ تبھی میں خرم کے خلاف ہوں۔

ورنہ آسیہ کی بات بالکل صحیح تھی میں تمہیں خرم جیسے منگیتر کے ساتھ ایسے رویے پر سمجھا رہی ہوتی لیکن میں ایسا اس لیے نہیں کر رہی کہ میں جانتی ہوں یہ شادی آگے جا کر کتنی بدصورت ہو جائے گی کہ تم دونوں کے چہرے پہچاننے میں نہیں آئیں گے۔" سنبل کے سپاٹ لہجے پر تمثیل کچھ نہیں بولی اور بیگ کھول کر اپنا رجسٹر نکالنے لگی۔

☼ ☼ ☼

الیان کا ذہن کسی بھی سوال کا جواب سوچنے کے قابل نہیں تھا اس نے بڑی مشکل سے زہر مار کر کھانا کھایا تھا اور اب صرف ماموں جان کے لحاظ میں ان کے ساتھ گاؤں دیکھنے جیپ میں بیٹھ گیا تھا۔

شاہد اور نوید ہمیشہ کی طرح بہت زیادہ جوشیلے ہو رہے تھے البتہ حامد کی خاموشی الیان نے بالکل محسوس نہیں کی۔

بریرہ دوسری کزنز کے ساتھ شاہ جہان ماموں کی جیپ میں تھی شاہ جہاں ماموں رومیلہ کو اپنے ذاتی کھیت دکھانا چاہتے تھے چنانچہ وہ شاہد اور نوید کے ساتھ تمام لڑکیوں کو لے کر کھیتوں میں چلے گئے تب حامد اس کے پاس آ بیٹھا ماموں جان کھیتوں میں کام کرنے والوں سے بات کرنے میں مصروف ہو گئے تھے جبکہ الیان زیادہ گھومنے کے موڈ میں نہیں تھا اور یہ کھیت وغیرہ اس کے پہلے سے ہی دیکھے ہوئے تھے لہٰذا وہ ایک چارپائی پر بیٹھ گیا جو وہاں کام کرتے مزدوروں نے خاص ان لوگوں کے لیے لا کر رکھی تھیں۔

"کیا بات ہے الیان بھائی آپ بہت خاموش ہیں۔" حامد کی آواز پر الیان نے چونک کر اسے دیکھا تو اسے احساس ہوا حامد بڑی دیر سے اسے ٹٹولتی نظروں سے دیکھ رہا ہے۔

"آں..... نہیں تو..... کیوں کیا ہوا۔" الیان قدرے حیرانی سے بولا۔

"ہوا تو کچھ نہیں۔ بس آپ کچھ اپ سیٹ لگ رہے ہیں۔" حامد نے سادگی سے کہا۔

"اچھا۔" الیان خوامخواہ ہنسا۔

"ایسی تو کوئی بات نہیں۔"

"کہیں آپ اس اچانک شادی کی وجہ سے ڈسٹرب تو نہیں ہیں۔" حامد نے اسے بڑی گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"آں..... ہاں کہہ سکتے ہو۔ اصل میں 'میں ذہنی طور پر اس وقت شادی کے لیے تیار نہیں تھا سب کچھ بہت اچانک ہوا ہے مائنڈ سیٹ کرنے میں تھوڑا ٹائم تو لگے گا نا۔" الیان نے اسے جھٹلانا مناسب نہیں سمجھا اور سچ نہ بتاتے ہوئے جھوٹ بھی نہیں بولا۔

"سکینہ تو بھابھی کی بہت تعریف کر رہی ہے اس کا کہنا ہے بھلے ہی آپ کی شادی جلدی میں ہوئی مگر غلط بالکل نہیں ہوئی۔" حامد نے کہا تو الیان صرف مسکرا کر رہ گیا اور اسے خاموش دیکھ کر حامد کو وہ کہنا پڑا جو پوچھنے کا شاید وہ بہت دیر سے موقع ڈھونڈ رہا تھا۔

"آپ صرف شاکڈ ہیں یا ناخوش بھی ہیں۔" الیان حیرانی سے اسے دیکھنے لگا تو وہ کچھ جھجکتے ہوئے کہنے لگا۔

"آپ نے ایک نیکی کی ہے الیان بھائی اب اس پر پچھتا کر اسے ضائع کیوں کر رہے ہیں۔

چاہے جن حالات میں بھی سہی شادی تو ہو گئی ہے نا! اب اسے توڑنا مناسب نہیں خاص طور پر ایسی صورت میں جبکہ بھابھی میں کوئی برائی بھی نہیں ہے۔"

"تو میں نے کب کہا ہے کہ میں اس شادی کو توڑ رہا ہوں۔" الیان کو اس کا بلاوجہ نصیحت کرنا حیران کر رہا تھا اس کے پوچھنے پر چند ثانیوں کے لیے حامد بالکل چپ ہو گیا پھر ایسے گہرا سانس کھینچا جیسے دوٹوک بات کرنے کا فیصلہ کر لیا ہو۔

"لگ تو یہی رہا ہے کہ یہ شادی زیادہ دن چلے گی نہیں۔"

"کسے لگ رہا ہے۔" الیان نے بے ساختہ پوچھا تو حامد بھی برجستہ بولا۔

"سب کو!" اب کے خاموش رہ جانے کی باری الیان کی تھی پھر بھی وہ ہمت کر کے پوچھنے لگا۔

"کیوں؟ سب کو ایسا کیوں لگ رہا ہے۔"

"آپ سب کے رویوں کی وجہ سے اور پھوپھی جان (شگفتہ غفار) نے تو صاف کہا ہے کہ....."

"کیا کہا ہے ممی نے۔" الیان نے تیزی سے پوچھا حامد کچھ دیر اسے دیکھتا رہا پھر بہت ٹھہر ٹھہر کر بولا۔

"وہ مجھے نہیں پتا انہوں نے دادی جان (نانی اماں) سے کچھ ایسا کہا۔ جیسے یہ تو میری بہو نہیں ہے یا میں تو کبھی اسے بہو نہیں مانوں گی۔

دادی جان تب سے بہت اداس ہیں بریرہ اور پھوپھا جان کا رویہ بھی کچھ اکھڑا اکھڑا سا ہے۔ صدمے میں ہونا اور غصے میں ہونا دو بالکل الگ کیفیتیں ہیں اور دونوں کا اظہار بھی بالکل الگ طریقوں سے ہوتا ہے۔"

"کیا بریرہ نے بھی کچھ کہا ہے۔" الیان نے کچھ سوچتے ہوئے بڑی سنجیدگی سے پوچھا اسے شگفتہ غفار کی اس حد تک بے اختیاری پر خوب تاؤ آ رہا تھا۔

"نہیں وہ کیا کہے گی۔ وہ تو بالکل خاموش ہے وہ تو اچانک بالکل چینج ہو گئی ہے۔" الیان بری طرح چونک اٹھا۔

حامد کے لہجے میں شکایت نہیں تھی بلکہ ایک عجیب سا ملال تھا جیسے بریرہ کی یہ اچانک تبدیلی اسے تکلیف دے رہی ہو۔ وہ بدگمانی میں مبتلا نہیں تھا لیکن دکھی ضرور ہوا تھا۔

فوری طور پر تو الیان کی سمجھ میں نہ آیا کہ کیا بولے پھر اس نے زبردستی ہنسنے کی کوشش کی تاکہ ماحول کا بوجھل پن کچھ کم ہو جائے۔

"ارے یار تم اسے جانتے نہیں ہو کیا۔ کس قدر بچپنا ہے اس میں۔

میری اس طرح اچانک شادی سے اس کے تو..... وہ کیا کہتے ہیں..... ہاں..... ارمانوں کا خون ہو گیا ہے۔

پتا نہیں کیا کیا پلان بنا رکھے تھے اس نے میری شادی کے جو سب دھرے کے دھرے رہ گئے ہیں اسی لیے اداس ہے۔

"تم ٹینشن مت لو کچھ دنوں میں ٹھیک ہو جائے گی۔" الیان نے اپنے لہجے میں حد درجہ لاپروائی شامل کر لی تھی مگر اس کے اتنے غیر سنجیدہ انداز پر بھی حامد کی سنجیدگی میں کوئی فرق نہیں آیا بلکہ وہ الیان کو بغور دیکھتے ہوئے گہرے لہجے میں کہنے لگا۔

"صرف یہ بات نہیں ہے بات کچھ اور بھی ہے وہ غیر معمولی طور پر خاموش ہے جیسے کوئی بات اسے اندر ہی اندر پریشان کر رہی ہو۔" الیان اس کے اتنے گہرے مشاہدے پر فکر مند ہو گیا۔

بریرہ کے لیے اس وقت خود کو بالکل نارمل رکھ کر پہلے کی طرح ہنسی مذاق کرنا نہایت مشکل عمل تھا۔ کسی لڑکی کا اس طرح اغوا ہونا اور اس کے گھر والوں کا اغوا کے بعد بلیک میل ہونا اتنی چھوٹی بات نہیں تھی کہ اسے آسانی سے

فراموش کیا جاسکے۔

ابرار کی دھمکی کسی تلوار کی طرح ہمیشہ سر پر لٹکی رہے گی پھر بھلا وہ نئی نئی شادی اور شادی کی خوشیاں کیسے پر مسرت طریقے سے منا سکتی تھی۔

لیکن جو بھی ہو حامد کو مطمئن کرنے کے لیے الیان کو بریرہ کے رویّے کی تبدیلی کی وضاحت تو دینی ہی تھی جو اس نے اپنے طور پہ دے دی تھی اب حامد مطمئن ہوا یا نہیں خاموش ضرور ہو گیا تھا۔

اسی لیے جب ساری لڑکیوں اور ماموں کے ساتھ رومیلہ واپس آئی تو الیان نے خاص طور پر سب کے درمیان براہ راست اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"اور کیسا لگا گاؤں رومیلہ۔" رومیلہ نے بری طرح چونک کر الیان کو دیکھا۔

اس نے ایک بڑی سی چادر اوڑھ رکھی تھی جس میں اس کا آدھا چہرہ بھی چھپا ہوا تھا جیسے باقی ساری کزنز اوڑھے ہوئے تھیں صرف اس کی ایک آنکھ دکھائی دے رہی تھی جس میں تیرتی بلا کی حیرت اس کے تمام تاثرات کی ترجمانی کر رہی تھی۔

الیان نے اس کی حیرت کے ساتھ ساتھ سب کا چونکنا بھی بخوبی محسوس کیا تھا خاص طور پر بریرہ کا ٹھٹک کر رکنا لیکن وہ سب کے احساسات کو نظر انداز کیے صرف اپنے قریب بیٹھے حامد پر غور کر رہا تھا جو پوری طرح سے الیان کی جانب متوجہ تھا حالانکہ الیان نے نظر اٹھا کر حامد کی طرف دیکھا تک نہیں تھا پھر بھی وہ خود پر جمی اس کی مشاہدہ کرتی نظروں سے اچھی طرح آشنا تھا اور ان ہی نظروں کو مطمئن کرنے کے لیے اس نے رومیلہ کی خاموشی کے باوجود اپنی گفتگو کا سلسلہ جاری رکھا۔

"اتنے مختصر وقت میں تم نے کچھ بھی ٹھیک سے نہیں دیکھا ہو گا۔"

"ماموں جان کیا آپ نے اپنے باغ دکھائے اسے۔ جہاں ہم بچپن میں جایا کرتے تھے اور درخت پر چڑھ کر آم توڑتے تھے۔" الیان کا لہجہ اتنا خوشگوار تھا کہ بریرہ اب الیان پر سے نظریں ہٹا کر رومیلہ کو دیکھنے لگی تھی۔

مگر رومیلہ کا چہرہ چھپا ہونے کی وجہ سے وہ کچھ بھی اخذ نہ کر سکی تو صرف اندازہ لگا کر رہ گئی کہ وہ نئی جگہ پر سب کے لحاظ میں خاموش ہے ورنہ وہ الیان سے زیادہ چہک رہی ہوتی۔

اپنی طرف سے خود ہی ہر بات فرض کر کے وہ بری طرح سلگ گئی تھی اور کیوں نہ جلتی اس کی اچھی بھلی پر سکون زندگی میں زہر گھول دینے والوں کو وہ تو کیا کوئی بھی معاف نہیں کر سکتا تھا اور یہاں تو صورت حال یہ تھی کہ مقابل کھڑا مجرم اپنے کیے پر شرمندہ بھی نظر نہیں آرہا تھا معافی مانگنا تو بہت دور کی بات تھی۔

"نہیں الیان وہ باغات دکھانے کا وقت کہاں ہے مغرب ہونے والی ہے اور مغرب کے بعد عورتیں گھر سے نہیں نکلتیں۔" ماموں نے صاف انکار کر دیا تو الیان کہنے لگا۔

"تو پھر کل صبح جلدی نکلیں گے۔ بلکہ ایسا کرتے ہیں فجر کے فوراً بعد نکل جاتے ہیں عصر تک کافی جگہیں دیکھ لیں گے اور گھر چلے جائیں گے تاکہ آرام کر کے رات کو ولیمہ سکون سے اٹینڈ کر سکیں۔

اصل میں آگے میرے پاس ٹائم نہیں ہے مجھے پرسوں آفس ضرور پہنچنا ہے اب میں کام مزید درگزر نہیں چھوڑ سکتا اور پھر میں سوچ رہا تھا اگر چھٹی کر سکا تو اب وہیں شہر میں کروں گا تاکہ رومیلہ کے ساتھ ملک سے باہر نہ سہی کم از کم شہر سے باہر جانے کا پروگرام بن سکے گاؤں تو پھر بھی دیکھ لیا ہے تھوڑی سیر کہیں اور کی بھی کر لی جائے۔" الیان نے بالکل بے پر کی اڑائی مگر سب کی طرح بریرہ تک اسے سچ سمجھ کر اب تو برہمی سے الیان کو دیکھ رہی تھی۔

جبکہ ماموں جان نے اس کے فیصلے کو خوب سراہنے کے بعد کہا۔

"ہاں اچھی بات ہے اگر تم دونوں اکیلے بھی کہیں گھوم پھر آؤ۔ لیکن ایک بات بتا دوں کل ولیمہ رات میں نہیں بلکہ دوپہر میں ہے اس لیے تمہارے پروگرام پر عمل نہیں ہو سکتا۔

یا تو کل صبح نماز کے بعد دو تین گھنٹے کے لیے چلنا چاہو تو بات الگ ہے۔"

"دوپہر میں ولیمہ۔" الیان نے حیرت سے بھنویں اچکائیں۔

"اچھا ہی ہے نا رات تک آپ لوگ گھر جانے کے لیے نکل بھی سکتے ہیں گھر پہنچ کر کچھ دیر آرام کر کے دوپہر تک آفس چلے جائیے گا۔" بریرہ کا لہجہ زندگی میں پہلی بار الیان کو اس قدر کھردرا لگا۔

وہ بے اختیار حامد کو دیکھنے لگا اس کا مشکوک ہونا بے کار نہیں تھا بریرہ کے رویے میں زمین آسمان کا تغیر تھا۔

حامد بھی بریرہ کو جانچتی نظروں سے دیکھ رہا تھا لیکن بریرہ کو اس بات کا احساس ہی نہیں تھا اس کے ذہن میں بس ایک ہی بات آرہی تھی کہ اپنے گھر میں تو رومیلہ کو الیان پر ڈورے ڈالنے کا موقع نہیں مل رہا تھا مگر یہاں آتے ہی اس کے کمرے تک رسائی حاصل کر لینے کے باعث وہ آسانی سے الیان کو شیشے میں اتارنے میں کامیاب ہو گئی کیونکہ اسے لگ رہا تھا الیان ایکٹنگ نہیں کر رہا۔

ورنہ ریاض غفار تو کب سے یہی کہہ رہے تھے کہ رومیلہ کے ساتھ سب لوگ اپنا رویہ اچھا رکھیں مگر یہ کسی کے بھی اختیار کی بات نہیں تھی پھر اچانک الیان نے بھلا خود پر اتنا اچھا خول کیسے چڑھا لیا۔

اسی لیے اسے یقین تھا یہ سب اداکاری نہیں بلکہ الیان کا دل واقعی اس کی طرف سے صاف ہو گیا ہے اور یہ بات اسے اتنی ناگوار گزری تھی کہ اس نے اسی وقت اپنے سر درد کا اتنا شور مچایا کہ وہ سب جو تھوڑی دیر بیٹھ کر واپسی کے لیے نکلنے والے تھے حویلی جانے کے لیے فوراً کھڑے ہو گئے۔

الیان کو بھی خاموش ہونا پڑا البتہ اس نے سوچ لیا تھا جانے سے پہلے بریرہ کو سمجھائے گا ضرور اور اسے یقین تھا ان لوگوں کے چلے جانے کے بعد بریرہ کے رویے میں تبدیلی آجائے گی۔

جب رومیلہ اس کے سامنے نہیں ہو گی تو وہ خود بخود اپنی نئی زندگی کی رعنائیوں میں کھو جائے گی۔

حویلی واپس آنے کے بعد الیان اپنا لیپ ٹاپ نکال کر کافی دیر اس میں مصروف رہا یہاں تک کہ رات کا کھانا بھی اس نے بہت دیر سے کھایا اور جب کھانے وغیرہ سے فارغ ہو کر اپنے کمرے میں پہنچا تب تک رومیلہ صوفے پر سو چکی تھی۔

اس نے اپنے لیے خود ہی جگہ متعین کر لی تھی حالانکہ وہ صوفہ زیادہ آرام دہ نہیں تھا بیٹھنے کی حد تک تو اس کی چوڑائی مناسب تھی لیکن لیٹنے کے لیے اس پر صرف ایک ہی کروٹ سے بغیر ہلے جلے لیٹا جا سکتا تھا چنانچہ وہ بالکل سکڑی ہوئی پڑی تھی۔

کچھ دیر الیان اسے دیکھتا رہا وہ کوئی بہت زیادہ حسین نہیں تھی کہ جسے دیکھتے ہی ہوش اڑ جائیں لیکن وہ خوب صورت ضرور تھی اس کا ناک نقشہ، اس کی آنکھیں، اس کی رنگت اور بال سب میں ایک جاذبیت تھی مجموعی طور پر وہ کافی پیاری سی تھی۔

غیر ارادی طور پر الیان کے ذہن میں کچھ سوال سر اٹھانے لگے کہ اگر اس کی ماں اس کے لیے لڑکی ڈھونڈنے جاتی تو کس قسم کی لڑکی کا انتخاب کرتی۔

کیا خوبیاں دیکھتی وہ اس میں۔

اسے اچھی طرح علم تھا اپنے سرکل کی لڑکیوں میں سے کوئی بھی اس کی ماں کو اتنی پسند نہیں تھی کہ ان میں سے چن لیتی۔ اس مہم پر تو انہیں باقاعدہ کمر کسنے کی ضرورت تھی۔

اگر وہ لڑکی ڈھونڈتی ہوئی رومیلہ کے گھر پہنچ جاتیں تو کیا وہ رومیلہ کا انتخاب کرتیں؟

الیان اس کے خاندان وغیرہ کو زیادہ نہیں جانتا تھا اس لیے اس سوال کا وہ حتمی جواب نہیں دے سکتا تھا مگر صرف رومیلہ کو سامنے رکھ کر فیصلہ کیا جائے تو ہو سکتا تھا وہ رومیلہ کو الیان کے لیے پسند کر لیتیں۔

اور خود اس کا فیصلہ کیا ہوتا؟

کیا وہ بھی اسے اپنی شریک حیات کے طور پر پسند کر لیتا؟ یہ سوال چند لمحوں کے لیے اسے بالکل بلینک کر گیا۔

ہاں یا نا۔ وہ کوئی فیصلہ نہیں کر سکا تو دونوں ہتھیلیوں سے آنکھیں دبا کر سونے کے لیے مڑ گیا۔

اگلے دن اس کی خواہش کے عین مطابق صبح ہی صبح بریرہ سے بات کرنے کا موقع مل گیا۔

الیان رومیلہ کے بیدار ہونے سے پہلے اٹھ کر باہر نکل آیا تھا اس وقت تک فجر کی اذان بھی نہیں ہوئی تھی وہ وہیں لان میں بیٹھ کر ایک بار پھر لیپ ٹاپ میں مصروف ہو گیا مگر ہلکی ہلکی روشنی شروع ہونے پر جب بریرہ چہل قدمی کرتی نظر آئی تو الیان ونڈوشٹ ڈاؤن کرتا سیدھا اس کے پاس آ گیا۔

"تم اتنی صبح صبح کیسے اٹھ گئیں۔"

"یہی سوال اگر میں آپ سے کروں تو۔" بریرہ نے برجستہ کہا۔

"مجھے تو اپنے کمرے کے سوا کہیں نیند ہی نہیں آتی۔" الیان نے کہا اور پھر یہ سوچتے ہوئے کہ اس سے پہلے کہ کوئی آجائے اور بات شروع ہونے سے پہلے ہی ختم ہو جائے اسے اصل موضوع پر آجانا چاہیے۔

"بریرہ میری ایک بات مانو گی۔" بریرہ رک کر اس کی شکل دیکھنے لگی۔

"کوشش کرو کہ سب کچھ ایک برا خواب سمجھ کر جلد از جلد بھول جاؤ اور بالکل پہلے جیسی بریرہ بن جاؤ۔ ہنستی مسکراتی شوخ سی۔" الیان کے لہجے میں اس کے لیے اتنی محبت تھی کہ بریرہ چاہتے ہوئے بھی الیان پر کوئی طنز نہ کر سکی البتہ جب وہ بولی تو اس کے لہجے میں برسوں کی تھکن تھی۔

"میں اتنی مضبوط نہیں ہوں بھائی اور پھر جو کچھ میرے ساتھ ہوا اگر اس پر بس ہو گیا ہوتا تو شاید میں کچھ عرصے میں سنبھل جاتی مگر میرے ساتھ ساتھ آپ کی بھی زندگی داؤ پر لگ گئی ہے۔

اب میں تو یہاں رہ جاؤں گی لیکن آپ سب لوگ کل واپس چلے جائیں گے وہاں اس لڑکی کی موجودگی میں گھر کا کیا ماحول ہو گا۔

ممی تو اس کا وجود کبھی بھی برداشت نہیں کریں گی۔ گھر میں ہر وقت ایک تناؤ رہے گا۔" بریرہ کا لہجہ بالکل بجھا ہوا تھا۔

"ایسا کچھ نہیں ہو گا تم ہم سب کی فکر چھوڑ دو صرف اپنا خیال رکھو اور نئی زندگی کو انجوائے کرو۔" الیان کی بات پر بریرہ کچھ چڑ سی گئی۔

"ایسا کیسے ہو سکتا ہے کہ میں آپ لوگوں کی فکر نہ کروں اور پھر کل کو اس لڑکی کے ساتھ جو بھی ہو گا اس کی تلافی تو مجھے ہی کرنی ہو گی۔

آپ نے تو اپنا رویہ اس کے ساتھ تبدیل کر لیا مگر ممی تو نہیں کر سکیں گی اور مجھے ان سے شکایت بھی نہیں ہے جب میں اسے برداشت نہیں کر پا رہی تو بھلا ممی......" بریرہ نے دانستہ جملہ ادھورا چھوڑ کر ہونٹ کاٹنے شروع کر دیے۔

"ممی بھی ٹھیک کر لیں گی ویسے بھی جو کچھ ہوا ہے اس میں اس کا قصور نہیں ہے۔" الیان نے بظاہر ٹالنے والے انداز میں کہا مگر بریرہ چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

وہ تو بڑا بھائی ہونے کا لحاظ کر کے ابھی تک خاموش تھی ورنہ اس کا تو دل چاہ رہا تھا صاف کہہ دے جس شخص نے آپ کی بہن کی زندگی تباہ کر کے رکھ دی آپ اس شخص کی بہن کے لیے اپنی زندگی میں اتنی جلدی جگہ بنانے

میں کامیاب ہو گئے۔

لیکن الیان کی کہی بات سن کر وہ ایک دم غصے میں آ گئی اور بڑے طنزیہ سے انداز میں کہنے لگی۔

"اس کا قصور نہیں ہے تو پھر کس کا قصور ہے۔" بریرہ کی تیوریوں پر بل پڑ گئے تھے الیان کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ حامد کو سامنے سے آتا دیکھ کر بس اتنا ہی کہہ سکا۔

"میں بعد میں سب بتاؤں گا۔" مگر بریرہ کے تو جیسے خون کی ایک ایک بوند میں چنگاریاں بھر گئی تھیں حامد کو دیکھ کر وہ بمشکل خود پر ضبط کر گئی مگر زیادہ صبر نہ کر سکی۔ دوپہر میں اسے دلہن بن کر بیٹھ جانا تھا اور مغرب کے بعد سب نے چلے جانا تھا کیا پتا رات تک یہ لوگ گھر جانے کے لیے روانہ ہی ہو جائیں۔

ایسا نہ ہو کہ الیان سے بات کرنے کا موقع ہی نہ ملے جبکہ وہ جاننا چاہتی تھی کہ الیان نے ایک ہی رات میں یہ کیسے اندازہ لگا لیا کہ رومیلہ کا اس میں کوئی قصور نہیں۔ اگر رومیلہ نے کوئی کہانی سنائی ہے تو اول تو الیان کو اس سے اتنی بات ہی نہیں کرنی چاہیے تھی دوئم صرف اس کے کہنے سے الیان نے سب کیسے مان لیا۔

بریرہ کا خون کھول رہا تھا یہ سب سوچ سوچ کر آخر وہ سیدھی شگفتہ غفار کے پاس پہنچ گئی اور انہیں سب بتا دیا ان کی بھی جان جل کر رہ گئی۔

انہوں نے اسی وقت الیان کو فون کر کے بلا لیا الیان ماموں جان کے ساتھ ناشتا کرنے بیٹھ چکا تھا ان کے اس طرح بلانے پر پریشان ہو کر ناشتا چھوڑ کر آ گیا اور آنے کے بعد جب اسے بلانے کی وجہ پتا چلی تو اسے شدید کوفت ہوئی۔

وہ اس موضوع پر اپنے گھر چل کر سکون سے بات کرنا چاہتا تھا بھلے ہی یہاں بھی شگفتہ غفار کو ایک پورا کمرہ دیا ہوا تھا مگر حویلی میں اتنے لوگ تھے کہ ہر وقت ایک محفل کا سا سماں رہتا تھا کوئی بھی ان کی گفتگو سن سکتا تھا اگر نہیں بھی تو بات پوری ہونے سے پہلے کوئی مداخلت کر دیتا تو صحیح وضاحت بھی نہ ہو پاتی۔

لیکن شگفتہ غفار تو اتنی برہم تھیں کہ اپنے مزاج اور اخلاق سے ہٹ کر بہت ہی نازیبا الفاظ میں رومیلہ کو کوس رہی تھیں۔

"اس چڑیل نے ایک ہی رات میں تم پر ایسا ڈنڈا گھما دیا کہ تمہیں اس کا کوئی قصور ہی نہیں لگ رہا کس قدر مکار اور چالاک ہو گی وہ۔ میں تو حیران ہوں کہ آج کل کی لڑکیوں میں اتنی تیزی آتی کہاں سے ہے۔"

"ایسی کوئی بات نہیں ہے ممی وہ اپنی دوست سے بات کر رہی تھی جو میں نے اتفاقیہ سن لی اسے تو معلوم بھی نہیں تھا کہ اس کے بھائی نے بریرہ کو......" الیان کہتے کہتے رک گیا۔

کیسا خوف تھا کہ کہیں دیواریں بھی اس راز سے واقف نہ ہو جائیں۔

اپنی یہ کمزوری اسے خود بھی سخت بری لگی تھی مگر اس وقت اس پر کڑھنے کا وقت نہیں تھا کیونکہ شگفتہ غفار تنک کر بولیں۔

"وہ اپنی دوست سے باتیں نہیں کر رہی تھی بلکہ جان بوجھ کر تمہیں سب کچھ سنا رہی تھی تم نے اتفاقیہ اس کی باتیں نہیں سنیں اس نے پورا ڈرامہ کر کے اسی وقت فون پر ایسی گفتگو کی کہ تم سن لو اور اسے مظلوم و معصوم سمجھ کر معاف کر دو۔"

"ممی اسے تو پتا بھی نہیں تھا کہ میں اس وقت کمرے میں آنے والا ہوں اور جب میں کمرے میں گیا ہوں تب اس نے مجھے دیکھا بھی نہیں تھا۔" الیان چڑ گیا۔

"ارے رہنے دو مجھے سب پتا ہے ان چالباز لڑکیوں کے ہتھکنڈے۔ یہی سوچ کر تو انہوں نے شادی کی ہے کہ بس ایک بار جائز ناجائز کسی بھی طریقے سے ایک امیر گھرانے کی بہو بن جاؤ بعد میں تو سب ٹھیک ہو ہی جاتا ہے۔

شکل ویسے بھی اس لڑکی کی اچھی ہے عورت خوب صورت ہو تو کوئی بھی مرد آسانی سے بے وقوف بن جاتا ہے۔" شگفتہ غفار اتنے غصے میں تھیں کہ انہیں احساس ہی نہیں تھا وہ بیٹے کے سامنے کس قسم کی باتیں کر رہی ہیں۔
الیان کا خون کھول اٹھا تھا ان کی بات پر وہ بہت سرد لہجے میں بولا۔
"یہ کوئی پہلی لڑکی نہیں ہے جو مجھ سے ٹکرائی ہے کہ اس کا حسن دیکھتے ہی میں بے وقوف بن جاؤں گا آپ کو کیا پتا جس سیٹ اور پوزیشن پر میں ہوں وہاں روز ایسی ہزاروں لڑکیاں ایک بزنس ڈیل حاصل کرنے کے لیے کیا کچھ کرنے کے لیے تیار رہتی ہیں اگر میں اتنا ہی کمزور ہوتا تو آج آپ کے سامنے اس الیان کی بجائے ایک ایسا ناکام الیان موجود ہوتا جو اپنا سارا بزنس خوب صورت لڑکیوں پر لٹا کر خالی ہاتھ کھڑا ہوتا۔" الیان کے لہجے کی سرد مہری اور چہرے پر چھائے سپاٹ تاثرات شگفتہ غفار کو تھوڑا سا خائف کر گئے تو وہ مزید بحث نہ کر سکیں بس سر جھٹک کر رہ گئیں۔
الیان بھی اور کچھ کہنا فضول سمجھتے ہوئے بات ختم کر کے اٹھا تو اپنے پیچھے ریاض غفار کو کھڑا دیکھ کر ٹھٹک گیا ان کی صبح ابھی تھوڑی دیر پہلے ہوئی تھی اور وہ ابھی باتھ روم سے نہا کر نکلے تھے۔
ان کے چہرے کے تاثرات سے لگ رہا تھا کہ وہ ساری باتیں جو ابھی ابھی الیان نے کہیں سن چکے ہیں۔ الیان نے ان پر ایک نظر ڈال کر قدم آگے بڑھانے چاہے کہ وہ بول پڑے۔
"کچھ بھی ثابت کرنے کی کوشش میں ایسا کوئی قدم مت اٹھا لینا جس کا نقصان بریرہ کے ساتھ ساتھ ہم سب کو بھرنا پڑے۔" الیان کا کچھ بولنے کا ارادہ نہیں تھا البتہ شگفتہ غفار کہے بغیر نہ رہ سکیں۔
"وہ ایسا کوئی قدم نہیں اٹھائے گا وہ لڑکی تو اس کی نظر میں بڑی مظلوم اور معصوم ہے جو اپنے بھائی کی وجہ سے اس عذاب میں مبتلا ہے۔" شگفتہ بری طرح تپی ہوئی تھیں الیان کا سارا خون اس کے چہرے پر جمع ہو گیا تو ریاض غفار ماحول کو ٹھنڈا کرنے کے لیے رسانیت سے کہنے لگے۔
"یہ وقت آپس میں ایک دوسرے کو طعنے مارنے کا نہیں ہے ہمارا بیٹا بہت سمجھدار ہے وہ صرف وہ کر رہا ہے جس سے ماحول خوشگوار رہے اور بریرہ کی آئندہ زندگی میں کوئی ٹینشن نہ آئے۔
رہا سوال اس لڑکی کے بے قصور اور قصوروار ہونے کا تو سچائی چاہے جو بھی ہو تم بے فکر رہو شگفتہ۔ ہمارا بیٹا اتنی آسانی سے لوگوں کو معاف کر دینے والا نہیں ہے۔
جس نے آج تک اپنے دوست وجاہت کو معاف نہیں کیا حالانکہ اس نے تو ایسا کوئی بہت بڑا جرم بھی نہیں کیا تھا صرف اس کا نام استعمال کر کے ایک لڑکی سے دوستی کی تھی جس سے بعد میں شادی بھی کر لی اور وہ لڑکی بھی اس کے ساتھ خوش ہے لیکن ہمارا بیٹا خود کو دھوکا دینے والوں کے ساتھ آج کوئی ڈیل کرنے کے لیے تیار نہیں ہوا تو پھر وہ ایک ایسی لڑکی کو کیسے معاف کر دے گا جس کی وجہ سے اس کے سارے گھر نے اور خود اس نے اتنی تکلیف اٹھائی ہو۔" ریاض غفار بڑی تفصیل سے بولے۔
الیان انہیں دیکھتا رہ گیا اب تک وہ خود سب کو سمجھا رہے تھے کہ رومیلہ کے ساتھ رویہ بہتر رکھیں لیکن اب ان کی گفتگو میں ایک تنبیہ چھپی تھی جسے شگفتہ غفار نے تو محسوس نہیں کیا لیکن الیان کو بڑی شدت سے احساس ہوا تھا۔
اس نے دو لفظ اس کی حمایت میں کیا بول دیے سارے گھر والے اس خوف میں مبتلا ہو گئے کہ وہ رومیلہ کی طرف مائل ہو رہا ہے۔
ریاض غفار نے اس وقت اس کی ضدی طبیعت کی مثال نہیں دی تھی بلکہ انہوں نے اسے یاد دہانی کرائی تھی کہ اسے ان لوگوں سے سخت نفرت ہے جو کوئی بھی قدم یہ سوچ کر اٹھا لیتے ہیں کہ آگے چل کر سب ٹھیک ہو جائے گا اس معاملے میں جب الیان نے دوست کا لحاظ نہیں کیا تو دشمن کا تو بالکل نہیں کرنا چاہیے۔

☼ ☼ ☼

"خرم یہ زوبیہ کون ہے؟" فرقان حسن کے اچانک پوچھنے پر خرم نے بری طرح چونک کر انہیں دیکھا وہ اس کے برابر میں رکھے سنگل صوفے پر بیٹھتے ہوئے ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کر رہے تھے ان کا انداز بھلے ہی سرسری تھا مگر ان کا سوال سرسری نہیں تھا آفس سے آتے ہی ان کا یہ پوچھنا اور سب سے بڑھ کر زوبیہ کے نام اور وجود سے واقف ہونا کسی اہم بات کی نشاندہی کر رہا تھا۔
خرم لاؤنج میں بیٹھا دیوار پر لگے بڑے سے ہوم تھیٹر پر چینلز چینج کر رہا تھا ایک طرح سے وہ بالکل فارغ بیٹھا تھا جب سے یونیورسٹی میں اس کا اور زوبیہ کا اسکینڈل مشہور ہوا تھا اس کا دوستوں کے ساتھ بلاوجہ سیر سپاٹے کرنا بالکل بند ہو گیا تھا اس کی دو تین وجوہات تھیں۔
ایک طرف اسے اپنے کیے پر پچھتاوا تھا کہ اس نے کیوں محض نمل کو جلانے کے لیے ایک لڑکی کا نام خراب کیا دوسرے یہ کہ اس کی سمیر اور اس کے گروپ سے اتنی لڑائی ہوئی مگر اس کا کوئی دوست آگے نہیں بڑھا یہ دیکھ کر بھی اس کا دل ان سب سے بیزار ہو گیا تھا۔
زوبیہ کے ساتھ حمید کے فارم ہاؤس جانے کی وجہ سے وہ اگلے دن یونیورسٹی نہیں جا سکا تھا مگر اس کے اگلے دن جب وہ گیا تو اس کا ارادہ اپنے سارے دوستوں کو بالکل بھی لفٹ کرانے کا نہیں تھا لیکن اسے یہ جان کر بڑی حیرانی ہوئی نادر اور ہارون بجائے اس کے کہ اس سے شرمندہ ہوتے الٹا اس سے خفا لگ رہے تھے۔
اسے خوامخواہ کسی کے ناز اٹھانے کا کوئی شوق نہیں تھا اس نے توجہ نہیں دی تو نادر اور ہارون خود ہی اس کے قریب چلے آئے اور زوبیہ کو بے وقوف بنانے پر اسے لعن طعن کرنے لگے۔
اسے یہ تو اندازہ تھا کہ انہیں یہ حرکت پسند نہیں آئے گی لیکن انہیں اتنی بری لگے گی یہ امید بالکل نہیں تھی۔
وہ سمیر کے ساتھ مار پیٹ کے وقت بھی اسی لیے آگے نہیں بڑھے تھے کیونکہ انہیں خرم کی یہ حرکت بالکل اچھی نہیں لگی تھی جانے اس لڑکی کو کیا بیماری تھی جو وہ اس طرح بے ہوش ہو گئی تھی اور خرم ایسی بیمار لڑکی کو اپنے فائدے کے لیے استعمال کر رہا تھا۔
خرم نے ان کی بات بڑے تحمل سے سنی تھی اسے پتا تھا وہ دونوں ایسے ہی ہیں ایک تو پہلے ہی وہ دونوں مار پیٹ سے دور بھاگتے تھے اور اس وقت تو وہ خرم کے خلاف ہو گئے تھے پھر بھلا میدان میں کیا اترتے۔
چنانچہ خرم نے بھی اس بات کو طول دینے کی بجائے مختصراً "زوبیہ کی ذہنی بیماری کا ذکر کر دیا اور انہیں صاف بتا دیا وہ زوبیہ کو اب اس سارے کھیل سے بالکل الگ رکھے گا فیس بک پر جو کمنٹس اور تصویریں آئی تھیں وہ خرم کے لیے بھی برداشت سے باہر تھیں۔
ہارون اور نادر کو زوبیہ کی ذہنی بیماری کا پتا چلنے کے بعد خرم کی حرکت اور بھی ناگوار گزری تھی وہ تو خرم نے صرف حمید پر شک ہونے والی بات بتائی تھی تب وہ اسے مکمل پاگل کہنے لگے تھے اگر وہ یہ بتا دیتا کہ وہ زوبیہ کے ساتھ جا کر حمید کا فارم ہاؤس کھو آیا ہے تب وہ خرم کو بھی پاگل قرار دے دیتے۔
بہرحال انہوں نے خرم کو خوب سنائی تھی اور کیونکہ خرم شرمندہ تھا اس لیے اس نے زیادہ بحث بھی نہیں کی اور خاموش سنتا رہا۔
لیکن اسے یہ امید ہرگز نہیں تھی کہ یہ سب فرقان حسن تک پہنچ گیا ہو گا ان کے سوال پر اسی لیے وہ بے یقینی سے انہیں دیکھے گیا یہاں تک کہ انہیں اسے چونکاتے ہوئے پوچھنا پڑا تھا۔

"میں نے پوچھا ہے who is zobia؟"

"آپ کیوں پوچھ رہے ہیں۔" خرم نے ٹی وی بند کر کے پوری طرح سے ان کی جانب متوجہ ہوتے ہوئے پوچھا۔

فرقان حسن کچھ دیر اسے دیکھتے رہے پھر بڑی سنجیدگی سے کہنے لگے۔

"ڈی آئی جی صاحب کا فون آیا تھا جو انہوں نے بتایا ہے وہ میرے لیے ناقابل یقین ہے۔" خرم حیرانی سے انہیں دیکھنے لگا۔

"کیا کہا ڈی آئی جی صاحب نے۔"

"دو تین دن پہلے وہ لڑکی تمہارے ساتھ کہیں گئی تھی چار پانچ گھنٹوں کے لیے۔ اس سے ایک دن پہلے وہ تمہاری یونیورسٹی میں تھی جہاں وہ بے ہوش ہو گئی تھی اور تم اسے ہاسپٹل لے کر گئے تھے۔

خرم وہ لڑکی تمہاری کلاس فیلو ہے نہ تمہارے فرینڈز کی فرینڈ ہے وہ تمہیں کہاں مل گئی جو تم اسے لے کر نکل گئے وہ بھی یونیورسٹی آورز میں" فرقان حسن کے لہجے میں غصہ نہیں تھا بلکہ شدید حیرت تھی۔

"یہ سب آپ کے دوست کو کیسے پتا ہے۔" خرم نے انہیں جھٹلانے کی کوشش کیے بغیر سنجیدگی سے پوچھا۔

"بلال اختر نے بتایا ہے جب وہ تمہارے ساتھ گئی تھی تب وہ پولیس کو بلانے کا سوچ رہے تھے وہ تو ڈی آئی جی صاحب نے انہیں سمجھایا کہ خرم بہت اچھی فیملی کا لڑکا ہے آپ یہ سب کرنے سے پہلے ایک بار ان سے مل لیں۔"

فرقان حسن کی بات پر خرم گنگ رہ گیا۔

بلال اختر کا فون اس کے موبائل پر آیا تو تھا اس کے بعد بالکل خاموشی ہو گئی۔

زوبیہ نے بھی گھر پہنچنے کے بعد اسے میسج کر دیا تھا کہ۔

"سب ٹھیک ہے۔" لہٰذا وہ اسی وقت اپنے گھر آ گیا تو کیا بلال اختر نے ڈی آئی جی صاحب کو فون کیا تھا اور ان کے مشورے پر وہ بالکل چپ ہو کر بیٹھ گئے تھے اسی لیے زوبیہ سے بھی کوئی پوچھ تاچھ نہیں کی۔

فرقان حسن اسے سوچ میں ڈوبا دیکھ کر کہنے لگے۔

"میں تو بلال اختر کو جانتا بھی نہیں ہوں وہ تو ان کا گھر خریدا ہے اس لیے ان کا نام بھی پتا ہے ورنہ وہ لوگ کس قسم کے ہیں مجھے کوئی آئیڈیا نہیں ہے۔

مگر تم خود سوچو اگر ڈی آئی جی کی جگہ انہوں نے کسی اور کو فون کیا ہوتا یا ڈی آئی جی میرا دوست نہ ہوتا تو تمہارے خلاف تو ایف آئی آر کٹ چکی ہوتی۔

آخر تمہاری زوبیہ سے دوستی کیسے ہو گئی کہ تم اس کے ساتھ کہیں باہر بھی چلے گئے میں نے تو تمہیں بتایا تھا وہ لڑکی ذہنی طور پر ٹھیک نہیں۔ پھر یہ سب کیا ہے۔" فرقان حسن کے لہجے میں بیزاری کا عنصر نمایاں تھا جیسے انہیں اس بچپنے پہ تاؤ آ رہا ہو۔

"ڈیڈ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ ہم دونوں کوئی گھومنے نہیں گئے تھے اور نہ ہی میری اس سے کوئی دوستی ہے۔ میں بھی آپ کی طرح اس کی فیملی کو زیادہ نہیں جانتا اور نہ ہی جاننے کی ضرورت ہے بلال اختر نے کچھ زیادہ ہی جلد بازی کا مظاہرہ کیا ہے۔

یونیورسٹی میں فیسٹیول لگا تھا زوبیہ وہی دیکھنے آئی تھی That's it بلال اختر نے تو بلاوجہ بات کو غلط رنگ دے دیا ہے۔" خرم نے خفگی سے بتایا۔

فرقان حسن بغور اسے دیکھتے رہے جوان بیٹے پر وہ زیادہ غصہ نہیں دکھانا چاہتے تھے نہ ہی اس کا کوئی فائدہ تھا خرم نے کبھی ایسی کوئی حرکت نہیں کی تھی جو انہیں دوسروں کے سامنے شرمندہ کراتی لہٰذا انہیں کسی شدید رد عمل کا مظاہرہ کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔

وہ صرف خرم کو یہ احساس دلانا چاہتے تھے اس طرح کی حرکتوں میں مفت کی بدنامی گلے پڑ جاتی ہے اور کچھ نہیں ہوتا۔ جس بات کو وہ اتنا معمولی سمجھ رہا تھا اس پر اس کے خلاف پولیس کیس بن سکتا تھا۔ یہ سب جان کر اگلی بار وہ کوئی بھی قدم بغیر سوچے سمجھے نہیں اٹھائے گا۔

فرقان حسن کی نظروں میں موجود نصیحت کو خرم بخوبی پڑھ رہا تھا لیکن وہ اس موضوع پر زیادہ بات نہیں کرنا چاہ رہا تھا۔ تبھی انجان بنا بیٹھا رہا تو فرقان حسن بھی اپنی جگہ سے اٹھ گئے۔

"نمل کیسی ہے۔" ان کے اچانک سوال نے ایک بار پھر خرم کو چونکا دیا انہوں نے کبھی اس طرح نمل کے بارے میں نہیں پوچھا تھا اس وقت یہ سوال اس کی خیریت جاننے کے لیے نہیں پوچھا گیا تھا بلکہ یہ یاددہانی کرانی مقصود تھی کہ اس کی زندگی میں نمل موجود ہے لہٰذا کسی اور کی گنجائش نہیں ہے۔

خرم چڑ ہی تو گیا ان کے انداز پر دل تو چاہا صاف کہہ دے میں کوئی زوبیہ سے شادی نہیں کرنے والا ہوں جو آپ مجھے نمل کو یاد دلانا چاہ رہے ہیں۔

لیکن وہ ایسی کوئی بات نہیں کہنا چاہتا تھا جس سے فرقان حسن کو بھی غصہ آ جائے اور وہ زوبیہ کے ساتھ باہر کیوں جائے اور کہاں جائے جیسے سوالات اٹھانا شروع کر دیں تبھی مرے ہوئے انداز میں کہنے لگا۔

"ٹھیک ہے۔"

"اسے کبھی گھر لے آیا کرو۔"

"کیوں؟" فرقان حسن کی بات پر خرم نے تعجب سے انہیں دیکھا۔

"ایسے ہی بس۔ بہت دن سے اس سے ملاقات نہیں ہوئی۔"

"تو آپ اس کے گھر جا کر مل لیں میں یونیورسٹی سے اسے اپنے گھر لے آؤں کتنا عجیب لگے گا۔" خرم اعتراض کرتے ہوئے بولا۔ تو فرقان حسن بھی خاموشی سے اٹھ گئے۔

شکر تھا کہ انہوں نے زیادہ کریدا نہیں تھا ورنہ خرم کے پاس زوبیہ کے ساتھ کہیں باہر جانے کا کوئی جواز نہیں تھا نمل کو گھر لانے کی خواہش ظاہر کر کے شاید انہوں نے یہ جتایا تھا کہ نمل کے ساتھ تو وہ کہیں گھومنے پھرنے نہیں جاتا۔

اگر وہ کھل کر پوچھتے تو وہ صاف کہہ دیتا کہ نمل کو ایسے چونچلے پسند نہیں لیکن انہوں نے موقع ہی نہیں دیا۔

ویسے تو وہ جھوٹ بھی بول سکتا تھا کہ وہ اور نمل اکثر باہر چلے جاتے ہیں لیکن ایک غلطی وہ دوبار کیسے کر سکتا تھا زوبیہ کے بارے میں غلط تاثر دینے کے بعد وہ نمل کا امیج کیوں خراب کرتا جبکہ اسے اچھی طرح علم تھا کہ نمل بالکل بھی ایسی نہیں ہے۔

آج کل تو اس کی نمل کے ساتھ بات بھی نہیں ہوتی تھی نمل خود تو کبھی مخاطب کرتی نہیں تھی اور جب سے زوبیہ والا حادثہ ہوا تھا خرم نے بھی نمل کو چڑانا اور زچ کرنا چھوڑ دیا کتنی بار ایسا ہوا تھا کہ نمل سے سامنا ہونے پر خرم اس کی جانب دیکھے بغیر آگے بڑھ گیا تھا۔

مگر اسے یہ نہیں پتا تھا کہ اس کی یہ حرکت نمل کے لیے کس قدر حیران کن تھی پہلی بار ایسا ہونے پر نمل سمجھی تھی کہ اس نے نمل کو دیکھا ہی نہیں لیکن دو تین بار جب خرم نے ایسا ہی کیا تو نمل شاکڈ رہ گئی۔

پوری یونیورسٹی اس کے اور زوبیہ کے متعلق بات کر رہی تھی ایسے میں خرم کا یہ انداز نمل تک کو سوچنے پر مجبور کر گیا تھا آخر خرم کا ارادہ کیا ہے وہ کیا سوچے بیٹھا ہے یہ خاموشی اس کی چال ہے یا یہ کسی طوفان کا پیش خیمہ ہے۔ نمل سمجھنے سے قاصر تھی۔

(باقی ان شاء اللہ آئندہ ماہ)

مکمل ناول

دھڑام سے دروازہ کھول کے وہ اندر داخل ہوا تھا۔ وہ ڈریسنگ ٹیبل کے آگے بیٹھی نیل پالش لگا رہی تھی۔ ایک سرسری سی نگاہ اس نے آنے والے پر ڈالی تھی اور پھر لاپرواہی سے نیل پالش لگانے میں مصروف ہو گئی۔

"یہ میں کیا سن رہا ہوں؟" اس نے اپنے غصے پر قابو پاتے ہوئے وہیں دروازے میں کھڑے کھڑے ہی پوچھا۔

"کیا سن رہے ہیں؟" انداز حد درجے لاپروا تھا۔

"تم نے اس رشتے سے انکار کر دیا ہے؟" اس کا انداز اسے مزید تاؤ دلا گیا تھا۔

"ہوں۔۔۔ ٹھیک سنا ہے آپ نے۔" نیل پالش لگانے کے بعد اس نے ہاتھوں کو آنکھوں کے سامنے کر کے غور سے دیکھا۔

"مگر کیوں۔۔۔؟"

"بس یونہی۔" بغیر تامل کے اسی لاپرواہی سے جواب دیا گیا۔

"مطلب کیا ہے تمہارا بس یونہی؟" وہ اس کے برابر آ کر کھڑا ہو گیا تھا۔

"یونہی مطلب یونہی۔ میرا کوئی ارادہ نہیں ہے آپ کی فیملی میں شادی کا۔" اس نے انگلیوں کی پوروں سے پھونک مار کر نیل پالش سکھائی اور پھر غور سے ناخنوں کو دیکھنے لگی۔

"واٹ ڈو یو مین میری فیملی۔" اس کی لاپرواہی اسے تاؤ پر تاؤ دلا رہی تھی۔

"جیسی فیملی آپ کی ہے آپ بہتر جانتے ہیں۔"

"جسٹ شٹ اپ" غصے سے اس کی رگیں تن گئی تھیں۔ اس نے کبھی اسے یوں خود پر چلاتے نہیں دیکھا تھا بلکہ اس نے تو آج تک اسے اس قدر غصے میں بھی نہیں دیکھا تھا۔

"ریلیکس آپ کیوں اتنا اوور ری ایکٹ کر رہے ہیں۔" وہ اپنے آپ پر قابو پا کر نارمل انداز سے کھڑی ہوئی اور کھڑکی کے پردے ہٹاتے ہوئے بولی۔

"کتنا فٹ موسم ہے۔"

"میں یہاں موسم کی اپ ڈیٹ لینے نہیں آیا۔"

"تو آپ کیا کرنے آئے ہیں پھر۔ اس پرپوزل کے بارے میں پوچھنے آئے ہیں تو میں آپ کے سامنے بھی دہرا دیتی ہوں کہ میرا انکار ہے۔" اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر وہ بے خوفی سے بولی تھی۔

"میں وجہ جاننا چاہتا ہوں۔" ایک ایک لفظ چبا کر ادا کیا گیا تھا۔

"وجہ کوئی بھی ہو اس سے فرق نہیں پڑتا۔" اس نے رخ پھیرا تھا اور اس نے اس کا بازو مضبوطی سے پکڑتے ہوئے اس کا رخ اپنی جانب کیا تھا۔

"مجھے وجہ بتاؤ۔" اس نے دانت پیسے۔ اپنا بازو اس کی گرفت سے چھڑانے کی کوشش میں وہ ناکام ہوئی تو اس کی آنکھوں میں دیکھ کر بولی۔

"آپ مجھے چھوڑیں پلیز۔" اس کی گرفت اور مضبوط ہو گئی تو ایک ہلکی سی سسکی۔۔۔ اس کے لبوں سے نکلی تھی۔

"تم مجھے وجہ بتاؤ پہلے۔" وہ اسے کسی قیمت پر چھوڑنے پر آمادہ نہ تھا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے تھے۔ اس نے وجہ بتادی تھی اور وہ جیسے پتھر کا بن گیا تھا۔ کتنی دیر وہ بے یقینی سے اسے دیکھتا رہا تھا۔ یکدم اس کے بازو پر سے گرفت ڈھیلی پڑی اور پھر چھوڑ دیا تھا۔ وہ پیچھے ہٹا دو تین چار قدم پیچھے اور پھر کچھ بھی کہے بغیر تیزی سے باہر نکل گیا تھا۔

اس نے اسے روکنے کی کوشش بھی نہیں کی تھی۔ خاموشی سے وہیں بیڈ کے کنارے ٹک گئی تھی اور آنکھوں میں آئی نمی کو پونچھ ڈالا۔

☆ ☆ ☆

وہ کارپٹ پر گھٹنوں کے بل اونچی ہو کر بیٹھی ہوئی تھی۔ بی بی جان اوپر صوفے پر بیٹھی اس کے بالوں میں ریٹھے کا تیل لگا رہی تھیں۔

"آرام سے بیٹھو نا۔ ہر دو منٹ بعد تم ہلتی ہو پھر کہتی ہو کہ بالوں میں کھینچ پڑ رہی ہے۔" بی بی نے جھنجلا کر ہاتھ روک لیے۔

"او ہو بی بی جان بس بھی کردیں نا۔ میں تنگ آگئی ہوں پچھلے پندرہ منٹ سے آپ اس بدبودار تیل سے میرے بالوں کا بیڑا غرق کررہی ہیں۔" اس کا لہجہ اکتاہٹ لیے ہوئے تھا۔

"اگر میں ہر دو دن بعد تمہارے سر پر مساج نہ کروں تو تمہارے سر پر چڑیا کا گھونسلا بن چکا ہوتا۔" ان کے ہاتھ اب پھر سے زور و شور سے چل رہے تھے۔

"بس نا بی بی جان۔ پلیز بس کردیں نا۔" وہ منت کرتے ہوئے بولی۔

"اچھا چلو بس۔ لاؤ اب تمہارے بال باندھ دوں۔" انہوں نے ہاتھ روک لیے تھے۔

"شکریہ۔" وہ مسکرا کر بولی۔

"اب میری دو چوٹیاں بنادیں۔" اس نے ربڑ بینڈ انہیں تھماتے ہوئے کہا۔

"دو چوٹیاں میں بناتا ہوں وہ بھی صحیح سے کس کے۔" وہ یکدم پیچھے مڑی تھی۔ جہاں وہ لاؤنج میں کھڑا ڈائننگ ٹیبل پہ پڑی فروٹ باسکٹ سے انگور اٹھا کر منہ میں ڈال رہا تھا۔

"بی بی جان اب آپ کی چھٹی ہے۔ شمی میری کنگھی کردیں گے اور چوٹیاں بنا کر مجھے گڈ گرل بنادیں گے۔" اس نے کنگھی اور ربڑ بینڈ بی بی جان کے ہاتھ سے لے لیے تھے۔

"لائیں جی لائیں اب میں باقی کام سنبھالتا ہوں۔" وہ صوفے پر بی بی جان کے برابر بیٹھ گیا تھا۔

"السلام علیکم بی بی جان۔" اس نے سر جھکا کر آگے کیا تھا۔ بی بی جان نے سلام کا جواب دے کر اس کے سر پر ہاتھ پھیرا تھا۔ اس نے کنگھی ان کے ہاتھ سے لے کر نرم ہاتھوں سے کرنی شروع کی۔

"تم لوگ بیٹھو میں کچن میں ذرا کڑاہی دیکھ لوں۔ تمہارے آہو جان آگئے تو غصہ ہوں گے کہ اب تک کھانا کیوں نہیں بنا۔" وہ کچن کی طرف جاتے ہوئے بولیں۔

"نہیں اور آنا کیا ہے؟" اس نے اپنے تئیں آواز آہستہ رکھی تھی مگر اس نے سن لیا تھا۔

"بری بات لڑکی۔" اس کو ٹوکتے ہوئے وہ اس کی چوٹیاں بنانے لگا۔

"میرا پرسوں رزلٹ آرہا ہے آپ کو اپنا وعدہ یاد ہے نا۔" اس نے فورا" اس کی توجہ مبذول کرائی تھی مبادا اس کا لیکچر اسٹارٹ نہ ہوجائے۔

"جی محترمہ یاد ہے۔" وہ بڑی مہارت سے اس کی چوٹیاں بنا رہا تھا۔

"آگے کا پھر کیا ارادہ ہے؟" اس کی دونوں چوٹیوں پر ربڑ بینڈ باندھ کر وہ سیدھا ہو کر صوفے سے ٹیک لگا کر بیٹھا تھا۔

"مجھے آپ کی طرح میڈیکل میں ہی جانا ہے۔ اتنی محنت میں نے اور کس لیے کی ہے۔" اس نے برا سا منہ بنایا تھا۔

"ہوں۔۔۔" پرسوچ نگاہوں سے دیکھتے ہوئے بولا۔

"چلو میں نکلوں۔ آہو جان کے آنے کا وقت ہوگیا ہے۔" وہ یکدم کھڑا ہوگیا۔ وہ جانتی تھی کہ آہو جان

سے وہ کتنی خار کھاتا تھا اس لیے اسے نہیں روکا۔

☆ ☆ ☆

آج بارہ بجے اس کا رزلٹ اناؤنس ہونا تھا۔ اسے اپنے فرسٹ ایئر کے مارکس کی بنا پر پورا یقین تھا کہ وہ اچھے نمبر ضرور لے لے گی کہ اس کا میڈیکل میں ایڈمیشن ہوجائے گا۔ وہ اسی میڈیکل کالج میں جانا چاہتی تھی جہاں سے شمیر میڈیکل کررہا تھا۔ بچپن سے وہ اسی اسکول میں پڑھتی رہی تھی جہاں وہ پڑھتا تھا۔ اسکول میں جیسے وہ اس کی ڈھال تھا۔ اسے ہر مشکل پریشانی سے بچانے والا اس کی دوستیاں کرانے والا، بریک ٹائم میں اس کو لنچ کھلانے والا۔ اسے اپنا خیال نہیں رکھنا آتا تھا۔ اسے دوستی کرنا نہیں آتی تھی وہ اس کا واحد دوست تھا۔

جب سیون اسٹینڈرڈ میں آہو جان نے اسے کوایجوکیشن سے گرلز اسکول میں کرایا تھا تو وہ اپنے واحد دوست کے چھوٹ جانے پر بہت روئی تھی۔ تب زندگی میں پہلی بار اسے آہو جان سے نفرت محسوس ہوئی تھی جنہوں نے اسے شمیر سے دور کردیا تھا۔

بارہ بجتے ہی لائٹ چلی گئی۔

"یاخدا آج تو واپڈا والے رحم کرتے۔" ہزار باتیں سنانے اور کوستے رہنے کے بعد اسے لیپ ٹاپ کا خیال آیا تھا جو خراب پڑا تھا۔

"یہ بھی خراب پڑا ہے۔" اس نے منہ بناتے ہوئے لیپ ٹاپ سائیڈ پر رکھ دیا۔ اتنے میں اس کے موبائل پر کال آنے لگی۔ اسکرین پر شمی کالنگ آرہا تھا اس کے کال اٹینڈ کرتے ہی وہ بول پڑا۔

"کانگریچولیشن ماشاء اللہ بھئی بہت اچھے مارکس آئے ہیں جناب کے۔"

"سچ۔" وہ خوشی سے چلائی۔

"سچ میں مجھے یقین نہیں آرہا۔ اب مجھے ایڈمیشن مل جائے گا نا آپ کے میڈیکل کالج میں؟" وہ بے حد خوش اور پرجوش تھی۔

"وائے ناٹ۔ بلکہ بہت سے اچھے میڈیکل کالجز میں مل جائے گا۔"

"کہیں اور نہیں۔ آپ والے میں مل جائے گا یا نہیں؟"

"ہاں بابا مل جائے گا۔" وہ بھرپور انداز میں مسکرایا تھا۔ کال ڈسکنکٹ ہوتے ہی وہ جلدی سے سیڑھیاں پھلانگتی نیچے بھاگی۔

"بی بی جان۔ بی بی جان۔" وہ سیڑھیوں پر سے ہی چلا رہی تھی۔ بی بی جان کچن سے نکلی تھیں۔

"خدا خیر کرے کیا ہوا ہے؟" بی بی جان کے گلے لگتے ہوئے اس نے اپنے مارکس بتائے تھے۔

"بہت مبارک میرے بچے کو۔" انہوں نے اس کی پیشانی چومی۔

"جاؤ جلدی سے جاکر اپنے آہو جان کو بھی بتا آؤ۔ وہ اپنے کمرے میں ہی ہیں۔" ایک دم اس کے چہرے کا رنگ پھیکا پڑ گیا تھا۔

"بی بی جان آپ خود بتادیں نا۔" اس کا ذرا دل نہیں تھا کہ وہ آہو جان کا سامنا کرے۔ وہ حتی المقدور ان کے

سامنے جانے سے اجتناب کرتی تھی۔
"نہیں تم خود بتاؤ گی تو انہیں زیادہ اچھا لگے گا۔" انہوں نے نرمی سے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔
"یونو بی بی جان۔ انہیں زیادہ کیا انہیں تو اچھا ہی نہیں لگے گا۔" نہ چاہتے ہوئے بھی اس کی زبان سے پھسل گیا تھا۔
بی بی جان نے چونک کر اسے دیکھا تھا۔
"بری بات ہے ایسے نہیں کہتے وہ تمہارے باپ ہیں۔" انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اسے سمجھایا تھا۔
اثبات میں سر ہلا کے وہ بی بی جان کی خاطر مرے مرے قدموں سے ان کے کمرے کی طرف چل دی تھی۔ وہ جانتی تھی آہو جان کے سرد لہجے اور بے تاثر چہرے کو جہاں پہ اسے خوشی نام کی کوئی چیز نظر آنے کا امکان نہ تھا۔ دروازے کے قریب پہنچ کر اس نے مڑ کے پھر سے بی بی جان کو دیکھا اور ناب گھما دیا تھا۔ دروازہ بغیر کسی آواز کے کھلتا چلا گیا۔ کمرے کا ماحول عجیب پر سراریت لیے ہوئے تھا۔ محض ایک ٹیبل لیمپ کی روشنی اور اے سی کی خنکی پورے کمرے میں پھیلی ہوئی تھی اس کا دل چاہا وہ وہیں سے پلٹ جائے۔ وہ پلٹی ہی تھی کہ اسے ایک دم جھٹکا لگا۔ "ام البنین" گویا وہ اس کی جانب پشت ہونے کے باوجود کمرے میں اس کی موجودگی محسوس کر چکے تھے۔
"اب تم بڑی ہو گئی ہو۔ کیا اب بھی تمہیں بتانے کی ضرورت ہے کہ دروازہ ناک کر کے آتے ہیں۔" اس پر جیسے گھڑوں پانی پڑ گیا تھا۔ ایک دم حلق خشک ہو گیا تھا۔
"تمہیں کوئی کام تھا؟" وہ ہنوز اس کی طرف پشت کیے راکنگ چیئر پر بیٹھے رہے۔
"جی میں کچھ بتانے آئی تھی۔" اس نے بڑی مشکل سے تھوک نگلا تھا۔
"کیا بتانے آئی ہو؟" وہی سپاٹ لہجہ تھا۔
"آئی ہیو سیکیور 946 مارکس۔" یہ بتاتے ہوئے اس میں عجیب سی توانائی آ گئی تھی۔ اسے لگا تھا کہ آہو جان بے حد خوش ہوں گے۔ نجانے کیوں اسے ایک موہوم سی امید تھی۔
"ہوں۔۔۔ گڈ۔ اب کیا کرنا ہے آگے؟" ایک رسمی سے انداز میں اسے داد دے کر وہ اٹھ کھڑے ہوئے تھے اور سامنے پڑے صوفے پر آ کر بیٹھ گئے۔ وہ اسی طرح کھڑی رہی ۔۔۔ انہوں نے اسے بیٹھنے کو کہا تھا اور نہ وہ خود بیٹھی تھی۔
"میڈیکل میں۔" یکدم اس کا دل چاہا کہ وہ وہاں سے بھاگ جائے۔ وہ جو بتانے آئی تھی بتا چکی تھی پھر مزید کھڑے رہ کر ان کے سوالوں کا جواب کیوں دیتی۔
"میڈیکل میں کیا رکھا ہے؟ میرے خیال میں تمہیں آگے بی اے کرنا چاہیے۔ میں چاہتا ہوں کہ تم بزنس سائیڈ پر آؤ۔" بہت گہری نظروں سے وہ اس کا جائزہ لے رہے تھے۔
"مگر میں میڈیکل میں انٹرسٹڈ ہوں۔" اپنے غصے پر قابو پاتے اس نے بہت آہستگی سے جواب دیا۔
"لیکن میں چاہتا ہوں کہ تم بزنس سائیڈ پر آؤ۔ جس بزنس کو میں پچھلے تیس سال سے چلا رہا ہوں میرے بعد تمہیں ہی تو سنبھالنا ہے۔" انہیں کوئی دلچسپی نہیں تھی کہ وہ کیا سوچتی ہے اور کیا کرنا چاہتی ہے۔ ان کے لیے یہ اہم تھا وہ اسے کیا کروانا چاہتے ہیں۔ غصے کی شدت سے اس کا گلا رندھ گیا۔
"بٹ آئی وانٹ ٹو بی اے ڈاکٹر۔" آنسوؤں کا ایک نیا گولا اس کے حلق میں اترا تھا۔
"واٹ ربش۔ تمہیں یقیناً" یہ پٹی اس احمق لڑکے نے پڑھائی ہو گی۔" اب کی بار ان کا لہجہ پہلے سے کرخت اور آواز اونچی تھی وہ سہم گئی تھی۔
بی بی جان اسی لمحے اندر آئی تھیں۔
"نہیں یہ میری اپنی خواہش ہے۔ میرا خواب ہے۔" وہ رو دینے کو تھی۔
"یور اسٹوپڈ وش۔" انہوں نے غصے اور تاسف سے سر ہلایا تھا۔ بی بی جان ایک دم آگے بڑھی تھیں۔
"تم جاؤ ام البنین۔" انہوں نے اس کا بازو تھام کے اسے جانے کا اشارہ کیا تھا۔ وہ غصے سے باہر جاتے

دروازہ زور کا مار کے گئی تھی۔
"دیکھ لیا تم نے یہ کس قدر بدتمیز ہو گئی ہے تمہارے ان بھتیجے بھتیجیوں کے ساتھ رہ کر۔ یہ ہے تمہاری تربیت؟" اب وہ غصے سے بی بی جان پر چلا رہے تھے۔ وہ اس وقت ان کی آواز نہیں سننا چاہتی تھی۔ جلدی سے اپنے کمرے میں آ گئی تھی۔ بیڈ پر بیٹھ کر وہ تکیے میں منہ چھپا کر کتنی دیر روتی رہی تھی۔

☼ ☼ ☼
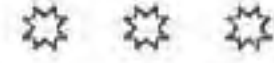
صحن کے پچھلے کچے حصے میں چنبیلی اور گلاب کے پھولوں کی ملی جلی خوشبو رچ بس گئی تھی۔ بہار کا موسم تھا اور وہاں کیاریوں میں دائیں جانب رنگا رنگ پھول کھلے ہوئے تھے اور بائیں جانب تازہ دھنیا، پودینہ اور توری لگی تھی جس کی بیلیں زمین پر دور تک پھیلی ہوئی تھیں۔ حویلی کا یہ حصہ اس کی پسندیدہ جگہ تھا اور اس کی واحد مصروفیت۔ دیوان پر بیٹھے وہ زلیخا کو سامنے کیاریوں سے تازہ دھنیا اور پودینہ توڑ کر ٹوکری میں بھرتے دیکھ رہی تھی۔ اس کا جی چاہا کہ وہ بھی کیاریوں کی گوڈی کرے۔ وہ جب بھی حویلی آتی تھی اپنا زیادہ تر وقت اس حصے میں بتاتی تھی۔
"اس بار بڑے دنوں کے بعد چکر لگایا ہے تو نے؟" اماں سائیں بھی وہیں چلی آئی تھیں۔ اس نے انہیں گاؤ تکیے سے ٹیک لگا کر بٹھا دیا۔ ان کی طبیعت کچھ دن سے ناساز تھی تبھی وہ ان سے ملنے آئی تھی۔
"جی اماں سائیں بس مصروفیت اتنی ہوتی ہے کہ وقت ہی نہیں ملتا۔"
"اتنی وی کے مصروفیت کہ تو ماں نوں بھل گئی ایں؟"
(اتنی بھی کیا مصروفیت کہ تو ماں کو بھول گئی ہے؟)
"نہیں اماں سائیں آپ کا سایہ تو خدا ہمارے سروں پر سلامت رکھے۔ ایسا کچھ نہیں ہے بس شاہ کبھی کبھار اتنی عجلت میں آتے ہیں کہ مجھے لا نہیں پاتے۔" اس کی توجیہ پر وہ خاموش ہو گئی تھیں۔
"تو خوش تو ہے نا؟" کچھ دیر اسے غور سے دیکھنے

کے بعد انہوں نے سوال کیا تھا۔ وہ چونکی تھی۔
"جی اماں سائیں۔"
"خدا تجھے خوش رکھے۔ عابد شاہ بہت اچھا فرماں بردار اور سلجھا ہوا ہے۔ کبھی مجھے لگتا تھا کہ اتنی چھوٹی سی عمر میں تجھے بیاہ رہی ہوں اور وہ بھی تجھ سے چودہ سال بڑے مرد سے۔ مگر آج تجھے خوش دیکھ کر دل مطمئن ہوتا ہے کہ وہ فیصلہ غلط نہیں تھا۔" وہ جانتی تھی کہ اماں سائیں کون سی بات کرنے کے لیے تمہید باندھ رہی ہیں۔
"بتول بانو۔ تیری شادی کو چھ سال ہو گئے ہیں نا مگر بس ایک ہی کمی ہے اور تو سب ٹھیک ہے۔" انہوں نے بالآخر وہ بات چھیڑ ہی دی تھی۔
"تیرے سے دو سال پہلے ملک زوار اور ملک خاور کی شادیاں ہوئی تھیں، آج دیکھ کیسے ان کے بچے رونق لگائے ہوئے ہیں۔" انہوں نے ٹھنڈی آہ بھر کے بٹی کو دیکھا جو خاموش بیٹھی لب کاٹ رہی تھی۔
"کیا کہتے ہیں ڈاکٹر؟" گاؤ تکیے سے سہارا لیتے وہ اٹھ کر بیٹھ گئی تھیں۔
"اماں سائیں وہ ڈاکٹر ہیں خدا نہیں۔ جو اللہ سائیں کی مرضی۔" ان سے نظریں ملائے بغیر وہ سامنے کیاریوں میں لگے پھولوں کو دیکھنے لگی۔
"بہت فرماں بردار ہے عابد شاہ کہ اب تک دوسری شادی نہیں کی ورنہ مرد تو دو سالوں میں ہی سوتن لا کے بٹھا دیتے ہیں اور ایک عابد شاہ ہے کبھی اولاد نہ ہونے کا شکوہ نہیں کیا۔" اماں سائیں کے لہجے میں بھتیجے کے لیے پیار ہی پیار تھا۔ وہ خاموش بیٹھی اپنے شوہر کے قصیدے سن رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

سیل فون اٹھا کر نمبر ملانے پر دوسری طرف بیل تو جا رہی تھی مگر کال پک نہیں ہو رہی تھی۔ اس نے چوتھی بار جوں ہی نمبر ملایا پہلی بیل پر ہی پک کر لیا گیا تھا۔
"لڑکی تم میں صبر نام کی کوئی چیز ہے کہ نہیں بندے کو سکون سے نہانے بھی نہ دیا کرو۔" اس نے مصنوعی خفگی سے کہا تھا جواباً وہ رونے لگی تھی۔
"ارے کیا ہوا؟ میں تو مذاق کر رہا تھا قسم سے۔" وہ ایکدم سے ٹینشن میں آ گیا۔
"آپ ابھی مجھے لینے آ جائیں میں باہر لان میں آپ کا ویٹ کر رہی ہوں۔" آنسو صاف کرتے ہوئے اس نے اپنے آپ پر کافی حد تک قابو پا لیا تھا۔
"مگر ہوا کیا ہے؟" اس کی پریشانی ختم نہیں ہوئی تھی۔
"بس آپ آ جائیں نا۔ میں کہہ رہی ہوں نا کہ آ جائیں۔" وہ بضد تھی۔
"اوکے جسٹ کمنگ۔" وہ کیوں رو رہی تھی، اسے کیا ہوا تھا وہ اندازہ لگا سکتا تھا کہ آہو جان کی پھر کسی بات کو لے کر گھر میں ٹینشن کریٹ (Create) کی ہو گی۔ کال ڈسکنکٹ کر کے اس نے جلدی سے گاڑی نکالی اور اس کے گھر کی طرف موڑ لی جو دو سڑکیں عبور کرتے ہی آ گیا تھا۔ گاڑی کا ہارن دیتے ہی وہ اسے گیٹ سے باہر آتی دکھائی دی۔۔۔ بلیک ٹاپ اور بلو جینز میں ملبوس بالوں کی ڈھیلی سی چوٹی بنائے وہ بہت عام سے حلیے میں تھی۔ فرنٹ سیٹ پر بیٹھتے ہی وہ اس کی سرخ ہوئی ناک اور آنکھیں دیکھ چکا تھا۔ مطلب وہ بہت دیر سے رونے کا شغل فرما رہی تھی۔
"اب جلدی چلیں اس سے پہلے کہ آہو جان ہمیں دیکھ لیں۔" اپنی آنکھوں کو ٹشو سے رگڑتے ہوئے اس نے کہا تھا۔
"کیا مطلب تم بتا کر نہیں آئی ہو؟" وہ پورے کا پورا اس کی طرف گھوم گیا تھا۔
"نہیں۔" اس نے غصے سے اپنا موبائل سامنے ڈیش بورڈ پر پھینکا تھا۔
"میں نے ضرورت نہیں سمجھی اور اب آپ کو بھی ضرورت نہیں ہے انہیں بتانے کی۔" اس کا اپنے موبائل کی طرف بڑھتا ہاتھ دیکھ کر اس نے غصے سے کہا تو وہ اسے گھورنے لگا۔
"کوئی حال نہیں ہے تمہارا لڑکی۔" تاسف سے سر ہلاتے اس نے گاڑی اسٹارٹ کر دی۔ اس کا رخ اپنے گھر کی جانب نہیں تھا۔
"ہم کہاں جا رہے ہیں؟"
"ہم کسی جگہ سے آئس کریم کھانے جا رہے ہیں جس سے آپ کا غصہ پگھل سکے۔" اس نے گاڑی چلاتے ہوئے اسے سرسری سے انداز میں دیکھ کر کہا تھا۔ باقی راستہ وہ خاموش رہی تھی۔ گاڑی اسکیم تھری کی مارکیٹ میں بنے آئس پارلر کے سامنے روک کر اس نے بغیر اس سے پوچھے ویٹر کو دو چاکلیٹ اسکوپ ود کرنچ کا آرڈر دیا تھا۔
"اب شروع کریں۔" اس کی طرف رخ موڑ کر سینے پر ہاتھ باندھے وہ گاڑی کی سیٹ سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔
"کیا شروع کریں؟" اس نے اچنبھے سے پوچھا تھا۔
"کیا مطلب کیا؟ جو آدھے گھنٹے پہلے آپ زور و شور سے رونے کا شغل فرما رہی تھیں، میں وہ جاننا چاہتا ہوں۔"
"کچھ نہیں۔ آہو میرے رزلٹ سے خوش نہیں ہیں اور وہ مجھے میڈیکل بھی نہیں رکھنے دیں گے۔" گلوگیر لہجے میں کہتے اس نے وہاں کھڑی گاڑیوں کی قطار کو دیکھا تھا۔
"یہ تمہیں کس نے کہا ہے؟" وہ اطمینان سے بیٹھا پوچھ رہا تھا۔
"کہنے کی کیا ضرورت ہے۔ آئی نو وہ نہیں ہیں خوش۔" جلدی جلدی پلکیں جھپک کر اس نے آنسوؤں کو بہنے سے روکا تھا۔
"وہ تمہارے فادر ہیں ایسا کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ خوش نہ ہوں۔" اس کا ہاتھ نرمی سے تھامتے ہوئے وہ آگے کو ہو کر بیٹھ گیا تھا۔
"آج کے دن تو وہ یوں میری انسلٹ نہ کرتے ایک بار ہی سہی خوشی سے مجھے گلے لگا لیتے۔ مگر انہیں تو میری ہر خوشی برباد کر کے مزا آتا ہے۔" ترشی سے کہتے اس نے اپنا ہاتھ چھڑایا تھا۔
ویٹر نے انہیں آئس کریم سرو کی اور چلا گیا۔ وہ بددلی سے آئس کریم کھانے لگی۔ وہ خاموشی سے اسے دیکھے جا رہا تھا۔ پھر اس نے ڈیش بورڈ کے کمپارٹمنٹ سے ایک چھوٹا سا گولڈن باکس نکالا تھا اور اس کی جانب بڑھا دیا۔ وہ استفہامیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔
"یہ تمہارے لیے میں نے بہت پہلے لے کر رکھا تھا کہ آج کے دن تمہیں دوں گا۔" اس نے باکس تھام لیا تھا۔
"اسے کھولو اور بتاؤ کیسا لگا۔" وہ پھر سے اپنی آئس کریم کھانے لگا تھا۔ اس نے باکس کھولا تھا اندر ایک نازک سا کرسٹل کا لاکٹ تھا جس پر گولڈن رنگ سے B لکھا ہوا تھا۔ اس کی شہد رنگ آنکھوں میں یکدم چمک جاگی اور ہونٹ خود بخود مسکا اٹھے تھے۔ مسکراتے ہوئے اس کی ٹھوڑی پہ پڑنے والا ڈمپل اس کی معصومیت میں اضافہ کر دیتا تھا۔
"اٹس بیوٹی فل۔" اس نے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا تھا جو بڑی دلجمعی کے ساتھ آئس کریم کھانے میں محو تھا۔
"مائی پلیژر" وہ کھانے کے دوران ہی اس کی طرف دیکھ کر ہولے سے مسکرایا تھا۔
ایک دم سامنے ڈیش بورڈ پر پڑا اس کا سیل بج اٹھا تھا۔ کال گھر سے آ رہی تھی۔
"وہ تو اب؟" اس نے شمیر کی طرف دیکھا تھا۔ شمیر نے اس کا موبائل فون اس کے ہاتھوں سے لے کر اٹینڈ کیا۔
"جی بی بی جان السلام علیکم۔" اس نے چھوٹتے ہی کہا۔
"جی جی وہ میرے ساتھ ہی ہے اس وقت۔" دوسری طرف کیا پوچھا جا رہا تھا وہ جانتی تھی۔ وہ لب کاٹتے اسے دیکھ رہی تھی۔
"اچھا وہ بتا کر نہیں آئی؟" اس نے مصنوعی حیرت سے پوچھا تھا۔
"چلیں ہم آ رہے ہیں۔ بس وہ میں ہی اسے زبردستی لے آیا تھا آئس کریم کھلانے۔" اس کی غلطی

کا سارا الزام اپنے سر لیتے ہوئے وہ اسے متوقع ڈانٹ سے بچا چکا تھا۔ اس نے خدا حافظ کہہ کر موبائل اس کی طرف بڑھا دیا تھا۔

"تم مجھے کسی روز آہو جان کے ہاتھوں مروا دو گی لڑکی۔" اسے گھورتے ہوئے اس نے گاڑی اسٹارٹ کر دی تھی۔

☼ ☼ ☼

ڈریسنگ ٹیبل کے آگے کھڑے اس نے اپنا ناقدانہ جائزہ لیا تھا۔ وہ بلیو جینز اور آف وائٹ ٹاپ میں اونچی سی پونی ٹیل بنائے ہر قسم کے میک اپ سے بے نیاز بہت معصوم اور پیاری لگ رہی تھی۔

"فائن ناٹ بیڈ۔" ہونٹ سکوڑتے ہوئے اس نے خود کلامی کی۔ بیڈ پر رکھا آف وائٹ اور بلیو کنٹراسٹ کا اسٹول اس نے گردن کے گرد لپیٹ لیا اور جلدی سے اپنا کمرہ بند کر کے وہ سیڑھیاں پھلانگتی نیچے آ گئی۔ مین ہال سے ہی اسے باتوں کی آوازیں آ رہی تھیں جس کا مطلب تھا کہ بڑے ماموں بمعہ فیملی آ چکے تھے۔

"السلام علیکم۔" اس نے ہال کے داخلی دروازے سے اندر جاتے ہی پرجوش انداز میں سب کو سلام کیا تھا۔ وہ سامنے صوفے پر بیٹھی اپنی بڑی ممانی کے گلے میں بانہیں ڈال کر ان سے چپک کر بیٹھ گئی تھی۔

"بہت مبارک ہو میری چندا۔" انہوں نے اس کا ماتھا اور منہ چوما تھا۔

"مالے میرا گفٹ۔" کسی بھی قسم کے تھینکس جیسے کلمات کہے بغیر اس کا پہلا مطالبہ گفٹ تھا۔

"گفٹ یہ ہے ماموں کے پاس۔" وہ اٹھ کر بڑے ماموں اور ممانی کے درمیان آ کے بیٹھ گئی تھی۔ بڑے ماموں نے پیار سے اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر اسے ڈھیر سارے شاپرز تھمائے تھے۔

"بس سارا پیار ماموں ممانی سے اور ہمیں تو پوچھا تک نہیں بھئی۔" وہ نیچے کاؤچ پر ہی براجمان اسے دیکھ رہا تھا۔

"یہ کیا ام ایمن اور ام ہانی کہاں ہیں؟" اس نے اب کی بار غور سے دیکھا تو وہاں چند افراد کی کمی محسوس ہوئی تھی۔

"بیٹا وہ دونوں ام کلثوم کی طرف گئی ہوئی ہیں رہنے کے لیے۔" ممانی نے کولڈ ڈرنک کا گلاس ملازمہ سے لیتے ہوئے اسے بتایا تھا۔

"واہ جی واہ اکیلے اکیلے۔ ہمیں بتایا بھی نہیں۔" اس نے منہ پھلا لیا تھا۔

"ام البنین جا کر اپنے آہو جان کو بتاؤ کہ بھائی جان آئے ہیں۔" بی بی جان کے ان الفاظ سے ہی اس کے چہرے کا رنگ اڑتے صرف اس نے دیکھا تھا۔ تب ہی سامنے سے ٹرالی گھسیٹ کر لاتی ملازمہ کی طرف وہ فوراً بڑھی تھی۔

"لا میں آمنہ جی یہ میں سرو کرتی ہوں آپ جا کر اسٹڈی میں آہو جان کو بتا دیں کہ ماموں جان آئے ہیں۔" اس نے ٹرالی تھام کر آگے گھسیٹی تھی۔ شمیر نے اپنی مسکراہٹ ایک دم چھپائی تھی۔ سب کو چائے سرو کر کے وہ پھر سے ماموں ممانی کے درمیان میں آ کر بیٹھ گئی۔ وہ اپنی پلیٹ میں نگٹس بھرتے ہوئے اس کے روشن چہرے کو دیکھ رہا تھا۔ دوپہر کے مقابلے میں اس وقت وہ بہت خوش تھی۔

"بس کر دیں نگٹس کے دشمن۔" اس کے دسویں نگٹس اٹھانے پر چوٹ کر گئی تھی۔

"کیوں ٹوک رہی ہو ام البنین۔ میں نے اس کے لیے تو بنوائے ہیں۔" بی بی جان کی سرزنش پر اس کے لبوں پر دل جلا دینے والی مسکراہٹ ابھری تھی جس نے ام البنین کو تپا دیا تھا۔ وہ بی بی جان کا ہمیشہ سے لاڈلا تھا۔

"خود تو کچھ کھاتی ہو نہیں میرے کھانے پینے سے تمہیں آگ لگتی ہے لڑکی۔" وہ ڈھیر ساری کیچپ پلیٹ میں ڈال رہا تھا۔

"مجھے کیوں آگ لگے۔ آگ لگے میرے..."

آخری جملہ اس کے منہ میں رہ گیا تھا جب اس نے آہو جان کو اندر داخل ہوتے دیکھا تھا۔ اپنے ازلی رعب اور سرد مہری کے ساتھ انہوں نے سب کو سلام کیا تھا۔ یہ ان کی پرانی عادت تھی کہ وہ کبھی کسی سے

آگے بڑھ کر پرتپاک انداز میں مصافحہ نہیں کرتے تھے۔ ایک ہی بار سلام کرتے تھے جس جس کو پھر جواب دینا ہے دے دے۔ ماموں ممانی نے انہیں بہت خوشدلی سے مبارکباد دی تھی جس پر انہوں نے محض سر ہلانے پر اکتفا کیا تھا۔ سب آپس میں باتیں کرتے رہے ایک وہ خاموشی سے بیٹھے انہیں سن رہے تھے۔

"بھائی صاحب پھر کس میڈیکل کالج میں ام البنین کا ایڈمیشن کرانے کا سوچا ہے آپ نے۔" باتوں کے دوران ہی مالے نے انہیں مخاطب کیا۔

"ام البنین آگے بی اے کر رہی ہے۔" وہی سپاٹ لہجہ۔ وہ سب ٹھٹکے تھے سوائے اس کے اور بی بی جان کے۔

"مگر ام البنین تو میڈیکل میں ایڈمیشن لینا چاہتی ہے۔" بڑے ماموں نے حیرت سے انہیں جیسے آگاہ کیا تھا۔

"ام البنین نے کیا کرنا ہے یہ فیصلہ مجھے کرنا ہے کسی اور کو نہیں۔" انہوں نے رکھائی سے جواب دیا تھا۔ ان کا لہجہ بے زاری لیے ہوئے تھا۔ ممانی جان نے بی بی جان کی طرف دیکھا تو وہ نظریں چرا گئیں۔ کچھ تھا ان کی آنکھوں میں جو بی بی جان ان سے نظریں نہ ملا پائی تھیں۔ ایک انجانا دکھ یا پھر شکوہ۔

"مگر ام البنین تو..." ماموں کی بات کاٹ کر انہوں نے سخت لہجے میں کہا تھا۔

"میرا اس قسم کا کوئی فضول ارادہ نہیں ہے۔"

"وہ تو ٹھیک ہے مگر..." وہ کچھ ہکلا کر خاموش ہو گئے تھے۔

"اسے کیا کرنا ہے یہ میں طے کروں گا آپ شاید بھول گئے ہیں تو میں یاد دلا دوں۔" انہوں نے برجستگی سے جواب دیا اور ٹانگ پر ٹانگ چڑھا کر بیٹھ گئے۔ وہ اس وقت ایک جابر بادشاہ لگ رہے تھے۔ اپنی ریاست کے ایک مطلق العنان بادشاہ جو اپنی ریاست کی کسی کنیز سے متعلق فیصلہ سنا چکے تھے۔

ماموں یکلخت اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ انہیں وہاں رک کر مزید اپنی بے عزتی نہیں کرانا تھی۔ اسے آہو جان پر بہت غصہ آیا تھا۔ ہمیشہ وہ ہر اس لمحے کو جو اس کے لیے باعث مسرت ہوتا تھا۔ اسی طرح تباہ کر دیتے تھے۔

☼ ☼ ☼

بڑے ماموں کے چار بچے تھے۔ ام کلثوم سب سے بڑی تھی جس کی میڈیکل کے فائنل ایئر میں ہی چھوٹے ماموں کے بیٹے فواد سے شادی ہو گئی تھی۔ پھر دو جڑواں بیٹیاں ام ہانی اور ام ایمن تھیں جن کا ایک سال قبل ہاؤس جاب کے دوران ہی لندن میں مقیم اپنے خالہ زاد حمزہ اور حماد سے نکاح ہوا تھا۔ کچھ کاغذی کارروائی کی وجہ سے ان کی رخصتی میں تاخیر ہو گئی تھی۔ ان دونوں سے چھوٹا شمیر تھا جو میڈیکل فائنل ایئر کا اسٹوڈنٹ تھا۔ بڑے ماموں کی فیملی سے اس کی اٹیچمنٹ بچپن سے ہی بہت تھی خاص طور سے شمیر سے۔ وہ شروع سے ہی اس کا بہت خیال کرتا تھا۔ ہر مشکل میں اس کا ساتھ دیتا تھا۔ ان دونوں کے درمیان پانچ سال کا ایج ڈفرنس ہونے کے باوجود وہ کبھی اس کے لیے "بھائی" جیسے لفظ کی فارملیٹی میں نہیں پڑی تھی۔ وہ اس کا دوست تھا، اس کا بیسٹ فرینڈ۔

ممانی جان سے ہمیشہ سے اسے عجیب سی اپنائیت محسوس ہوتی تھی۔

وہ بی بی جان کے مقابلے میں ان سے زیادہ قریب تھی۔ شمیر کی دیکھا دیکھی وہ انہیں ہمیشہ سے "مالے" ہی بلاتی آئی تھی۔ اسے "مالے" جیسی ماں ہی پسند تھی۔ کیئرنگ، فرینک اور انڈر اسٹینڈنگ۔ خود اس کے اپنے سرکل میں اس کی سب فرینڈز کی مدرز بھی تقریباً ایسی ہی نیچر کی تھیں۔ بی بی جان سے اسے لاکھ محبت سہی مگر وہ اسے کبھی ایک آئیڈیل ماں نہیں لگی تھیں۔ وہ اس سے بے حد پیار کرتی تھیں، اس کا ہر طرح سے خیال رکھتی تھیں مگر پھر بھی ایک عجیب سی ان دیکھی دیوار ان دونوں کے درمیان حائل تھی جسے وہ چاہتے ہوئے بھی کبھی گرا نہ پائی تھی۔

☆ ☆ ☆

مین ہال عورتوں سے بھرا ہوا تھا۔ وہاں پر ہفتے جمعہ کے روز ظہر کی نماز کے بعد قرآن کا ترجمہ پڑھا جاتا تھا۔ وہ سب عورتیں اس لیے وہاں جمع تھیں۔ سب فرنیچر ہٹا کر دوسرے کمروں میں شفٹ کردیا گیا تھا اور وہاں دریاں بچھائی گئی تھیں جہاں عورتوں کے بیٹھنے کا انتظام کیا گیا تھا۔ سامنے ایک سنگل صوفہ پڑا تھا جس کے سامنے پڑی میز پر مختلف حدیث اور تفسیر کی کتابیں رکھی گئی تھیں۔ صوفے پر پچیس تیس سال کی عمر کے لگ بھگ ایک لڑکی عبایا اور اسکارف میں ملبوس تھی جو اس وقت قرآن سامنے کھولے سورۂ احزاب کی پہلی پانچ آیات کی تلاوت کر رہی تھی۔ اس کی آواز میں بہت مٹھاس اور سوز تھا۔ وہ اس قدر خوش الحانی سے تلاوت کر رہی تھی کہ اسے گھنٹوں بھی دم بخود سنا جاسکتا تھا۔ اس کے مخارج اور آواز کا اتار چڑھاؤ بلاشبہ بہت عمدہ تھا۔ وہ ایک بہترین قاریہ تھی۔

پہلی پانچ آیات کے خاتمے پر اس نے انہی پانچ آیات کا ترجمہ پڑھنا شروع کیا تھا۔

"اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! اللہ سے ڈرو اور کفار و منافقین کی اطاعت نہ کرو' حقیقت میں علیم و حکیم تو اللہ ہی ہے۔ پیروی کرو اس بات کی جس کا اشارہ تمہارے رب کی طرف سے تمہیں کیا جارہا ہے 'اللہ ہر اس بات سے باخبر ہے جو تم لوگ کرتے ہو۔ اللہ پر توکل کرو' اللہ ہی وکیل ہونے کے لیے کافی ہے۔ اللہ نے کسی شخص کے دھڑ میں دو دل نہیں رکھے ہیں' نہ اس نے تم لوگوں کی ان بیویوں کو جن سے تم ظہار کرتے ہو تمہاری ماں بنا دیا ہے اور نہ اس نے تمہارے منہ بولے بیٹوں کو تمہارا حقیقی بیٹا بنایا ہے یہ تو وہ باتیں ہیں جو تم لوگ اپنے منہ سے نکال دیتے ہو مگر اللہ وہ بات کہتا ہے جو مبنی بر حقیقت ہے اور وہی صحیح طریقے کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ منہ بولے بیٹوں کو ان کے باپوں کی نسبت سے پکارو' یہ اللہ کے نزدیک زیادہ منصفانہ بات ہے اور اگر تمہیں معلوم نہ ہو کہ ان کے باپ کون ہیں تو وہ تمہارے دینی بھائی اور رفیق ہیں۔ نادانستہ جو بات تم کہو اس کے لیے تم پر کوئی گرفت نہیں ہے لیکن اس بات پر ضرور گرفت ہے جس کا تم دل سے ارادہ کرو۔ اللہ درگزر کرنے والا اور رحیم ہے۔" وہ ترجمہ بھی اس خوبصورتی سے پڑھ رہی تھی جتنی خوبصورتی سے تلاوت کی تھی۔ وہ عورتوں کے مجمعے سے ذرا پرے ہٹ کر دیوار سے ٹیک لگائے سر گھٹنوں پہ رکھے اسے دیکھ رہی تھی۔ یہ پہلا موقع نہیں تھا جب وہ تلاوت اور ترجمہ سن رہی تھی مگر اتنا خوش الحانی سے پڑھے جانے والا ترجمہ اور تلاوت اس نے پہلے کبھی نہیں سنا تھا۔ اس قاریہ کا نام اسماء بنت ابوبکر تھا۔ پہلی بار یہ نام سن کر اس نے زیر لب دہرایا تھا۔ کتنا خوبصورت نام تھا۔

ہال میں موجود سب خواتین سے اب وہ ترجمے اور تفسیر سے متعلق سوال کر رہی تھی۔ وہ غائب دماغی سے اس کے ملتے لب دیکھ رہی تھی۔ کسی عورت کے سوال پر وہ مسکرائی تھی اور پھر اونچی آواز میں سوال دہرایا تھا۔

"میری ان بہن نے یہاں یہ سوال کیا ہے کہ اسلام میں کسی بچے کو گود لینا کیوں منع ہے؟" اس کے سوال دہرانے پر وہ بری طرح چونکی تھی۔

"جیسا کہ پچھلے ہفتے ہم بہت تفصیل سے اس سورہ کے پس منظر میں یہ سب پڑھ چکے ہیں مگر میں پھر سے مختصر سا حوالہ دوں گی۔

اسلام سے پہلے عرب میں یہ رسم تھی کہ جس بچے کو بھی گود لیا جاتا تھا وہ اسے ہر وہ حق دیتے جیسا کہ حقیقی اولاد کا ہوتا تھا۔ وراثت میں حق' منہ بولے رشتوں سے نکاح حرام تھا اور منہ بولے رشتوں سے ویسا ہی سلوک روا رکھا جاتا جیسا حقیقی رشتوں سے رکھا جاتا تھا۔ اس سے جن مردوں اور عورتوں کے درمیان نکاح جائز تھا وہ اسے حرام قرار دیتے تھے اور وراثت کا بھی ایک بڑا مسئلہ سامنے آرہا تھا۔ اس رسم کو عملی طور پر توڑنے کے لیے یہ حکم نازل فرمایا گیا تھا۔ اس ضمن میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ روایت ہے کہ پہلے سب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ بولے بیٹے حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرت زید بن محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہتے تھے اس آیت کے نزول کے بعد انہیں پھر سے حضرت زید بن حارثہ کہا جانے لگا تھا۔ اس آیت کے نزول سے یہ بات سامنے آئی کہ کوئی بھی شخص اپنے اصلی باپ کے نام کے سوا کسی دوسرے کا نام اپنی ولدیت میں نہیں لکھ سکتا۔ حتیٰ کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس نے اپنے آپ کو اپنے باپ کے سوا کسی اور کا بیٹا کہا حالانکہ وہ جانتا ہو کہ وہ اس کا باپ نہیں ہے تو اس پر جنت حرام ہے۔"

تھوڑی دیر اس نے رک کر سب کی طرف باری باری نظر دوڑائی اور سامنے میز پر دھرے گلاس سے پانی پینے کے بعد مسکرا کر اسی عورت کی طرف دیکھا جس نے سوال کیا تھا۔

"میری بہن اگر آپ کسی کو پیار سے بیٹا' بیٹی' ماں اور باپ کہیں وہ الگ بات ہے مگر کسی کو "قانوناً" گود لینا الگ بات ہے۔ یتیم کی دیکھ بھال اور پرورش سے اسلام منع نہیں کرتا بلکہ اسے تو پسند فرماتا ہے اسلام تو محض اس بات پر اعتراض کرتا ہے کہ آپ کسی بچے کو "قانوناً" گود لے کر اسے اپنا نام دے دیں۔

اس کی مختلف وجوہات ہیں۔ پہلی وجہ کہ آپ اس بچے کی شناخت اور نسب کو مسخ کر دیتے ہیں۔ دوسری وجہ وراثت کا مسئلہ ہے۔ انسان کی فطرت میں مال سے محبت ہے اور اس ضمن میں بعض اوقات وہ اپنے خونی رشتوں سے بھی جھگڑتا ہے کجا ایک شخص سے وہ اپنا مال بانٹے گا جس کا اس وراثت سے سرے سے کوئی تعلق ہی نہیں۔ تیسری وجہ محرم و نامحرم رشتوں کی تفریق نہیں رہتی جس سے بہت سے مسائل پیدا ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ منہ بولے رشتے حقیقی رشتے نہیں ہوتے اس بات کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہ کی مطلقہ حضرت زینب جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی زاد بہن تھیں سے شادی کرکے ثابت کیا۔ امید ہے کہ تمام دلائل آپ کی سمجھ میں آگئے ہوں گے۔" اس نے مسکرا کر صوفے کی پشت سے ٹیک لگائی اور کسی دوسری عورت کے سوال کی طرف متوجہ ہو گئی۔ وہ سن ہوتے دماغ کے ساتھ اسے دیکھے جا رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

اپنے کمرے کی کھڑکی کے سامنے وہ نیچے کارپٹ پر اکڑوں بیٹھی اپنے لیپ ٹاپ پر جھکی ہوئی تھی۔ پچھلے دو گھنٹے سے وہ گوگل پر مختلف میڈیکل کالجز اور یونیورسٹیز کی انفارمیشن چیک کر رہی تھی جن میں نیشنل اور انٹرنیشنل دونوں شامل تھیں۔ اس کے دائیں جانب باؤل میں ڈھیر ساری نمکو پڑی تھی جسے وہ گاہے بگاہے منہ میں ڈال لیتی تھی۔ اپنی مطلوبہ انفارمیشن کو وہ ڈیسک ٹاپ پر بنے "میڈیکل" کے فولڈر میں سیو (Save) کرلیتی۔ وہ اسی کام میں مشغول تھی جب اس کے کمرے کا دروازہ ناک ہوا تھا۔

"لیں۔" لیپ ٹاپ سے نظریں ہٹا کر اس نے دروازے کی طرف دیکھا۔ آنے والی بی بی جان تھیں۔

"تم شاید مصروف ہو؟" انہوں نے دروازے کے پاس ہی کھڑے کھڑے پوچھا تھا۔

"ناٹ ایٹ آل۔" اس نے لیپ ٹاپ سائیڈ پر کردیا تھا۔ بی بی جان اس کے بیڈ کے سامنے رکھے صوفے پر بیٹھ گئی تھیں۔

"یوں ہی اکیلے دل گھبرا رہا تھا تو تم سے بات کرنے چلی آئی تھی۔" وہ بہت تھکی تھکی لگ رہی تھیں۔

وہ ان کے سامنے ہی نیچے کشن رکھ کر بیٹھ گئی تھی۔ اپنا سر اس نے ان کے گھٹنوں پر رکھ کر آنکھیں موند لی تھیں۔

"ام البنین۔" ان کے پکارنے پر اس نے سر اٹھا کر ان کے چہرے کی طرف دیکھا تھا۔

"تم اپنے آہو جان کی باتوں کا برا مت منایا کرو۔ وہ دل کے ہرگز برے نہیں ہیں۔ بس وقت اور حالات نے ان کے مزاج کو ایسا بنا دیا ہے۔ وہ تم سے بے حد

پیار کرتے ہیں۔ انہیں فکر ہے تمہاری۔ رات بھی وہ مجھ سے کہہ رہے تھے کہ تمہارے رزلٹ کی خوشی میں تمہیں تھوڑی شاپنگ کرا لاؤں۔" وہ خاموشی سے انہیں دیکھ رہی تھی۔ اسے بے ساختہ اپنی بی بی جان پر پیار آیا تھا۔ ایک صابر عورت جو آہو جان جیسے شخص کے ساتھ پچھلے پچیس سال سے گزارا کر رہی تھی۔

"بی بی جان آج تک مجھے ایسا کوئی وقت کوئی دن یاد نہیں ہے جب آہو جان خود مجھے کہیں شاپنگ پر کہیں باہر گھمانے، کسی ڈنر یا لنچ پر لے کر گئے ہوں۔" وہ استہزائیہ مسکرائی تھی۔

"وہ مصروف ہوتے ہیں ام البنین تم تو جانتی ہو۔" انہوں نے ہمیشہ کی طرح شوہر کی وکالت کی تھی۔

"بی بی جان رہنے دیں۔"

"وہ تمہاری پروا کرتے ہیں بس ان کا انداز مختلف ہے۔" ان کا لہجہ نرم تھا۔ اس کے بال سہلاتے ہوئے انہوں نے کہا تھا۔

"یو نو بی بی جان آہو جان کو ہماری کوئی ضرورت نہیں ہے۔ آپ کی نہ ہی میری۔ انہیں فیملی کی قطعاً" کوئی ضرورت نہیں ہے۔" وہ تلخی سے بولے جا رہی تھی۔

"ان فیکٹ مجھے تو اس گھر میں یوں لگتا ہے کہ ہم تینوں ہی اجنبی ہیں۔ کیا آپ کو ہم ایک فیملی لگتے ہیں۔" بی بی جان کے چہرے کا رنگ یکلخت زرد پڑ گیا تھا۔

"ام البنین۔" انہوں نے فق ہوتے چہرے کے ساتھ اسے دیکھا۔ ان کی آنکھوں میں نمی در آئی تھی۔

"آئی ایم سوری ٹو سے دس۔" اسے یکدم اپنی غلطی کا احساس ہوا تھا۔ وہ زیادہ بول گئی۔ سامنے بیٹھی عورت اس کی ماں تھی، کسی کی بیوی تھی، ان باپ بیٹی کی اس ان دیکھی سرد سی جنگ میں وہ پس رہی تھیں۔ وہ خاموشی سے اٹھ کر چلی گئی تھیں۔ اسے عجیب سا پچھتاوا ہوا تھا۔

☼ ☼ ☼

پزا ہٹ میں رات کے آٹھ بجے بہت رش تھا۔ ویک اینڈ پر ویسے بھی وہاں فیملیز کا بہت رش ہوتا تھا۔ زیادہ تر لوگ وہاں پزا ڈنر کے طور پر ہی کھانے آتے تھے۔ بڑی مشکل سے بیسمنٹ میں کارنر ٹیبل پر انہیں جگہ مل پائی تھی۔

"لڑکیو جلدی سے بولو اب کیا کھانا ہے؟" ان تینوں کو مخاطب کر کے اس نے گردن اونچی کر کے ہال کا جائزہ لیا تھا۔

"آف کورس پزا کھانا ہے۔" ام البنین نے اپنی پونی ٹیل ہلاتے ہوئے آنکھیں پٹپٹائی تھیں۔

"میڈیم میرا مطلب کون سا فلیور۔" اس کے سر پر ہلکی سی چپت لگا کے اس نے ویٹر کی طرح اشارہ کیا تھا۔ چونکہ یہ ٹریٹ وہ ام البنین کے رزلٹ کی خوشی میں دے رہا تھا لہٰذا اسی کی فرمائش پر اس نے باربی کیو فلیور اور اوپر ڈھیر ساری چیز کے ساتھ آرڈر نوٹ کروایا تھا۔

پزا سرو ہوا تو وہ چاروں اسی قسم کی نوک جھوک کے ساتھ کھانے لگے تھے۔ آہو جان کسی کام سے تین دن کے لیے گاؤں گئے ہوئے تھے تبھی وہ اکٹھے اس طرح باہر نکلے تھے ورنہ ان کی موجودگی میں ام البنین کو ایسے نادر مواقع کم ہی ملتے تھے۔

☼ ☼ ☼

وہ حویلی کے مہمان خانے میں اپنا بیگ رکھ کر ہلکے گلابی رنگ کی شیشے کے کام والی چادر اتار کر تہ لگا کر رکھ رہی تھی تبھی مہمان خانے کے داخلی دروازے سے اماں سائیں اندر داخل ہوئیں۔ سر پر سفید شفون کا دوپٹہ اوڑھتے اس نے انہیں سلام کیا تھا۔

"جیوندی رہ۔ سدا تیرے سر کا تاج سلامت رہے۔" دعائیں دیتی اماں سائیں پاس رکھی مسہری پر بیٹھ گئیں۔

"اماں سائیں سب خیریت ہے نا آپ نے بلوایا تھا۔" اس نے سرکتے دوپٹے کو پھر سے سر پر جماتے ہوئے ان کے پاس ہی نشست سنبھالی تھی۔

"یہ سفید رنگ مت پہنا کر۔ تو سہاگن ہے کوئی شوخ رنگ پہن کے رکھا کر۔" اماں سائیں نے

ناپسندیدہ نظروں سے اس کے سفید شلوار قمیص کو دیکھا تھا جس پر سفید ہی دھاگے کا کام ہوا تھا۔

"اماں سائیں رنگوں سے کیا فرق پڑتا ہے۔ کوئی بھی رنگ پہن لو۔" اس کے لبوں پر پھیکی سی مسکراہٹ ابھر کر معدوم ہو گئی تھی۔

"رنگوں کا بڑا اثر ہوتا ہے انسان پر بالکل اس طرح جس طرح نام کا اثر ہوتا ہے۔" یہ ان کا تجربہ بول رہا تھا۔

"میں نے تم دونوں سے کچھ خاص بات کرنا تھی۔" انہیں جیسے ایک دم یاد آیا تھا۔

"تبھی تم دونوں کو بلوایا ہے۔ خیر سے اس برس تیری شادی کو سات برس مکمل ہو گئے ہیں۔ مگر ابھی بھی تیری گود سونی ہے۔ عابد شاہ مرد ہے وہ کب تک یونہی انتظار کرے گا اپنی اولاد کا۔ اب تک تو شاید وہ میری وجہ سے ہی خاموش بیٹھا ہے کہ میرے اس پر بہت سے احسان ہیں۔ اس کی سرپرست ہوں میں۔ مگر اس طرح تو اس پر بھی ظلم ہے نا۔" وہ خاموشی سے اپنے گود میں دھرے ہاتھوں کو تکے جا رہی تھی۔ ہر بار حویلی آنے پر وہ ماں کی اس قسم کی باتیں سننے کی عادی ہو گئی تھی۔

"ماں صدقے تجھ پر اپنی ماں کو غلط نہ سمجھنا مگر اب میں چاہتی ہوں کہ تو خود عابد شاہ کو دوسری شادی کی اجازت دے دے۔" اسے بری طرح جھٹکا لگا تھا۔ اس کی اپنی ماں اسے سوتن لانے کا کہہ رہی تھی۔ اپنے سر کا تاج کسی اور کے سر پر سجانے کا بھی کہہ رہی تھی اور ساتھ ہی سر کا تاج سلامت رکھنے کی دعا بھی دے رہی تھی۔ وہ بے یقینی سے پتھر کا بت بنی اماں سائیں کو دیکھے جا رہی تھی۔

"تیری اماں سائیں کبھی غلط فیصلے نہیں کرتی ہے۔ تجھے اولاد نہیں ہو سکتی۔ سات سال بیت گئے کب سے علاج چل رہا ہے مگر کوئی فائدہ نہیں ہے۔ اتنی جائیداد اس کی ہے، تیری ہے اس کا وارث کون ہو گا؟" انہوں نے پیار سے اس کے ہاتھوں کو چوما تھا۔

"عابد کو دوسری شادی کرنے دے بتول بانو۔ اس کی اولاد تیری بھی تو اولاد ہو گی نا۔" اس نے بے یقینی سے اپنا ہاتھ ماں کے ہاتھ سے چھڑایا تھا۔

"اماں سائیں اولاد ہونا نہ ہونا تو اللہ کے ہاتھ ہے نا۔" اس کی آنکھوں سے آنسو پھسل کر رخساروں پر بہہ نکلے تھے۔

"مانتی ہوں۔ مگر زمین ہی بنجر ہو تو اس سے ہری بھری فصل کی امید کرنا بے وقوفی ہے۔" اماں سائیں نے ٹھنڈی آہ بھرتے ہوئے کہا تھا۔ وہ جیسے تڑپ اٹھی تھی۔

"اماں سائیں آپ عابد شاہ کی دوسری شادی کرانا چاہتی ہیں تو شوق سے کرائیں مگر اولاد میرے نہیں ان کے نصیب میں نہیں ہے۔ میں بنجر زمین نہیں ہوں اماں سائیں۔ میں بانجھ نہیں ہوں۔ وہ بانجھ ہیں۔" اس کی گونجتی آواز پہ جہاں اماں سائیں ہکا بکا رہ گئی تھیں وہیں اندر آتا عابد شاہ بھی سن ہو گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

بی بی جان کو ہارٹ اٹیک ہوا تھا۔ پوری رات اسپتال میں رہ کر وہ گھر منتقل ہو گئی تھیں۔ بڑے ماموں انہیں خواب آور گولیاں دے کر ان کے کمرے سے باہر لاؤنج میں آ گئے تھے۔ وہ مالے کی گود میں سر رکھے پچھلی رات سے اسی طرح رو ——— رہی تھی۔ ان سب نے اسے سختی سے گھر پر ہی رکنے کا کہا تھا۔ اسپتال میں بی بی جان کے پاس شمیر اور ماموں تھے۔ آہو جان زمینوں کے کام کے لیے گاؤں گئے ہوئے تھے وہاں سے فیکٹری کے کام کے سلسلے میں انہیں کراچی جانا پڑ گیا تھا۔ انہیں اطلاع کر دی گئی تھی۔ وہ جلد از جلد کام نمٹا کے لوٹ رہے تھے۔ کتنا ڈر گئی تھی وہ اس لمحے کہ اگر بی بی جان کو کچھ بھی ہو گیا تو وہ کہاں جائے گی؟ اس گھر میں اس کی ایک واحد پناہ گاہ وہ ہی تو تھیں۔

مالے اسے زبردستی اس کے کمرے میں لے آئیں۔ وہ رات سے نہیں سوئی تھی۔ اسے بیڈ پر لٹا کر وہ خود بھی اس کے قریب لیٹ کر اسے تھپکتی رہی تھیں

جیسے وہ چھوٹی سی بچی ہو یا وہ برسوں پرانی کسی تشنگی کو پورا کر رہی ہوں۔ ان کی آنکھیں پرنم تھیں۔

☼ ☼ ☼

اگلے دن اس کی صبح آٹھ بجے ہی آنکھ کھل گئی تھی۔ اس کا دل گھبرانے لگا تھا۔ وہ جلدی سے بالوں کو کیچر میں جکڑتے سیڑھیاں پھلانگتی نیچے آئی تھی۔ ڈائننگ ٹیبل پر اسے آہو نظر آئے تھے نہ جانے اسے کیا ہوا تھا وہ دوڑ کر ان سے لپٹ گئی تھی۔ وہ بچوں کی طرح بلک بلک کر رو رہی تھی۔

"اپنے آپ کو سنبھالو ام البنین۔ تمہاری بی بی جان اب ٹھیک ہیں۔" انہوں نے اسے خود سے الگ کر دیا۔ کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی ان کے انداز میں۔ ویسا ہی کھردرا لہجہ تھا۔ وہ نم آنکھوں سے صرف انہیں دیکھے گئی تھی۔

ٹیبل پر بیٹھی ممانی جانی پہلو بدل کر رہ گئیں۔ ام ایمن نے اس کا ہاتھ تھام کر اسے اپنی ساتھ والی کرسی پر بٹھا دیا تھا۔

"کیا زندگی کے کسی پل میں آہو مجھے خود سے بھی گلے لگائیں گے؟" آنسوؤں سے نم آنکھیں لیے وہ محض سوچ سکی تھی۔ مالے نے بریڈ پر جام لگا کر اس کی جانب بڑھایا تھا۔ ان کا ہاتھ پرے کر کے وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"مجھے بھوک نہیں ہے' میں سونا چاہتی ہوں۔" اپنے آنسوؤں کو روکتے ہوئے ڈبڈبائی نگاہوں سے وہ آہو جان کو دیکھ کر بولی تھی جو مطمئن بیٹھے اپنا ناشتا کر رہے تھے۔

☼ ☼ ☼

بی بی جان اب پہلے سے بہت بہتر تھیں۔ وہ ان کا بہت خیال رکھنے لگی تھی۔ اس وقت بی بی جان سے زیادہ اس کے لیے کچھ بھی اہم نہیں تھا۔ پچھلے پورے ہفتے سے اس نے بی بی جان کی دیکھ بھال کے سوا اور کچھ بھی نہیں کیا تھا۔

وہ بی بی جان کے سونے کے بعد لاؤنج میں آگئی۔ بی بی جان دوا کے زیر اثر اب اس وقت کم از کم بھی دو گھنٹے سوتی تھیں۔ دوپہر کے ڈھائی ہو رہے تھے۔ اس کا اکیلے کھانا کھانے کا بالکل جی نہیں چاہ رہا تھا۔ اس لیے اس نے ملازمہ کو کھانا لگانے سے منع کر دیا تھا۔

کچھ دیر وہ یونہی بےکار بیٹھی رہی پھر اپنے کمرے میں چلی آئی۔ وارڈ روب سے اپنا پنک ٹراؤزر اور آف وائٹ شرٹ نکال کر اس نے شاور لیا تھا۔ گیلے بالوں کو کھلا چھوڑ کر وہ موبائل اٹھائے نیچے چلی آئی۔ ایک بار پھر سے اس نے بی بی جان کے کمرے میں جھانکا تھا۔ وہ پرسکون نیند سو رہی تھیں۔ ملازمہ کو کچن میں جا کر چند ہدایات دے کے وہ ڈرائیو وے سے ہوتی ہوئی گارڈ کی چوکی کی طرف آئی۔ اسے بھی چند ہدایات دے کر وہ بیدل ہی نکل کھڑی ہوئی تھی۔ اس کا رخ بڑے ماموں کے گھر کی جانب تھا۔ پورے ہفتے بعد وہ اس سے ملنے والی تھی۔ اس پورے ہفتے میں مالے اور ماموں جان وقتاً "فوقتاً" آتے رہے تھے۔ ام ایمن اور ام ہانی بھی دو تین دن بعد چکر لگا جاتی تھیں۔ مگر وہ ایک بار بھی نہیں آیا تھا۔ ام ہانی اور ام ایمن کے ویزا کنفرم ہو گئے تھے۔ اس لیے وہ جلد از جلد اپنی تیاری مکمل کرنے میں لگی ہوئی تھیں۔

داخلی دروازے سے اندر آتے ہی اس کی نظر سامنے صوفے پر نیم دراز شمیر پر پڑی تھی۔ وہ لیپ ٹاپ گھٹنوں پر رکھے کسی کام میں محو تھا۔ اسے آتا دیکھ کر وہ مسکرایا تھا۔

"ارے تم اس وقت کیسے؟ بی بی جان ٹھیک ہیں نا؟"

"ہیں تو پھر بھی آہی گئی آپ اچھے بھتیجے ہیں جو مڑ کے پھوپھی کی خبر تک نہیں لی ہے۔" اس کا انداز شکایتی تھا۔

"نہیں وہ مصروفیت کچھ زیادہ تھی ان دنوں۔" وہ خجل سا ہو کر اس کے برابر میں آکر بیٹھ گیا تھا۔

"بس بس رہنے دیں۔" اس کا منہ بن گیا تھا۔

"اچھا میرا بچہ کیسا ہے؟" وہ اکثر پیار سے اسے "بچہ" کہتا تھا۔

"رہنے دیں یہ دکھاوے کی محبتیں۔" وہ ہنوز خفا تھی۔

"اچھا بابا معاف کر دو اب۔ یہ لو کان پکڑ کے سوری۔" اس نے کانوں کو ہاتھ لگایا تھا۔

"اب تو معاف کر دو نا لڑکی۔" دنیا جہاں کی معصومیت چہرے پر لاتے ہوئے اس نے کہا تھا۔

"میں ناراض کب ہوں؟ آپ سے کبھی ناراض نہیں ہو سکتی۔" وہ ہولے سے مسکرا دی۔

"یہ ہوئی نا بات۔" اس کی ناک کو ہلکا سا دبا کر وہ اٹھ کر کچن کی جانب چل دیا۔

"یہ بتاؤ کہ کھانا کھا کر آئی ہو یا کھاؤ گی؟" کچن کے دروازے پر پہنچ کر اس نے مڑ کر اس کی طرف دیکھا تھا۔

"کھاؤں گی۔" اس نے سادگی سے جواب دیا اور اس کے پیچھے ہی کچن میں چلی آئی۔

"یہ کیا آپ خود کھانا بنائیں گے؟" ڈائننگ کی کرسی گھسیٹ کر وہ وہیں بیٹھ گئی تھی۔

"ہاں یار اتفاق سے میں اس وقت گھر پر اکیلا ہوں۔ بابا آفس میں ہیں۔ مالے ان دونوں شہزادیوں کے ساتھ مارکیٹ گئی ہوئی ہیں صبح سے اور رحمت بی گاؤں گئی ہوئی ہیں۔" فریج سے انڈے اور ٹماٹر نکال کر اس نے شیلف پر رکھے تھے۔

"مجھے پتا ہوتا تو گھر سے کچھ بنوا کر لے آتی۔"

"میرا اصل میں کوئی موڈ نہیں تھا کھانے کا۔ مگر اب تم آگئی ہو تو بھوک چمک اٹھی ہے۔" وہ انڈوں کو باری باری توڑ کر باؤل میں ڈال رہا تھا۔

"میں ہیلپ کرا دوں؟" وہ اس کے برابر آکے کھڑی ہو گئی۔

"جی نہیں آپ وہیں تشریف رکھیے۔ آج آپ شمیر اعوان کی مہمان ہیں وہ بھی خصوصی۔ آج میں تمہیں مزیدار سا چیز آملیٹ سینڈوچ بنا کر دوں گا۔ یہ سینڈوچ مجھے ام کلثوم بنا کر دیتی تھیں۔ اب مجھے خود بنانا پڑتا ہے۔" وہ مہارت سے کٹنگ بورڈ پر رکھے ٹماٹروں کے سلائس کر کے انہیں باریک چوپ (Choap) کر رہا تھا۔

"تم یوں کرو وہ فریزر کے فریج والے حصے سے مجھے مشرومز اور چیز لا دو۔" اس نے چوپ ٹماٹروں کو انڈے میں شامل کر کے خوب پھینٹا۔

"شمی۔" وہ وہیں بیٹھے اس کے تیز چلتے ہاتھوں کو دیکھ رہی تھی جو اب چیز کش کر رہا تھا۔

"ہاں کیا ہوا؟" چونک کر اس نے ام البنین کی جانب دیکھا تھا۔

"آہو مجھے میڈیکل پڑھنے دیں گے نا۔" وہ روہانسی ہو گئی۔

آملیٹ کو پین میں ڈال کے وہ اس کی طرف مڑا تھا۔

"ارے بے وقوف لڑکی کچھ نہیں ہوتا وہ مان جائیں گے۔"

"اگر نہ مانے تو میں کوئی بی اے نہیں کروں گی۔ میں آگے پڑھوں گی ہی نہیں۔"

"ایسا کچھ نہیں ہو گا۔ تم ایویں پریشان مت ہو۔ وہ مان جائیں گے اور کیوں تم آگے نہیں پڑھو گی۔ تم ضرور پڑھو گی۔" آملیٹ کو بریڈ پر رکھ کے اس نے کیچپ اور مایونیز ڈال کر پلیٹ اس کے سامنے رکھی۔

"فی الحال ساری فکریں بھول جائیے اور شمیر کا بنایا سینڈوچ کھائیے۔" اپنی سینڈوچ کی پلیٹ بھی وہ وہیں لے آیا تھا۔

"کھاؤ کھاؤ میرا بچہ۔" مسخرے پن سے بولتے اس نے سینڈوچ چھری کی مدد سے درمیان سے کاٹا تھا۔

"آپ مجھے بچہ مت کہا کریں۔ اب میں بڑی ہو گئی ہوں۔" اس نے منہ بنا کر مزید کیچپ پلیٹ میں ڈالی تھی۔

"لو کر لو گل۔ لڑکی تم جتنی بھی بڑی ہو جاؤ میرے لیے تم آج بھی وہی چھوٹی سی گڑیا ہو جسے میں نے ساڑھے پانچ سال بیس دن کی عمر میں پہلی مرتبہ اٹھایا تھا۔" بہت محبت تھی اس کے لہجے میں وہ جھینپ گئی تو وہ مسکرا کر مزے سے سینڈوچ کھانے لگا تھا۔

☼ ☼ ☼

رات کے ایک بجے حلق خشک ہونے کے باعث

اس کی آنکھ کھلی تھی۔ مہمان خانے کے جہازی سائز بیڈ کی دوسری طرف جگہ خالی تھی اس نے کہنی کے بل اٹھتے ہوئے سائیڈ لیمپ آن کیا اور پورے مہمان خانے پر نظر دوڑائی تھی۔ وہاں اس کے سوا کوئی نہیں تھا۔ چپل پاؤں میں اڑستے ہوئے اس نے سر پر شفون کا دوپٹہ اوڑھا تھا۔ سینٹرل ٹیبل پر پڑے جگ سے اس نے گلاس میں پانی انڈیلا اور تین سانسوں میں گلاس خالی کردیا۔ دبے پاؤں چلتی وہ باہر راہداری میں آئی تھی۔ ہر طرف گہری خاموشی تھی۔ وہ اس طرح دبے پاؤں دالان کی طرف بڑھی لکڑی کا بڑا سا دروازہ جو دالان سے ہوتے ہوئے عقبی لان کی طرف کھلتا تھا۔ چوپٹ پڑا تھا وہ دروازہ عبور کرتی عقبی لان میں چلی آئی۔ چاند کی روشنی میں لان کے بیچوں بیچ گھاس پر بیٹھے وہ اس شخص کو لاکھوں کے مجمع میں بھی پہچان سکتی تھی۔ وہ عابد شاہ تھا۔

"رات کے اس وقت آپ یہاں کیا کررہے ہیں؟" اس نے مدھم آواز میں استفسار کیا۔ وہ خاموش رہا اس کی غیر معمولی خاموشی اسے پریشان کیے دے رہی تھی۔

"سب ٹھیک ہے نا آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا۔" وہ فکر مندی سے اس کے قریب بیٹھ گئی تھی۔

"بتول بانو۔" اس کے لہجے میں کچھ ایسا تھا کہ وہ ٹھٹکی تھی۔ اسے لگا تھا وہ رو رہا تھا یا شاید رو تا رہا تھا۔

"جی۔" اس نے تھوک نگلا تھا۔

"میں تمہیں طلاق دینا چاہتا ہوں۔" وہ قدرے توقف سے بولا تھا۔ اس کے الفاظ نے گویا بم پھوڑے تھے۔ وہ وہیں منجمد ہوگئی تھی۔ یہ آج اماں سائیں اور عابد شاہ نے اس کو حیران پہ حیران کردیا تھا۔ اسے سمجھ نہیں آرہی تھی کیا وہ وہی کہہ رہا تھا جو اس نے سنا تھا یا اس نے غلط سنا تھا وہ کچھ اور کہہ رہا تھا۔

"میں کل سب کے سامنے تمہیں آزاد کردوں گا۔" اس نے ایک لمحے کے لیے اس کے زرد پڑتے چہرے کو دیکھا اور پھر سے گھاس کی طرف دیکھنے لگا۔ وہ کیا کہہ رہا تھا؟ وہ کیوں کہہ رہا تھا؟ وہ بول نہ سکی۔

"مگر کیوں۔۔۔؟" اسے اپنی آواز کسی گہری کھائی سے آتی محسوس ہوئی۔

"شادی کے سات برس۔۔۔ کک کیوں؟" اس کی آواز میں لرزش تھی۔ اس کا پورا وجود کانپ رہا تھا۔

"میں تمہیں آزاد کردوں گا تو تم پھر سے کسی اور کے ساتھ شادی کرلینا۔" لہجہ کاٹ دار تھا۔

"مگر مجھے آزادی نہیں چاہیے۔" آنسو پلکوں کی باڑھ توڑ کر بہہ نکلے تھے۔

"اور اولاد؟ اولاد بھی نہیں چاہیے؟" اس نے عجیب سی نظروں سے روتی ہوئی بتول بانو کی طرف دیکھ کر پوچھا تھا۔

"میں تمہیں کس ناکردہ گناہ کی سزا دوں۔ سات سال تم نے اپنی زندگی کے سات سال مجھے دیئے ہیں۔ اس زندگی پر تمہارا ابھی حق ہے۔ تم کیوں اولاد کی نعمت سے محروم رہو؟"

"خدا کے لیے شاہ ایسا مت کہیں۔" اس نے ہاتھ جوڑ دیے تھے۔

"اگر تم بانجھ ہوتیں نا بتول بانو تو یقین کرو اب تک میں کسی دوسری عورت سے شادی کرکے اپنی اولاد کے ساتھ ایک خوشحال اور آسودہ زندگی گزار رہا ہوتا۔ کیونکہ میں مرد ہوں اور مرد ہمیشہ یہ ہی کرتا ہے۔ مگر تم بانجھ نہیں ہو۔ کمی تو مجھ میں ہے۔" اس کی آواز بھرا گئی تھی۔ وہ شخص جو اسے پتھر کی مانند مضبوط لگتا تھا رو رہا تھا۔

"نہیں عابد مجھے بس آپ کا ساتھ چاہیے۔ اولاد نصیب میں ہی نہیں تھی شاید۔" اس نے دوپٹے سے آنسو پونچھے۔

"یہ جذباتی فیصلہ ہے بتول بانو۔ آگے چل کر تمہیں اپنے اس فیصلے پر شدید پچھتاوا ہوگا۔ پوری زندگی کیا تم اولاد کے بغیر گزار سکوگی؟" وہ یکدم کھڑا ہوگیا تھا۔

"تم جب تک میرے سامنے رہوگی میری انا' خود اعتمادی اور عزت نفس پل پل یہ سوچ کر مرتے رہیں گے کہ میں ایک اولاد کی خوشی بھی نہ دے سکا۔" اس نے سختی سے لب بھینچ لیے تھے۔

"ہم کسی کی اولاد گود لے لیں گے۔" اس کا ہاتھ تھام کر وہ بولی۔

"پاگل مت بنو۔ کسی دوسرے کی اولاد میں اور اپنی اولاد میں بہت فرق ہوتا ہے۔" اس نے درشتی سے کہا۔

"آپ کو خدا کا واسطہ ہے شاہ مجھے طلاق مت دیجیے گا۔ میں آپ کے آگے ہاتھ جوڑتی ہوں۔ آپ کو اماں سائیں کی قسم مجھے طلاق نہ دیجیے گا۔ میں آپ کے پیر پڑتی ہوں۔" وہ روتی ہوئی اس کے پیروں میں گرگئی تھی۔

"بتول بانو۔" اس نے آگے بڑھ کر اسے تھام لیا تھا۔

"آپ کو اللہ کا واسطہ مجھے مت چھوڑیے گا۔" وہ بلک بلک کر روتی اس کے سینے سے لگ گئی تھی۔ وہ بے بسی سے مٹھیاں بھینچے رہ گیا تھا۔

☼ ☼ ☼
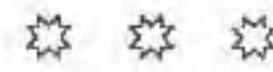
وہ اپنے کمرے کی راکنگ چیئر پر بیٹھے کتاب پڑھ رہے تھے۔ کھانا عموماً وہ اپنے کمرے میں ہی کھاتے تھے۔ کھانے کے برتن ملازم لے جارہا تھا تب ہی انہوں نے اس سے ام البنین کے بارے میں استفسار کیا تھا۔

"جی صاحب بی بی تو ابھی تک نہیں آئی ہیں۔" وہ اپنی کسی کالج کی سہیلی کے نکاح پر گئی ہوئی تھی۔

"ٹھیک ہے تم یہ لے جاؤ۔" وہ پھر سے کتاب پڑھنے میں مشغول ہوگئے تھے۔ بی بی جان کھانے کے بعد ان کے لیے دودھ لے کر آئی تھیں۔ اب ان کی صحت پہلے سے کافی بہتر تھی۔ دودھ کا گلاس ان کے قریب رکھی ٹیبل پر رکھ کر وہ مڑی تھیں۔

"یہ ام البنین ابھی تک کیوں نہیں لوٹی ہے۔ تم نے تو کہا تھا کہ وہ دس بجے تک لوٹ آئے گی اب ٹائم دیکھو ساڑھے دس ہو رہے ہیں۔" خشمگیں نگاہوں سے انہیں دیکھتے وہ سختی سے بولے۔

"شادی بیاہ کی تقریبات میں تو دیر سویر ہو ہی جاتی ہے۔" وہ ہکلائی تھیں۔

"آئندہ ضرورت نہیں ہے اس کو رات کے وقت اکیلے بھیجنے کی۔ اب اس وقت کیا وہ ڈرائیور کے ساتھ اکیلی لوٹے گی؟" ان کا لہجہ ہنوز سخت تھا۔

"میں نے شمیر کو۔۔۔ شمیر کو بھیجا ہے اسے لینے کے لیے۔" وہ ہچکچا رہی تھیں یہ کہتے ہوئے۔ وہ غصے سے محض انہیں گھور کر رہ گئے۔

"آجائے گی۔" انہوں نے جیسے تسلی دینے کے لیے کہا تھا۔

"جوان بچی کی بڑی ذمہ داری ہوتی ہے۔ پتا نہیں کب تمہیں عقل آئے گی۔ کوئی اونچ نیچ ہوگئی تو تم کس کس کو جواب دوگی۔ بس اولاد کا شوق تھا سنبھالی جاتی نہیں ہے اب۔" ان کے الفاظ کا پس منظر وہ جان گئی تھیں۔ وہ کچھ شرمندہ سی وہیں قریب بیڈ پر بیٹھ گئیں۔

"مجھے آپ سے کچھ بات کرنا تھی۔" بڑی مشکل سے وہ ہمت جتا پائی تھیں۔ انہوں نے چشمے کے شیشوں کے پیچھے سے ہی انہیں دیکھا تھا۔

"وہ آپ ام البنین کو میڈیکل میں ایڈمیشن لینے دیں۔ اس کا شوق بلکہ جنون ہے یہ۔" ڈرے ڈرے لہجے میں انہوں نے بات مکمل کی تھی۔ وہ خاموش رہے تھے۔

"بھائی بھابھی کی بھی یہ خواہش ہے۔" ان کی آواز مدھم تھی۔ "تو یہ بات ہے اصل میں۔" وہ جیسے تپ گئے تھے۔

"ام البنین ہماری بچی ہے اس کے مستقبل کا فیصلہ ہمیں کرنا چاہیے یا تمہارے بھائی بھابھی کو۔" وہ چڑ کر بولے تھے۔

"یہ اس کی خواہش بھی ہے۔" انہوں نے دھیمے لہجے میں کہا تھا۔

"ٹھیک ہے جو تمہیں ٹھیک لگے تم کراؤ اپنی بیٹی کو۔" ان کی پیشانی پر بل پڑگئے تھے۔

"میں مزید کچھ نہیں بولنا چاہتا اس معاملے میں۔" کتاب وہیں کارپٹ پر پھینک کر وہ غصے سے کمرے سے باہر نکل گئے۔

☼ ☼ ☼

شمیر نے اسے میرج ہال سے پک کیا تھا۔ عام دنوں کے مقابلے میں وہ بہت مختلف اور پیاری لگ رہی تھی۔ اس نے نارنجی رنگ کا ٹخنوں تک آتا فراک پہن رکھا تھا جس کے نیچے سرخ چوڑی دار پاجامہ تھا۔ فراک کے گلے پر سرخ نگوں اور موتیوں کا کام تھا۔ بال اس نے کھلے ہی چھوڑ رکھے تھے۔ میک اپ اور جیولری کے نام پر ہونٹوں پر گلوز اور کانوں میں سرخ بالیاں پہن رکھی تھیں۔ وہ گاڑی کی فرنٹ سیٹ پر آکر بیٹھی تو شمیر کے لبوں پر مسکراہٹ آگئی تھی۔

"کیا ہوا؟" اس نے چونک کر اسے دیکھا۔

"آپ مسکرا کیوں رہے ہیں؟"

"بہت پیاری لگ رہی ہو۔ آج تو بی بی جان سے کہنا پڑے گا کہ تمہاری نظر اتار دیں۔" ہونٹوں پر مسکراہٹ لیے اس نے دل کھول کر اس کی تعریف کی تو وہ جھینپ گئی۔

"آپ بھی ناشمی....."

"سچ کہہ رہا ہوں لڑکی آج میں نے تمہیں پہلی بار لڑکیوں کے حلیے میں تیار دیکھا ہے ورنہ تو تم نجانے کیسے عجیب و غریب حلیے میں گھومتی ہو۔" اس کا اشارہ اس کی پینٹس اور ٹاپ کی طرف تھا جو وہ ہر وقت پہنے رکھتی تھی۔

"میں وقت اور ماحول کے مطابق ڈریسنگ کرتی ہوں۔" اس نے بالوں کو کیچر میں جکڑ کر اوپر کر کے باندھ لیا تھا۔

"آج تو بہت دیر ہوگئی ہے آہو مجھے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔" اس نے موبائل پر ٹائم دیکھا۔ رات کے بارہ بج رہے تھے۔

"کچھ نہیں ہوتا۔ اب جب دیر ہو ہی گئی ہے تو کیا خیال ہے آئس کریم کھانے چلیں۔" اس نے شرارتی سے انداز میں اس کی طرف سرسری سا دیکھا تھا۔

"توبہ کریں کیوں مجھے گھر سے نکلوانے کا ارادہ ہے آپ کا۔" اس نے کانوں کو ہاتھ لگایا تھا۔ وہ بے اختیار ہنس پڑا۔

"چلو پھر کبھی سہی۔ ویسے اگر تم کہو تو میں تمہیں اندر چھوڑنے آجاتا ہوں۔" اپنی مسکراہٹ دباتے اس نے فیاضانہ آفر کی تھی۔

"نہیں آپ کی بڑی مہربانی۔ آپ کو دیکھ کر تو آہو کا پارہ ویسے ہی چڑھ جاتا ہے۔" اس نے ہاتھ جوڑ کر معصومیت سے کہا تو وہ قہقہہ لگا کر ہنس پڑا تھا۔

"تو اچھا ہے نا دونوں کو نکال دیں گے۔" اس کی بات پر محظوظ ہوتے اس نے بھی اسی کے انداز میں کہا تھا۔

"اور رات کے اس پہر ہم کہاں جائیں گے؟"

"میرے گھر اور کہاں؟" اس کے برجستہ جواب پر وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی تھی۔

اسے گیٹ پر اتار کر وہ گاڑی زن سے دوڑا کر لے گیا تھا۔ لاؤنج کا داخلی دروازہ اس نے احتیاط سے بغیر آواز کے کھولا تھا۔ اپنی نازک سی پنسل ہیل والا سرخ جوتا اس نے اتار کر ہاتھوں میں تھام لیا تھا اور بغیر آواز پیدا کیے دبے قدموں لاؤنج عبور کر کے سیڑھیوں تک آئی تھی۔ شاید آہو اور بی بی جان سو چکے تھے۔ سیڑھیوں پہ پہلا قدم رکھتے ہی اسے ہزار وولٹ کا کرنٹ لگا تھا۔

"ام البنین۔" وہ یکدم اپنا نام سن کر پلٹی تھی۔ وہ عین ہال کے دروازے میں ہی کھڑے تھے۔ اس کے چہرے کا رنگ اڑ گیا تھا۔

"ٹائم دیکھا ہے تم نے۔ آئندہ سے تم کسی رات کے فنکشن میں یوں اکیلی نہیں جاؤ گی۔ زمانہ ٹھیک نہیں ہے اور تم ابھی ناسمجھ ہو۔" وہ غصے میں نہیں تھے، نہ ہی انہوں نے اسے ڈانٹا تھا۔ بس ان کا لہجہ ہمیشہ کی طرح سرد تھا۔ وہ محض اثبات میں سر ہلا کر رہ گئی تھی۔

"جاؤ اب جا کر آرام کرو۔" وہ اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئے تھے۔ تو کیا وہ اب تک اس لیے جاگ رہے تھے کہ وہ گھر نہیں لوٹی تھی؟ کیا انہیں اس کی فکر تھی کہ وہ اتنی دیر سے کیوں آئی ہے؟ انہوں نے اسے ڈانٹا بھی نہیں تھا حالانکہ وہ دس بجے کی بجائے رات کے بارہ بجے آئی تھی۔ پہلی بار اسے لگا تھا کہ بی بی جان شاید ٹھیک کہتی ہیں۔ آہو اس کی پروا کرتے ہیں مگر ان کا انداز مختلف ہے۔

☼ ☼ ☼

"اماں سائیں خدا کے لیے اماں سائیں۔" وہ اماں سائیں کے قدموں میں بیٹھی رو رہی تھی۔ اماں سائیں بت بنی اپنی اکلوتی بیٹی کو روتے دیکھ رہی تھیں۔ وہ ان سے کیا مانگ رہی تھی ان کی سمجھ سے بالاتر تھا۔ ان کا دماغ بالکل ماؤف ہو گیا تھا۔ وہ تین چار سال کی بتول ہوتی اور کسی کی گڑیا دیکھ کر ضد کرتی تو وہ بازار سے اسے اس سے بہتر گڑیا لا دیتیں مگر وہ تو.....

"اماں سائیں شاہ مجھے چھوڑ دے گا میرا گھر بچا لیں اماں سائیں۔" وہ روئے چلے جا رہی تھی۔

"اماں سائیں بھائی جان آپ کی بات سنیں گے۔ اس حویلی کا کوئی مکین آپ کی بات رد نہیں کر سکتا۔ آپ بولیں نا انہیں۔ میں کبھی ماں نہیں بن سکوں گی۔ میں کبھی اولاد کی خوشیاں نہیں دیکھ سکوں گی۔" اماں سائیں کی آنکھیں یکدم بھر آئی تھیں۔ انہوں نے کبھی اپنی بیٹی کی آنکھوں میں آنسو نہیں آنے دیے تھے مگر آج اس کی قسمت نے اسے رلا دیا تھا۔ کاش اللہ تعالیٰ ماں کے ہاتھوں اس کی اولاد کی تقدیر لکھواتا تو وہ کبھی اپنی اولاد کے حصے میں کوئی دکھ نہ لکھتی۔

"میرا بھی دل کرتا ہے کہ میرے ہاتھوں میں میرا بچہ ہو۔ میں اسے اپنے سینے سے لگا کر سلا سکوں۔ اسے لوری دوں، اسے سلاؤں۔" روتے ہوئے اس نے اپنے خالی ہاتھوں کو دیکھا تھا۔ اماں سائیں کا دل جیسے کٹ کر رہ گیا تھا۔

"اماں سائیں میرا بھی دل کرتا ہے کہ میں اپنے بچے کے گال چوموں، اس کا سر سہلاؤں، اسے نہلاؤں، اسے کھانا کھلاؤں۔۔۔ میرا بھی دل کرتا ہے نا کہ کوئی مجھے ماں کہنے والا ہو۔ میرے گھر میں بھی کسی بچے کی قلقاریاں گونجیں۔" وہ سسکیاں لے رہی تھی۔ اماں سائیں نے تڑپ کے اسے گلے سے لگا لیا۔

"میری بچی، تیری اماں تیرے صدقے جائے۔ تیری اماں سائیں کا بس چلتا تو کب کی تیری سونی گود بھر دیتی۔ مگر میں کچھ بھی نہیں کر سکتی۔" اپنے گلے سے لگائے وہ اسے تھپک رہی تھیں۔

"ایسا مت کہیں اماں سائیں۔ آپ تو ماں ہیں نا میری۔ آپ تو میری تکلیف سمجھ سکتی ہیں نا۔ آپ تو سمجھ سکتی ہیں نا کہ میں کس اذیت سے گزر رہی ہوں۔ پچھلے سات سالوں سے۔ میرے پاس زندگی کی ہر آسائش موجود ہے۔ کسی بات کی، کسی چیز کی کمی نہیں ہے سوائے اولاد کے اور اس کمی سے بڑھ کر دنیا میں اور کوئی کمی نہیں ہے۔" ان کے سینے سے لگی آنکھیں موندے وہ روئے چلی جا رہی تھی۔ اماں سائیں کی آنکھوں سے بھی آنسو جاری تھے۔ وہ کیسے اس کے زخموں پر پھایا رکھتیں۔ آج سات سال سے بندھے ضبط کے سب بندھن ٹوٹ گئے تھے۔ سات سال کا غبار وہ آج اکٹھے ہی نکال رہی تھی اور وہ کسی طور بند نہیں باندھ پا رہی تھیں۔

"بتول میں جانتی ہوں تیری تکلیف کو مگر وہ بھی تو ایک ماں ہے۔ وہ کیسے اپنی اولاد تجھے سونپ دے۔" اس کے بکھرے بالوں کو سمیٹ کر انہوں نے کانوں کے پیچھے اڑسا تھا۔

"اس کے پاس تو اور بھی اولاد ہے نا اور خدا اسے مزید بھی دے سکتا ہے۔ میرے پاس تو ایک بھی نہیں ہے اور نہ ہی خدا مجھے دے گا۔" اماں سائیں اس کی شکل دیکھ کر رہ گئیں۔

"آپ اسے کہیں نا اماں سائیں وہ اپنا ہونے والا بچہ مجھے دے دے۔ اسے کہیں نا میری خالی گود بھر دے۔ میں اس کی اولاد کو ساری زندگی اپنی جان بنا کر رکھوں گی، اپنے سینے سے لگا کر رکھوں گی۔ آپ اسے کہیں نا۔" وہ کسی ضدی بچے کی طرح ایک ہی بات کی گردان

کر رہی تھی۔

”بتول بانو کسی ماں کے پاس دس چھوڑ پچاس بچے بھی ہوں نا تو بھی وہ اپنا بچہ کسی کو نہ دے۔ اولاد چاہے پانچویں ہو یا پچاسویں ماں کے لیے وہ صرف اولاد ہوتی ہے۔“ اس کا چہرہ ہاتھوں کے پیالے میں لیے وہ ترحم بھری نگاہوں سے اپنی جواں سالہ بیٹی کو دیکھے گئیں۔

”میرے پاس تو ایک بھی نہیں ہے نا۔ ایک بھی نہیں۔ میں اس کے پیر پڑ جاؤں گی اسے کہیں میری گود بھر دے۔ میرا گھر بچا لے۔ شاہ نے مجھے چھوڑ دیا تو میرے پاس کچھ نہیں بچے گا۔ اسے کہیں اللہ کا واسطہ ہے مجھے تباہ ہونے سے بچا لے۔“ اماں سائیں کے ہاتھوں کو تھامتے اس کی ہچکی بندھ گئی تھی۔ وہ اسے کچھ بھی نہیں سمجھا سکیں گی۔ اس کا اندازہ انہیں ہو گیا تھا۔ اولاد کتنی بڑی آزمائش ہوتی ہے جو انسان کو کسی بھی حد تک لے جا سکتی ہے اس کا اندازہ آج انہیں اچھی طرح سے ہو گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

اگلے دن ناشتے کی ٹیبل پر آہو جان موجود تھے۔ پہلے اسے قدرے حیرت ہوئی تھی مگر پھر وہ خاموشی سے ناشتا کرنے لگی۔

”تم آج جا کر میڈیکل کالجز کے فارم لے آؤ۔ جس بھی کالج میں ایڈمیشن لینا چاہو لے سکتی ہو۔“ چائے کا گھونٹ بھرتے بنا کسی تمہید کے انہوں نے اسے دیکھتے ہوئے کہا تھا۔ کپ میں چمچہ چلاتے اس کے ہاتھ وہیں تھم گئے تھے وہ حیرت سے منہ کھولے آہو جان کی طرف دیکھنے لگی تو وہ اخبار پڑھنے میں مشغول ہو گئے۔ اس نے مارے حیرت کے بی بی جان کی طرف دیکھا جو مسکرا رہی تھیں۔ آہو جان مان گئے تھے ”اتنی آسانی سے کیسے مان گئے تھے۔ وہ حیرت کے سمندر سے باہر ہی نہیں نکل پا رہی تھی۔ جب وہ اپنی کرسی سے اٹھے تو اسے ہوش آیا تھا۔

”تھینک یو... آہو جان۔“ اس کے لبوں سے بمشکل نکل پایا تھا۔

”مگر ہر ضد پوری ہونے کے لیے نہیں ہوتی یہ یاد رکھنا۔“ انہوں نے جاتے ہوئے اسے تنبیہہ کی تھی۔

وہ خوش تھی، بے حد خوش تھی۔ خوشی سے وہ بی بی جان کے گلے لگ گئی تھی۔ اس نے شمیر کو کال کر کے اپنی خوشی اس سے شیئر کی تھی۔ وہ اگلے ہی دن اس کے لیے تمام میڈیکل کالجز کے پراسپیکٹس اور فارمز لے آیا تھا۔ وہ بہت ایکسائیٹڈ تھی۔ زندگی میں پہلی مرتبہ اسے آہو جان بہت اچھے لگے تھے۔

☼ ☼ ☼

اچانک دروازہ بجنے کی وجہ سے وہ نیند سے بیدار ہوئی تھی۔ فوری طور پر اسے سمجھ نہیں آیا کہ وہ کس شور سے جاگی ہے۔ دوبارہ اس کے کمرے کے دروازے پر دستک ہوئی تو اسے احساس ہوا۔ اس نے سامنے لگی دیوار گیر گھڑی میں وقت دیکھا تھا۔ صبح کے سات بج رہے تھے۔ اس کی چھٹیاں تھیں اور عموماً وہ صبح نو بجے سے پہلے نہ خود سے جاگتی تھی اور نہ ہی اسے کوئی جگاتا تھا۔

”کم... ان۔“ نیند میں ڈوبی آواز میں اس نے کہا تھا۔ ملازمہ اندر داخل ہوئی تھی۔

”بی بی صاحب آپ کو بڑا بی بی بلا رہا ہے کوئی مہمان آیا ہے۔“ اس نے اپنے پشتو اسٹائل سے کہا تھا۔

”اتنی صبح؟... تم بی بی جان سے کہو کہ میں بعد میں مل لوں گی۔ میرے سر میں درد ہے، میں سونا چاہتی ہوں اور ناشتے پر بھی میرا ویٹ نہ کریں ان کے ساتھ ہی ناشتا کر لیں۔“ کسلمندی سے آنکھیں ملتی ہوئی وہ پھر سے تکیہ منہ پر رکھ کر سو گئی۔

دوبارہ جب اس کی آنکھ کھلی تھی تو صبح کے دس بج رہے تھے۔ شاور لے کر اس نے ریڈ کلر کی لانگ شارٹ اور وائٹ ٹراؤزر پہنا تھا۔ گیلے بالوں کو اس نے کنگھی کیے بغیر کھلا چھوڑ دیا تھا۔ وائٹ ہی دوپٹہ گلے میں ڈالے وہ نیچے آ گئی تھی۔ لاؤنج خالی تھا اور گھر میں خاموشی تھی۔ شاید مہمان جا چکے تھے یا پھر گیسٹ روم

میں تھے۔ ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھ کر اس نے ملازمہ کو ناشتا لانے کے لیے کہا تھا اور سامنے رکھا اخبار پڑھنے لگی۔

”السلام علیکم۔“ مین ہال کے داخلی دروازے سے وہ جو کوئی بھی تھا اندر آیا تھا۔

”وعلیکم السلام۔“ اس نے اخبار پر سے نظریں اٹھا کر اسے دیکھتے سلام کا جواب دیا تھا۔ وہ گرے پینٹ اور لائٹ گرین کلر کی شرٹ پر گرے ٹائی لگائے لمبے قد کا بائیس تئیس سالہ لڑکا تھا جس کی رنگت سانولی مگر نقوش تیکھے تھے۔ اس شخص کو اس نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ کم از کم اس کی یادداشت کے مطابق وہ پہلے کبھی اس سے نہیں ملی تھی۔

”آپ...؟“ اس نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

”خاکسار کو مراد کہتے ہیں اور میں آپ کا کزن ہوں۔ آئی مین کہ آپ کے چھوٹے ماموں کا بیٹا۔ آپ کو شاید یاد نہیں ہے کہ ام کلثوم کی شادی پر ہم پانچ سال پہلے ملے تھے۔“ اس نے اپنا تعارف کراتے ہوئے اسے یاد کرایا تھا۔

”اں... شاید۔“ اسے کم از کم ایسی کوئی ملاقات یاد نہیں تھی۔ وہ گاؤں بہت ہی کم جاتی تھی اور پچھلے دو سال سے تو پڑھائی کی مصروفیات کی وجہ سے وہ گاؤں گئی ہی نہیں تھی اور ام کلثوم کی شادی پر اسے اتنے کزنز سے متعارف کرایا گیا تھا کہ اب اسے ان میں سے کسی کی شکل اور نام یاد نہیں تھا۔ رشتوں کو یاد رکھنے میں وہ ویسے بھی صفر تھی۔ بڑے ماموں کی فیملی کے علاوہ اس کا ننھیال اور ددھیال میں سے کسی سے کوئی خاص تعارف نہیں تھا۔ بی بی جان نے ویسے بھی اسے خاندان والوں سے ایک خاص فاصلے پر رکھا تھا۔

اس کا ناشتا آ چکا تھا۔ سلائس اور آملیٹ کھاتے ہوئے اس نے اسے بھی ناشتے کی آفر کی تھی۔

”نو تھینکس میں بی بی جان کے ساتھ ناشتا کر چکا ہوں۔ آپ کا سر درد کیسا ہے؟“ وہ اس کے سامنے رکھے صوفے پر ہی بیٹھ گیا تھا۔

”جی اب بہتر ہے۔“ چائے ساسر سے انڈیلتے ہوئے اس نے جواب دیا تھا۔

”آج کل کیا مصروفیات ہیں آپ کی؟“

”میں نے میڈیکل کے لیے اپلائی کیا ہوا ہے۔ ان شاء اللہ اسی فیلڈ کو جوائن کروں گی۔“ چائے کا گھونٹ بھر کے اس نے نوالہ نگلا تھا۔

”او۔ مطلب آپ مستقبل کی ڈاکٹر ہیں۔“ اس نے گہری نگاہوں سے اسے دیکھا تھا۔

”آپ اکیلے آئے ہیں؟“ اس نے استفسار کیا تھا۔

”فی الحال تو اکیلا ہی آیا ہوں مگر امید ہے کہ جلد ہی بابا اور ماما جانی کو بھی لاؤں گا۔“ اس کے ذو معنی جملے پر وہ بوکھلا گئی۔

”آپ کسی کام سے آئے ہیں؟“ اسے عجیب الجھن سی ہو رہی تھی اس کی نظروں سے۔

”جی وہ بس بزنس کے سلسلے میں ہی اپنے گاؤں میں گارمنٹ فیکٹری اسٹارٹ کرنے جا رہا ہوں اس سلسلے میں کچھ کام تھا۔“ اس کا ناشتا ختم ہو چکا تھا۔ وہ فوراً اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

”اوکے وش یو گڈ لک... مجھے کچھ کام ہے تو آئی ہیو ٹو گو۔ اٹس نائس ٹو میٹ یو۔“ اس نے مسکرا کر کہا تو وہ بھرپور نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے بولا۔

”سیم ہیر۔“

☼ ☼ ☼

آہو جان مراد کے ساتھ اس کی فیکٹری کے کام کے سلسلے میں جہلم گئے ہوئے تھے۔ شام تک ہی ان کی واپسی متوقع تھی۔ آج سنڈے تھا اس لیے صبح کا ناشتا کرنے وہ ان کے گھر چلی آئی۔ مامے سنڈے کو اسپیشل حلوہ پوری اور چنے کا ناشتا بناتی تھیں۔ ناشتے کی ٹیبل حلوہ پوری اور چنے کے سالن سے سجی ہوئی تھی اور زور و شور سے سب ناشتا کر رہے تھے۔ ان چاروں کی نوک جھوک بھی ساتھ ساتھ جاری تھی۔ اسے ایسا ہی بھرا پرا گھر پسند تھا۔ ام ایمن اور ام ہانی کی دو دن بعد فلائٹ تھی۔

”ان دونوں بیگمات کی تیاری مکمل ہو گئی ہے پیا

دیس سدھارنے کی۔" شمیر نے تیل سے چکنے ہاتھ ام ایمن کے دوپٹے سے صاف کرتے ہوئے کہا تھا۔

"مالے۔" ام ایمن چیخی تھی۔

"یہ اپنے لاڈلے کو سمجھالیں نا میرا سوٹ خراب کردیا ہے۔ اس نے" اس نے کھا جانے والی نظروں سے شمیر کو دیکھا تھا۔

"شمیر باز آجاؤ نا کیوں بہن کو ستا رہے ہو؟" مالے نے سرزنش کی تو وہ معصومیت سے بولا۔

"کیا ہے مالے؟ کرنے دیں نا دو دن بعد ویسے ہی یہ ہمیں روتا چھوڑ کر چلی جائے گی۔"

"فی الحال ہم کہیں نہیں جارہی ہیں۔ ویسے بھی یہ لاڈلی ہے نا اس گھر کی۔ اسے جی بھر کر تنگ کرنا۔" ام ہانی نے ماحول کی سنجیدگی کو کم کرنے کے لیے کہا۔ اس کا اشارہ ام البنین کی طرف تھا۔

"تو کر لو گل۔ اسے تنگ کروں؟ یہ الٹا مجھے تنگ کرکے رکھ دیتی ہے۔" وہ استہزائیہ ہنسا تو ام البنین منہ پھلا کے بیٹھ گئی۔

"ام البنین یہ بکواس کررہا ہے۔ اس کی باتوں کا برا مت منانا۔" ہانی نے پیار سے اس کا گال تھپکا تھا۔ ام ایمن اور ام ہانی ناشتا کرکے اٹھ گئی تھیں جبکہ وہ دونوں وہیں بیٹھے مزید چائے پینا چاہتے تھے۔

"تمہاری مراد سے ملاقات ہوئی؟ کیسا لگا ہے تمہیں؟" اس نے سرسری سے انداز میں اس کی طرف دیکھ کر رسانیت سے پوچھا تھا۔

"مایوس ہے مجھے وہ نہیں اچھا لگا۔" اس نے منہ کا زاویہ بگاڑ کر جواب دیا تھا۔

"ارے وہ کیوں؟ اتنا اچھا تو ہے وہ۔" وہ اچنبھے سے اسے دیکھنے لگا۔

"اب اتنا بھی اچھا نہیں ہے۔ گزارے لائق ہے۔" اس کا انداز مخالفانہ تھا۔

"لڑکی بہت اچھا ہے وہ۔ ام کلثوم اس کی بہت تعریف کرتی ہے۔ ان فیکٹ سچ پوچھو تو مجھے اپنے سب کزنز میں سب سے زیادہ وہ ہی پسند ہے۔ ہی از فل آف لائف۔" اس کے منہ سے مراد کے قصیدے سن کر اسے ذرا اچھا نہیں لگا تھا۔ وہ خاموشی سے چائے پیتی رہی۔

"بہت ٹیلنٹڈ، ویل مینرڈ اور کیئرنگ بندہ ہے وہ۔" چائے کا کپ خالی کرکے اس نے ڈائننگ پر رکھا تھا۔

"ہو گا۔" اس نے کندھے اچکائے تھے۔

"ہو گا نہیں۔ وہ واقعی ہے۔" وہ خاموش رہی تھی۔ اگر شمیر کسی بندے کی تعریف کررہا تھا تو واقعتاً وہ شخص قابل تعریف ہو گا کیونکہ شمیر کبھی کسی کی اس طرح تعریف نہیں کرتا تھا۔

☼ ☼ ☼
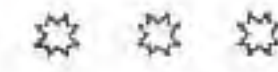
اماں سائیں کی بات سن کر اسے حیرت سے جیسے صدمہ ہوگیا تھا۔

"راشدہ اللہ نے تجھے اولاد جیسی نعمت سے نوازا ہے۔ ایک بار میری بچی کا تو سوچ کر دیکھ جو ساری زندگی اس نعمت کو ترسے گی۔" اپنی بڑی بہو کی طرف دیکھ کر انہوں نے شکست خوردگی سے کہا۔ اس وقت ان کے چہرے پر برسوں کی مسافت تھی۔ راشدہ حیرت سے کبھی ساس کو اور کبھی پاس بیٹھے شوہر کو دیکھ رہی تھی۔

"اماں سائیں خدا خیر کرے گا دیر سویر تو ہو ہی جاتی ہے۔" ملک زوار اپنی بیوی کے تاثرات جان گئے تھے کہ اسے یہ بات کس قدر ناگوار گزری ہے۔

"اور کتنی دیر ہوگی زوار۔ سال پہ سال بیتتے سات برس گزر گئے ہیں۔ بتیرا علاج کرایا ہے مگر کوئی افاقہ نہیں ہے۔ اولاد کی خوشی میری بچی کے نصیب میں ہی نہیں ہے۔" وہ دانستہ عابد شاہ کا ذکر گول کر گئی تھیں۔

"اماں سائیں آپ مایوس مت ہوں سب ٹھیک ہوجائے گا۔" اب کی بار راشدہ نے انہیں تسلی دی تھی۔ وہ پریگننٹ تھی اور اماں سائیں اس کی اگلے ماہ ہونے والی ڈلیوری اور بچے کی بابت ہی بات کرنے آئی تھیں۔

"تم بھی ماں ہو راشدہ۔ میری بچی کے دکھ کو سمجھنے کی کوشش کرو۔ زوار پتر وہ تیری چھوٹی بہن ہے۔ پترا خون کسی پرائے ہاتھوں میں نہیں تیری بہن کے پاس جائے گا۔" دونوں کی جانب دیکھ کر اماں سائیں نے اپنی جھولی ان کے آگے پھیلادی تھی۔

"میری بچی کی گود بھر دو تم دونوں۔" ملک زوار فوراً سے آگے بڑھے اور اپنی ماں کے ہاتھ تھام لیے تھے۔

"ایسا مت کریں اماں سائیں۔" انہوں نے کبھی اپنی ماں کو روتے نہیں دیکھا تھا۔ وہ ایک بہادر خاتون تھیں۔ شوہر کے انتقال کے بعد جیسے انہوں نے "ملکانی" کے روپ میں پورے گاؤں اور حویلی کے انتظامات کے ساتھ ساتھ تین بچوں اور یتیم بھتیجے کی پرورش کی تھی وہ قابل دید تھا۔

"تو نہیں جانتا ہے پتر بتول کی حالت۔ وہ باؤلی ہوگئی ہے۔" دوپٹے میں منہ دے کر وہ رونے لگیں۔

"آپ کی سب باتیں ٹھیک ہیں اماں سائیں مگر میں بھی تو ماں ہوں، میں کیسے اپنی اولاد کسی دوسرے کو سونپ دوں۔" راشدہ نے بے چینی سے پہلو بدلا۔ ملک زوار نے اسے گھورا تو وہ خاموش ہوگئی۔

"اماں سائیں جیسا آپ چاہتی ہیں ویسا ہی ہوگا۔ آپ سے اور بتول سے بڑھ کر میرے لیے اور کوئی نہیں ہے۔" اماں سائیں کے ہاتھ چوم کر انہوں نے قطعیت سے کہا تو راشدہ لب بھینچ کر رہ گئی۔

"مجھے اپنا بچہ اپنی بہن کی گود میں دینے میں کوئی قباحت نہیں۔" اماں سائیں نے خوشی سے ان کا ماتھا چوما تھا۔

"مگر ہم کوئی دوسرا بچہ بھی تو بتول بانو کی گود میں ڈال سکتے ہیں نا۔" راشدہ فوراً سے بیچ میں بولی تھی۔

"پاگل مت بنو راشدہ کوئی بھی خون ہمارے خاندان میں شامل نہیں ہوسکتا۔" انہوں نے بیوی کو لتاڑا تھا۔

"مگر۔۔۔؟" اس نے بولنے کے لیے لب وا کیے ہی تھے کہ ملک زوار نے اس کی بات کاٹ دی۔

"راشدہ کسی بھی پرائے بچے کو کیسے گود لیا جاسکتا ہے جس کا کوئی اتا پتا ہی نہ ہو ہمیں اور پھر میری بہن اگر میرے بچے کی پرورش کرے گی تو کیا ہوا رہے گا تو وہ ہمارا ہی خون نا۔"

"نہیں ملک زوار بتول بانو صرف اس بچے کی سرپرستی نہیں کرنا چاہتی وہ تو باضابطہ اسے گود لے گی۔ اور پھر تم لوگ اس سے کوئی تعلق نہیں رکھو گے۔" اماں سائیں نے دوپٹے سے آنکھیں پونچھیں —

"کیا مطلب ہے اس بات کا؟ کیا میں ساری زندگی اپنے بچے کو نہیں دیکھ پاؤں گی۔" راشدہ روہانسی ہوگئی تھی۔

"نہیں راشدہ ایسا نہیں کہا میں نے مگر بچے کو اس بات کا کبھی پتا نہیں لگنا چاہیے کہ اس کے اصل ماں باپ تم لوگ ہو۔" اماں سائیں نے نرمی سے اسے سمجھایا تھا۔ وہ ناسمجھی کے عالم میں سامنے بیٹھے شوہر کو مدد طلب نگاہوں سے دیکھنے لگی تو وہ نظر چرا گئے۔

"کیوں اماں سائیں کیا جب آپ نے عابد شاہ کی پرورش کی تو کیا آپ نے اسے پتا نہیں لگنے دیا تھا کہ وہ آپ کا بھتیجا ہے یا بیٹا؟ جب آپ نے اسے پالا تھا تو کیا آپ نے اسے ملک بابر کا نام دیا تھا۔ نہیں نا۔ جب آپ نے اسے پالا تھا تو کیا جائیداد میں اسے حصہ دے دیا تھا یا جب آپ نے اسے پالا تو وہ بتول بانو کا بھائی ہوگیا تھا۔" وہ ایک زخمی شیرنی کی طرح آج اماں سائیں کو دوبدو جواب دے رہی تھی۔

"راشدہ۔ خاموش رہو تم۔" ملک زوار دھاڑے تھے۔

"کیوں خاموش رہوں میں؟ آپ میرا بچہ مجھ سے چھین کر کسی اور کی گود آباد کرنے جارہے ہیں اور اس پر ستم ظریفی کہ میں اس سے تعلق بھی نہ رکھوں۔" وہ رو دی تھی۔

"زوار۔۔۔ اسے کچھ مت کہہ۔ یہ حق پر ہے۔" اماں سائیں خاموشی سے اٹھ کر چل دیں۔

"رکیں اماں سائیں۔ یہ بچہ بتول بانو کا ہی ہوگا۔ آپ فکر مت کریں۔" ملک زوار نے غصے سے راشدہ کو دیکھتے ہوئے اپنا فیصلہ سنایا تو وہ تڑپ کر رہ گئی۔

☼ ☼ ☼
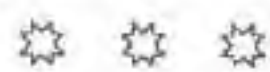
بائیو کیمسٹری کی پہلی کلاس گھنٹے بعد ختم ہوئی تو وہ

بیگ اٹھا کر لیکچر روم سے باہر چلی آئی۔ آج اس کا میڈیکل کالج میں پہلا دن تھا۔ وہ لیکچر روم سے باہر کاریڈور میں کھڑی اپنے موبائل پر میسج ٹائپ کرنے میں محو تھی جب اسے ایک شناسا سی آواز آئی۔

"ہیلو ام البنین۔" اس نے سر اٹھا کر دیکھا تو وہ اس کی پریویس کالج کی دو کلاس فیلوز فائزہ اور لائبہ تھیں۔

"او ہائے۔ تم لوگ یہاں ہو۔" اس نے شکر ادا کیا تھا کہ سوڈیڑھ سو کی کلاس میں کوئی تو شناسا چہرہ نظر آیا تھا۔ اپنی باقی کلاس فیلوز کے بارے میں ڈسکس کرتی وہ کیفے ٹیریا کی جانب چل دی تھیں۔ ابھی اگلی کلاس کے شروع ہونے میں آدھا گھنٹہ پڑا تھا۔

☆ ☆ ☆

ڈرائیور فیکٹری کے کسی کام سے آہو جان کو شہر سے باہر لے کر گیا ہوا تھا۔ فی الحال اسے خود سے ڈرائیونگ کی پرمیشن نہیں تھی کیونکہ ابھی اس کا لائسنس نہیں بنا تھا لہٰذا آج وہ شمیر کے ساتھ ہی کالج آئی تھی۔

"تم واپسی پر کتنے بجے فری ہوگی؟" پارکنگ ایریا میں اس نے گاڑی کو مناسب جگہ ملنے پر پارک کرتے ہوئے اسے پوچھا تھا۔

"دو بجے۔" گاڑی سے اترتے ہوئے اس نے مڑ کر جواب دیا تھا۔

"مطلب آج مجھے ایک گھنٹہ تمہارا ویٹ کرنا پڑے گا۔" کچھ سوچتے ہوئے اس نے گاڑی لاک کی تھی۔

"تو کیا مشکل ہے نہیں کرسکتے؟" کاندھے پر بیگ ڈال کر اس نے اپنی پونی ٹیل آگے ڈالی تھی۔

"اٹس اوکے۔ آئی ول۔" کی رنگ کو انگلی میں گھماتے ہوئے اس نے مسکرا کر جواب دیا۔

"بٹ دو ڈس اس سے زیادہ میں ویٹ نہیں کروں گا۔" اس نے جیسے اسے وارننگ دی تھی۔ وہ سر ہلاتے تیز قدموں سے کالج کی بلڈنگ کی جانب چل دی۔

آج اس کی ایک ایک گھنٹے کی تین کلاسز تھیں۔ آخری کلاس فیزیالوجی کے پروفیسر اکرام کی تھی جو وہ کسی طور مس نہیں کرسکتی تھی۔ پورے دو بج کر پانچ منٹ پر انہوں نے کلاس چھوڑی تھی۔ اس کے پاس اب پانچ منٹ تھے پارکنگ تک پہنچنے کے لیے۔ جلدی سے بیگ کاندھے پر ڈالے وہ باہر کی جانب لپکی تھی۔

"آج تم کیوں ہوا کے گھوڑے پر سوار ہو؟" وہ دونوں تیزی سے اس کے پیچھے بھاگی تھیں۔

"یار آج ڈرائیور نہیں ہے اور میں شمیر کے ساتھ آئی ہوں۔ وہ گھنٹے سے میرا ویٹ کررہے ہوں گے۔" تیز تیز چلتے ہوئے انہیں بتارہی تھی۔ ان دونوں کے چہرے پہ یکدم معنی خیز مسکراہٹ دوڑ گئی تھی۔

"اوہو۔" وہ پچھلے پورے مہینے سے "شمی نامہ" سن رہی تھیں اور اس شمی نامی دیوتا سے ملنا چاہتی تھیں جو اس کالج میں ہونے کے باوجود پورے بیس دن ہوگئے انہیں ایک بار بھی نظر نہیں آیا تھا۔ آج ایسا نادر موقع مل ہی گیا تھا۔

"ہم بھی تمہارے ساتھ پارکنگ تک چلتے ہیں۔" اس کے پیچھے تیز تیز چلتے انہوں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں ایک دوسرے کو اشارہ کیا تھا۔

"ہاں وائے ناٹ۔" تیز چلنے کی وجہ سے اس کی سانس پھول رہی تھی۔ وہ تینوں پارکنگ میں اس مطلوبہ جگہ کی طرف بڑھ رہی تھیں جہاں صبح وہ گاڑی سے اتری تھی۔

ان تینوں کو دور سے آتا دیکھ کر وہ گاڑی سے باہر نکل آیا تھا۔ بلیو جینز پہ ہاف سلیوز بلیک شرٹ اور سن گلاسز لگائے وہ سینے پر ہاتھ باندھے وہیں گاڑی سے ٹیک لگا کر کھڑا ہوگیا تھا۔

"واؤ یار تمہارا کزن بہت ہینڈسم ہے۔" فائزہ نے ہونٹ سکوڑ کر کہا۔ فائزہ کے منہ سے شمیر کی تعریف سننا اسے بہت اچھا لگا تھا۔ جو شخص یا چیز آپ کو پسند ہو، آپ کا دل کرتا ہے کہ وہ آپ سے جڑے سب رشتوں کی بھی پسندیدہ بن جائے۔

"ویسے سچ بتاؤں اگر یہ بندہ میرا کزن ہوتا تو میں کبھی اسے اپنے ہاتھوں سے نہ جانے دیتی۔" فائزہ نے لائبہ کو آنکھ مارتے ہوئے ام البنین کی جانب فقرہ اچھالا تھا۔ ام البنین اس کی اس قسم کی بکواس کو درخور اعتنانہ سمجھتی تھی۔

"تم ہمیں ملواؤگی نہیں اپنے کزن سے؟" اب وہ قدرے سست روی سے بقیہ فاصلہ طے کررہی تھیں۔

"ملواؤں گی مگر پلیز ان کے سامنے کچھ ایسا ویسا مت کہنا۔" اس نے وارن کرتے ہوئے ان دونوں کو عموماً" اور فائزہ کو خصوصاً" گھورا تھا۔ وہ دونوں اثبات میں سر ہلاتی اس کے پیچھے ہولیں۔ اس نے ان دونوں کو شمیر سے متعارف کرایا تھا۔

"ہم تو کب سے آپ سے ملنا چاہ رہے تھے مگر یہ آپ کی کزن ہی ٹال مٹول کرتی رہی ہے۔" فائزہ نے شکایتی انداز میں ام البنین کی جانب دیکھا تھا۔

"ویسے جیسا آپ کی تعریفیں سنی تھیں آپ اس سے کہیں زیادہ ہیں۔" فائزہ نے کمال خوش اخلاقی کا مظاہرہ کرتے ہوئے مسکرا کر شمیر کو دیکھا تھا۔ جواباً" وہ بھی رسماً" مسکرا دیا تھا۔

"ہمیں اسٹڈیز میں آپ کی ہیلپ چاہیے تھی۔" فائزہ نے فوراً" بات بنائی تھی۔

"کیوں لائبہ۔" لائبہ کے بازو میں چٹکی کاٹی تو وہ جیسے ہوش میں آئی تھی۔

"جی بالکل آپ جب فارغ ہوں تو ہمیں گائیڈ کردیں تھوڑا۔"

"ہاں ہم خود لائبریری میں آجائیں گے بس آپ وقت بتادیجیے گا۔" فائزہ نے بھی لائبہ کی ہاں میں ہاں ملائی۔ وہ خاموش کھڑی حیرت سے انہیں دیکھے چلے جارہی تھی۔ دل میں انہیں ہزار گالیاں دے کر اس نے شمیر کی جانب دیکھا جس کے چہرے پر ناگواری کے تاثرات ہویدا تھے۔

"آپ یوں کریں ہمیں اپنا نمبر دے دیں ہم خود آپ سے رابطہ کرلیں گے۔" فائزہ نے جھٹ پٹ بیگ سے موبائل نکال لیا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ شمیر کے قدموں میں بچھ جاتی۔

"سوری میں ان دنوں کچھ بزی ہوں۔" اس نے جان چھڑانے کے لیے صفائی سے جھوٹ بولا تھا۔

"نو پرابلم آپ جب بھی فری ہوں ہمیں میسج کردیجیے گا۔" فائزہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ گویا گوند سے چپاں ہوگئی تھی۔ اس کی بات سن کر بھی وہ ان سنی کرگیا تھا۔

"چلیں ام البنین۔" وہ شرمندگی کے مارے کچھ بول ہی نہ پائی۔ وہ اس کا جواب نہ پاکر گاڑی کا دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گیا۔ چاروناچار وہ دونوں برے برے منہ بناتی اسے خدا حافظ کرکے واپس لوٹ گئی تھیں۔ وہ گاڑی میں بیٹھ کر انگلیاں چٹخاتے کھڑکی کے پار دیکھ رہی تھی۔

"تو یہ ہیں تمہاری فرینڈز؟" اس کے طنزیہ لہجے پر وہ دل ہی دل میں شرمندہ ہوئی تھی۔ اس نے ایک طائرانہ نگاہ اس پر ڈالی اور ریاسیت سے گویا ہوا۔

"آئی مسٹ سے کہ آج بھی تمہیں فرینڈز بنانا نہیں آئیں نہ ہی تمہیں لوگوں کی اور ان کے رویے میں چھپے ان کے مقصد کی پہچان ہے۔" اس کے صاف گوئی سے کیے تبصرے پر اس نے دل میں ہی ان دونوں پر چار حرف بھیجے اور خاموشی سے باہر دیکھتی رہی۔

آنے والے دنوں میں اسے پوری طرح احساس ہوگیا تھا کہ وہ واقعی بہت بے وقوف ہے۔ وہ اب جان بوجھ کر ان دونوں سے اعتراض برتنے لگی تھی۔ پہلے پہل وہ دونوں اس کے پیچھے آئی تھیں مگر پھر جلد ہی وہ خود ہی پیچھے ہٹ گئی تھیں۔ آج کل ان کا اٹھنا بیٹھنا ایک بہت امیر کبیر لڑکی حوریہ کے ساتھ تھا جو سیکنڈ ایئر کی اسٹوڈنٹ تھی۔ وہ دونوں ہر وقت اس سے چپکی رہتی تھیں۔ اسے خود پر حد درجہ افسوس ہورہا تھا کہ وہ کیوں ان دونوں سے دوستی کرکے بیٹھ گئی تھی۔ جب وہ دونوں ام البنین کے ساتھ ہوتی تھیں تب بھی مختلف حیلے بہانوں سے اس سے پیسے بٹورتی رہتی تھیں۔ اس وقت یقیناً" اس کی عقل گھاس چرنے گئی ہوئی تھی۔ جو وہ غور نہ کرسکی کہ کبھی بیلنس تو

بھی نوٹس کی آڑ میں پیسے نہ ہونے کا رونا رو کر وہ اس سے ہمیشہ ادھار مانگتی تھیں وہ ادھار جس کی واپسی آج تک نہ ہوئی تھی۔

شمیر ٹھیک کہتا تھا وہ واقعی آج بھی کسی شخص کے بارے میں Judgment نہیں کرسکتی تھی۔

☼ ☼ ☼

بائیو کیمسٹری کی کلاس شروع ہونے میں ابھی پورا گھنٹہ باقی تھا۔ آج سر اکرام نہیں آئے تھے جس کی وجہ سے انہیں گھنٹے کا بریک مل گیا تھا۔ کلاس ٹیسٹ قریب ہی تھے جس کی تیاری کے لیے اس نے لائبریری سے کچھ بکس ایشو کرانا تھیں۔ وہ اسی مقصد سے لائبریری آئی تھی۔ ان دونوں سے دوستی ختم ہونے کے بعد اس نے دوبارہ سے کسی کی طرف بھی دوستی کا ہاتھ نہیں بڑھایا تھا۔ کبھی کبھار وہ کلاس کے ایک گروپ کے ساتھ کمبائنڈ اسٹڈی کے لیے ملتی تھی جس میں دو لڑکیاں اور دو لڑکے شامل تھے۔ کشمالہ، فاطمہ، قاسم اور ابرار۔ وہ چاروں بہت ہنس مکھ اور سادہ مزاج کے تھے۔ ان چاروں کی بانڈنگ کالج کے زمانے سے تھی۔ وہ چاہتے ہوئے بھی ان کے گروپ میں شامل نہ ہوئی تھی۔ اپنا آپ اس کو اس گروپ کے لیے مس فٹ لگتا تھا۔

آج وہ اکیلی ہی لائبریری آئی تھی لائبریری میں داخل ہوتے ہی اسے سامنے شمیر نظر آیا۔ مگر وہ اکیلا نہیں تھا اس کے ساتھ ایک لڑکی بھی تھی۔ وہ دونوں سامنے کچھ بکس پھیلائے ڈسکس کررہے تھے۔

کچھ دیر اسے دور سے دیکھنے کے بعد وہ اس کے قریب چلی آئی تھی۔ اس کے ہیلو کہنے پر اس نے سر اٹھا کر اس کی جانب دیکھا تھا۔

"ام البنین تم یہاں۔ کلاس نہیں لے رہیں؟" اس کا انداز قدرے سنجیدہ تھا۔ پھر یکدم اسے کچھ یاد آیا تو وہ سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

"او سوری۔ میٹ مائی کزن ام البنین اینڈ ام البنین شی از صنوبار یہ احمد مائی کلاس فیلو از ویل از آ گڈ فرینڈ آف مائن۔" ان کا آپس میں مکمل تعارف کرا کے وہ کتاب پر جھک گیا۔ ان دونوں نے مسکرا کر ایک دوسرے کو ہیلو ہائے کیا تھا۔

"وہ میں کچھ بکس ایشو کرانے آئی تھی۔ سر اکرام نہیں آئے آج۔ یہاں آئی تو آپ کو دیکھ کر سوچا کہ آپ سے مل لوں لیکن شاید آپ مصروف ہیں۔" اس کے گزشتہ سوال کا جواب دیتے ہوئے وہ کن انکھیوں سے سامنے بیٹھی اس لڑکی کا جائزہ لینے لگی جواب پھر سے کتاب پر جھک کر ورق گردانی کرنے لگی تھی۔ چوڑی دار آستین کا سفید اور سرخ رنگ کے امتزاج کا کلیوں والا کرتا پہنے کاندھے پر برائے نام دوپٹہ اوڑھے وہ اک ادا سے بار بار آگے آنے والے بالوں کو جھٹک کر بڑی مصروف نظر آرہی تھی۔ اپنے سلکی بالوں کو اس نے پشت پر کھول رکھا تھا۔ آنکھوں میں ہلکا سا کاجل اور ہونٹوں پر لگی پنک لپ اسٹک اس کی دودھیا رنگت اور تیکھے نقوش پر بہت جچ رہے تھے۔ بلاشبہ وہ لڑکی اس قدر حسین تھی کہ وہ لڑکی ہونے کے باوجود اس پہ سے نظر نہیں ہٹا پارہی تھی۔

"ہاں بس کچھ اسائنمنٹ ہیں جن کے بارے میں میٹریل چاہیے تھا۔" وہ ایک نظر اس کی طرف دیکھ کر پھر سے کتابوں میں کھو گیا تھا۔ اسے اپنا وہاں مزید بیٹھنا بے وقوفی لگا تھا وہ خاموشی سے معذرت کرتی وہاں سے اٹھ کر چلی آئی تھی۔

آج پہلی بار وہ اس طرح شمیر کے پاس سے اٹھ کر آئی تھی کیونکہ آج پہلی بار اسے اپنا آپ شمیر کی نظروں میں نجانے کیوں بے مول لگا تھا اور شاید ایسا اس لڑکی کی وجہ سے تھا جس سے آج وہ پہلی مرتبہ ملی تھی جبکہ وہ اسے اپنی گڈ فرینڈ کہہ کر متعارف کرارہا تھا۔ اگر وہ اس کی گڈ فرینڈ تھی تو اس نے پہلے کبھی اس کا ذکر کیوں نہیں کیا تھا۔ جو بھی تھا وہ لڑکی اسے بالکل پسند نہیں آئی تھی۔

☼ ☼ ☼

اس نے ماربل کیک کا اسفنج اوون سے نکال کر فریج میں ٹھنڈا ہونے کے لیے رکھ دیا تھا۔ فریزر سے فریش کریم نکال کر اس نے باؤل میں نکالی تھی اور تھوڑی تھوڑی کیسٹر شوگر ڈال کر بیٹ کرنے لگی۔ کیک ٹھنڈا ہونے پر اس نے اسے درمیان سے کاٹ کر دو حصوں میں تقسیم کیا تھا۔ ایک حصے پر اس نے چاکلیٹ سوس لگایا تھا اور اوپر پائن ایپل کے چنکس رکھ کر کیک کے دوسرے حصے کو اوپر رکھ کر نرم ہاتھوں سے دبایا تھا۔ اب وہ بڑی مہارت سے بیٹ کی ہوئی فریش کریم کو پورے کیک پر لگا کر چھری سے ہی ہموار کررہی تھی۔ اس نے پائپنگ بیگ میں سرخ جام بھر کر کیک کے چاروں طرف پھول بنائے تھے۔ دوسرے پائپنگ بیگ میں بھری چاکلیٹ سوس سے اس نے اسٹائلش سا "ہیپی برتھ ڈے شمیر" لکھا تھا۔ کرش چاکلیٹ اس نے کیک کی سائیڈ پر ڈال کر فاتحانہ نظروں سے کیک کی طرف دیکھا۔ کچن میں لگی وال کلاک پر اس وقت پورے گیارہ بج کر پچپن منٹ ہورہے تھے۔ اپنا کام وہ مطلوبہ ہدف سے پورے پانچ منٹ قبل مکمل کرچکی تھی۔

تمام گندے برتن سمیٹ کر اس نے سنک میں رکھ دیے تھے جنہیں یقیناً" صبح ملازمہ نے ہی آکر دھونا تھا۔ ہاتھوں کو جلدی جلدی سنک میں دھوتے ہوئے اس نے پاس پڑے موبائل کی جانب دیکھا۔ گیلے ہاتھوں سے ہی موبائل اٹھا کر اس کا نمبر ڈائل کرنے لگی۔ دوسری طرف پہلی بیل پر ہی کال ریسیو کرلی گئی تھی۔ اس کے ہیلو بولنے سے پہلے ہی وہ لہک لہک کر گانے لگی تھی۔

"ہیپی برتھ ڈے ٹو یو۔ ہیپی برتھ ڈے ٹو یو۔ ہیپی برتھ ڈے ڈیئر شمی ہیپی برتھ ڈے ٹو یو۔" وہ مسکراتے ہوئے اس کی آواز سن رہا تھا۔ ہمیشہ کی طرح آج بھی اس کو سب سے پہلے وش کرنے والی وہی تھی۔

"جلدی سے میری طرف آجائیں۔" اس نے چھوٹتے ہی کہا تھا۔

"اس وقت کیوں؟" اس کے انداز میں تجسس تھا۔

"ہاں اسی وقت آجائیں۔ کچھ سرپرائز ہے۔" دوسرے ہاتھ سے وہ ساتھ ساتھ کچن سمیٹ رہی تھی۔ کچن کے مختلف کیبنٹ کھول کر وہ تمام اشیاء کو ان کے ٹھکانے پر رکھ رہی تھی۔

"اس وقت کیا سرپرائز ہے؟" اب کی بار اس کا انداز تشویشی تھا۔

"آئیں گے تو پتا لگ جائے گا نا جلدی سے آئیں۔" وہ اس کے تجسس کو مزید ہوا دیتے ہوئے بولی۔

"بس آیا۔" وہ فوراً"۔ فون بند کرکے کیک اٹھائے باہر لان میں چلی آئی تھی۔ جہاں لان میں میز پر تمام برتن ترتیب سے رکھے تھے۔ میز کے اردگرد پڑی کرسیوں میں سے ایک پر اس کا گفٹ دھرا تھا۔ لان کی تمام لائٹس اس نے آف کردیں اور ڈھیر ساری کینڈلز اس نے کیک کے اردگرد پڑے رہی جلادی تھیں۔

آہو جان مراد کی فیکٹری کے کام کے سلسلے میں ہفتے کے لیے گاؤں گئے ہوئے تھے۔ وہ اکثر ہی مراد کی فیکٹری کے کام سے گاؤں جانے لگے تھے۔ اس کی نئی فیکٹری کے سلسلے میں آہو جان اس کی بہت ہیلپ کررہے تھے۔ جس "مراد" نام سے ہی وہ چند ماہ قبل ناواقف تھی اب اکثر اس کا ذکر گھر میں ہونے لگا تھا۔

وہ وہیں رکھی کرسیوں میں سے ایک پر بیٹھ گئی تھی۔ تھوڑی دیر میں ہی وہ اسے گیٹ سے اندر آتا دکھائی دیا۔ اس نے جلدی تمام کینڈلز جلانا شروع کردی تھیں۔ اس نے یہ تمام ارینجمنٹ لان میں قدرے ہٹ کر کیا تھا جہاں سے وہ گیٹ سے اندر داخل ہوتے شمیر کو بخوبی دیکھ سکتی تھی مگر وہ اسے نہ دیکھ پایا تھا۔ وہ سیدھا ڈرائیونگ وے سے ہوتا اندر کی جانب بڑھا تھا۔ تب ہی اس نے میسج کرکے اسے لان میں آنے کا کہا۔ تب تک وہ تمام کینڈلز جلا چکی تھی۔ وہ لان میں آیا تو وہ لہک لہک کر پھر سے اسے وش کرنے لگی تھی۔ اس کی بچکانہ حرکتوں پر وہ ہنس رہا تھا۔

"یو نو شمی یہ کیک میں نے خود بنایا ہے آپ کے لیے۔" اس کی پیکنگ اچھی تھی خاص کر وہ کیک

اچھے بنالیتی تھی۔

"اب کاٹیں نا۔" اس کا ہاتھ تھام کر اس نے چھری اس کے ہاتھ میں تھمادی تھی۔ اس کے کیک کاٹنے پر وہ بچوں کی طرح تالیاں بجا کر خوش ہو رہی تھی۔ اس دونوں نے مل کر کینڈلز بجھائی تھیں۔ کیک کا پیس لے کر اس نے شمیر کے منہ میں ٹھونس دیا تھا۔ وہ کیک کھاتا ہوا اس کا دیا گفٹ کھول کر دیکھنے لگا۔ وہ boss Hugo کا پرفیوم تھا جو وہ اکثر استعمال کرتا تھا۔

"تھینک یو ام البنین۔" اس نے مسکرا کر پیار سے کہا تھا۔

"نو تھینکس۔ آپ ہمیشہ سے میرے لیے اتنا کرتے رہے ہیں۔ آج فرسٹ ٹائم میں نے آپ کے لیے کچھ کیا ہے۔" کیک کا پیس ہاتھ سے اٹھا کر منہ میں ڈال کر وہ بھرے منہ سے کیک نگلتے ہوئے بولی تھی۔

"تم چھوٹی ہو نا۔" اس کے سر پر لگا کیچر کھول کر اس نے اس کے بالوں کا جوڑا بنا کر کیچر لگا دیا تھا۔

"دوستی میں کوئی چھوٹا بڑا نہیں ہوتا ہے۔ سب برابر ہوتا ہے یہی مساوات کا درس ہے۔" انگلیوں کو چاٹتے ہوئے وہ معصومیت سے بولی تو وہ بے اختیار قہقہہ لگا کر ہنسنے لگا۔

"اچھا مساوات کی علمبردار میں اب چلوں' اجازت ہے؟ گھر والے پریشان ہوں گے کہ ان کا جوان جہاں لڑکا کہاں غائب ہو گیا ہے۔" وہ دونوں آہستہ آہستہ چلتے لان سے گیٹ کی طرف بڑھے تھے۔

"شمی مجھے آپ کو تھینکس کہنا تھا۔ بہت پہلے کا سوچا ہوا تھا مگر ہمت نہیں ہوئی۔" ہاتھ مسلتے ہوئے وہ پاؤں سے گھاس مسل رہی تھی۔

"کس بات کا تھینکس؟" اطمینان بھرا سانس لے کر وہ اس کی طرف متوجہ ہوا۔

"آپ ٹھیک کہتے ہیں مجھے لوگوں کو پہچاننا نہیں آتا۔"

"ہوں۔۔۔ بڑی ہو جاؤ لڑکی اور تھوڑا عقل کا استعمال کر لیا کرو۔"

"آپ ہمیشہ ایسے ہی میرے ساتھ رہیں گے نا؟" اس نے بڑی سادگی سے پوچھا تھا۔

"میں تمہارے ساتھ ہی ہوں ام البنین۔ ہمیشہ تمہارے ساتھ ہی رہوں گا۔" اس کا ہاتھ تھام کر اس نے ہولے سے کہتے اسے تسلی دی تھی۔ وہ آج اسے بہت بدلی بدلی لگ رہی تھی۔ تھوڑی دیر پہلے خوشی سے اچھلتی کودتی وہ لڑکی اب یکدم اداس تھی۔ اس کے دھوپ چھاؤں جیسے موسم کی وجہ وہ نہیں جان پا رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

"عابد شاہ تو یوں میری بات نہیں ٹال سکتا۔ اب تو کوئی الجھن کوئی پریشانی نہیں ہے پھر تجھے کیا اعتراض ہے۔" اماں سائیں کی آواز اونچی مگر لہجہ کمزور تھا۔ اس وقت وہ عابد شاہ کی پھوپھی نہیں بتول بانو کی ماں تھیں جو بھتیجے سے نہیں داماد سے مخاطب تھیں۔ کالے پھولوں والی سفید چادر کی بکل مارے وہ اس وقت ایک عام سی کمزور اور لاغر عورت لگ رہی تھیں۔ ان کا وہ غرور و طنطنہ جو ان کی شخصیت کا خاصہ تھا آج مفقود تھا۔ حویلی اور گاؤں کے بڑے بڑے فیصلے کرنے والی زیتون بانو آج اپنے ہی ہاتھوں پرورش پانے والے بھتیجے کے سامنے اپنی بیٹی کی خوشیوں کا سوال لے کر آئی تھیں۔

"اماں سائیں میں کسی بچے کو گود لے کر اس کے ساتھ ناانصافی کر کے پوری زندگی مجرم بن کے نہیں رہ سکتا۔" اس کا انداز اٹل تھا۔

"کیوں انصاف نہیں کر پائے گا۔ تیری کون سی اور اولاد ہے جو تو اس بچے سے انصاف نہیں کر پائے گا۔" اماں سائیں کے الفاظ اس کے دل و دماغ پر کوڑے کی طرح برسے تھے۔

"ہاں اماں سائیں بے شک میری اپنی اولاد نہیں ہے مگر میں کسی دوسرے کی اولاد بھی گود نہیں لے سکتا۔ آپ مجھے ہزار یتیم اور لاوارث بچوں کی سرپرستی کرنے کو کہیں گی' میں کروں گا۔ آپ مجھے کسی حاجت مند کی دیکھ بھال اور پرورش کا حکم دیں گی میں کروں گا۔ مگر کسی دوسرے کے بچے کو قانوناً گود لے کر اپنا نام دینا اور اپنی اولاد کا درجہ دینا اماں سائیں اتنا بڑا دل نہیں ہے میرا۔"

"عابد شاہ۔" وہ بے بس سے اسے دیکھنے لگی تھیں۔

"بتول بانو کو کوئی بچہ چاہیے نا میں ابھی کے ابھی کسی یتیم خانے سے اسے بچہ لا دوں گا۔ وہ شوق سے اس کی پرورش کرے مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ مگر ملک زوار کی اولاد کو اپنی اولاد کا نام دے دوں یہ میری انا کو گوارہ نہیں ہے۔ اس بچے کو دیکھ کر میں پل پل مرتا رہوں گا۔" اپنی آنکھوں میں آتی نمی کو اس نے رخ موڑ کر اماں سائیں سے چھپا لیا تھا۔

اماں سائیں نے دکھ بھری نظروں سے اسے دیکھا تھا۔ جب وہ شادی کر کے اس حویلی میں آئی تھیں تو اپنے اس یتیم بھتیجے کو بھی اپنے ساتھ لائی تھیں۔ ملک بابر نے اسے یتیم و نادار سمجھ کر اس کی پرورش کی تھی۔ عابد شاہ جب سات برس کا ہوا تو زیتون بانو کی شادی کے دو سال بعد ملک زوار پیدا ہوئے تھے۔ اوپر تلے ملک خاور اور بتول بانو کی پیدائش کے بعد بھی عابد شاہ کی اہمیت کم نہیں ہوئی تھی۔ مگر یہ بھی حقیقت تھی کہ وہ زیتون بانو کا بھتیجا ہی تھا جس کی پرورش ان کا فرض تھا' کبھی بیٹا نہیں بن سکا۔

"عابد شاہ تو اتنا کٹھور نہیں تھا۔ یہ میری پرورش نہیں تھی۔" دکھ اور کرب کے ملے جلے جذبات سے انہوں نے اسے مخاطب کیا تھا۔

"اماں سائیں آپ نے میری پرورش اور سرپرستی کی ہے۔ مجھے پالا پوسا ہے مگر میں آپ کا بیٹا تو نہیں بن سکا۔" اس نے اماں سائیں سے نظریں ملائے بغیر دھیرے مگر مضبوط لہجے میں کہا تو وہ دنگ رہ گئی تھیں۔

"کسی پودے کو اس کی جگہ سے اکھاڑ کر نئی جگہ لگا دیا جائے تو پودا اسی ماحول میں بڑھتا ہے جو اسے میسر ہوتا ہے۔" وہ تخت پر ڈھے سی گئی تھیں۔

"مگر اس کی جڑیں اس زمین کی نہیں ہوتی ہیں۔" اس کے الفاظ انہیں ہولائے دے رہے تھے۔

"اولاد بڑی نعمت ہے۔ وہ نعمت جو پیغمبروں نے بھی اللہ سے مانگی تھی۔" ان کی آنکھوں میں موٹے موٹے آنسو آ گئے تھے۔

"اولاد آزمائش بھی ہوتی ہے اور میں اس آزمائش میں پورا نہیں اتر پاؤں گا جس میں آپ مجھے ڈالنا چاہتی ہیں۔"

"عابد۔۔۔ میری بیٹی کو اس کی خوشیاں دے دے میں آج تیرے آگے اپنی اولاد کی خاطر جھولی پھیلاتی ہوں۔" اپنی چادر اس کے آگے پھیلانے کو وہ تیزی سے تخت سے اٹھیں تو وہ کرنٹ کھا کر پیچھے ہٹا تھا۔

"اماں سائیں۔" وہ اس کی ماں نہ سہی مگر وہ انہیں ماں کی جگہ پر رکھتا تھا۔ انہیں خود سے لگائے وہ جیسے بے بس ہو گیا تھا۔

"ٹھیک ہے وہی ہو گا بتول بانو جیسا چاہے گی۔" وہ ہار گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

آہو جان گاؤں سے لوٹے تھے تو ان کی خوشی دیدنی تھی۔ عجیب سکون تھا ان کے چہرے پر۔ چھوٹے ماموں نے مراد کے لیے ام البنین کا ہاتھ مانگا تھا۔ ام البنین کے لیے مراد سے بڑھ کر کوئی اور ان کی نگاہوں میں آج تک نہیں جچا تھا۔ ان کی طرف سے تو ہاں ہی تھی مگر وہ اس معاملے میں ایک بار بی بی جان سے بھی بات کرنا چاہتے تھے اس لیے فوری جواب دینے سے اجتناب کیا تھا۔

"میں ام البنین سے پوچھے بغیر اپنی رائے نہیں دینا چاہتی۔" ان کا لہجہ نرم تھا۔ رات میں کھانے کے بعد وہ حسب معمول ان کے لیے دودھ کا گلاس لائی تھیں تبھی انہوں نے اس رشتے کی بابت ان سے بات کی تھی۔

"وہ ابھی بچی ہے۔ ان معاملات اور رشتوں کی نزاکت کو نہیں سمجھتی وہ۔" سگریٹ ایش ٹرے میں مسلتے ہوئے راکنگ چیئر سے ٹیک لگا کر وہ دودھ کا گلاس اٹھا کر پینے لگے تھے۔

"یہ ہمارا زمانہ نہیں ہے کہ ہم بچیوں سے ان کی

رائے جانے بغیر رشتے طے کردیں۔ اب وہ اتنی بچی بھی نہیں ہے۔ آج کل کے بچے تو ایک شرٹ تک اپنے بڑوں کی مرضی سے نہیں پہنتے۔" دھیمے لہجے میں کہتی وہ کھڑکی کے پردوں کو ٹسلیز کی مدد سے دیوار گیر ہک میں ڈال کر پردے کھول رہی تھیں۔

"ہم اس کو بتادو کہ ہم اس کی منگنی مراد سے کرنا چاہتے ہیں اور یہ بھی بتا دینا کہ یہ فیصلہ بچپن سے ہی ہوچکا تھا۔ انکار کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔" ٹھوس لہجے میں کہتے وہ راکنگ چیئر پر جھول رہے تھے۔

"آپ ایک مرتبہ بھائی جان سے بھی بات کرکے ان کی رائے بھی جان لیں۔" پرسوچ نگاہوں سے وہ اپنے شوہر کو دیکھ رہی تھیں۔

"انہیں کیا اعتراض ہوسکتا ہے؟ اپنی بیٹیوں کے رشتے طے کرتے ہوئے انہوں نے کیا ہم سے پوچھا تھا اور اب شمیم کے معاملے میں بھی وہ ہمیں نہیں پوچھیں گے۔"

"خیر اعتراض تو انہیں کوئی بھی نہیں ہوگا۔" ان کا انداز مدافعانہ تھا۔

"بس تو ضرورت نہیں ہے۔" انہوں نے ہاتھ اٹھا کر صاف منع کردیا تھا۔ وہ ٹھنڈی سانس لے کر رہ گئی تھیں۔

☆ ☆ ☆

دوپہر کو کالج سے آکر وہ فریش ہوکر کمرے سے نیچے آئی تھی۔ بی بی جان ڈائننگ ٹیبل پر کھانا لگا کر اس کی منتظر تھیں۔ اسے آتا دیکھ کر انہوں نے اس کی پلیٹ میں سالن نکال کر اس کے آگے رکھا تھا اور روٹی ہاٹ پاٹ سے نکال کر اس کی طرف بڑھائی تھی۔ اس کے کھانا شروع کرنے کے بعد انہوں نے اپنے لیے کھانا نکالا تھا۔ کھانے کے دوران ہی وہ اس سے کالج کے دن بھر کے روداد سن رہی تھیں۔ اس نے کھانا ختم کرنے کے بعد سامنے دھرے جگ میں سے تازہ سیب کا جوس گلاس میں ڈالا تھا۔

"تمہارے ماموں نے مراد کے لیے تمہارا رشتہ مانگا ہے۔" بی بی جان کے منہ سے یہ الفاظ سنتے ہی اس کے گلاس کی جانب بڑھتے ہاتھ یکدم تھم گئے تھے۔ وہ حق دق انہیں تکنے لگی تھی۔ تبھی بی بی جان نے بھی شگفتگی سے نوالہ منہ میں رکھ کر چباتے ہوئے دزدیدہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا اور گویا ہوئیں۔

"میں جانتی ہوں کہ تم ابھی مراد کے بارے میں کچھ خاص نہیں جانتیں کیونکہ ساری زندگی وہ ہاسٹلز میں رہا ہے تو تم دونوں کا کبھی میل ملاپ نہیں ہوسکا مگر میں اور تمہارے آغا جان چاہتے ہیں کہ اب تم اس کے بارے میں سوچو۔ وہ اکثر اب فیکٹری کے کام کے سلسلے میں آتا جاتا رہتا ہے تم اسے وقت دو اسے تھوڑا بہت جان جاؤ گی۔ وہ تمہیں اچھا لگے گا۔ مجھے اور تمہارے آغا جان کو وہ بہت پسند ہے۔ کیونکہ وہ ہے ہی بہت اچھا۔" وہ مراد کی شان میں رطب اللسان تھیں اور وہ ساکت بیٹھی بے یقینی سے محض انہیں سن رہی تھی۔ جو شخص اس سے چند ماہ قبل پہلی بار مل رہا تھا۔ جس کا نام اس نے چند ماہ قبل خود اس کے ہی منہ سے سنا تھا۔ جسے وہ سرے سے جانتی ہی نہ تھی اسی کے ساتھ اس کی بات طے کرنے کے بارے میں سوچا جارہا تھا۔

"وہ بہت ذہین ہے۔ ماشاء اللہ اور بہت کم عمری میں اس نے خود اپنے پیروں پہ کھڑے ہو کر دکھایا ہے۔ اتنی بڑی ذمہ داری بہت ہی احسن طریقے سے نبھا رہا ہے۔" وہ سوچ سوچ کر کہہ رہی تھیں اور وہ گم سم سی بیٹھی تھی۔

"مراد بہت خوش رکھے گا تمہیں۔ وہ بہت ہی سلجھا ہوا اور ہنس مکھ بچہ ہے۔ میری بچی کے لیے اس سے بہتر بر کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔" ان کا لہجہ بہت محبت بھرا اور جذباتی تھا۔ اسے مسلسل خاموش بیٹھا دیکھ کر وہ یکدم مضطرب سی اس کی طرف دیکھنے لگیں۔

"ام البنین تم کچھ کہو گی نہیں؟" انہوں نے جیسے اسے کسی گہری نیند سے بے دار کردیا تھا مگر جاگنے پر بھی منظر وہی تھا۔ وہی بی بی جان اور وہی "وہ" تھی۔ کچھ بھی نہیں بدلا۔ وہ خواب نہیں تھا۔

"میں... اور مراد۔ مراد... اور میں۔" اس کے حلق میں پھندا سا لگ گیا تھا۔

"نہیں بی بی جان یہ کیسے ہوسکتا ہے؟" اسے جیسے ہوش سا آگیا تھا۔ اس کی بھوری آنکھوں میں سراسیمگی تیر رہی تھی۔ بی بی جان نے جانچتی نظروں اور دھڑکتے دل سے اس کی جانب دیکھا۔

"کیا کالج میں کوئی اور...؟" انہوں نے فقرہ ادھورا چھوڑ دیا تھا۔

"فار گاڈ سیک بی بی جان میں کالج پڑھنے جاتی ہوں۔" اس کی فوری تردید نے انہیں یک گونہ سکون پہنچایا تھا۔ وہ ان کی بیٹی تھی تو ایسا کوئی بھی قدم کیسے اٹھا سکتی تھی؟

"میں مراد سے بلکہ فی الحال کسی سے بھی شادی نہیں کرسکتی۔" اس کی آواز قدرے اونچی تھی۔ بی بی جان کا ماتھا ٹھنکا تھا۔

"تو پھر تمہیں کیا مسئلہ ہے؟"

"بی بی جان میں اپنا کیریئر بنانا چاہتی ہوں۔ اس موڑ پر میں کبھی شادی کا نہیں سوچ سکتی۔" وہ کافی روڈ ہوگئی تھی۔

"تو ہم کون سا ابھی تمہاری شادی کررہے ہیں محض ایک منگنی کی رسم کرنا چاہتے ہیں جس پر تم اس قدر واویلا کررہی ہو اور مراد ایک پڑھا لکھا لڑکا ہے وہ کیوں تمہارا کیریئر خراب کرے گا۔" وہ اس سے خفا سی ہوگئی تھیں۔ کم از کم اس ردعمل کی توقع وہ اس سے نہیں کررہی تھیں۔ ان کی خفگی اور ناراضی ام البنین نے محسوس کرلی تھی۔

"میں فائنل ایئر تک اس قسم کا کوئی سلسلہ نہیں چاہتی۔" اب کی بار وہ محتاط انداز میں بولی تھی۔

"مطلب تمہیں مراد پر کسی قسم کا اعتراض نہیں ہے تم صرف وقت چاہتی ہو؟" انہوں نے اس سے تائید چاہی۔ بنا تردد کے اس نے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

"نہیں بی بی جان اب یا کبھی بھی میں مراد کے بارے میں اس حوالے سے نہیں سوچ سکتی۔ وہ شخص پہلی نظر میں ہی مجھے بالکل پسند نہیں آیا۔ آئی ڈونٹ لائک ہم۔" اس کے صاف انکار کرنے پر بی بی جان خائف سی ہوگئی تھیں۔

"کیا خامی ہے اس لڑکے میں؟ اس سے بہتر لڑکا ہم کبھی تمہارے لیے نہیں ڈھونڈ سکتے۔" اب کی بار وہ تیز لہجے میں بولی تھیں۔

"بس میں مراد سے شادی نہیں کروں گی۔ نہ اب نہ بعد میں اور اگر آپ اس سے بہتر لڑکا میرے لیے نہیں ڈھونڈ سکتے تو میں خود ڈھونڈ لوں گی۔" وہ انتہائی بدتمیزی سے جواب دے کر پیر پٹختی اوپر اپنے کمرے میں چلی گئی تھی۔ وہ اس سے اس خودسری کی توقع ہرگز نہیں کررہی تھیں۔ یہ ان کی ڈھیل کا نتیجہ تھا جو آج وہ اس قدر ہٹ دھرمی دکھا کر گئی تھی۔ وہ تذبذب کے عالم میں اس مسئلے کا حل سوچنے لگیں۔

☆ ☆ ☆

جب وہ شام کو جم سے لوٹا تھا تو دروازے کی چوکھٹ پر کھڑے اندر کا منظر دیکھ کر وہ قدرے حیران رہ گیا تھا۔ بابا اونچی آواز میں مالے پر چلا رہے تھے۔ وہ ان کے غصے کی وجہ سمجھنے سے قاصر تھا۔ اس کے قدم وہیں تھم گئے تھے۔ تب ہی ان کی نظر اس پر پڑی تھی۔

"لو آگیا ہے تمہارا شہزادہ۔ پوچھو اب اس سے۔" گولہ باری کا رخ اب اس کی طرف ہوگیا تھا۔ مالے نے بھی سر اٹھا کر دکھ بھری نگاہوں سے اس کی جانب دیکھتے ہوئے لب بھینچ لیے تھے۔

"کیوں برخوردار یہ تربیت کی ہے ہم نے تمہاری۔ اس دن کے لیے تم لوگوں کو اس قدر آزادی دے رکھی تھی کہ آج تم ہمیں دنیا والوں کے سامنے رسوا کراؤ۔ تمہاری وجہ سے لوگ ہمیں طعنے دیں باتیں سنائیں؟" غصے سے ان کی آواز پھٹ گئی تھی۔

"ہوا کیا ہے مجھے بتائیں تو سہی؟" اس نے الجھ کر مالے کی جانب دیکھا تھا جو افسوس اور ملال سے سر جھکائے بیٹھی تھیں۔

"جیسے تمہیں تو پتا ہی نہیں ہے کہ کیا ہوا ہے۔ سارا کیا دھرا تمہارا ہے۔ ام البنین تو بچی ہے۔ اسے تو

عقل ہی نہیں ہے۔ تم خود کو کیا سمجھتے ہو؟ کیا تم گاڈ فادر ہو اس کے کہ جو دل میں آئے اس کے دماغ میں بھرتے رہتے ہو؟" ام البنین کے نام پر وہ چونکا تھا۔

"کیا، کیا ہے میں نے آخر؟" اب کی بار وہ جھنجلا گیا تھا۔

"تم نے ام البنین سے کیا کہا ہے کہ وہ مراد کے رشتے سے انکار کردے؟ بتاؤ مجھے تم نے اسے کہا ہے؟" مشتعل انداز میں بولتے انہوں نے قہر آلود نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

"میں نے؟" وہ ہکا بکا رہ گیا تھا۔

"بابا میری تو اس سے اس بارے میں بات ہی نہیں ہوئی ہے۔ مجھے تو اس نے بتایا بھی نہیں ہے کہ مراد کا پروپوزل آیا ہے اور اگر وہ مجھے بتا بھی دیتی تب بھی کیوں میں یہ سب اسے کہتا؟ مجھے پرسنلی طور پر مراد بہت پسند ہے اور ام البنین کے حوالے سے تو اور بھی زیادہ پسند ہے۔ ان فیکٹ میں نے تو اس سے ایک بار باتوں باتوں میں مراد کے بارے میں اوپنین لی تھی۔ پھر میں بھلا کیوں یوں کروں گا؟" اس کی اتنی لمبی وضاحت دینے پر ان کا اشتعال قدرے کم ہو گیا تھا۔

"تو پھر تمہاری بی بی جان نے کیوں یہ کہا ہے کہ شمیر کو کہیں اسے سمجھائے نا کہ اس کا دماغ خراب کرے۔ کس نے بھرا ہے اس کے دماغ میں یہ خناس؟" ان کا لہجہ بہت زیادہ خفگی کا اظہار کر رہا تھا۔ وہ خود بھی اس بے بنیاد الزام کے لگائے جانے پر صدمے کی حالت میں تھا۔ اسے بی بی جان سے اس بات کی توقع نہیں تھی کہ وہ اس سارے معاملے میں اسے گھسیٹیں گی۔ اس سے بڑھ کر اسے ام البنین پہ غصہ آرہا تھا کہ بغیر کسی وجہ کے' اس سے ڈسکس کیے بغیر اس نے صاف انکار کر دیا ہے۔

"تم سچ کہہ رہے ہو نا شمیر۔ تمہاری اس سے اس بارے میں کوئی بات نہیں ہوئی ہے۔" اب کی بار مالے نے پر تشویش نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔

"آئی شیور مالے۔ مجھے اس بارے میں کچھ بھی نہیں پتا ہے۔"

"ٹھیک ہے پھر تم جا کر اسے سمجھاؤ۔ مراد ہر لحاظ سے اچھا لڑکا ہے۔ اسے بتاؤ کہ اگر بھائی صاحب کو پتا لگ گیا تو بہت برا ہونے والا ہے۔" شائستگی سے کہتے وہ صوفے کی پشت پر سر ٹکا کر بیٹھ گئی تھیں۔ انہوں نے تھکے ہوئے انداز سے ایک سانس باہر نکالی تھی۔ وہ جانے کے لیے مڑا تھا جب پاپا نے اسے پکارا تھا۔ اس نے گردن موڑ کر انہیں دیکھا۔

"تمہیں ہر حال میں اسے قائل کرنا ہے۔" وہ بے حد سنجیدگی سے تحکم بھرے انداز میں بولے تھے۔ تھوڑی دیر پہلے کا اشتعال اور غصہ یک دم چھٹ گیا تھا۔ اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

☆ ☆ ☆

پاپا اور مالے کے کہنے پر ہی وہ اس سے انکار کی وجہ جاننے آیا تھا۔ اسے ام البنین پر غصہ تھا۔ مگر اس کے انداز نے اسے مزید تپا دیا تھا۔ تب ہی اس کا بازو پکڑتے اس نے زور سے اسے جھنجھوڑا تھا۔ تکلیف کی شدت سے اس کی آنکھوں میں موٹے موٹے آنسو آگئے تھے۔ وہ اسے تکلیف میں کبھی نہیں دیکھ سکتا تھا' مگر اس وقت اس کی بھلائی کے لیے یہ تھوڑی سی تکلیف دینا بہتر تھا۔ "تم مجھے وجہ بتاؤ پہلے" اس نے اسی طرح اس کے بازو کو جکڑ رکھا تھا۔ تب ہی اس نے ام البنین کو بولتے پایا تھا۔

"وجہ آپ ہیں۔ آپ ہیں وجہ۔ کیونکہ میں آپ کے سوا کسی کے بارے میں نہیں سوچ سکتی۔" اس کے آنسوؤں کی نمی آواز میں شامل ہو گئی تھی۔ وہ وہیں ساکت رہ گیا ہے۔ اس کے بازو پر سے اس کی گرفت ڈھیلی پڑی تھی اور پھر اس نے اچانک اس کا بازو چھوڑ دیا تھا۔ بے یقینی کی کیفیت میں وہ پتھرائی نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اسے ایک فیصد بھی امید نہیں تھی کہ وہ اس انکار کی وجہ بھی ہو سکتا ہے' ورنہ وہ کبھی یہاں نہ آتا۔ صدمے سے وہ قدم اٹھا تا پیچھے ہٹا تھا اور تیزی سے باہر نکل گیا تھا۔

☆ ☆ ☆

اسپتال کے بینچ پر بیٹھی وہ تسبیح پڑھ رہی تھی۔ اماں سائیں وہیں اس کے قریب بیٹھی اونگھ رہی تھیں۔ نیند میں جاتے ہوئے انہیں جھٹکا لگا تو وہ بڑبڑا کر ادھر ادھر دیکھنے لگیں۔ بتول بانو تسبیح پڑھتے ادھر سے ادھر ٹہل رہی تھی۔ اس کے اندر ایسا اضطراب اور بے چینی انہوں نے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔

ملک زوار چند ثانیے بعد ایک بچے کے ساتھ نرسری کی جانب سے چلے آرہے تھے۔ ساتھ چلنے والا بچہ لگ بھگ پانچ سال کا تھا جس کے ہاتھوں میں سفید چادر کی گٹھڑی تھی جسے وہ گلے سے بھینچے چلا آرہا تھا۔ پاس آنے پر اس نے ملک زوار کے کہنے پر وہ گھٹڑی بتول بانو کے سپرد کردی اور اداس نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا۔ بتول بانو نے گٹھڑی کی جانب دیکھا چھوٹا سا نومولود بچہ سو رہا تھا۔ وہ فرط جذبات سے اس سرخ و سفید چادر میں لپٹے بچے کو چومتی جا رہی تھی اس کی بند مٹھی کھول کر اس نے اس کے ننھے ہاتھوں کو چوما تھا۔ وہ اس کا بچہ تھا۔ اس کا اپنا بچہ۔ اماں سائیں کی آنکھیں بھر آئی تھیں۔ بتول بانو کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے اور وہ اس بچے کی پیشانی تواتر سے چومے چلی جا رہی تھی۔

ملک زوار خوشی اور بے چینی کی ملی جلی کیفیت لے کر واپس مڑے تو ان کے ساتھ کھڑا بچہ بولا۔

"تمہارا بے بی؟ ہم اسے نہیں لے کر جائیں گے؟" ملک زوار نے ہولے سے مسکرا کر اس کی جانب دیکھا تھا۔

"نہیں وہ تمہاری پھپھو کا بے بی ہے۔" ان کی آواز بھرا گئی تھی۔

"یہ تیری اولاد بھی ہے زوار۔" اماں سائیں نے آنکھوں میں آئی نمی کو صاف کیا تھا۔ وہ کچھ نہیں بولے۔ خاموشی سے پلٹ کر آگے بڑھتے ہوئے یکدم کچھ یاد آنے پر گردن موڑ کر بتول بانو کی انکھوں میں دیکھا تھا۔

"اس کی ماں کی ایک خواہش ہے بتول بانو کہ جو اس نے اس کا نام رکھا ہے وہی نام تم اسے دینا۔" بتول بانو نے دھیرے سے مسکرا کر بنا تردد اثبات میں سر ہلایا۔

"اس کی ماں نے اس کا نام "ام البنین" رکھا ہے۔"

جتنے غصے سے وہ اس کے کمرے میں گیا تھا اس سے کہیں زیادہ صدمے سے وہ واپس لوٹا تھا۔ اپنے گھر کے داخلی دروازے سے داخل ہو کر اس نے جان کر زور سے لکڑی کا دروازہ مارا تھا۔ صوفے پر بیٹھی کتاب پڑھتی مالے نے چونک کر سر اٹھایا تھا۔ اس کا غصے سے سرخ پڑتا چہرہ دیکھ کر وہ لحظ بھر کو ٹھٹکی تھیں۔

"شمیر کیا ہوا ہے؟ کہاں سے آرہے ہو؟" وہ ان کو مکمل نظر انداز کر کے سیڑھیوں کی طرف بھاگا تھا۔

"شمیر۔" وہ اس کے پیچھے پیچھے سیڑھیاں چڑھی تھیں۔ وہ انہیں کسی بھی قسم کا جواب دیے بغیر کمرے میں داخل ہو کر دروازہ لاک کر چکا تھا۔

"شمیر دروازہ کھولو۔ کیا ہوا ہے؟" وہ باہر کھڑی دروازہ کھٹکھٹاتی رہی تھیں۔ وہ خاموشی سے بیڈ پر اوندھے منہ پڑا تھا۔ وہ کتنی دیر سے دروازہ بجائے چلے جا رہی تھیں۔ وہ جوں کا توں پڑا تھا۔

"وجہ آپ ہیں۔ آپ ہیں وجہ۔" وہ تڑپ اٹھا تھا۔

"کیونکہ میں آپ کے سوا کسی کے بارے میں نہیں سوچ سکتی شمی۔ کسی کے بارے میں بھی نہیں۔" اس کے الفاظ کی بازگشت اس کے کانوں میں پگھلے ہوئے سیسے کی مانند پڑ رہی تھی۔ وہ سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ اپنے بالوں کو مٹھیوں میں جکڑتے ہوئے اس نے بیڈ سے تکیہ اٹھا کر سامنے کارنس پر دے مارا تھا۔ کارنس پر سے نازک سا گلدان اور فریم زمین بوس ہو گیا تھا۔

وہ اس کو دوست کہتی تھی' اپنا بیسٹ فرینڈ' اپنا کزن کہتی تھی۔ وہ اس کا دوست' بیسٹ فرینڈ نہیں تھا وہ اس کا کزن بھی نہیں تھا۔ وہ اس کا بھائی تھا۔ پانچ سال کی عمر میں پہلی بار مالے نے اسے بتایا تھا کہ ان کے گھر

ایک ننھا سا بے بی آنے والا ہے۔ ام کلثوم' ام ایمن اور ام ہانی سے چھوٹا۔ اس سے بھی چھوٹا اور پھر جس دن اس بے بی کو پاپا نے بی بی جان کے حوالے کیا تھا وہ کتنا آزردگی سے اپنے بے بی کو دیکھ رہا تھا۔ پاپا نے اس سے کہا تھا کہ وہ بے بی بی بی جان کا ہے۔ مگر مالے نے کہا تھا کہ وہ بے بی اس کا ہے۔ اس کا ننھا سا ذہن الجھ گیا تھا۔ آنے والے وقت میں پاپا اکثر اسے باور کراتے رہتے تھے کہ وہ بے بی اس کی بی بی جان کا ہے وہ ہر بار خاموشی سے بیٹھی مالے کی جانب تعجب سے دیکھتا جنہوں نے اسے بتایا تھا کہ بے بی اس کا ہے۔ عجیب گتھی تھی جو حل نہیں ہو رہی تھی۔

اس نے بیڈ سے دوسرا تکیہ سامنے دیوار گیر گھڑی پہ دے مارا تھا۔ نیچے گر کر چھن سے اس کا شیشہ ٹوٹ گیا تھا۔

سامنے لگی تصویر پہ ام کلثوم' ام ایمن اور ام ہانی کھڑی تھیں اور وہ ام البنین کے ساتھ آگے بیٹھا تھا۔ اس کا بازو ام البنین کے کندھے پر تھا اور وہ مسکراتے ہوئے سامنے دیکھ رہی تھی۔ مسکراتے ہوئے اس کی ٹھوڑی پر پڑنے والا ڈمپل' مالے کی ٹھوڑی پہ پڑنے والے ڈمپل سے مشابہہ تھا۔ وہ اس کی چھوٹی بہن تھی۔ چاروں بہنوں کے درمیان ان کا اکلوتا بھائی کھڑا تھا۔

A perfect picture of siblings

اسے غصہ تھا مالے اور پاپا پر جنہوں نے کتنی آسانی سے اپنی اولاد کسی دوسرے کو سونپ دی تھی۔ اسے غصہ تھا آہو اور بی بی جان پر جو اس کی بہن کو گود لے کر اس کے ساتھ منصفانہ برتاؤ نہ کرپائے تھے۔ اسے غصہ تھا خود پر کہ وہ پوری زندگی چاہ کر بھی ایک بار بھی اسے بھائی بن کر گلے سے نہیں لگا سکا۔ اسے کبھی بہن نہیں کہہ پایا تھا جیسا وہ اپنی باقی بہنوں کو کہا کرتا تھا۔ اسے غصہ تھا اپنی اماں سائیں پر جنہوں نے آج اس لڑکی کو اپنی پوتی سے نواسی بنا کر اس کا حسب نسب ہی بدل دیا تھا۔ مگر اسے ترس آرہا تھا اس لڑکی پر جو آج انجانے میں اس سے اقرار محبت کر گئی تھی۔ وہ لڑکی جو اس کی سگی بہن تھی۔ اسے غصہ تھا ان سب پر جن کی وجہ سے آج وہ لڑکی اپنے محرم و نامحرم رشتوں سے ہی ناواقف تھی۔ اس کا سر پھٹ رہا تھا۔ عجیب مخمصے کا شکار تھا۔ تصویر ہاتھ میں پکڑے وہ اپنا سر اس کے اوپر دھر کر پھوٹ پھوٹ کر رو رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

اس کا ہاتھ تھامے وہ مین ہال کی جانب گھسیٹ کر لے جا رہا تھا۔ وہ میکانکی انداز میں اس کے ساتھ کھنچتی چلی جا رہی تھی۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ وہ کیا کرنے جا رہا ہے۔ مین ہال میں داخل ہوتے ہی اس نے ام البنین کا ہاتھ خود سے چھوڑ دیا تھا۔ ہال میں اس وقت بی بی جان' آہو جان' بڑے ماموں اور مالے سب موجود تھے وہ لاشعوری طور پر پیچھے ہٹی تھی تبھی شمیر پھر سے اس کا ہاتھ تھام کر اسے ہال کے بیچوں بیچ لے آیا تھا۔ ہال میں اتنے نفوس کی موجودگی کے باعث ہُو کا عالم تھا۔

"آج ام البنین اپنے انکار کی وجہ بتانے آئی ہے۔" بے تاثر چہرے کے ساتھ اس نے علی الاعلان سب کی جانب دیکھا تھا۔ ام البنین خوف و ہراساں کسی مجرم کی طرح سر جھکائے کٹہرے میں کھڑی تھی۔

"بولو ام البنین۔ تم بتا دو سب کو کہ تم نے آخر کیوں انکار کیا ہے؟ کوئی تمہیں کچھ نہیں کہے گا۔ میں تمہارے ساتھ ہوں۔" عجیب سی نظروں سے کہتے اس نے اسے حوصلہ و تشفی دی تھی۔

وہ یک ٹک اسے دیکھے گئی تھی۔ کیا وہ واقعی اس کا ساتھ دے گا؟ پچھلے تین دن سے وہ مسلسل پاگلوں کی طرح میسجز کرتی رہی تھی مگر جواب ندارد۔ کال پہ کال کرتی رہی تھی مگر وہ اٹینڈ نہیں کرتا تھا۔ وہ کالج بھی نہیں آیا تھا۔ وہ اس سے بری طرح خفا تھا مگر آج اس کی ناراضی کا کہیں شائبہ تک نہیں تھا۔

"ام البنین تم مراد سے شادی کیوں نہیں کرنا چاہتیں؟" آہو جان نے ترشی سے استفسار کیا تھا۔

"وہ میں۔۔۔" وہ ہکلائی تھی۔

"میں مراد سے شادی نہیں کرنا چاہتی۔" اس نے

فقرہ مکمل کر کے سامنے کھڑے شمیر کی جانب دیکھا تھا جو سینے پہ ہاتھ باندھے بے حد سنجیدگی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"کیوں نہیں کرنا چاہتیں۔" اب کی بار ماموں جان بولے تھے۔

"کیوں۔۔۔" اس کا حلق خشک ہو گیا تھا۔

"کیونکہ میں شمیر کو پسند کرتی ہوں۔" وہ سب اپنی جگہ سے ہل ہی نہ سکے تھے۔ کمرے کی چھت سب پر گر گئی تھی اور وہ اس کے ملبے تلے دب گئے تھے۔ صرف شمیر تھا جو کمپوزڈ تھا۔

"تڑاخ۔" بی بی جان نے کھینچ کر اس کے گال پر تھپڑ مارا تھا۔ وہ دکھ اور صدمے سے گال پر ہاتھ رکھے انہیں دیکھنے لگی۔

"کیا بکواس کر رہی ہو؟" ان کی آواز پھٹ گئی تھی۔ وہ کچھ بول نہ سکی تھی۔ اس کی آنکھوں کی سطح گیلی ہو گئی تھی۔ شمیر نے آگے بڑھ کر اسے گلے لگا لیا تھا۔

"کیوں مارا ہے آپ نے اسے؟"

"تم دیکھ نہیں رہے یہ کیا کہہ رہی ہے؟" انہوں نے پھٹی پھٹی نظروں سے شمیر کو دیکھا تھا۔

"میں یہ سب پہلے سن چکا ہوں۔" بہت پرسکون سے لہجے میں اس نے جواب دیا تھا۔

"تم سن چکے۔۔۔" اس نے ان کی بات تیزی سے کاٹ دی تھی۔

"ہاں میں سن چکا ہوں اور اس میں اس کا قصور بھی کیا ہے؟ اس نے تو اپنی دانست میں اپنے بیسٹ فرینڈ' اپنے ویل وشر کو پسند کیا ہے۔ جیسے مراد اس کا کزن ہے ویسے ہی میں بھی اس کا کزن ہی ہوں۔"

"تم جانتے ہو کہ۔۔۔" بی بی جان کی بات اس نے پھر سے کاٹ دی تھی۔

"میں سب کچھ جانتا ہوں۔ آپ بھی جانتی ہیں۔ ہم سب بلکہ پورا خاندان جانتا ہے۔ مگر کیا یہ جانتی ہے؟" اس نے جانچتی نظروں سے سب کی جانب دیکھا تھا۔ سب اپنی جگہ مبہوت تھے۔ ام البنین اس کے گلے لگی سسک رہی تھی۔

"یہ جانتی بھی تو کیسے؟ اس بات کو ہمیشہ سے صیغہ راز میں جو رکھا گیا ہے۔ آپ نے ساری زندگی اس کو یہ بات نہ بتا کر اس کو کس دکھ سے بچالیا ہے بی بی جان؟" اس کا لہجہ طنزیہ تھا۔ ان کے پاس اس کے سوال کا کوئی جواب نہیں تھا۔ وہ صوفے پر ڈھے سی گئی تھیں۔ آہو جان نے سختی سے ہونٹ آپس میں پیوست کر رکھے تھے۔ مالے رو رہی تھیں۔

"میں چاہتا ہوں کہ آپ لوگ خود اسے حقیقت سے آگاہ کریں۔" شمیر کے کہنے پر وہ فوراً چونکی تھی۔ اس نے فوراً" سر اٹھا کر اس کی آنکھوں میں جھانکا تھا۔

"کیسی حقیقت؟" اس کی آواز نحیف اور مریل سی تھی۔ وہ اسے دکھ نہیں دینا چاہتا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ وہ بری طرح ٹوٹ جائے گی مگر پھر بھی وہ اسے حقیقت سے آگاہ کرنا ضروری سمجھتا تھا۔

"ام البنین۔ میری بات بڑے سکون سے سننا۔" بڑے ماموں اس کے برابر کھڑے تھے۔

"بی بی جان اور آہو نے تمہیں گود لیا تھا۔ تمہارے اصلی ماں باپ یہ نہیں ہیں۔" ایکدم پچھتاوا ان کے اندر سر ابھارنے لگا تھا۔ ان کی آواز قدرے پست تھی۔ وہ ٹرانس کی سی کیفیت میں انہیں دیکھ رہی تھی۔ مالے کی سسکیاں پورے ہال میں گونج رہی تھیں۔

"تمہارے اصل ماں باپ میں اور تمہاری مالے ہیں۔" شکستہ لہجہ میں کہتے وہ نظریں جھکائے کھڑے تھے۔

وہ اس ٹرانس سے باہر آگئی تھی۔ تیزی سے بی بی جان کی طرف بڑھی تھی۔

"بی بی جان یہ ماموں کیوں ایسے کہہ رہے ہیں؟ میں آپ کی ہی بیٹی ہوں نا۔ ہے نا۔" بی بی جان کی آنکھوں سے آنسو چھلک پڑے تھے۔

"بی بی جان میں آپ کی ام البنین ہوں نا۔ آپ کی بیٹی ہوں نا۔" وہ ہذیانی کیفیت میں چلا رہی تھی۔

"بولیں نا بی بی جان پلیز بولیں۔" ان کے گھٹنوں پر ہاتھ دھرے وہ نیچے کارپٹ پر دوزانو بیٹھی رو رہی تھی۔ بی بی جان کو خاموش پا کر وہ ساتھ بیٹھے آہو جان کی طرف گھٹنوں کے بل رینگتی ہوئی بڑھی تھی۔

"آہو جان کیا میں آپ کی بیٹی نہیں ہوں؟ کیا مجھے آپ لوگوں نے گود لیا ہے؟" گالوں پر سے آنسو ہاتھ کی پشت سے صاف کرتے ہوئے اس نے ہچکی لی تھی۔ آہو جان نے ٹھنڈی سانس بھری تھی۔

"ہاں ام البنین تمہارے ماموں نے ٹھیک بتایا ہے۔" شکستہ ٹوٹے لہجے میں انہوں نے اس کی جانب دیکھا تھا۔ وہ منہ پر ہاتھ رکھے ہوئے روئے چلی جارہی تھی۔

"تو آپ مجھ سے اس لیے نفرت کرتے تھے کہ میں آپ کی بیٹی ہی نہیں تھی۔ آپ سب مجھ سے پیار نہیں کرتے تھے مجھ پر رحم کھاتے تھے۔ میں اتنی بے وقعت تھی کہ میرے اپنے ماں باپ نے مجھے کسی دوسرے کو سونپ دیا تھا۔ مجھے بتایا بھی نہیں گیا کہ میں جن کو اپنا کہتی ہوں وہ میرے اپنے تھے ہی نہیں اور جو اپنے تھے انہوں نے اپنا سمجھا ہی نہیں۔" آنسو پونچھتے وہ سسکیاں لیتے ہوئے اٹھی تھی۔

"ایسا نہیں ہے ام البنین۔" بی بی جان آگے بڑھی تھیں انہوں نے اس کا ہاتھ تھامنا چاہا تو اس نے ان کے ہاتھوں کو جھٹک دیا تھا۔

"نہیں۔۔۔ پلیز مجھے ہاتھ بھی مت لگایئے گا۔ کوئی بھی میرا کچھ نہیں ہے۔ میں کسی کی کچھ بھی نہیں لگتی۔" وہ بری طرح رو رہی تھی۔ اس کا دماغ سائیں سائیں کر رہا تھا۔

"ام البنین۔" شمیر نے آگے بڑھ کر اسے تھامنا چاہا۔

"ڈونٹ ڈیئر ٹو ٹچ می۔ ڈونٹ۔" اس نے بری طرح سے اسے پرے دھکیلا تھا۔ اور لڑکھڑاتے قدموں سے دروازے کی جانب بڑھی تھی اور صوفے کے قریب گر گئی تھی۔ گرتے ہوئے اس کا سر صوفے کے بازو پر لگا تھا۔

☆ ☆ ☆

فجر کی نماز کا وقت تھا۔ اسپتال سے ملحقہ مسجد سے اذان کی آواز بلند ہو رہی تھی۔ اوائل نومبر کے دن تھے اور اس وقت لان میں اچھی خاصی ٹھنڈ تھی۔ وہ لان میں بنے سنگی بینچ پر بیٹھی دور فاؤنٹین سے گرتے پانی کو دیکھ رہی تھیں۔ اس وقت لان میں اکا دکا ہی کوئی موجود تھا۔ میکانکی انداز میں چلتی وہ فاؤنٹین کے پاس پہنچی تھیں۔ وہاں موجود نل سے وضو کر کے وہ وہیں قریب ہی گھاس پر نماز ادا کرنے لگیں۔

ام البنین کا نروس بریک ڈاؤن ہوا تھا اور پچھلی پوری رات سے وہ کوما میں تھی۔ انہوں نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے تھے۔ آنسو خود بخود بہنے لگے تھے۔

"میرے اللہ مجھے معاف کر دے۔ میں مانتی ہوں کہ یہ سب کچھ میری وجہ سے ہوا ہے۔ تو نے مجھے موقع دیا تھا کہ میں کسی یتیم و نادار بچے کی پرورش اور نگہداشت کرتی مگر محض اپنے مفاد کے لیے میں نے ایسا نہیں کیا۔ ہمارے پرکھوں کی جائیداد کہیں باہر اور کسی انجان کے ہاتھ میں نہیں جانا چاہیے' میں نے اپنے بھائی کی اولاد کو گود لیا جسے میرے سہارے کی سرے سے ضرورت ہی نہ تھی۔ میں خود غرض تھی مگر میری اس خود غرضی کی سزا میری بچی کو مت دے اے اللہ۔"

"نادانستہ جو بات تم کہو اس کے لیے تم پر کوئی گرفت نہیں ہے لیکن اس پر ضرور گرفت ہے جس کا تم دل سے ارادہ کرو۔" اسماء بنت ابوبکر بہت خوبصورتی سے ترجمہ پڑھ رہی تھی۔

"میں نے ایک لے پالک کو حقیقی اولاد کا درجہ دیا حالانکہ میں جانتی تھی کہ میں تیرے حکم کی نافرمانی کر رہی ہوں۔ میرا فیصلہ غلط تھا اور تیرا فیصلہ برحق تھا۔" آنسو تواتر سے بہے چلے جارہے تھے۔

"اور نہ تمہارے منہ بولے بیٹوں کو تمہارا حقیقی بیٹا بنایا ہے یہ تو وہ باتیں ہیں جو تم لوگ اپنے منہ سے نکال دیتے ہو مگر اللہ وہ بات کرتا ہے جو مبنی بر حقیقت ہے اور وہی صحیح طریقے کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔" اسماء بنت ابوبکر کی آواز میں بہت سوز تھا جسے وہ آج بھی محسوس کر سکتی تھی۔

"میں نے اس کے حقیقی رشتوں کے بارے میں جان بوجھ کر کچھ نہیں بتایا۔ حالانکہ یہ جاننا اس کا حق تھا۔ مگر میں ڈرتی تھی کہ وہ یہ جان کر خود ترسی کا شکار نہ ہو جائے۔ کہیں وہ مجھے چھوڑ کر نہ چلی جائے۔ مجھے بخش دے میرے مولا۔ میری بچی کو میرے کیے کی سزا نہ دینا۔ وہ معصوم ہے۔ اس کی ولدیت اس نے نہیں ہم نے بدلی تھی اس میں اس کا دوش نہیں ہے۔ مجھے معاف کر دے اللہ۔ بے شک تو غفور و رحیم ہے۔" ہاتھوں کو چہرے پر پھیر کر انہوں نے اپنے آنسو پونچھے تھے۔

☆ ☆ ☆

میں ام البنین ہوں۔ ام البنین بنت عابد۔ میرا نام میری بی بی جان نے ام البنین مالے کے کہنے پر رکھا تھا۔ مالے جو میری سگی ماں ہیں اور بی بی جان جو میری منہ بولی ماں ہیں۔

بچپن میں ایک مرتبہ میں نے بی بی جان سے استفسار کیا تھا کہ میرا نام ام کلثوم' ام ہانی اور ام ایمن کی طرز پر کیوں رکھا گیا ہے تو بی بی جان نے مجھے کہا تھا کہ انہیں وہ نام پسند ہیں جس کے نام کے ساتھ "ام" آتا ہے مگر وہ مجھے یہ نہ بتا سکیں کہ میری ان تینوں بہنوں کی طرح میرا نام میری سگی ماں نے رکھا تھا۔

اگر میں ایک لے پالک تھی بھی تو مجھ سے کیوں

چھپایا کیا تھا؟ شاید بی بی جان خوف زدہ تھیں کہ کہیں میں ہوش سنبھالنے پر اپنے حقیقی والدین کے پاس نہ لوٹ جاؤں۔ آہو جان جو میرے منہ بولے باپ ہیں ان کے لہجے میں ہمیشہ خود کے لیے میں نے سرد مہری دیکھی مگر آج وہ سرد اور برفانی لہجہ مفقود تھا جب انہوں نے میرے کمرے میں آکر مجھ سے یہ کہا کہ میں اب خود فیصلہ کر سکتی ہوں کہ مجھے کہاں رہنا ہے۔ اگر میں چاہوں تو ان کے گھر سے جا سکتی ہوں وہ مجھے نہیں روکیں گے۔ اپنے حقیقی والدین کے پاس جانا میرا حق ہے۔ آہو جان مجھ سے نفرت نہیں کرتے تھے۔ جب انسان کسی جانور کو بھی گھر میں پالتا ہے تو اس سے بھی انسیت ہو جاتی ہے، میں تو پھر انسان تھی۔ صرف ان کی مردانہ انا مجھے اپنی اولاد ماننے سے انکاری تھی اور میں۔۔۔ میں تو کبھی بھی ان سے نفرت نہ کر پائی تھی۔ ہر بار کسی تلخ تجربے کے بعد کچھ ایسا ہوتا تھا کہ مجھے آہو جان پھر سے اچھے لگنے لگتے تھے۔

مجھے ماملے اور ماموں سے بھی کوئی شکوہ نہیں ہے۔ انہوں نے جو بھی کیا بہن اور ماں کی محبت میں کیا۔ مگر شمی کے معاملے میں میں بھی خود کو معاف نہ کر پاؤں شاید۔ میں انہیں دوست اور کزن سے بڑھ کر سمجھتی تھی۔ میں ان کی محبت میں گرفتار نہ تھی۔ مگر میں ان کو کسی کے ساتھ بانٹ نہیں سکتی تھی۔ میں ساری زندگی ان کی انگلی تھام کر چلتی آئی تھی اور آگے بھی چلنا چاہتی تھی۔ میں آج بھی انہیں کسی کے ساتھ بانٹ نہیں سکتی۔ اسپتال سے ڈسچارج ہوئے مجھے ہفتہ ہو گیا ہے۔ اپنے ہوش میں آنے کے بعد میں نے ایک بار بھی انہیں اپنے سامنے نہیں دیکھا شاید وہ مجھے مزید خفت اور شرمندگی سے بچانا چاہتے ہیں۔ مگر وہ یہ نہیں جانتے کہ جو پیار ان کے لیے پہلے میرے دل میں تھا وہ آج اور بھی بڑھ گیا ہے۔ رشتہ بدلنے سے اہمیت نہیں بدلی۔ پہلے وہ دوست تھے، کزن تھے اور اب بھائی بھی ہیں۔

جہاں تک بات ہے مراو کی تو میں سنجیدگی سے اس کے بارے میں سوچوں گی مگر ابھی نہیں۔ آفٹر آل وہ شمی کو پسند ہے تو مجھے کیسے ناپسند ہو سکتا ہے۔

شمی ٹھیک کہتے تھے میں کبھی کسی کے بارے میں ٹھیک judgment نہیں کر سکتی کیونکہ میں بہت بے وقوف ہوں۔ مگر اس واقعہ نے مجھے بہت عقلمند بنا دیا ہے۔ آہو جان نے فیصلہ مجھے کرنے کا کہا ہے۔ میں نے غیر جانبداری سے فیصلہ کیا ہے جو میں ابھی نیچے جا کر سب کو سنا دوں گی۔ بی بی جان کا فیصلہ ہمارے معاشرے کے اعتبار سے قطعاً غلط نہیں تھا مگر ہاں انہوں نے اسلامی تعلیمات و احکامات کے منافی فیصلہ کیا تھا۔ ان کی اسی غلطی کو میں سدھارنے جا رہی ہوں۔ میں اپنا نام تبدیل کر کے ام البنین بنت زوار کر رہی ہوں مگر اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ میں زوار ہاؤس میں جانے کا فیصلہ کر چکی ہوں۔ اس گھر کی ہر شے کو مجھ سے پیار ہے اور مجھے بھی۔ میں یہیں اپنے آہو جان اور بی بی جان کے ساتھ ہی رہوں گی۔ میری ذمہ داریوں میں پہلے سے کہیں زیادہ اضافہ ہو گیا ہے کیونکہ اب مجھے دو دو والدین اور بہن بھائیوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنا ہے۔

آج زندگی میں پہلی بار میں نے شلوار قمیص پہنی ہے اور رمضان نہ ہوتے ہوئے بھی فجر کی نماز پڑھی ہے۔ اللہ نے مجھے اتنی سی عمر میں یہ سمجھا دیا ہے کہ کسی دوسرے کو ماں باپ۔ بیٹا۔ بیٹی یا بھائی۔ بہن کہہ دینے سے وہ ہمارے حقیقی رشتے نہیں بن جاتے۔ اگر ان کے ساتھ ہمارا کوئی ایسا رشتہ جڑتا ہوتا تو اللہ خود انہیں ہمارا حقیقی رشتہ دار بناتا۔ وہ رب ہے اور تخلیق کا حق بھی صرف اسی کو ہے۔ خونی رشتے وہی بناتا ہے کوئی انسان نہیں بنا سکتا۔ کس کو کس کی اولاد اور کس کے والدین ہونا ہے یہ فیصلہ اوپر والا کرتا ہے اور اس کا فیصلہ برحق اور حسن انصاف پر مبنی ہوتا ہے۔ آسمان والے نے مجھے ام البنین بنت زوار بنا کر زمین پہ اتارا تھا اور زمین والوں نے مجھے ام البنین بنت عابد بنا ڈالا مگر مجھے اوپر والا کا ہی فیصلہ قبول ہے۔

☆ ☆

اذان نے موٹر بائیک روک کر دوکان پر لگے بورڈ کی جانب دیکھا حسن آرٹ اسٹوڈیو کی تحریر پڑھتے ہی اس نے مطمئن انداز میں سر ہلایا اور پھر بائیک کو اسٹینڈ کرنے کے بعد اطمینان سے دوکان کی جانب بڑھ گیا۔

"السلام علیکم۔" اذان نے پوری محویت سے برش کے ساتھ کپڑے کے بینر پر لفظ ابھارتے ہوئے حسن کے عقب میں پہنچ کر با آواز بلند کہا تو یکسوئی سے اپنے کام میں مصروف حسن نے چونک کر مڑتے ہوئے اس کی جانب دیکھا اور پھر چند ہی لمحوں کے بعد اس کی آنکھوں میں آشنائی کی چمک نمودار ہو گئی اور چہرے پر مسرت کے تاثرات ابھر آئے۔

"ارے واہ۔۔۔ زہے نصیب۔۔۔ وہ آئیں میری دوکان پر خدا کی قدرت ہے۔" حسن نے مصرعے کی ٹانگ توڑتے ہوئے جملہ ادھورا چھوڑا اور پھر اذان سے لپٹتے ہوئے بولا "بھئی اذان صاحب! آپ اور ہم غریبوں کے پاس۔۔۔ کیسے راستہ بھول گئے؟"

"ارے، ارے اب کیا پسلیاں توڑو گے؟" اذان نے اس کے گرم جوشی سے بھرپور معانقے پر صدائے احتجاج بلند کرتے ہوئے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا تو حسن ہنستے ہوئے ایک طرف ہٹ گیا۔ "اب آپ اتنے بھی کومل نرمل نہیں ہیں۔ پسلیاں کیا روئی کی بنوا رکھی ہیں آپ نے؟" حسن نے ایک چیئر گھسیٹ کر اذان کو پیش کرتے ہوئے کہا اس کے انداز میں شرارت تھی۔

"پسلیاں تو روئی کی نہیں ہیں لیکن تمہاری رشتے داری جنات سے ضرور لگتی ہے، اب ایسی بھی کیا محبت کہ انسان پورا ہفتہ پسلیوں کی سکائی کرتا پھرے۔" اذان نے منہ چڑاتے ہوئے خوشگوار لہجے میں کہا تو جواباً" حسن کا قہقہہ بھرپور تھا۔۔۔ "خیر چھوڑیں یہ بتائیں آج اچانک اس طرف کا رخ کیسے؟"

چاند چہرہ نہ دیکھ لے کوئی
رخ پہ ڈالو نقاب تھر کے

اذان نے نسوانی انداز میں شرمانے کی بھرپور اداکاری کرتے ہوئے کہا تو حسن ایک بار پھر قہقہہ لگانے پر مجبور ہو گیا۔ پھر اذان ہی سنجیدہ ہوتے ہوئے بولا۔ "یار حسن! میرے ذہن میں ایک آئیڈیا آیا ہے تو سوچا تم سے مشورہ ہی کر لوں۔" "جی جی! ضرور آپ حکم فرمائیں اپنی عقل کے مطابق بندہ حاضر ہے۔" حسن نے کورنش بجالاتے ہوئے خوش دلی سے کہا۔

"دیکھو حسن تم تو جانتے ہی ہو کہ ہماری تنظیم "فیضی فاؤنڈیشن" بابا کے زمانے میں بہت سے ادبی اور تفریحی پروگرامز آرگنائز کر چکی ہے لیکن ان دنوں کچھ جمود سا طاری ہے میں چاہتا ہوں کہ بابا کے بعد بھی فیضی فاؤنڈیشن زندہ اور فعال رہے لیکن میں اس کے لائحہ عمل میں کچھ تبدیلی کرنا چاہ رہا ہوں۔"

اذان رک کر ایک لمحے کے لیے خاموش ہوا تو حسن نے بے ساختہ سنجیدہ انداز میں دریافت کیا۔ "مثلاً" کیا؟"

"مثلاً" میں یہ چاہتا ہوں کہ ادب کو پروموٹ کیا جائے کچھ کری ایٹو ورک کیا جائے۔۔۔ جیسا کہ مختلف شاعروں اور ادیبوں کی کتابیں شائع کی جائیں کیونکہ کتاب ہمیشہ زندہ رہتی ہے، تمہارا کیا خیال ہے؟"

اذان نے استفسارانہ جملے پہ اپنی بات کا اختتام کیا تو حسن جلدی سے بولا "بہت ہی نیک خیال ہے، فیضی فاؤنڈیشن کے کریڈٹ پر یہ کام بھی آجائے گا اور بزنس کا بزنس بھی ہے۔ میں آپ سے متفق ہوں لیکن اس سلسلے میں، میں کیا مدد کر سکتا ہوں؟" جملے کے اختتام تک حسن کا تائیدی انداز استفہامیہ انداز میں تبدیل ہو چکا تھا۔

"یار سیدھی سی بات ہے کہ تم فیضی فاؤنڈیشن کے اس نئے کام کے لیے تشہیری مہم کا آغاز کر دو، وال چاکنگ تو تم کرتے ہی ہو لہٰذا میں یہ چاہتا ہوں کہ شہر کی ہر دیوار پر مجھے فیضی فاؤنڈیشن کا نام لکھا نظر آئے۔" اذان نے سنجیدگی سے اپنی بات مکمل کی تو حسن پرجوش انداز میں بولا "مسئلہ ہی کوئی نہیں اذان صاحب! میں کل ہی سے کام کا آغاز کر دیتا ہوں ان شاء اللہ بالکل ویسا ہی ہو جائے گا جیسا آپ چاہتے ہیں۔"

"سیانے کہتے ہیں کہ آج کا کام کل پر مت چھوڑو، پھر کل کیوں؟ آج ہی سے بسم اللہ کرو۔ ویسے تم فی دیوار معاوضہ کیا لیتے ہو؟" اذان نے بغور حسن کے چہرے کی جانب دیکھتے ہوئے سوال کیا۔ "معاوضے کی بات چھوڑیں آپ۔۔۔ اب آپ سے کیا معاوضہ لوں گا؟ بس آج شام تک مجھے یہ بینرز مکمل کر کے دینے ہیں اس کے بعد میں فری ہوں اس لیے کل سے ان شاء اللہ یہی کروں گا۔" حسن نے وضاحت دیتے ہوئے کہا۔

"چلو ٹھیک ہے۔۔۔ ویسے لوگوں سے کیا معاوضہ لے رہے ہو یہ تو بتاؤ؟" اذان نے اصرار کیا۔ "بس یہی کوئی 60 روپے فی دیوار دیتا ہے تو کسی سے 70 روپے کے حساب سے لے لیتا ہوں۔" حسن نے بتایا۔

"اوکے! تو پھر ڈن۔۔۔ کل سے تم کام شروع کرو میں تمہیں سو روپے فی دیوار کے حساب سے پے کروں گا۔" اذان نے اٹھ کر حسن سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا اور پھر پلٹ کر باہر نکل گیا۔

☼ ☼ ☼
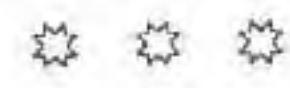
آنکھوں میں آنسو ہیں ایسے
رم جھم برسے برکھا جیسے
پروا ہم سے پوچھ رہی ہے!
من کے سارے دیپ بجھا کے
کس کی سوچیں سوچ رہے ہو؟

ماہم نے تنقیدی نظروں سے نظم کا آخری جائزہ لیا اور پھر ڈائری بند کر کے تکیے کے نیچے رکھنے کے بعد ادھر ادھر دیکھا۔ امی اپنی چارپائی پر لیٹی گہری نیند سو رہی تھیں اور دوسرے کمرے میں موجود صغیر اور غلام عیسیٰ بھی سو چکے تھے کیونکہ کمرے سے بلند ہونے والی غلام عیسیٰ کے خراٹوں کی آواز اس بات کی تصدیق کر رہی تھی۔ البتہ ہمیشہ کی طرح وہ ابھی تک جاگ رہی تھی کیونکہ رات کو دیر تک لکھنا لکھانا اور مطالعہ کرنا اس کا محبوب مشغلہ تھا۔ آج بہت دنوں کے بعد اس نے ایک نظم کہی تھی جس پر وہ مطمئن تھی۔

"آپ بہت اچھی شاعری کرتی ہیں، مس ماہم!" ایک جانی پہچانی سی آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی تو وہ خیالات کی رو میں بہتی ہوئی جانے کہاں سے کہاں جا نکلی، ایک احساس تفاخر تھا جو اسے اپنے کاندھوں پر بٹھائے اڑائے ۔۔۔ لیے جا رہا تھا نگر نگر کی سیر کروانے وہ دیکھ رہی تھی کہ وہ اسٹیج پر اپنا کلام سنا رہی ہے اور لوگ داد و تحسین کے ڈونگرے برسا رہے ہیں، واہ، واہ کیا کہنے کی صدائیں ہیں جو ہر طرف سے بلند ہو رہی ہیں پھر وہ اسٹیج سے نیچے اترتی ہے اور تالیوں کی گونج میں چلتی ہوئی اپنی نشست پر آ بیٹھتی ہے ٹھیک اسی وقت روشنی کا ایک جھماکا سا ہوتا ہے پھر یہ روشنی یکے بعد دیگرے جلنے بجھنے لگتی ہے اور وہ چونک کر خیالوں کی دنیا سے باہر آجاتی ہے تکیے کے قریب پڑے موبائل کی اسکرین مسلسل جل بجھ رہی تھی اور یہ جھماکے جو اس نے محسوس کیے تھے اسی بات کی طرف اشارہ کر رہے تھے کہ موبائل فون پر کسی کی کال آرہی ہے۔

اس نے چونک کر ارد گرد نظریں دوڑائیں لیکن ہر طرف گہری خاموشی اور سناٹے کا راج تھا اور اس سناٹے میں وقفے وقفے سے گونجتی غلام عیسیٰ کے خراٹوں کی آواز بہت عجیب محسوس ہو رہی تھی امی دوسری جانب کروٹ لیے بدستور خواب خرگوش کے مزے لوٹ رہی تھیں۔ ایک لمحہ توقف کے بعد اس نے موبائل اٹھایا آہستہ سے جوتی پہنی اور پھر دھیرے دھیرے بے آواز قدموں سے چلتی ہوئی چھت پر آگئی لیکن اس دوران کال آنا بند ہو چکی تھی۔ تقریباً" رات کے ایک ڈیڑھ کا وقت تھا ہر طرف گہرا سکوت طاری تھا دن بھر کے تھکے ہارے لوگ اپنے اپنے گھروں میں لیٹے نندیا بندیا کھیل رہے تھے لیکن جو کھیل ماہم کھیل رہی تھی وہ کھیل ہی نرالا تھا، وہ ایسا سبق پڑھ رہی تھی جو جتنا یاد ہوتا تھا اتنی ہی اس کی پیاس بڑھتی چلی جاتی تھی بقول شاعر

مکتب عشق کا دستور نرالا دیکھا
اس کو چھٹی نہ ملی جس نے سبق یاد کیا

ماہم دھیرے دھیرے یہ سبق پڑھ رہی تھی وہ عشق کے اس مکتب میں داخلہ لے چکی تھی یہی وجہ تھی کہ

وہ رات کے اس پہر بھی جاگ رہی تھی اور نہ صرف جاگ رہی تھی بلکہ سب کو سوتا چھوڑ کر اس وقت چھت پر اکیلی موجود موبائل فون کی جانب اشتیاق بھری نظروں سے یوں دیکھ رہی تھی جیسے ابھی اس میں سے کوئی باہر نکل آئے گا اور پھر جلد ہی اس کی مراد بر آئی موبائل سے روشنی کا ایک جھماکا باہر نکلا اور اس نے بے صبری سے اسکرین پر نظریں دوڑائیں اور پھر بلنک کرتے ہوئے نام کو دیکھ کر کال ریسیو کرتے ہوئے موبائل فون کان سے لگالیا۔

"ہیلو۔" اس کی سریلی آواز بلند ہوئی' جس کے لوچ میں اتنے پیچ و خم تھے کہ سننے والا ان میں گم ہو کر رہ جائے۔ چند لمحے دوسری جانب کی آواز سننے کے بعد گویا ہوئی۔

"ہاں! تمہاری ہی کال کا انتظار کر رہی تھی۔ تم عادت سی بنتے جارہے ہو۔" جملہ مکمل کرنے کے بعد کچھ دیر اس نے خاموشی اختیار کی پھر ناصحانہ انداز میں بولی۔

"دیکھو..... اس کی ایک ہی صورت ہے اور وہ میں تمہیں بتا چکی ہوں۔"

"ہاں ہاں..... شادی اور وہ بھی میرے والدین کی رضامندی کے ساتھ....."

"تم اگر واقعی سنجیدگی سے ایسا چاہتے ہو تو اپنے والدین سے بات کرو' انہیں ہمارے گھر بھیجو....."

کچھ لمحے چپ رہ کر دوبارہ گویا ہوئی۔

"نہیں میں شادی سے پہلے تم سے نہیں مل سکتی' مجھ سے تمہارے ملنے کی یہی ایک صورت ہے۔"

"پھر غالباً" دوسری جانب کی بات کاٹتے ہوئے بولی۔

"نہیں! میں ان لڑکیوں میں سے نہیں ہوں..... میری شروع دن سے یہی سوچ تھی کہ میں کسی بھی لڑکے سے دوستی نہیں کروں گی..... اور اگر کبھی ایسا ہوا تو اسی سے شادی بھی کروں گی!" دوسری جانب کی آواز سنتے ہوئے اس کے چہرے پر کھنچاؤ کے سے تاثرات نمودار ہوگئے پھر جب وہ بولی تو اس کے لہجے میں تلخی گھلی ہوئی تھی۔

"تو ٹھیک ہے..... تم اگر شادی نہیں کرسکتے تو پھر اپنا اور میرا وقت ضائع مت کرو..... کیا..... نہیں میں اپنے دل کو قابو میں کرنا اچھی طرح جانتی ہوں' میں خود کو اور دل کو دونوں کو سمجھالوں گی' تم آئندہ مجھے فون مت کرنا..... اوکے؟"

اس نے جھٹکے دار آواز میں کہا اور کال ڈسکنکٹ کردی چند لمحے خاموش کھڑی نچلے ہونٹ کو دانتوں تلے مسلتی رہی پھر پلٹ کر سیڑھیوں کی جانب بڑھ گئی۔ چہرے پر غصے اور مایوسی کے ملے جلے تاثرات تھے۔

☼ ☼ ☼

جانے کس کی گلی سے نکلا ہے
جھینپا جھینپا سا آرہا ہے چاند
چھو کے دیکھا تو گرم تھا ماتھا
دھوپ میں کھیلتا رہا ہے چاند

تپتی ہوئی گرم دوپہر میں چلچلاتی ہوئی دھوپ سے دست و گریباں پرانے ماڈل کی یہ گاڑی جس کا انجن آگے کی بجائے پیچھے تھا پھٹپھٹاتی ہوئی سی آواز نکالتی آگے بڑھی چلی جارہی تھی' ڈرائیونگ سیٹ پر موجود لٹکی ہوئی مونچھوں اور چیچک زدہ چہرے والا یہ شخص بنے میاں تھا جو سر پر پھندنے والی ٹوپی جمائے بڑے طمطراق سے بیٹھا گاڑی ڈرائیو کررہا تھا — اپنی مدقوق حالت اور چھوٹی چھوٹی چندھیائی ہوئی آنکھوں کی بدولت اس کی شخصیت بڑی ہی مضحکہ خیز نظر آرہی تھی لیکن جتنی اس کی شخصیت مضحکہ خیز تھی برابر والی سیٹ پر براجمان کھڑے کھڑے تیکھے نقوش کے مالک تقریباً پندرہ سالہ بے ریش نوجوان کی پرسنالٹی اتنی ہی زیادہ دلکش نظر آرہی تھی۔

لڑکا انتہائی خوب صورت تھا لیکن اس کی خوب صورتی میں مردانہ وجاہت کی بجائے نسوانیت کا عکس نمایاں نظر آرہا تھا.....

"بس یہیں روک دو' بنے میاں!" عقبی سیٹ سے ایک مترنم نسوانی آواز بلند ہوئی تو بنے میاں جیسے بریک پیڈل پر کھڑے ہوگئے لیکن پھر بھی گاڑی رکتے رکتے اس شاپنگ مال کے عین سامنے پہنچ چکی تھی' جسے دیکھ کر ہی غالباً" عقبی سیٹ پر موجود خاتون نے بنے میاں کو رکنے کا حکم جاری کیا تھا اور یوں یہ شاہی سواری اپنی منزل پر آرکی تھی فرنٹ سیٹ پر بنے میاں کے ساتھ موجود بے ریش نوجوان دل ہی دل میں اس کی دور اندیشی کی داد دیے بغیر نہ رہ سکا جس نے بروقت رکنے کی صدا بلند کرکے کم از کم دو سوفٹ پیدل واپس آنے سے بچالیا تھا۔

اس نے سپاس گزارانہ نظروں سے اس کی جانب دیکھا اور پھر جلدی سے اتر کر گاڑی کا عقبی دروازہ کھول دیا۔ وہ ایک ہاتھ سے اپنا پرس اور دوسرے ہاتھ سے دوپٹہ سنبھالتی ہوئی نیچے اتر آئی۔ کلیوں والی سفید فراک' سفید چوڑی دار پاجامہ' بے داغ' بے شکن سفید دوپٹہ اور پیروں میں سفید تلے سے مزین جوتی پہنے حسن و خوب صورتی کا وہ مجسمہ گاڑی سے باہر نکلتے ہی پریشانی کا شکار ہوگیا کیونکہ جھلستی ہوئی گرم لو کے تھپیڑوں کی جانب سے اپنا پرجوش استقبال اسے ہرگز پسند نہیں آیا تھا۔

چہرے سے ٹکرانے والی ہوا کا جھونکا اسے بالکل یوں محسوس ہوا تھا جیسے اس کے رخسار پر کسی نے گرم استری رکھ دی ہو۔ اس کا مرمریں گلابی چہرہ تمتما اٹھا' پھر وہ گاڑی کی طرف مڑتے ہوئے بولی۔

"بنے میاں! تم یہیں رک کر ہمارا انتظار کرو اور بابر تم ہمارے ساتھ آؤ۔" وہ پلٹ کر شاہانہ انداز میں چلتی ہوئی شاپنگ مال کی جانب بڑھ گئی تو حسین و جمیل بے ریش لڑکا جسے بابر کے نام سے پکارا گیا تھا تیزی سے اس کے پیچھے لپکا' شاپنگ مال میں داخل ہو کر اس نے ادھر ادھر نظریں دوڑائیں۔ خاصا جدید طرز پر بنایا گیا شاپنگ مال تھا جس میں اشیائے ضرورت کے الگ الگ حصے بنائے گئے تھے۔ دالیں' چاول اور راشن کا حصہ الگ تھا' سبزی اور فروٹ علیحدہ' مچھلی اور گوشت کا حصہ الگ' الیکٹرونکس الگ ریڈی میڈ گارمنٹس' کاسمیٹکس' شوز غرض ہر چیز کے لیے الگ الگ مخصوص پورشن تھے۔ ملٹی نیشنل کمپنیوں کی پراڈکٹس کے الگ الگ اسٹال بھی نظر آرہے تھے جہاں کمپنیوں کی اپنی سیلز گرلز تعینات تھیں جو کسٹمرز کے سامنے اپنی اپنی پراڈکٹس کی شان میں زمین و آسمان کے قلابے ملا رہی تھیں۔

وہ ان سب پر توجہ دیے بغیر باوقار انداز میں چلتی ہوئی سیدھی کولڈ ڈرنکس اور جوسز والے پورشن میں داخل ہوئی اور پھر چند ہی لمحوں کے بعد اس کے ہاتھوں میں ریڈ گریپس —— کے ٹن نظر آئے جنہیں اس نے ٹرالی کی نذر کردیا۔ بابر نے بھاگ کر ٹرالی پکڑلی اور پھر ٹرالی دھکیلتا ہوا اس کے تعاقب میں چل پڑا جو اب سیدھی گارمنٹس کے پورشن کی جانب بڑھ رہی تھی جونہی وہ گارمنٹس کے پورشن میں داخل ہوئی بے اختیار ٹھٹک کر رک گئی۔ اس کی نظریں مردانہ شرٹ دیکھتے ہوئے اس آدمی پر چپکی ہوئی تھیں جو اتنی گرمی میں بھی سیاہ اوور کوٹ پہنے ہوئے تھا۔ بس ایک لمحے کے لیے اس کے قدم رکے تھے لیکن پھر دوسرے ہی لمحے وہ بے نیازی سے چلتی ہوئی آگے بڑھ گئی۔

اوور کوٹ پہنے اس دراز قد شخص نے قریب سے گزرتی اس شعلہ رو کی جانب دیکھا لیکن اس کی آنکھوں میں شناسائی کی کوئی چمک نہیں ابھری تھی۔ وہ شاید شاپنگ مال کا ہی کوئی ایمپلائی رہا ہوگا جو اس ایئر کنڈیشنڈ ماحول میں اوور کوٹ پہنے پھر رہا تھا ورنہ باہر کے ہیبت ناک اور تندور کی طرح تپتے ہوئے ماحول میں تو اس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔ لیڈیز گارمنٹس کے ایک ریک کے قریب رک کر اس نے ایک ایئر لائن قمیص کا جائزہ لیا اور پھر کن انکھیوں سے اوور کوٹ والے شخص کی جانب دیکھا جو ایک آف وائٹ شرٹ اٹھائے کیش کاؤنٹر کی جانب بڑھ رہا تھا۔

اس نے اپنے عقبی سمت نظر ڈالی تو بابر کو چراغ کے جن کی طرح موجود پایا۔ اس نے پرخیال نظروں سے اس کی جانب دیکھا پھر ہونٹ سکوڑتے ہوئے پرس کھولا۔ دوسرے ہی لمحے اس کے ہاتھوں میں ایک بلیک کلر کی مخملیں تھیلی نظر آرہی تھی جس کا منہ سفید رنگ کی خوب صورت ریشمی ڈوری سے بندھا ہوا نظر آرہا تھا۔

”بابر۔“ اس نے بابر کو آواز دی تو وہ چونک کر اس کی طرف متوجہ ہوگیا۔

”وہ سامنے آدمی کی طرف دیکھو جس نے کالا کوٹ پہنا ہوا ہے۔“ اس نے آدمی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا جو بل وصول کرنے کے بعد پیمنٹ کر رہا تھا۔

” جی دیکھ لیا۔“ بابر نے جواب دیا تو وہ تھیلی بابر کی جانب بڑھاتے ہوئے بولی۔

”جب یہ آدمی شاپنگ مال سے باہر نکلے تو یہ تھیلی اس کو دے دینا اور کہنا کہ ”کومین“ نے بھیجی ہے اور خبردار تھیلی اس کے حوالے کر دینے کے بعد تمہیں اس انداز میں اپنی گاڑی تک پہنچنا ہے کہ اسے اندازہ ہی نہ ہوسکے کہ تم کدھر گئے ہو؟ سمجھ گئے نا میری بات تمہیں اپنا آپ اس سے چھپانا ہوگا گاڑی میں بیٹھ کر میرا انتظار کرنا میں تھوڑی دیر میں آتی ہوں..... کر لو گے نا؟“ اپنی بات مکمل کرنے کے بعد اس نے سوالیہ نظروں سے بابر کی جانب دیکھا تو بابر مستعدی سے بولا۔

”جی میں کرلوں گا آپ فکر ہی نہ کریں کنول آپی۔“ اور پھر وہ تھیلی اٹھائے پھرتی سے بیرونی دروازے کی جانب بڑھ گیا۔

☼ ☼ ☼

کیا پتا کتنی بار مارے گی!
میں فقط زندگی سے ڈرتا ہوں

”اس کی کیا ضرورت تھی امی؟ کیوں کرتی رہتی ہیں یہ سب؟“ زارا نے شاپر پکڑتے ہوئے پر تکلف انداز میں کہا۔

”دیکھو بیٹی دنیا میں کوئی چیز بے معنی نہیں ہوتی خود اس لفظ بے معنی کے بھی معنی موجود ہیں تم کیا سمجھتی ہو دائیوں سے پیٹ چھپایا جا سکتا ہے؟ ایسا نہیں ہے بیٹا___ ہم سب کھلی ہوئی کتابیں ہیں کسی میں کوئی اسرار پوشیدہ نہیں..... ہم سب تیز روشنی میں ہیں___ ایک دوسرے کو صاف اور واضح نظر آنے والے' پھر کیا میں جان بوجھ کر آنکھیں بند کرلوں؟“ ذکیہ بیگم اپنی بات کے اختتام پر سوالیہ انداز میں زارا کا چہرہ تکنے لگیں اور پھر قریب پڑی پیڑھی گھسیٹ کر کچن میں ہی بیٹھ گئیں۔ وہ آج بہت دنوں کے بعد بہو کے گھر آئی تھیں زارا کچن میں داخل ہوئی تو وہ بھی اس کے پیچھے چلتی ہوئی کچن میں آگئی تھیں۔

زارا چند لمحوں تک بغور ان کی آنکھوں میں جھانکتی رہی پھر ایک طویل سانس لے کر ___ شاپر کو شیلف میں رکھتے ہوئے پیڑھی گھسیٹ کر ذکیہ بیگم کے قریب ہی بیٹھ گئی پھر بولی۔

”سچ کہہ رہی ہیں آپ کو کوئی ٹوک بھی تو نہیں سکتا نا؟ ہم سب اپنے اپنے نکتہ نظر سے حق بجانب ہوتے ہیں۔ یہی تو سب سے بڑی مصیبت ہے۔ آپ بڑی ہیں' بزرگ ہیں' بلکہ سچ پوچھیں تو میں نے آپ کو ہمیشہ اپنی ماں ہی سمجھا ہے' آپ کا ہاتھ تو نہیں روک سکتی۔“ ذکیہ بیگم شفقت بھرے انداز میں گویا ہوئیں۔

”انسان جیسا ہے___ اس ویسا ہی رہنا چاہیے بیٹی بلاوجہ کا تکلف بھی بعض اوقات جان کا آزار بن جاتا ہے' ڈیڑھ دو مہینے سے فرزان کی یوں گمشدگی صرف تمہارے لیے ہی اذیت کا باعث نہیں میں اور اذان بھی سخت پریشان ہیں' کہاں کہاں نہیں ڈھونڈا اسے؟ مصیبت تو یہ ہے کہ اسے موبائل رکھنے کی بھی عادت نہیں..... نہ جانے کہاں اور کس حال میں ہے میری تو ممتا کو قرار ہی نہیں آرہا۔ میں تو ماں ہوں نا؟ میرے دل میں تو نجانے کیسے کیسے اندیشے اور وسوسے سر سراتے رہتے ہیں۔ کیسے کیسے خیال کروٹیں لیتے ہیں اچھی طرح اندازہ لگا سکتی ہو تم..... لیکن اب ایسا بھی نہیں ہے کہ بیٹے کی پریشانی میں بہو کو فراموش کر دوں' میں جانتی ہوں کہ کھانے پکانے اور اشیائے ضرورت کے لیے فرزان کے علاوہ تمہیں اور کوئی آس امید نہیں ___ اور جب اس کا اپنا ہی پتا نہیں ہے تو کون کرنے والا ہوگا؟ بس بیٹا یہ ہی سوچ کر بساط بھر سامان لے آئی ہوں۔ میں تو کتنی بار تم سے کہہ چکی ہوں کہ میرے پاس گھر چلی آؤ' میں بھی اکیلی پریشان اور گھبراہٹ کا شکار رہتی ہوں اگر تم آجاتیں___ اور کچھ نہیں تو ایک

دوسرے کا کم ہی غلط کریں___ ایک ایک اور گیارہ ہوتے ہیں' تمہارے آنے سے مجھے بڑا حوصلہ ملتا لیکن تم بھی دنیا میں ایک ہی وفا شعار' اور شوہر پرست بیوی ہو۔ اب ایسی بھی کیا حکم کی پابندی کہ اس کی غیر موجودگی میں تم نے خبر تک نہیں لی؟“

ذکیہ بیگم نے شکوہ بھرے لہجے میں کہا تو زارا جلدی سے بولی۔

”بس امی جان! آپ کو تو ان کی طبیعت کا پتا ہے' میں ان کی ناراضی کا خطرہ مول نہیں لے سکتی' بس اس آس پر زندگی کے دن کاٹے چلی جارہی ہوں کہ کبھی نہ کبھی تو انہیں اپنی ذمہ داری کا احساس ہوگا۔“

”دیکھو بیٹا ایسی چیزوں کی تمنا کرنا جو انسان کے اختیار اور بس سے باہر ہوں بے وقوفی کہلاتا ہے___ تمہاری تم جانو' کم از کم میں تو ایسی بے وقوفی نہیں کر سکتی اس لیے میں نے تو اس کے سدھرنے کی آس ہی چھوڑ دی ہے___ اچھا چھوڑو ان باتوں کو تم بتاؤ کوئی خبر ملی فرزان کے متعلق؟“ ذکیہ بیگم کا لہجہ پر امید ہوگیا۔

زارا نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر ان کی طرف دیکھا پھر بولی۔

”نہیں امی جان اگر مجھے کوئی اطلاع ملتی تو سب سے پہلے آپ ہی کو بتاتی۔ مجھے تو بس یہی پتا ہے کہ وہ اپنے ایک پٹھان دوست کے ہمراہ دوسرے شہر روانہ ہوئے تھے اور جاتے ہوئے یہ ہی کہہ کر گئے تھے کہ کمانے جا رہا ہوں اور بہت جلدی تمہاری ساری پریشانیاں دور کر دوں گا۔ اب کہاں گئے؟ کون سے شہر گئے؟ کون سا کام کرنے کے لیے یہ سب نہ تو انہوں نے مجھے بتایا اور نہ ہی میں ان سے پوچھنے کی جرات رکھتی تھی۔“

مایوسی سے نفی میں سر ہلاتے ہوئے ذکیہ بیگم گویا ہوئیں۔

”بس بیٹا! اب خود ہی رابطہ کرے کوئی اطلاع پہنچائے یا واپس آئے تو ہی بات بنے گی' میرے یا تمہارے بس میں تو کچھ نہیں..... میں بھی انتظار کر رہی ہوں تم بھی انتظار کرو آگے جو اللہ کو منظور..... اللہ سے اچھی امید رکھو اور دعا کرو۔“ زارا ہتھیلی میں چائے کاپانی چڑھاتے ہوئے بولی۔

”جی امی! اس کے علاوہ کیا بھی کیا جا سکتا ہے؟“

☼ ☼ ☼

”کیا تو بہت کچھ جا سکتا ہے___ بات تو تمہاری ہمت کی ہے۔“ اذان نے پر خیال نظروں سے حسن کے چہرے کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

”میری ہمت کی تو فکر ہی نہ کریں اذان بھائی! میں نے تو تہیہ کرلیا ہے کہ ایک ہفتے کے اندر اندر آپ کے کہنے کے مطابق شہر کی ہر دیوار پر آپ کو فیضی فاؤنڈیشن کی پبلسٹی تحریر نظر آئے گی۔“ حسن نے پرجوش انداز میں جواب دیا تو اذان نے سوالیہ انداز میں پوچھا۔

”اچھا یہ بتاؤ' کل کتنا کام کیا؟“ حسن جو بیٹھا ہوا ٹین کے ایک ڈبے میں رنگ بنا رہا تھا۔ مڑ کر اذان کی بات کا جواب دیتے ہوئے بولا۔

”کل تو آٹھ دیواریں لکھی تھیں البتہ آج' میں جلدی آگیا ہوں' آج ان شاءاللہ بارہ سے پندرہ تک کا ٹارگٹ ذہن میں ہے۔“ اذان نے ریوالونگ چیئر پر بیٹھے بیٹھے گھوم کر میز کی دراز سے ایک رائٹنگ پیڈ نکالا' گزشتہ کل کی ڈیٹ ڈالی اور پھر اس پر آٹھ کا ہندسہ درج کرتے ہوئے بولا۔

”چلو ٹھیک ہے' کام کی رفتار بڑھاؤ گے تو اس میں میرا بھی فائدہ ہے اور تمہارا بھی“ اذان نے بات کرتے کرتے کمپیوٹر پر کورل اوپن کرلیا تھا' ان پیج کے دیوانی فاؤنٹ میں لکھے ہوئے خوب صورت الفاظ ”فیضی فاؤنڈیشن“ کو اس نے مہارت سے کاپی کیا اور پھر انہیں کورل میں پیسٹ کر دیا اب وہ لفظوں کو ان گروپ کرنے کے بعد ایک ایک لفظ کو اٹھا کر ان کا درمیانی فاصلہ کم کر رہا تھا۔ حسن جو اس دوران رنگ وغیرہ بنا کر فارغ ہوچکا تھا اذان کے عقب میں کھڑا بغور اسے کام کرتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔

اذان اس وقت اپنے گھر کے ڈرائنگ روم میں موجود تھا جہاں کبھی فرزان اور اس کے دوستوں کی منڈلی دھما چوکڑی مچایا کرتی تھی' اب اذان نے اسے

خوب صورت انداز میں سیٹ کرلیا تھا نیا کارپٹ نئے صوفے اور نئے پردوں نے مل کر ڈرائنگ روم کا حلیہ ہی تبدیل کر کے رکھ دیا تھا ازان نے اپنا کمپیوٹر بھی یہیں سیٹ کر دیا تھا اور اب فارغ اوقات میں وہ یہیں پایا جاتا تھا۔

حسن پچھلے تین چار دن سے مسلسل صبح ہی صبح آجاتا کام سمجھنے کے بعد رنگ وغیرہ تیار کر کے یہیں سے روانہ ہوتا اور شام کو بھی اپنا سامان یہیں آکر رکھتا تھا فری تو وہ ازان سے پہلے بھی تھا لیکن تین چار دن کی ان مسلسل ملاقاتوں میں کچھ زیادہ ہی بے تکلف ہو گیا تھا۔ اس وقت بھی وہ اشتیاق بھری نظروں سے کمپیوٹر اسکرین کو تک رہا تھا پھر بے اختیار بولا۔

”ارے واہ ازان بھائی آپ تو کمپیوٹر کے بھی ماسٹر ہیں..... مجھے سکھائیں گے؟“ ازان نے لفظوں کو لمبوس کرتے ہوئے انہیں فائنل شیپ دی اور مطمئن انداز میں حسن کی طرف دیکھ کر بولا۔

”کیوں نہیں..... بصد شوق‘ اگر تم سیکھنا چاہتے ہو تو جو کچھ مجھے آتا ہے ضرور بتاؤں گا لیکن اس چکر میں وال چاکنگ کا کام متاثر نہیں ہونا چاہیے۔“

”آپ فکر ہی نہ کریں میں بس یوں گیا اور یوں آیا‘ پندرہ دیواریں لکھنے کے بعد اگر میں ٹائم سے آگیا تو آج ہی سے میری کلاس شروع..... کیا خیال ہے؟“ حسن نے شوخی سے کہا۔

”ہاں اگر اپنا کام ختم کر کے آؤ تو کوئی حرج نہیں۔“ ازان سنجیدگی سے بولا۔

”آپ بے فکر ہو جائیں‘ اصل میں میں یہ چاہتا ہوں کہ پینا فلیکس کا کام بھی شروع کر دوں کیونکہ مجھے کورل ڈرا اور ان پیج یوز کرنا نہیں آتا اس لیے میں پینا فلیکس کا کام نہیں لیتا اور اگر کہیں سے پکڑ بھی لوں تو دوسری جگہ سے کروانا پڑتا ہے۔ آپ کو کام کرتا ہوا دیکھ کر میرے ذہن میں فوراً“ یہ ہی خیال ابھرا ہے کہ اس سلسلے میں بھی آپ ہی کی شاگردی اختیار کر لینی چاہیے۔“ حسن نے وضاحت دیتے ہوئے کہا تو ازان مسکراتے ہوئے بولا۔

”تو چلو میرے شاگرد خاص ڈبا اٹھاؤ اور نکلو کام پہ۔“

حسن جو اس دوران چھوٹے بڑے برش ایک جگہ اکٹھے کرنے کے بعد ان پر ربڑ بینڈ چڑھا رہا تھا رنگ کا ڈبا اٹھاتے ہوئے بولا۔

”اجی ازان صاحب! آپ کا یہ شاگرد خاص بہت خاص آدمی ہے کبھی آپ کی محبتوں کا قرض چکانے کا وقت آیا تو آپ مجھے پیچھے نہیں پائیں گے۔“ حسن کے الفاظ اس کے دلی جذبات کا عکاس تھے۔

ازان جو کمپیوٹر کو شٹ ڈاؤن کرنے کے بعد ریوالونگ چیئر سے اٹھ رہا تھا اس کی بات سن کر ایک لحظے کے لیے ساکت سا ہو گیا لیکن پھر دوسرے ہی لمحے بلند آواز میں بولا۔

”وہ وقت بھی جلد آئے گا..... دیکھتے ہیں کہ تم اپنی بات پر کس حد تک پورا اتر سکتے ہو..... اتر بھی سکتے ہو یا نہیں؟“

”حسن اپنی بات سے پھرنے والا نہیں..... مرد کی ایک زبان ہوتی ہے۔“ حسن نے پلٹ کر جواب دیتے ہوئے کہا‘ اس کے چہرے پر مسکراہٹ تھی۔ ازان نے گہری نظروں سے اس کی جانب دیکھا اور اثبات میں سر ہلا دیا۔ حسن نے بھی تفہیمی انداز میں سر ہلایا اور دروازے سے باہر نکل گیا۔

☆ ☆ ☆
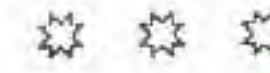
پہنچے جو رات خواب میں ان کے مکان پر
سوئے زمین پہ آنکھ کھلی آسمان پر

سیاہ رنگ کی چمکتی دمکتی لش لش کرتی نیو ماڈل لینڈ کروزر پورے تزک احتشام کے ساتھ صاف و شفاف سڑک پر دوڑی چلی جا رہی تھی۔ آگے پیچھے اوپن چھت کی فور ڈبلیو ڈی جیپیں لینڈ کروزر کو کور مہیا کرتی ہوئی چل رہی تھیں‘ دونوں جیپوں میں تقریباً“ درجن بھر مسلح گارڈ سوار تھے سر پر کیپ جمائے سفید بے داغ وردیوں والے ڈرائیور دونوں جیپوں اور لینڈ کروزر کی ڈرائیونگ سیٹوں پر موجود پوری جانفشانی سے اپنا فرض نبھا رہے تھے۔

اپنی شان و شوکت کا مظاہرہ کرتا ہوا یہ قافلہ جدھر جدھر سے گزرتا لوگ اپنا اپنا کام چھوڑ کر اس کی جانب متوجہ ہو جاتے۔ تینوں گاڑیاں آندھی اور طوفان کی طرح رواں دواں تھیں‘ سڑکوں پر پہلے سے موجود ٹریفک اس قافلے کو راستہ دیتے ہوئے کائی کی طرح چھٹتا چلا جاتا بالکل یوں جیسے انہیں راستہ دینا ان کے فرائض منصبی میں شامل تھا۔ گاڑیاں فراٹے بھرتی ہوئی چلی جا رہی تھیں اور پھر وہ ایک عظیم الشان محل نما بنگلے کے سامنے جا رکیں۔

پر سکوت فضا میں گاڑیوں کے بریک چرچرا اٹھے فوراً“ ہی بنگلے کے بہت بڑے آہنی گیٹ میں ایک روشن دان نما کھڑکی نمودار ہوئی ایک باوردی گارڈ نے جھانک کر اس قافلے کا جائزہ لیا پھر بجلی کی سی سرعت سے واچ ٹاور میں موجود ریڈ اور گرین بٹنوں میں سے گرین بٹن پش کر دیا جس کے نتیجے میں آہنی گیٹ بے آواز کھلتا چلا گیا۔ گاڑیاں ایک مرتبہ پھر آگے بڑھیں اور رینگتی ہوئی وسیع و عریض ڈرائیو وے پر سے ہوتی ہوئی پورچ میں آرکیں۔

باوردی گارڈز مشینی انداز میں چھلانگیں لگا کر نیچے اترے تو ان کے بوٹوں کی دھمک سے عمارت پر طاری سناٹا درہم برہم ہو کر رہ گیا۔ مرسڈیز کا ڈرائیور تیزی سے باہر نکلا اور پھرتی سے لپکتے ہوئے اس نے عقبی دروازہ کھولا۔ تمام گارڈز پوزیشن لیے یوں الرٹ کھڑے تھے جیسے فوجی محاذ جنگ پر کھڑے ہوں۔

دروازہ کھلا اور گاڑی میں سے سیاہ چمچماتے ہوئے جوتے والا ایک پاؤں برآمد ہوا..... پھر اگلے ہی لمحے گاڑی میں موجود وہ شخصیت جسے اتنے پروٹوکول کے ساتھ یہاں تک لایا گیا تھا ان سب کی نگاہوں کے سامنے تھی۔ سرمئی کلر کے تھری پیس سوٹ میں ملبوس خوب صورت چہرے ذہین آنکھوں اور لمبے قد کا مالک ایک مکمل شخص..... جس کی شخصیت واقعی سحر انگیز تھی۔ وہ لاپرواہی کے انداز میں لمبے لمبے ڈگ بھرتا سرخ اینٹوں سے بنی اس روش پر چلنے لگا جس کے دائیں بائیں بے شمار رنگ برنگے پھولوں کی کیاریاں تھیں۔

روش کے اختتام پر جونہی وہ اس خوب صورت آبنوسی دروازے تک پہنچا کسی طرف سے ایک دربان بھاگتا ہوا نمودار ہوا جس نے دروازہ کھول دیا اور وہ بغیر رکے چلتا ہوا کمرے میں داخل ہو گیا۔

وسیع و عریض کمرے کے گلابی حریری پردے کمرے کو ایک نفیس سا تاثر دے رہے تھے‘ اس نے رک کر کمرے کا جائزہ لیا جو حسب معمول صاف ستھرا اور مہکتا ہوا نظر آرہا تھا‘ چھت پر خوب صورت ڈیزائن کی چمکتی ہوئی فالز سلنگ کی تہ جس میں کم و بیش چار قیمتی فانوس جھول رہے تھے‘ کونے میں رکھی شیشے کی نازک سی ٹیبل پر پیتل کے نقشین گلدان میں تازہ پھول مہک رہے تھے۔

کمرے میں پھیلی بھینی بھینی خوشبو ان ہی پھولوں کی تھی وہ دو قدم آگے بڑھا اور اپنا کوٹ اتار کر ڈریسنگ ٹیبل کے اطراف میں لگے اسٹینڈ پر لٹکا دیا اور ڈریسنگ ٹیبل پر رکھے پرفیوم کو اٹھا کر خود پر اسپرے کرنے لگا۔ پھر ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتے ہوئے بیڈ پر جا بیٹھا اس کے بیٹھنے سے بیڈ کی ریشمی بے شکن چادر سکڑ کر رہ گئی لیکن وہ اس سے بے پروا دیوار پر خوب صورت سنہری فریم میں آویزاں اپنی ہی ایک اسٹائلش سی تصویر کو گھور رہا تھا۔

چند لمحے تک اس کی محویت برقرار رہی پھر وہ ایک طویل سانس لیتے ہوئے جوتوں سمیت ہی بیڈ پر دراز ہو گیا۔ ٹھیک اسی لمحے کمرے میں دھیمی دھیمی موسیقی لہریں سی لینے لگی اس کی نظروں نے اس مدھر آواز کا تعاقب کیا جو پورے کمرے کا چکر لگا کر بیڈ کی سائیڈ پر رکھی ایک چھوٹی سی میز پر رک گئیں۔ وہ آواز سرخ رنگ کے اس خوب صورت ٹیلی فون سیٹ میں سے برآمد ہو رہی تھی جو ایک نظر دیکھنے پر ٹیلی فون سیٹ کم اور شو پیس زیادہ لگ رہا تھا۔ اس نے لیٹے ہی لیٹے ہاتھ بڑھا کر ریسیور اٹھایا‘ پھر اس کی کرخت آواز بلند ہوئی۔

”یاور زمان اسپیکنگ!“ پھر چند لمحے دوسری جانب سے آتی آواز سننے کے بعد اپنی مخصوص آواز

میں بولا۔

"آپ کی بات درست ہے منسٹر صاحب! لیکن یاور زمان اصولوں پر سمجھوتا نہیں کر سکتا' میں اس معاملے میں کوئی لچک اختیار نہیں کر سکتا'' چند لمحے کی خاموشی کے بعد دوبارہ اس کی بارعب آواز سنائی دی۔

"وہ سب ٹھیک ہے' لیکن آپ کو دوستی اور تعلق کا کچھ تو لحاظ کرنا چاہیے؟ اگر آپ فیور نہیں دے سکتے تو دباؤ بھی مت ڈالیں' میں اب اس معاملے پر مزید کوئی بات نہیں کرنا چاہتا' ڈیٹس فائنل!"

اس نے جملہ مکمل کیا اور ریسیور کریڈل پر پٹخ دیا۔

☼ ☼ ☼

اچھا خاصا بیٹھے بیٹھے گم ہو جاتا ہوں
اب میں اکثر میں نہیں رہتا تم ہو جاتا ہوں

قدیم و جدید کا امتزاج لیے یہ خوب صورت خواب گاہ طلوع سحر کے بعد سے ہی خواب ناک اجالے میں نہا گئی تھی۔ وہ ایک انگڑائی لے کر بے دار ہوئی اور پھر جہازی سائز کی اس خوب صورت مسہری کے ایک کونے پر دیوار میں لگا ایک نفیس سا بٹن پش کرنے لگی۔ ہلکی سی "چٹ" کی آواز بلند ہوئی اور کمرہ دھیمی دھیمی خواب ناک سی روشنی میں نہا گیا۔ وہ کچھ دیر تک کسلمندی کے انداز میں مسہری پر بیٹھی انگلیوں کی مدد سے ریشمی لحاف کا کونا مروڑتی رہی' پھر اٹھی اور مسہری پر بچھی ہوئی فرش کے ساتھ لگی چادر ہٹا کر اپنی جوتیاں پہننے لگی' لیکن پھر اس کا ارادہ تبدیل ہو گیا۔ اب وہ اٹھ کر ننگے پاؤں چلتی ونڈو کی جانب بڑھ رہی تھی۔

اس کے پاؤں نرم و نفیس ایرانی قالین میں دھنستے چلے جا رہے تھے اور قالین کی یہ گدگداہٹ اسے بڑی بھلی معلوم ہو رہی تھی' اس نے ونڈو کا مخملیں پردہ سرکایا تو صبح کی تازہ ہوا اور سورج کی روپہلی کرن نے ایک ساتھ اس کا استقبال کیا۔ اس نے ایک لمبی سانس لیتے ہوئے طمانیت بھرے انداز میں آنکھیں بند کر لیں اور یہ منظر دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا۔ اس کا نرم و نازک وجود اس وقت کسی سنگ تراش کا اچھوتا اور لازوال شاہکار نظر آ رہا تھا۔ بالکل ساکت' ہونٹوں پر ایک ملکوتی مسکراہٹ سجائے بالکل کسی گڑیا کی طرح خاموش اور چپ کھڑی کنول کو شاید تازہ ہوا کے جھونکوں اور سورج کی نرم گیں شعاعوں کی جانب سے اپنی یہ پذیرائی پسند آئی تھی۔

کمرے میں اس وقت ایک دلفریب سی مہک رچی ہوئی تھی جو پتا نہیں کنول کے وجود سے اٹھ رہی تھی یا پھر کسی روم اسپرے کا کمال تھا۔ بہرحال جو بھی تھا وہ بھینی بھینی خوشبو بڑی ہی مسحور کن تھی۔ اس بڑی سی منقش مسہری کے علاوہ کمرے میں ایک چھوٹی سی جدید وضع کی گلاس ٹیبل ایک راکنگ چیئر ایک جانب فینسی ٹرالی پر سجا ٹیلی وژن سیٹ ایک دیوار گیر الماری جس کے دروازے پر بہت خوب صورت انداز میں غالباً" تانبے کی تار سے میناکشی کی گئی تھی۔ یہ اس کمرے کے مختصر لوازمات تھے جو کمرے کے مکین کی طبیعت کی نفاست کی گواہی دے رہے تھے۔

چند لمحے کے بعد آہستہ قدمی سے چلتی ہوئی وہ گلاس ٹیبل کے ساتھ رکھی راکنگ چیئر کی جانب آئی' تو اس کے چہرے سے کسلمندی کے آثار غائب ہو چکے تھے' اب وہاں خوش گواری اور بشاشت تھی۔ راکنگ چیئر پر بیٹھی تو چند لمحوں تک اس کی نظریں ادھر ادھر چکرائی رہیں' پھر گلاس ٹیبل پر رکھے' اس چھوٹے سے خوب صورت شوپیس پر جم گئیں۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر انتہائی احتیاط اور محبت سے وہ شوپیس اٹھا لیا چند ہی لمحوں کے بعد وہ کرسٹل کی گڑیا کو والہانہ رقص کرتے دیکھ رہی تھی۔

اس کے چہرے پر ایک نرم سی مسکراہٹ تھی۔ کرسٹل کی وہ نازک سی گڑیا ایک ادا سے جھوم کر بل کھاتی اور ساتھ کھڑے گڈے کے اردگرد رقص کرتی بے حد حسین لگ رہی تھی۔ اس کا ہر عضو اس طرح لچک رہا تھا جیسے وہ گڑیا نہیں بلکہ جیتی جاگتی دوشیزہ ہو جو اپنے محبوب کے گرد دیوانہ وار محو رقص ہو' شوپیس سے پھوٹتی دھیمی دھیمی موسیقی نے ماحول کی ہر چیز کو جیسے ساکت کر دیا تھا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے کمرے میں موجود ہر شے سانس روکے اس کا رقص دیکھ رہی ہے۔

کنول بھی پوری محویت سے اس کے رقص میں گم تھی۔ یوں لگتا تھا اس کا صرف جسم یہاں موجود ہے اور روح شاید کہیں اور کہیں دور کسی اور منظر میں گڑیا کے ساتھ ساتھ محو رقص ہے اور اس کے چاروں طرف محبت ہی محبت کسی پھوار کی صورت برس رہی ہے' محبت جو اس کائنات کا سب سے عظیم جذبہ' سب سے بڑا سچ اور رب کائنات کی طرف سے ایک خوب صورت تحفہ۔۔۔ محبت۔۔۔

محبت زندگی ہے' بندگی ہے
محبت آگہی ہے' روشنی ہے
محبت بحر و بر کی دل کشی ہے
محبت پاک جذبوں کی علامت
محبت سے زمانہ ہے سلامت
محبت ہے تو زندہ ہر بشر ہے
محبت ہے تو انساں معتبر ہے
محبت سے ہیں قائم رنگ سارے
محبت سے ہیں قائم چاند تارے
محبت آسمانوں کی بلندی
محبت پھول ہے' بوئے وفا ہے
محبت آدمی کی انتہا ہے
محبت موج ہے' رنگ حنا ہے
محبت دراصل نام خدا ہے
محبت ہے فرشتوں کی کہانی
محبت ہے دلوں کی شادمانی
محبت جسم بھی ہے' جان بھی ہے
محبت روح کی پہچان بھی ہے
محبت میں بزرگی کا خزینہ
محبت میں ہے' انوار مدینہ
محبت غوث بھی ابدال بھی ہے
محبت ہے تو سب کچھ ہے جہاں میں
محبت کے بنا کچھ بھی نہیں ہے
محبت کیا ہے میں کیسے بتاؤں؟
محبت کی کہانی کیا سناؤں؟
جدھر بھی دیکھتی ہوں سر اٹھا کر
محبت ہی محبت چار سو ہے
محبت سے ہی میری آبرو ہے
محبت نام رکھ دو زندگی کا
محبت نام رکھ دو آدمی کا
خدایا بس مری یہ ہی دعا ہے!
محبت بخش دے یا رب مجھے بھی
محبت بخش دے مجھ کو خدایا!

اس کے ہونٹ دعائیہ انداز میں حرکت کرتے ہوئے ایک خوب صورت نظم دوہرا رہے تھے۔ لیکن ہر لمحہ قبولیت کا لمحہ نہیں ہوتا' ہر دعا کے نصیب میں باریابی نہیں لکھی جاتی۔ جہاں محبت ختم ہوتی ہے وہیں سے نفرت جنم لیتی ہے اور محبتوں کی شہد آگیں مٹھاس میں نفرتوں کا زہر گھولنے والے بھی اسی دنیا کا حصہ ہیں۔ ایک ناقابل تردید سچائی کی طرح۔۔۔ کمرے کا اکلوتا دروازہ ایک دھماکے سے کھلا اور کوئی شخص درانہ وار اندر گھس آیا۔

کنول ذہنی طور پر اس اچانک افتاد کے لیے تیار نہ تھی' وہ ہڑبڑا کر اٹھی تو اس کے ہاتھ میں کرسٹل کا گڈا اور گڑیا چھوٹ کر نیچے جا گرے جو فرش پر بچھے نرم و گداز ایرانی قالین کی موجودگی کے باوجود چکنا چور ہو گئے تھے۔ کنول ششدر سی کھڑی کانچ کے ان ٹکڑوں کی جانب دیکھتی رہ گئی جو ادھر ادھر پھول کی نازک پتیوں کی طرح بکھرے کسی وحشی کی درندگی کا شکار نظر آ رہے تھے۔ اس نے کرب ناک انداز میں نظریں اوپر اٹھائیں تو دروازے کے باہر تین' چار مسلح افراد نظر آئے' جن کی شکلیں دیکھ کر ہی بنا کسی قباحت کے ان کا رشتہ باڈی گارڈ قبیل سے جوڑا جا سکتا تھا۔ پھر اس کی دزدیدہ نظریں کمرے میں داخل ہونے والے اس اکلوتے شخص کے چہرے پر جا ٹکیں جو ایک ہاتھ سے اپنے عقب میں موجود دروازہ بند کر رہا تھا' اس کے حلق سے ایک طویل سانس خارج ہو گئی' وہ اس رئیس زادے کو پہچان چکی تھی جو دھیرے دھیرے چلتا ہوا عین اس کے سامنے آ رکا تھا' پھر وہ کینہ توز نظروں سے

کنول کو گھورتے ہوئے گویا ہوا۔

"صبح ہو گئی تمہاری؟ حیرت ہے... یہاں تو سورج نکلنے پر رات اور ڈوبنے پر دن طلوع ہوتا ہے... پھر یہ انہونی کیسے۔"

اس کی آواز میں طنز ہی طنز جیسے کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ کنول جو خاموش کھڑی دانتوں کی مدد سے اپنا نچلا ہونٹ کاٹ رہی تھی' بولی تو اس کے لہجے میں تلخی گھلی ہوئی تھی' لیکن اسے اپنے اعصاب پر پورا کنٹرول حاصل تھا۔

"صبح اس وقت نہیں ہوتی جب سورج نکلتا ہے... بلکہ صبح اس وقت ہوتی ہے جب آدمی جاگ جائے۔"

"اوہ... تو آپ جاگ رہی ہیں... ادھر سے گزر رہا تھا سوچا ایک نظر آپ کو دیکھ لیا جائے... خیال تھا کہ آپ سوتے ہوئے زیادہ حسین لگتی ہوں گی' لیکن... لگتا ہے آپ ہماری کوئی حسرت بھی پوری نہیں ہونے دیں گی۔" لہجہ بدستور طنزیہ تھا۔ کنول نے نہایت تحمل سے اس کی بات سنی' پھر ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولی۔

"یہ آپ کا اپنا خیال ہے' میرا نہیں اور ویسے بھی اگر دو افراد کسی ایک بات پر متفق ہو جائیں تو پھر ان میں سے کسی ایک کا ہونا غیر ضروری ہوتا ہے' حسرت تو آپ یہ بھی کر سکتے ہیں کہ آپ اس ملک کے حکمران ہو جائیں' میں پابندی عائد کرنے والی کون ہوتی ہوں؟ بس ایک بات سمجھ لیں کہ ہر حسرت بھی پوری ہونے کے لیے نہیں ہوتی۔"

کنول کی بات سن کر اس کے ہونٹ سیٹی بجانے کے سے انداز میں سکڑ گئے۔ پھر وہ سنبھلے ہوئے لہجے میں یوں بولا جیسے جھینپ مٹانے کی کوشش کر رہا ہو' اسے شاید کسی طوائف سے ایسی مدلل گفتگو کی توقع نہ تھی۔

"اوہ تو گویا آپ حاضر جوابی کے فن سے بھی آشنا ہیں؟"

کنول جھجکے بغیر اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے پرسکون اور پراعتماد لہجے میں بولی۔

"کوئی بھی فن علم کی حدود میں داخل ہوئے بغیر ثبات کو نہیں پہنچتا۔"

"گڈ... خاصی علمی گفتگو فرما لیتی ہیں آپ۔" اس نے کنول کے پراعتماد انداز پر کھسیائے ہوئے انداز میں کہا۔

"آپ کی طرح آپ کی گفتگو بھی لاجواب ہے۔" اس نے دوسرا جملہ کہا تو کنول گویا ہوئی۔

"اس طرح کسی کی خواب گاہ میں بلا اجازت گھس آنا اخلاقیات کے منافی ہے۔ کبھی کسی نے بتایا آپ کو؟" کنول کے لہجے میں کاٹ تھی' جس پر وہ تلملایا تو ضرور تھا' لیکن بدستور شہد ٹپکاتے لہجے میں بولا۔

"ادھر سے گزرا تو آپ کو دیکھنے کی خواہش پر قابو نہیں پا سکا بس۔"

کچے دھاگے سے چلے آئے ہیں سرکار بندھے

کنول نے دھیرج سے اس کی بات سنی' پھر اپنے مخصوص سرد لہجے میں بولی۔

"کنفیوشس کہتا ہے جس کنویں سے پانی پیو اس کے بنانے والے کو بھی یاد کرو' کیونکہ اگر خالق کو یاد کر لیا جائے تو پھر تخلیق ویسے بھی ثانوی حیثیت اختیار کر جاتی ہے' آپ کا کیا خیال ہے؟"

اور پھر اس کا حوصلہ جواب دے گیا' اس نے ساری وضع داری بالائے طاق رکھتے ہوئے کٹکھنے لہجے اور غرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"چھوڑو یہ علمی اور ادبی گفتگو کنول بائی! میں اس وقت علی گڑھ یونیورسٹی سے لیکچر لینے نہیں آیا' میں کوٹھے پر کھڑا ہوں' مجھ سے کوٹھے والی زبان میں بات کرو' یہ بتاؤ میری پیش کش قبول کرنے میں تمہیں کیا قباحت ہے؟ کیا پیسے کم ہیں؟ اگر تم ہاں کرو تو میں پچاس لاکھ اور بڑھا دیتا ہوں ڈیڑھ کروڑ کم نہیں ہوتے کنول بائی۔ کوئی کوٹھے والی اپنی پوری زندگی دان کر کے بھی اتنی رقم اکٹھی نہیں کر سکتی۔"

بات کرنے کے دوران وہ مسلسل اپنی باریک باریک مونچھوں کو سہلا رہا تھا اور کنول جو اس کی اس اضطراری حرکت کا بغور مشاہدہ کر رہی تھی۔ پرسکون

انداز میں چلتی ہوئی دیوار گیر الماری کی جانب بڑھ گئی۔ پھر اپنے کانوں میں موجود آویزے اتارتے ہوئے بولی۔

"تعصب کا جواب دلیل سے دینے کی کوشش بے کار ہی ہوتی ہے' کیونکہ تعصب کی جڑیں وجود میں نہیں ہوتیں۔" اس نے بات کرتے کرتے الماری کا ایک پٹ پورا کھول دیا اور آویزے الماری میں رکھنے لگی' وہ اس بات سے بخوبی آگاہ تھی کہ اس کا مقصد پورا ہو چکا ہے۔ رئیس زادہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے ادھ کھلی الماری کی جانب دیکھ رہا تھا۔ جس میں زمین سے لے کر چھت تک نوٹ ہی نوٹ بھرے ہوئے تھے۔ ہزار' ہزار اور پانچ سو کے نوٹوں کی لاتعداد گڈیاں قرینے سے چنی ہوئی تھیں' جن کی مالیت یقیناً" کروڑوں میں تھی۔

کنول نے ایک سرسری سی نظر ان پر ڈالی' پھر لاپروائی سے الماری بند کرتے ہوئے بولی۔

"ایک تو یہ بھی بڑی مصیبت ہے اپنے بندے رکھنے کی جگہ بھی نہیں ملتی مجھے۔" پھر وہ پیشانی سے پسینہ صاف کرتے رئیس زادے کو مخاطب کرتے ہوئے بولی۔

"اور ہاں مسٹر فاروق ملک! شکر بجا لائیں کہ میں کوٹھے والی زبان میں بات نہیں کر رہی... کیونکہ اگر ہم طوائفیں کوٹھے کی زبان بولنے لگیں تو پھر شریف زادوں کو عزت بچانا مشکل ہو جاتا ہے۔ میری نظر میں معمولی عمل عظیم ارادے سے کہیں بہتر ہوتا ہے' امید ہے آپ سمجھ گئے ہوں گے۔"

اور وہ جو ابھی تک حیرت کے اس شدید جھٹکے سے سنبھل نہیں پایا تھا' ایک جھٹکے سے مڑتا ہوا بولا۔

"چلتا ہوں' پھر آؤں گا۔"

"تغیر زندگی اور کائنات کا پہلا اصول ہوتا ہے مسٹر فاروق ملک! کوئی شخص دریا کے ایک ہی پانی میں دو بار نہیں نہا سکتا' ہم کوٹھے والوں کے بھی کچھ آداب ہوتے ہیں' آئندہ احتیاط کیجیے گا۔"

کنول کی آواز نے دروازے تک اس کا تعاقب کیا' اس نے دروازہ کھولا اور پھر باہر نکل کر دھڑ سے یوں بند کیا جیسے دروازہ کنول کے منہ پر دے مارا ہو۔ کنول کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کی باریک سی لکیر کھنچی' پھر کمرے کے پرسکوت ماحول میں اس کی بڑبڑاہٹ گونج اٹھی۔

جا کے کہسار سے سر مارو کہ آواز تو ہو!
خستہ دیواروں سے ماتھا نہیں پھوڑا کرتے

(باقی آئندہ)

شعاع عمیر

نیک لوگوں کی صحبت

حضرت ابو رزینؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "کیا میں تمہیں ایسی بات نہ بتاؤں، جس پر اس دین کا (بڑا) مدار ہے، جس سے تم دنیا و آخرت کی بھلائی حاصل کرسکتے ہو؟ ایک تو اہل ذکر کی مجالس کو مضبوط پکڑلو (اور دوسرے) جب تنہا ہوا کرو، تو جہاں تک ممکن ہو، ذکر اللہ کے ساتھ زبان کو متحرک رکھو اور (لوگوں سے) اللہ ہی کے لیے محبت رکھو اور اللہ کے لیے بغض رکھو۔"

(شعب الایمان)

صائمہ جہانگیر..... کراچی

حضرت لقمان علیہ السلام کی حکمت و دانائی

حضرت لقمان علیہ السلام شروع میں ایک شخص کے غلام تھے۔ ایک مرتبہ ان کے مالک نے ان سے کہا۔ "بکری ذبح کرو اور اس کے جسم کے دو بہترین حصے لے کر آجاؤ!" وہ زبان اور دل نکال کر لے گئے۔ ایک عرصے کے بعد پھر اس نے کہا۔

"بکری ذبح کرو اور اس کے جسم کے دو بدترین حصے لے کر آجاؤ!" وہ پھر زبان اور دل نکال کر لے گئے۔

وہ حیرت سے انہیں دیکھنے لگا اور کہنے لگا۔ "یہ کیا بات ہوئی؟ جب بہترین حصے کہہ کر منگوائے تب بھی دل اور زبان لے کر آئے اور اب جبکہ بدترین حصے کہہ کر منگوائے تو بھی وہی حصے لے کر آگئے؟" حضرت لقمان علیہ السلام نے فرمایا۔

"انسانی جسم میں یہی وہ دو اعضاء ہیں جو جب تک صحیح رہیں تو ان سے بڑھ کر کوئی بھی بہتر اعضاء نہیں ہوسکتے اور اگر یہ بگڑ جائیں تو ان سے بدترین بھی کوئی نہیں۔" حضرت لقمان علیہ السلام نے وہی بات ارشاد فرمائی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارشادات میں فرمائی ہے، چنانچہ فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ "قیامت کے دن جہنم میں سب سے زیادہ لوگ اپنی زبان کی وجہ سے داخل کیے جائیں گے۔" دوسری روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "غور سے سنو! جسم میں گوشت کا ایک لوتھڑا ہے، وہ اگر صحیح ہو تو سارا جسم صحیح رہتا ہے اور اگر وہ بگڑ جائے تو سارا جسم بگڑ جاتا، غور سے سنو! وہ دل ہے، وہ دل ہے وہ دل ہے۔"

ارم صدف..... منڈی بہاؤالدین

کرنیں

☆ کاش میں کسی مومن کے سینے کا ایک بال ہی ہوتا۔

☆ شرم مردوں میں خوب ہے، مگر عورتوں میں خوب تر ہے۔

☆ اس دن پر آنسو بہاؤ جو تم نے نیکی کے بغیر گزار دیا۔

☆ بیل کی طرح کسی کا سہارا نہ ڈھونڈو، بلکہ درخت کی طرح کسی کا سہارا بنو۔

☆ لمحے چاقو کی دھار کی طرح ہوتے ہیں، غلط فیصلہ ہوجائے تو اس کی کاٹ سے نہ جان بچتی ہے اور نہ ایمان۔

☆ اللہ پاک کو نہ بتاؤ کہ پریشانی کتنی بڑی ہے، بلکہ پریشانی کو بتاؤ کہ میرا اللہ پاک کتنا بڑا ہے۔

صابرہ..... اسلام آباد

خود اعتمادی

☆ میں گدائے بے نوا نہیں، میرا نام بھکاری نہیں،

ناکامی میری قسمت نہیں، میں شہزادہ ہوں، کامیابی میرا پیدائشی حق ہے اور دنیا کی کوئی طاقت مجھے اس سے محروم نہیں رکھ سکتی۔

☆ میں کوئی مانگنے والا فقیر نہیں، بلکہ چھین کر کھانے والا انسان ہوں اور میں اپنی ذات میں ایک مکمل مملکت ہوں اور اس مملکت کا شہنشاہ بھی میں خود ہوں۔

میرا من

تو کیا جانے رہنے والے روز و شب سے دور
صدی صدی کا دن ہے میرا، تیری رات میں گم
تیری چاہ کی دھن میں ایسے کھویا میرا من
جیسے کوئی صبح ہوجاتی ہے برسات میں گم

انیقہ انا..... چکوال

ارجنٹ

مکینک نے ایک گھر کا دروازہ کھٹکھٹایا اور کہا۔ "مجھے جاوید صاحب نے پانی کا نل ٹھیک کرنے کے لیے بلوایا ہے۔"

صاحب خانہ نے جواب دیا۔ "جاوید صاحب کو یہ مکان چھوڑے ہوئے تین ماہ ہوچکے ہیں۔"

مکینک غصے سے "عجیب لوگ ہیں پہلے تو ارجنٹ کام پر بلاتے ہیں "پھر فوراً" چھوڑ کر چلے جاتے ہیں۔"

فوزیہ ثمروٹ..... گجرات

شرف قبولیت

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا۔ اے موسیٰ جب تم مجھ سے کلام کرتے ہو تو تمہارے اور میرے بیچ میں ستر فرشتے ہوتے ہیں، مگر جب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت مجھ سے کلام کرے گی تو ان کے بیچ اور میرے بیچ کوئی نہیں ہوگا۔ یہ وہ لوگ ہیں جو افطار کے وقت مجھ سے دعا مانگتے ہیں۔ میں ان کی اس وقت کی دعا کو قبول کرتا ہوں اور کبھی رد نہیں کرتا۔"

فوزیہ ثمروٹ، ہانیہ عمران..... گجرات

حضرت علیؓ نے فرمایا

حضرت علیؓ نے فرمایا کہ جسم ایک دکان ہے اور زبان اس کا تالا ہے۔ تالا کھلتا ہے تو معلوم ہوجاتا ہے کہ دکان سونے کی ہے یا کوئلے کی۔

ردا..... لاہور

آخری خواہش

میرے مرنے کے بعد مجھے جلانے سے پہلے میرا دل نکال لینا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ بھی جل جائیں جو میرے دل میں رہتے ہیں۔

رحمہ..... کراچی

اللہ کا فضل

ایک سخی عورت ام جعفر جس راستے سے گزرتی تھیں، اس پر بیٹھے ہوئے دو اندھے صدا لگایا کرتے تھے۔ ایک کی صدا تھی۔ "الٰہی مجھے اپنے فضل و کرم سے روزی عنایت کر۔" دوسرا کہتا۔ "الٰہی ام جعفر کا بھلا ہو، مجھے بھی ملے۔" ام جعفر اللہ کا فضل طلب کرنے والے کو دو درہم اور اپنا نام لینے والے کو ایک بھنی ہوئی مرغی میں دس دینار رکھ کر دیا کرتی تھیں۔ وہ اندھا اپنی مرغی دو درہم میں دوسرے اندھے کو بیچ دیا کرتا تھا۔ دس روز تک ایسا ہی ہوتا رہا۔ گیارہویں روز ام جعفر نے اپنا نام لینے والے اندھے کو کہا۔ "تجھ کو ہمارا فضل یعنی سو دینار نہیں ملے۔" اندھے نے کہا۔ "مجھے تو ایک مرغی ملا کرتی تھی۔ جسے میں اپنے اندھے دوست کے ہاتھ دو درہم میں بیچ دیا کرتا تھا۔" ام جعفر نے کہا۔ "اللہ کا فضل طلب کرنے والا کامیاب رہا اور آدمیوں کے فضل کا طلب گار محروم رہتا ہے۔"

جویریہ..... کراچی

کچھ باتیں بڑوں کی

☆ دوستی کو تجدید وفا کی ضرورت ہمیشہ ہوتی ہے۔ اس کے بغیر دوستی تو شاید برقرار رہ سکے، لیکن محبت سے خالی اور خلوص سے ماورا ہوگی۔

☆ کبھی محبت نہ کرنے کے مقابلے میں محبت کرکے

دھوکا کھالینا بہتر ہے۔

(ٹینی سن)

☆ دوست کی نسبت دشمن کو معاف کرنا زیادہ آسان ہوتا ہے۔

(میڈم ڈلھوزی)

☆ تکلیفوں سے مت گھبراؤ' کیونکہ تکلیفیں انسان کو سوچنے پر مجبور کرتی ہیں۔ سوچنے سے آدمی دانا ہوتا ہے' اور دانائی آدمی کو جینے کے قابل بناتی ہے۔

(جان پیٹرک)

فائزہ قریشی۔۔۔ فیصل آباد

کرنیں

☆ مصائب سے مت گھبرا' کیونکہ ستارے اندھیرے میں ہی چمکتے ہیں۔

☆ چاند کے بغیر رات بے کار ہے اور علم کے بغیر ذہن۔

☆ انسان خود عظیم نہیں ہوتا' اس کا کردار اسے عظیم بناتا ہے۔

☆ اگر تم نے ہر حال میں خوش رہنے کا فن سیکھ لیا تو سمجھو زندگی کا سب سے بڑا فن سیکھ لیا۔

☆ اگر جسم موت کے لیے بنایا گیا ہے تو پھر رب کی راہ میں شہید ہونا سب سے بہتر ہے۔

☆ محنت کرو' تمہاری زندگی پھولوں کی طرح رنگین اور شہد کی طرح میٹھی ہوجائے گی۔

☆ محنت کرنے والے کے سامنے پہاڑ کنکر ہے اور کاہل کے سامنے کنکر پہاڑ ہے۔

ندا نواب۔۔۔ کراچی

فرق

پہلی جنگ عظیم کے موقع پر حکومت ہند کو عوام سے قرض لینا پڑا۔ انگریزوں نے اپنے دور فرماں روائی میں غالباً" پہلی بار پبلک سے قرضہ حاصل کرنے کے لیے اپیل کی تھی۔ حکومت نے اعلان کیا کہ جو کوئی قرضے کے اشتہار کے لیے مختصر اور موثر عبارت مرتب کرے گا' اسے پانچ سو روپے کا انعام دیا جائے گا۔

اس اعلان کا اخباروں میں آنا تھا کہ بہت سے اہل قلم عبارت آرائی اور قلم کاری میں مصروف ہو گئے۔ سینکڑوں عبارتیں لکھ کر بھیجی گئیں مگر جس عبارت نے انعام حاصل کیا' وہ حکیم احمد شجاع پاشا کی مرہون قلم تھی۔ ان کی لکھی ہوئی عبارت یہ تھی۔ "قرض اور فرض میں صرف ایک نقطہ کا فرق ہے' آپ کے لیے وہ بھی نہیں۔"

(فقیر سید وحید الدین کی کتاب "انجمن" سے اقتباس۔)

تمیرہ۔ جدہ

استقبال

کائنات کی ہر شے کسی نہ کسی مقصد کے لیے مصروف عمل ہے جب تک منزل متعین نہ ہو سفر نہیں ہو سکتا سفر کوشش کا نام ہے اور منزل مقصد کو کہتے ہیں منزل اور مقصد دلکش ہو گا تو انسان سفر کی صعوبتیں بھی ہنسی خوشی برداشت کرتا چلا جائے گا۔ خوب صورت منزل خود مسافر پیدا کرتی ہے اور سچے مسافروں کا استقبال خود منزلیں کیا کرتی ہیں گویا چلنے والے ہی منزل پاتے ہیں اور منزل پر پہنچنے والوں کے استقبال کے لیے خوشیاں ان کی منتظر ہوتی ہیں۔

انمول موتی

☆ چھوٹی چھوٹی مہربانیاں زندگی کو مٹھاس دیتی ہیں اور بڑی مہربانیاں اسے عظیم بنا دیتی ہیں۔ (بووی)

☆ یہ دنیا اس جوشیلے آدمی کی ہے جو ٹھنڈا رہتا ہے۔ (ولیم میک فی)

☆ کامیاب لوگ لکڑی میں سوراخ کرنے والے برمے کی طرح ایک ہی مقصد کے لیے اپنی صلاحیتیں وقف کر دیتے ہیں۔ (کرسچن ٹیل)

☆ عقل کی حد ہو سکتی ہے لیکن بے عقلی کی کوئی حد نہیں۔ (ایمرسن)

نوشابہ منظور بھریا روڈ سندھ

☆ ☆

ایشقہ انا' کی ڈائری میں تحریر

میر درد کی غزل

مرا جی ہے جب تک تری جستجو ہے
زباں جب تک ہے یہی گفتگو ہے

تمنا ہے تیری، اگر ہے تمنا
تری آرزو ہے، اگر آرزو ہے

خدا جانے کیا ہو گا انجام اس کا
میں بے صبر اتنا ہوں وہ تند خو ہے

غنیمت ہے یہ دید وا دید یاراں
جہاں مند گئی آنکھ میں ہوں نہ تو ہے

نظر میرے دل کی پڑی درد کس پر
جدھر دیکھتا ہوں وہی روبرو ہے

ارم' کی ڈائری میں تحریر

بہادر شاہ ظفر کی غزل

لگتا نہیں ہے جی مرا اُجڑے دیار میں
کس کی بنی ہے عالمِ ناپائیدار میں

بلبل کو پاسباں سے نہ صیاد سے گلہ
قسمت میں قید تھی لکھی فصلِ بہار میں

کہہ دو ان حسرتوں سے کہیں اور جا بسیں
اتنی جگہ کہاں ہے دلِ داغدار میں

عمرِ دراز مانگ کے لائے تھے چار دن
دو آرزو میں کٹ گئے دو انتظار میں

کتنا ہے بدنصیب ظفر دفن کے لیے
دو گز زمیں بھی مل نہ سکی کوئے یار میں

فوزیہ ثمر بٹ' کی ڈائری میں تحریر

جاوید اختر کی نظم

کبھی یوں بھی تو ہو
دریا کا ساحل ہو پورے چاند کی رات ہو
اور تم آؤ
پریوں کی محفل ہو کوئی تمہاری بات ہو
اور تم آؤ، کبھی یوں بھی تو ہو
یہ نرم ملائم ٹھنڈی ہوائیں، جب تمہارے گھر سے گزریں
تمہاری خوشبو چرائیں میرے گھر لے آئیں
کبھی یوں بھی تو ہو
سونی ہر منزل ہو کوئی نہ میرے ساتھ ہو
اور تم آؤ، کبھی یوں بھی تو ہو
تنہائی ہو دل میں
بوندیں ہوں برسات ہو
اور تم ہو

شازیہ ہاشم' کی ڈائری میں تحریر

علامہ اقبال کی غزل

میری نوائے شوق سے شور حریم ذات میں
غلغلہ ہائے الاماں بت کدۂ صفات میں

حور و فرشتہ ہیں اسیر میرے تخیلات میں
میری نگاہ سے خلل تیری تجلیات میں

گرچہ ہے میری جستجو دیر و حرم کی نقشبند!
میری فغاں سے رستخیز کعبہ و سومنات میں

گاہ مری نگاہ تیز چیر سی دل وجود
گاہ اُلجھ کے رہ گئی میرے توہمات میں

تو نے یہ کیا غضب کیا! مجھ کو بھی فاش کر دیا
میں ہی تو ایک راز تھا سینۂ کائنات میں

نزہت جبیں ضیا، کی ڈائری میں تحریر
پروین شاکر کی نظم

محبت کرنے والے سُنا ہے
آنکھوں میں تارے لیے پھرتے ہیں
اور چہرے پر قوسِ و قزح کے رنگ بھی
سارے لیے پھرتے ہیں
ورنہ اپنی خواہش تھی
کہ تارے دسترس میں ہوتے
کہ دھنک رنگ اپنے بس میں ہوتے
اور اسی طرح
اب بھی قبول نہ ہو تو یہ قسمت کی بات ہے
"آمین" کہہ رہے ہیں میری ہر دُعا کے ساتھ

مقدس رُباب، کی ڈائری میں تحریر
احمد فراز کی غزل

ہر کوئی ــــ دل کی ہتھیلی پہ صحرا رکھے
کس کو سیراب کرے وہ کسے پیاسا رکھے

عمر بھر کون نبھاتا ہے تعلق اتنا
اے میری جان کے دُشمن تجھے اللہ رکھے

مجھ کو اچھا نہیں لگتا کوئی ــ ہم نام تیرا
کوئی تجھ سا ہو تو نام بھی تجھ سا رکھے

دل بھی پاگل ہے کہ اُس شخص سے وابستہ ہے
کسی اور کا ہونے دے نہ اپنا رکھے

یہ قناعت ہے اطاعت ہے کہ چاہت ہے فراز
ہم تو راضی ہیں وہ جس حال میں جیسا رکھے

سونیا دبانی، کی ڈائری میں تحریر
نوشی گیلانی کی نظم

ایک جیسا معاملہ

بچھڑتے لمحوں میں
اُس نے مجھ سے کہا تھا دیکھو
ہماری راہیں جدا جدا ہیں
مگر ہمیں ایک دوسرے کا خیال رکھنا ہے زندگی بھر
کسی بھی لمحہ اُداسیوں کی
فصیل حائل نہ ہونے دینا
ہوا کے ہاتھوں پہ لکھتے رہنا
جُدائیوں کے تمام قصے
قدم قدم پر جو پیش آئیں، وہ سانحے بھی نظر میں رکھنا
میں جب بھی لوٹا تو اپنے ہونٹوں کی تازگی کو
تمہاری بجھتی ہوئی ان آنکھوں میں لا رکھوں گا
جو میری اپنی ہیں صرف میری
بچھڑتے لمحوں میں اُس نے مجھ سے نہ جانے کیا کچھ کہا
سُنا تھا
اور اب اُسے بھی یہی کہے گا
وہ جس کے ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے
نئے سفر پر نکل پڑا ہے

نمرہ، اقراٗ، کی ڈائری میں تحریر
طارق نعیم کی نظم

ہمیں یادوں کا اک گہرا سمندر پار کرنا ہے
تعلق کی انہی شکستہ کشتیوں پر ہی سفر انجام کرنا
ہے
تم بادبانوں کو اگر چاہو
کسی بھی اجنبی سمت ہوا میں
کھول سکتے ہو
مجھے تو اس سمندر کے تلاطم میں
ابھی کچھ دیر رہنا ہے

شگفتہ سلیمان

ثمینہ تاج ــــــــ کراچی
اس سے ملنا ہی نہیں دل میں تہیہ کر لیں
وہ خود آئے تو بہت سرد رویہ کر لیں
ایک ہی بار ہو گھر راکھ جان تو چھوٹے
آگ کم ہے تو ہوا اور مہیا کر لیں

فوزیہ کاشف ــــــــ فیصل آباد
چُپ چاپ گُم صم رہنے والے
اپنے آپ سے جنگ کرتے ہیں
سوچ سمجھ کر فیصلہ کرنا
پچھتاوے پھر تنگ کرتے ہیں

صائمہ جبیبی ــــــــ کراچی
کیوں طبیعت کہیں ٹھہرتی نہیں
دوستی تو اُداس کرتی نہیں
جس طرح تم گزارتے ہو
زندگی اس طرح تو گزرتی نہیں

انیقہ انا ــــــــ چکوال
ویسے آپ یوں آنا نہیں ملتا ہے ہمیں
کیا ہی خود رفتہ کیا جلوہ جاناں ہم کو
تنگ آتے ہیں دو عالم تری بے تابی سے
چین لینے دے تپ سینہ سوزاں ہم کو

صدف سلیمان ــــــــ شورکوٹ
نظر میں نیند کی حسرت لیے چُپ چُپ بیٹھے ہیں
کوئی ہم سے دور رہ کر بھی ہمیں سونے نہیں دیتا

مدیحہ یوسف ــــــــ کراچی
کیا کہیں کیسے ــ موسم تھے وہ تنہائی کے
تم سے جھیلے نہ گئے ہم سے گزارے نہ گئے
ایک اجنبی سی نظر چاند پر ڈالی تھی مگر
آج تک آنکھ کی دہلیز سے تارے نہ گئے

خدیجہ سلیم ــــــــ کے ڈی اے سوسائٹی
حیا نہیں ہے زمانے کی آنکھ میں باقی
خدا کرے کہ جوانی رہے تری بے داغ

فوزیہ ثمر بٹ ــــــــ گجرات
اب آپ کس لیے اتنے ملول ہوتے ہیں
دیا تھا رنج تو کچھ سوچ کر دیا ہوتا

نمرہ، اقراٗ ــــــــ کراچی
سوزشِ قلب ہی کیا کم تھی جلانے کے لیے
وہ بھی آ پہنچا دہکتے ہوئے رخسار کے ساتھ

آسیہ جاوید ــــــــ علی پور چٹھہ
جو آتا ہے خوشی کی انتہا پر
بہت روئے تھے اس آنسو کی خاطر

انیقہ انا ــــــــ چکوال
عشق سائیں! نہ ظلم کر ہم پر
ہم بھی بابا، مرید ہیں تیرے

سونیا دبانی ــــــــ قاضیاں محلہ بالا
کچھ مجھے بھی سید ھے سادے راستوں سے بیر ہے
کچھ بھٹک جانے کے باعث جستجو اس کی بھی تھی
بات بڑھنے کو تو بڑھ جاتی بہت لیکن نظر
میں بھی کچھ کم گو تھا، چُپ رہنے کی خو اس کی بھی تھی

عظمیٰ ــــــــ کراچی
تتلیاں تھیں مری آنکھوں میں کہ وہ نیندیں تھیں
خواب کے ٹوٹتے ہی جیسے کہ پر کھول دیا

اقصیٰ، عذرا ناصر ــــــــ کراچی
فقط یہ بات کہ تجھ بن رہی نہ بات کوئی
مگر یہ بات تجھے کس طرح بتاؤں میں

آمنہ عمران ــــــــ کراچی
شکستہ تحریروں کے میرے خط تم جلا دینا
جو ہو سکے زندگی میری، مجھے تم بھلا دینا
تلخیاں پی پی کر زہر آلود نہ ہو جائیں کہیں
سکونِ دل کی خاطر میری جان تم ذرا سا مسکرا دینا

آمنہ ناز محمد ــــــــ میرپور ساکرو
کچھ نہ پا کر مطمئن ہیں ہم
عشق میں ہاتھ کیا خزانے لگے

ندا نفضہ ____ فیصل آباد

اس کی آنکھوں میں آنچ جلتی رہی
برف مجھ میں کہیں پگھلتی رہی
توڑ کر اپنے ہی گھروندے کو
ایک لڑکی بہت مچلتی رہی

اُمِ رُمان ____ عبدالحکیم

اس کو دیکھا نہیں کئی دن سے
آنکھیں بے کار ہی نہ ہو جائیں

امامہ حبیب ____ عبدالحکیم

دلوں میں فرق پڑ جائے تو اتنا یاد رکھنا تم
دلیلیں، منتیں اور فلسفے بے کار جاتے ہیں

حنا کنول ____ خوبلی لکھا

اب تو اس راہ سے وہ شخص گزرتا بھی نہیں
اب کس امید پہ دروازے سے جھانکے کوئی
کوئی آہٹ کوئی آواز کوئی چاپ نہیں
دل کی گلیاں بڑی سنسان ہیں آئے کوئی

آسیہ بلوچ ____ نواب شاہ

ان کے دلوں میں کبھی جھانک کے تو دیکھو
کتنے افسردہ ہیں اوروں کو ہنسانے والے

نوشی ____ گاؤں بدر مرجان

فرشتوں جیسا تقدس تھا اس کا
یقین مانیے وہ شخص بے وفا نکلا

آسیہ جاوید ____ علی پور چٹھہ

عادت ہی بنا لی ہے تم نے تو منیر اپنی
جس شہر میں بھی رہنا اکتائے ہوئے رہنا

حمنہ سویٹی ____ عبدالحکیم

مسئلہ یہ نہیں کہ تیرا ہوں
مسئلہ یہ ہے کہ صرف تیرا ہوں

زبیدہ ریاض ____ کراچی

پہلے شکوہ تھا یہاں رونق بازار نہیں
اب جو بازار کھلے ہیں تو خریدار نہیں
سب کے ہاتھوں میں یہاں زہر پیالہ ہے مگر
کوئی سچ بولنے کے واسطے تیار نہیں

سعدیہ سرور ____ چک چوہلہ

یاد آتا ہے سکوتِ شب میں وہ اکثر مجھے
کھینچ لاتا ہے مرے اندر سے وہ باہر مجھے

نبیلہ غلام رسول ____ ڈنگہ

پیار بٹنے سے کبھی ختم نہ ہوگا امجد
دل کے دریا تو نہیں ہوتے اُترنے والے

افشین شاہد ____ کراچی

مصائب میں اُلجھ کر مسکرانا میری فطرت ہے
مجھے دُشواریوں میں اشک برسانا نہیں آتا

شمع حسام ____ سلانوالی

لوگ عمریں گزار لیتے ہیں
ہم سے لمحہ بسر نہیں ہوتا
اپنے سائے کے ساتھ چلتا ہوں
جب کوئی ہمسفر نہیں ہوتا

الماس ایوب ____ کراچی

محرابِ جاں کی شمعیں بچانے کے واسطے
ہر رات صبحِ غم میں پگھلنا پڑا ہمیں
ہم چڑھتے سورجوں کو سلامی نہ دے سکے
سو دوپہر کی دُھوپ میں جلنا پڑا ہمیں

سیدہ سمعیہ گل ____ ڈیرہ اسماعیل خان

دل کے ٹوٹ جانے پر اب ملال کیا کرنا
پتھروں کی بستی میں آئینے تو ٹوٹیں گے
آندھیوں کے موسم میں اس طرح تو ہوتا ہے
خوشبوؤں کے پھولوں سے رابطے تو ٹوٹیں گے

شائستہ رشید ____ لا

کون ہوتا ہے مصیبت میں کسی کا اے دوست
آگ لگتی ہے تو پتے بھی ہوا دیتے ہیں
جن پر ہوتا ہے بہت دل کو بھروسا تابش
وقت پڑنے پر وہی لوگ دغا دیتے ہیں

ایم۔ آر۔ کے ____ مظفر گڑھ

بسا لیتے ہیں ذہنوں میں ہزاروں بت محبت کے
وہ جس کو پوجتے تھے آج وہ پتھر نہیں ملتا
وہ ماجد دن میں شرماتا ہے باہر ہی نہیں آتا
اندھیرے میں نکلتا ہے تو میرا گھر نہیں ملتا

حسن و صحت

اِدارہ

دانتوں اور مسوڑھوں کی دیکھ بھال پر توجہ دیں

اگر آپ کے مسوڑھے گلابی ہیں، اپنی جگہ مضبوط ہیں اور ان سے خون نہیں نکلتا ہے تو بلاشبہ آپ صحت مند مسوڑھوں کے مالک ہیں۔ جنگی وٹیس یعنی مسوڑھوں کی سوزش اور ان سے خون نکلنے کا عمل..... دانتوں کی پہلی بیماری ہے جس میں مسوڑھے سرخ ہو کر سوج جاتے ہیں اور ان سے خون بہنے لگتا ہے۔

جنگی وٹیس (مسوڑھوں کی بیماری)

یہ ایک خطرناک انفیکشن ہے جو کہ مسوڑھوں اور دانتوں کو سپورٹ کرنے والی ہڈیوں کو سخت متاثر کرتا ہے اور بالآخر دانت کے ضائع ہونے کا سبب بن جاتا ہے۔ ایسا تب ہوتا ہے جب دانتوں کے خلا کے درمیان بیکٹیریا اپنی جگہ بنا لیتا ہے۔ 2006ء میں امریکہ میں ہونے والی ایک ریسرچ میں کہا گیا ہے کہ جو لوگ شوگر میں مبتلا ہیں، مسوڑھوں کی بیماری میں ان کے مبتلا ہونے کے زیادہ چانسز ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ مسوڑھوں کی بیماری اور شوگر کے درمیان گہرا ربط ہے۔ صحت مند مسوڑھوں کی پہچان یہ ہوتی ہے کہ دانت ایک دوسرے کے ساتھ مضبوطی سے جڑے ہوتے ہیں اور اچھی طرح مسوڑھوں میں پیوست ہوتے ہیں۔

اگر آپ کا منہ بیکٹیریا سے پاک نہیں ہوگا تو نا صرف دانتوں اور مسوڑھوں کو نقصان پہنچے گا بلکہ پورا جسم اس سے متاثر ہو سکتا ہے اور آپ امراض قلب، شوگر، بلڈ انفیکشن کے امراض میں مبتلا ہونے کے ساتھ ساتھ جس بچے کو جنم دیں گی وہ نارمل وزن سے کم وزن ہوگا۔ بیکٹیریا منہ کے ذریعے خون میں شامل ہو کر جسم کے دیگر حصوں میں سفر کرتا ہے اور انفیکشن پیدا کرتا رہتا ہے ایسے لوگ جو دانتوں کی بیماری میں بیکٹیریا کی وجہ سے مبتلا ہیں، امراض قلب اور شریانوں کی بیماری میں آسانی سے مبتلا ہو سکتے ہیں یعنی خطرے میں ہیں۔

وجوہات

☆ دانتوں پر چونے کی طرح کا مادہ اگر عرصہ تک موجود رہے تو یہ دانتوں کے امراض کا سبب بنتا ہے۔ اسے جب صاف نہیں کیا جاتا ہے تو یہ کچھ عرصہ کے بعد سخت ہو جاتا ہے اور تب اسے ٹارٹر کہا جاتا ہے۔ اس کی وجہ سے مسوڑھوں میں جلن ہوتی ہے اور مسوڑھا سوج جاتا ہے۔

☆ سختی اور طاقت کے ساتھ برش یا فلوسنگ کرنا ..... یا پھر ایسے برش سے دانت صاف کرنا جس کے بال سخت ہوں۔ اس سے مسوڑھوں کو نقصان پہنچتا ہے اور پھر زخم ہو جاتا ہے۔

☆ دیگر وجوہات میں شوگر، حاملہ ہونا اور عنفوان شباب کا آغاز، سگریٹ نوشی اور تمباکو چبانا یا دانتوں کو آپس میں رگڑنا..... دباؤ، تناؤ، غیر صحت مندانہ زندگی اور غیر صحت مندانہ غذا شامل ہیں۔ کچھ خاص دواؤں کا استعمال بھی مسوڑھوں کو نقصان پہنچاتا ہے مثلاً" برتھ کنٹرول کی گولیاں۔

علامات

عموماً" مسوڑھوں کے خرابی کی علامات ابتدائی طور پر ظاہر نہیں ہوتی ہیں تاہم کچھ علامات ذیل میں بتائی جا رہی ہیں۔

☆ مسوڑھوں کا سوجنا
☆ سرخ ' ہلکا سرخ یا دانتوں کے ارد گرد سرخ رنگت
☆ مسوڑھوں کا نرم ہو جانا
☆ برش کرنے یا کھانے کے دوران مسوڑھوں سے خون آنا
☆ مسوڑھوں میں درد نہ ہو مگر چھونے سے نرم محسوس ہو
☆ ٹوتھ برش پر خون کا لگنا
☆ دانتوں کا ہلنا
☆ دانتوں کی جڑوں میں پلیک اور ٹارٹر کا واضح طور پر نظر آنا
☆ منہ کا سوج جانا
☆ بدبودار سانس

احتیاط

☆ دانتوں کی اچھی طرح دیکھ بھال کی جائے۔
☆ معیاری برش اور ٹوتھ پیسٹ کے ذریعے دن میں دوبار لازمی برش کریں۔
☆ دانتوں کے درمیان پھنسے اجزا کو صاف کرنے کے لیے دن میں دوبار فلوسنگ کریں۔
☆ دانتوں کا باقاعدہ چیک اپ کرواتے رہیں۔
☆ تمباکو اور بہت زیادہ میٹھی اشیا سے پرہیز کریں

☆ ☆ ☆

خشک ہوا

آپ کی جاذبیت کو توجہ چاہیے

سردیاں دوبارہ آچکی ہیں۔ اور سردیوں میں آپ بہتر سے بہتر نظر آنے کی کوشش کرتے ہیں مگر یہی وہ موسم ہوتا ہے کہ جب آپ کو اپنی خوب صورتی یا شادابی برقرار رکھنے مشکل محسوس ہوتی ہے۔ اس لحاظ سے گرمیاں زیادہ موزوں ہیں لیکن سردیوں میں بھی خشکی کی وجہ سے جلد کو محفوظ رکھنا ایک محنت طلب کام ہے۔ کیوں جب خشک اور تیز ہوائیں چلتی ہیں تو لا محالہ جلد میں کریکس پڑنے شروع ہو جاتے ہیں۔

آپ محسوس کرتے ہیں کہ آپ کا چہرہ' ہاتھوں کی

جلد اور ہونٹ وغیرہ سوکھنے شروع ہو جاتے ہیں صرف ایک ہفتہ قبل ہی سب کچھ ٹھیک تھا مگر اچانک خشکی کی یلغار آپ کی لک کو بدل کر رکھ دیتی ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اسکن کیئر آسان کام نہیں اس کے لیے آپ کو چند رہنما اصول اپنانے پڑتے ہیں بلکہ روٹین سے ہر کام کرنا پڑتا ہے۔ آپ کو ہر چھوٹی سے چھوٹی بات کا خیال رکھنا ہوتا ہے۔ مثلاً "جو چیز آپ نے دو دن پہلے اس دن کی مناسبت سے استعمال کی تھی آج کی مناسبت سے موزوں ہے یا نہیں۔ موسم کی ایسی اچانک تبدیلی میں صرف چہرہ ہی نہیں اپنے جسم کے ہر حصے کی خصوصی دیکھ بھال ضروری ہے۔ کیونکہ موسم کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ ہی آپ کی جلد بھی تبدیل ہو جاتی ہے مگر گھبرایئے نہیں آپ مندرجہ ذیل ہدایات پر عمل پیرا ہو کر اپنی جلد کی حفاظت کر سکتی ہیں۔

☆

ریحانہ امجد بخاری

یہ بھوکا تو نہیں

ایک انگریز اسپین کے ہوٹل میں کھانا کھا رہا تھا قریب ہی ایک کتا بیٹھا ہوا اسے گھور رہا تھا اور بار بار اس کی طرف دیکھ کر بھونک بھی رہا تھا۔ انگریز نے تنگ آکر منیجر کو بلایا اور کہا۔

"یہ کتا بھوکا ہے یا پھر کوئی اور بات ہے۔"

"جی نہیں جناب' یہ بھوکا تو نہیں لیکن آپ چونکہ اس کی پلیٹ میں کھانا کھا رہے ہیں اس لیے غصے کا اظہار کر رہا ہے۔" منیجر نے جواب دیا۔

فوزیہ ثمروٹ گجرات

حیرانی

مالکن کچن میں پہنچی تو اس نے خانساماں کو بڑے مزے سے بروسٹ اڑاتے اور کولڈ ڈرنک پیتے دیکھا۔ مالکن حیرت سے بولی۔

"تم چھپ چھپ کر یہ سب چیزیں کھاتے ہو مجھے یقین نہیں آرہا۔ تم نے مجھے حیران کر دیا۔"

"آپ نے بھی مجھے حیران کر دیا بیگم صاحبہ۔" خانساماں سنبھل کر بولا۔

"میں تو سمجھا تھا کہ آپ باہر گئی ہوئی ہیں۔"

ارم ۔۔۔۔ لاہور

شیطانیت

شیطان کی سب سے بڑی بد قسمتی یہ ہے کہ اسے موت نہیں آئی ورنہ وہ اتنا شیطان نہ ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ بندوں پر کئی کتابیں اتاریں۔ کچھ ادیبوں کی کتابیں پڑھ کے تو لگتا ہے شیطانوں نے بھی اپنے برگزیدہ بندوں پر اتاری ہیں۔

شیطان سب سے اچھا فرشتہ تھا۔ مگر برا تب بنا جب وہ بول پڑا۔

اس دنیا کا پورا نظام شیطان کی وجہ سے چل رہا ہے۔ اگر شیطان نہ رہے تو کوئی انسان نہ رہے۔ سب فرشتے بن جائیں۔ ڈاکٹر یونس بٹ کے مضمون۔ (شیطانیات سے اقتباس) حنا ۔۔۔۔ اسلام آباد

مختصر مختصر

1 آپ اس دفتر میں کب سے کام کر رہے ہیں۔
○ جب سے جنرل منیجر نے مجھے نوکری سے نکالنے کی دھمکی دی ہے۔
2 سر میں آپ کو مزید سودا سلف ادھار نہیں دے سکتا۔
آپ کی طرف اتنا بڑا بل ڈیو ہو گیا ہے جتنا نہیں ہونا چاہیے تھا۔ ○ ٹھیک ہے تم اسے اتنا کر دو۔ جتنا اسے ہونا چاہیے تھا۔ پھر میں ادائیگی کر دوں گا۔
3 میں ایکسٹینشن پر جب بھی کسی کام سے آپ کو اپنے کمرے میں بلانا چاہتا ہوں آپ فون پر بات کر رہی ہوتی ہیں۔ آپ فون پر اتنی مصروف نہ رہا کریں۔
○ سر میں کمپنی کلائنٹس سے بات کر رہی ہوتی ہوں۔
○ ٹھیک ہے لیکن آئندہ ہمارے کلائنٹس کو ڈیئر' ڈارلنگ ہنی اور جان من کہہ کر مت مخاطب کیجیے گا۔

احتجاج

نوجوان مریض نے ماہر نفسیات کے کسی سوال کا جواب نہیں دیا تو اس نے مریض سے دل کی بات

اگلوانے کا طریقہ سوچا۔ اس نے کاغذ پر پینسل سے عمودی لکیر کھینچی اور مریض سے پوچھا۔
"یہ کیا ہے؟"
"دلکش لڑکی!" نوجوان مریض نے جواب دیا۔
ماہر نفسیات نے عمودی لکیر کھینچ کر ایک طرف سے ایک افقی لکیر کھینچی اور پوچھا۔ "یہ کیا ہے؟"
"دلکش لڑکی جھکی ہوئی بال سنوار رہی ہے۔" مریض نے کہا۔
"میں تمہارا مسئلہ سمجھ گیا۔" ماہر نفسیات نے کہا۔ "تمہارے دماغ میں جنسیات ۔۔۔ بھری ہوئی ہے۔"
"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں گندی گندی تصویریں تو آپ خود بنا رہے ہیں۔" نوجوان مریض نے احتجاج کیا۔

سدرہ اسلم۔۔۔۔ حیدر آباد

ترجیح

ٹریول ایجنٹ ایک صاحب کو سیر کے لیے یونان جانے کا مشورہ دے رہا تھا۔ اس نے کہا۔ "سر! وہاں آپ کو پرانے کھنڈرات دیکھنے کو ملیں گے۔"
وہ صاحب نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولے۔ "نہیں ۔۔۔! میں یونان نہیں جاؤں گا' میں تو نئے کھنڈرات دیکھنے کے لیے فرانس جانا پسند کروں گا۔"

آمنہ۔۔۔۔ سکھر

دولت اڑتی ہے

ایک کاروباری آدمی اپنے دوست سے کہہ رہا تھا۔ "میں اس کمپنی کی سالانہ رپورٹ پڑھ رہا تھا جس میں میرا بھی شیئر تھا ایک جگہ اس رپورٹ میں لکھا تھا۔ دولت اڑتی ہے' تین لاکھ ڈالر اڑ گئے۔ میں نے بورڈ کے چیئرمین کو خط لکھا کہ آئندہ رپورٹ میں تصحیح کر لی جائے کہ دولت اڑتی نہیں بہتی ہے اور تین لاکھ ڈالر بہہ گئے۔" یہ کہتے کہتے اس کا لہجہ دردناک ہو گیا۔
"پھر کیا ہوا۔" دوست نے اشتیاق سے پوچھا۔
"میرا خیال تھا کہ اس سلسلے میں اکاؤنٹینٹ کی غلطی تسلیم کر لی جائے گی لیکن چیئرمین کا جواب آیا۔ دولت واقعی اڑتی ہے جناب! ہمارا اکاؤنٹینٹ آج کل بیرون ملک میں ہے۔"

اریبہ۔۔۔۔ فیصل آباد

تجریدی آرٹ

ایک مشہور آرٹسٹ تجریدی تصویریں نہیں بناتے تھے لیکن ان کے ایک شناسا نے بڑے اصرار سے فرمائش کی کہ وہ ان کا تجریدی پورٹریٹ بنا دیں۔ انہوں نے پورٹریٹ تیار کر کے اسٹوڈیو میں رکھا ہوا تھا۔ ایک روز ان کا ایک شاگرد اسٹوڈیو میں آیا تو اس نے دیکھا کہ استاد صاحب پورٹریٹ سامنے رکھے سر پکڑے بیٹھے ہیں۔
"کیا بات ہے سر ۔۔۔! کیا ان صاحب کو اپنا پورٹریٹ پسند نہیں آیا؟" شاگرد نے ہمدردانہ لہجے میں پوچھا۔
"نہیں ۔۔۔! پورٹریٹ تو پسند آ گیا تھا لیکن ان کا کہنا تھا کہ ناک کچھ ٹھیک نہیں بنی ہے' اسے ٹھیک کر دیں۔" آرٹسٹ نے مردہ لہجے میں بتایا۔
"تو اس میں پریشانی کی کیا بات ہے سر ۔۔۔! آپ ناک ٹھیک کر دیجیے۔" شاگرد بولا۔
"ٹھیک تو میں کب کا کر چکا ہوتا ۔۔۔ لیکن مجھے یاد نہیں آ رہا کہ میں نے ناک بنائی کہاں تھی ۔۔۔؟" آرٹسٹ نے دہشت زدہ لہجے میں بتایا۔

رفیعہ نوید۔۔۔۔ ناظم آباد' کراچی

غیر ملکی کہاوتیں

☆ بزدل مریض کو کوئی ڈاکٹر اچھا نہیں کر سکتا۔ (افغانی کہاوت)
☆ پیٹ کے ساتھ بحث کرنا فضول ہے کیونکہ اس کے کان نہیں ہوتے۔ (اردنی کہاوت)
☆ عمدہ دوا اکثر کڑوی ہوتی ہے۔ (جاپانی کہاوت)
☆ جو بات عقل چھپاتی ہے' نشہ اسے ظاہر کر دیتا ہے۔ (لاطینی کہاوت)
☆ منہ کا دہانہ تمام مصیبتوں کا سرچشمہ ہے۔ (چینی کہاوت)
☆ بغیر دیکھے کوئی چیز منہ میں نہ ڈالو اور بغیر پڑھے کسی کاغذ پر دستخط نہ کرو۔ (اسپینی کہاوت)
☆ زبان' عمر کو چھوٹا کرتی ہے جبکہ یہ سر کی نگہبان بھی ہے۔ (ایرانی کہاوت)
☆ گھر میں حقیقی معنوں میں صرف ایک نوکر کام کرتا ہے اور وہ ہے گھر کا مالک (جرمنی کہاوت)

یسریٰ ندیم۔۔۔۔ میرپور خاص

معائنے کے بعد

اپنی آنکھوں کے معائنے کے بعد مریض نے ڈاکٹر سے کہا۔ "اب مجھے اپنی آنکھوں کے علاج کی ضرورت نہیں رہی۔"
ڈاکٹر نے حیرت سے پوچھا۔ "وہ کیوں؟"
"آپ کی معائنہ فیس معلوم ہوتے ہی میرے چودہ طبق روشن ہو گئے ہیں' اب مجھے اپنی آنکھوں سے ہر چیز پہلے سے کہیں زیادہ واضح اور روشن نظر آ رہی ہے۔" مریض نے جواب دیا۔

عائلہ حارث۔۔۔۔ آزاد کشمیر

شادی خانہ ۔۔۔۔؟

☆ شادی ۔۔۔ ایک ایسا موقع ہے کہ ڈھیروں کے حساب سے مٹھائی اور دوسری میٹھی چیزیں بانٹی جاتی ہیں تاکہ آنے والے دنوں کی تلخی کو قدرے کم کیا جا سکے۔
☆ دولہا کو سلامی کی صورت میں بار بار پیسے اس لیے دیے جاتے ہیں تاکہ آنے والے دنوں میں ماضی کی خوشگوار یادیں ساتھ ہوں۔
☆ وہ واحد دن' جب ساس اور بہو کو آخری دفعہ ایک دوسرے کے قریب دیکھا جاتا ہے۔
☆ اس دن دلہن چیخ کر روتی ہے تو اس کی آنکھوں میں آنسو آ جاتے ہیں۔ بعد میں وہ صرف چیختی ہے' آنسو دولہا کی آنکھوں میں آ جاتے ہیں۔
☆ اس دن دلہن شادی شدہ سہیلیوں کے دیے گئے سب مشورے پلو سے باندھ لیتی ہے' جو ساس سے لڑائی میں کام آتے ہیں۔

ارم گڑیا۔۔۔۔ بورے والا

ہری مرچیں

☆ موٹروے پر پولیس نے تیز رفتاری کی وجہ سے ایک وی آئی پی افسر کا چالان کر دیا جس نے اس کی فرض شناسی سے متاثر ہو کر کئی پولیس افسران معطل کر دیے۔
☆ کرکٹ بورڈ نے فیصلہ کیا ہے کہ آئندہ ورلڈ کپ میں قومی ٹیم کے بجائے بلائنڈ کرکٹ ٹیم شرکت کرے گی۔ امید ظاہر کی گئی ہے کہ وہ ورلڈ کپ جیت جائے گی۔
☆ ریلوے اسٹیشن پر ایک شخص خوشی سے پاگل ہو گیا اور دیوانہ وار رقص کرنے لگا۔ معلوم ہوا کہ ریل گاڑی وقت پر پہنچ رہی ہے۔
☆ بعض لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ ہوشیار مرد اچھے شوہر ثابت ہوتے ہیں' عجیب احمقانہ سی بات کرتے ہیں۔ بھلا ہوشیار مرد شادی ہی کب کرتے ہیں؟
☆ عوامی ڈاکو کو تو سزا ملتی ہے۔ جبکہ سیاسی ڈاکو کی عزت افزائی ہوتی ہے۔

نوریہ۔۔۔۔ لاڑکانہ

صاف گوئی

ایک مقدمے کی سماعت کے دوران وکیل صفائی کا لہجہ سخت ہو گیا۔ "تم کہتے ہو کہ میرا موکل جب تم پر حملہ کرنے کے لیے آگے بڑھا تو اس کے ہاتھ میں ایک ٹوٹی ہوئی بوتل تھی' مگر کیا اس وقت تمہارے ہاتھ میں کوئی چیز نہیں تھی؟" اس نے مدعی سے پوچھا۔
"ہاں تھی ۔۔۔!" مدعی نے جواب دیا۔ "اس کی خوب صورت بیوی ۔۔۔"

سمیرا انور۔۔۔۔ کراچی

☆ ☆

کرن کا دستر خوان

خالدہ جیلانی

توا کلیجی

اجزا :

کلیجی	آدھا کلو
پیاز	دو عدد
ہلدی پاؤڈر	آدھا چائے کا چمچہ
رائی	چھٹانک چائے کا چمچہ
لال مرچ (کٹی ہوئی)	دو چائے کا چمچہ
تیل	حسب پسند
دھنیا پاؤڈر	ایک چائے کا چمچہ
زیرہ (کٹا ہوا)	ایک چائے کا چمچہ
نمک	حسب ذائقہ
ادرک ، لہسن پیسٹ	دو چائے کے چمچے
ٹماٹر (چوپ کیے ہوئے)	تین عدد
گرم مسالا پاؤڈر	ایک چائے کا چمچہ
ہرا دھنیا	دو چائے کے چمچے
ہری مرچیں (چوپ کی ہوئی)	پانچ عدد
لیموں کا رس	دو چائے کے چمچے
قصوری میتھی	ایک چائے کا چمچہ

ترکیب :

پیاز کو آملیٹ کی طرح باریک کاٹ لیں۔ کلیجی دھو کر آدھا لیموں کا رس لگا کر دس منٹ کے لیے چھوڑ دیں۔ اس کے بعد اس کو دوبارہ دھولیں۔ توے پر تیل گرم کر کے کلیجی ڈالیں اور رنگ بدلنے تک فرائی کریں۔ اس کے بعد اس میں کٹی پیاز، ہلدی پاؤڈر، رائی، کٹی ہوئی لال مرچ، دھنیا پاؤڈر، کٹا زیرہ، ادرک، لہسن کا پیسٹ ڈالیں۔ قصوری میتھی بھی ہاتھ سے مسل کر ڈالیں، اچھی طرح سے اس کو فرائی کریں۔ پانچ منٹ بعد ٹماٹر ڈالیں، ٹماٹر کا پانی خشک ہونے پر گرم مسالا پاؤڈر، باریک کٹی ہری مرچیں اور ہرا دھنیا ڈال کر مزید بھون لیں آخر میں لیموں کا رس اور نمک ڈالیں اور سرو کریں۔

کلیجی گردے کی کٹاکٹ

ضروری اشیاء :

کلیجی (چھوٹے پیس کرلیں)	آدھا کلو
گردہ	ایک عدد
کٹی لال مرچ	ایک کھانے کا چمچہ
نمک	حسب ذائقہ
پیاز (چوپ کی ہوئی)	دو عدد
لہسن کے جوے (کوٹ لیں)	چھ، آٹھ عدد
ٹماٹر (کاٹ لیں)	چار عدد
ہری مرچیں	چار سے چھ عدد
املی کا پیسٹ	دو کھانے کے چمچے
دہی	ایک کپ
قصوری میتھی (پتے والی)	ایک کھانے کا چمچہ
تیل	ایک کپ

ترکیب :

کڑاہی میں تیل گرم کریں۔ کلیجی، گردہ، کٹی لال مرچ، نمک، پیاز لہسن، ٹماٹر، ہری مرچیں، املی کا پیسٹ اور دہی ڈال کر بغیر پانی ڈالے پکائیں۔ کلیجی کا پانی خشک ہونے پر میتھی ڈال کر تین۔ چار منٹ تک بھون لیں۔ تیل اوپر آنے پر تین۔ چار منٹ کے لیے دم پر رکھ دیں۔ تیار ہو جائے تو گرم گرم روٹیوں کے ساتھ سرو کریں۔

نوٹ : اگر مغز پسند ہے تو بھونتے وقت مغز ساتھ ڈال کر بھون لیں۔ ہرا دھنیا سے گارنش کریں۔

کلیجی مغز فرائی

اجزا :

کلیجی	آدھا کلو
مغز	ایک عدد
(نمک اور ہلدی پاؤڈر	آدھا چائے کا چمچہ لگا کر ابال لیں)
لال مرچ پاؤڈر	ایک کھانے کا چمچہ
لہسن پیسٹ	آدھا کھانے کا چمچہ
لہسن ادرک پیسٹ	ایک کھانے کا چمچہ
نمک	حسب ذائقہ
ہلدی پاؤڈر	چوتھائی چائے کا چمچہ
دہی	ایک کپ
ٹماٹر (چوپ کرلیں)	دو عدد
ہری مرچیں	چار۔ چھ عدد (چوپ کرلیں)
پیاز	دو عدد (چوپ کرلیں)
تیل	ایک کپ
سرکہ	ایک کھانے کا چمچہ
قصوری میتھی	ایک کھانے کا چمچہ
لیموں کا رس	دو کھانے کے چمچے

ترکیب :

مغز اور کلیجی میں لہسن، سرکہ اور ہلدی پاؤڈر ڈال کر خوب اچھی طرح مکس کریں اور دس منٹ کے بعد دھولیں۔

پتیلی میں تیل گرم کریں اس میں پیاز ڈال کر براؤن کریں کلیجی اور لہسن ادرک پیسٹ ڈال کر بھون لیں۔ اس کے بعد اس میں نمک، ہلدی پاؤڈر، لال مرچ پاؤڈر، دہی، ٹماٹر، ہری مرچیں ڈال کر اچھی طرح بھون لیں اب مغز ڈال کر پانچ منٹ تک بھونیں آخر میں قصوری میتھی اور لیموں ڈال کر ۱۰ منٹ دم پر رکھ دیں۔

مغلئی میٹ سباب

ضروری اشیاء :

قیمہ	آدھا کلو
ادرک پیسٹ	دو چائے کے چمچے
پیاز	تین عدد (چوپ کر کے پانی نچوڑ لیں)
نمک	حسب ذائقہ
سرکہ	دو چائے کے چمچے
چنا دال	دو کھانے کے چمچے
چینی	ایک چائے کا چمچہ
لال مرچ پاؤڈر	ایک چائے کا چمچہ

زیرہ (بھون کر پسا ہوا) — دو چائے کے چمچے
پنیر (کش کرلیں) — آدھا کپ
خشخاش — ایک کھانے کا چمچہ
میدہ — دو چائے کے چمچے
گھی — تین کھانے کے چمچے
ہرا دھنیا (چوپ کیا ہوا) — ایک کھانے کا چمچہ
گرم مسالا پاؤڈر — ایک چائے کا چمچہ
انڈے (پھینٹ لیں) — دو عدد
پیاز (رنگز میں کاٹ لیں) — دو عدد

ترکیب:

ایک ساس پین میں قیمہ، نمک اور سرکہ ڈال کر ہلکی آنچ پر پکائیں قیمہ کا پانی خشک کرلیں۔ چنا دال کو دو گھنٹے تک بھگونے کے بعد گرائنڈ کرلیں۔ ایک ساس پین میں دو کھانے کے چمچے گھی گرم کریں اس میں پیاز ڈال کر فرائی کریں گولڈن کرکے نکال لیں اسی گھی میں پسی ہوئی دال، نمک، لال مرچ پاؤڈر، ادرک پیسٹ، زیرہ، ہرا دھنیا، خشخاش، میدہ، گرم مسالا پاؤڈر شامل کرکے اچھی طرح بھون لیں اب اس میں قیمہ اور فرائی کی ہوئی پیاز ڈال کر مکس کریں۔ پیالے میں نکال کر انڈے پھینٹ کر ڈالیں اچھی طرح مکس کرکے اس کی بالز بنا کر بیکنگ ڈش میں رکھیں۔ برش سے گھی لگا کر گرم اوون میں 200.C پر رکھ کر گولڈن براؤن ہونے تک بیک کریں — مغلئی میٹ کباب تیار ہیں۔ سرونگ ڈش میں نکال کر پیاز کے رنگز سے سجائیں۔ چلی گارلک ساس کے ساتھ سرو کریں۔

بالٹی تکہ

ضروری اشیاء:

گوشت (بغیر چربی کا) — آدھا کلو گرام
کچا پپیتا — ایک عدد
دہی — تین کھانے کے چمچے
ادرک پیسٹ — ایک چائے کا چمچہ
سرخ مرچ پاؤڈر — ایک چائے کا چمچہ
لہسن پیسٹ — ایک چائے کا چمچہ
ہلدی پاؤڈر — چوتھائی چائے کا چمچہ
دھنیا پاؤڈر — دو چائے کے چمچے
زیرہ پاؤڈر — ایک چائے کا چمچہ
لیموں کا رس — دو کھانے کے چمچے
دھنیا (باریک کٹا ہوا) — ایک چائے کا چمچہ (گارنشنگ کے لیے اضافی)
کھانے کا رنگ (سرخ) — چوتھائی چائے کا چمچہ
کارن آئل — ڈیڑھ کپ
نمک — حسب ذائقہ
لیموں اور پیاز — گارنشنگ کے لیے

ترکیب:

ایک بڑے برتن میں گوشت کیوبز میں کاٹ کر ڈال دیں۔ پپیتا چھیل کر بیج نکالنے کے بعد کیوبز میں کاٹ لیں اور بلینڈر میں بلینڈ کرلیں۔ اگر ضرورت ہو تو ایک کھانے کا چمچہ پانی شامل کرلیں۔ دو کھانے کے چمچے پپیتا گوشت کے کیوبز پر ڈالیں اور اچھی طرح سے گوشت پر لگا دیں اور تین گھنٹے تک رکھیں۔

دوسرے برتن میں دہی، ادرک، مرچ پاؤڈر، لہسن، ہلدی، دھنیا پاؤڈر، زیرہ، لیموں کا رس، کٹا ہوا دھنیا اور کھانے کا رنگ، دو عدد کھانے کے چمچے تیل میں شامل کرکے ایک طرف رکھ دیں اور ساتھ ہی نمک بھی شامل کرلیں۔

دہی مکسچر کو چمچے کی مدد سے گوشت پر لگائیں اور اچھی طرح سے دونوں کو مکس کرلیں۔ باقی بچے ہوئے تیل کو ایک برتن میں گرم کریں۔ جب تیل گرم ہو جائے تو آنچ ہلکی کر دیں۔ اس کے بعد دہی کا مکسچر لگے گوشت کے کیوبز تھوڑے تھوڑے کر کے ڈیپ فرائی کرلیں۔ پانچ سے سات منٹ تک کے لیے یا جب تک گوشت گل نہ جائے اسے فرائی کریں۔ فرائی کرنے کے بعد انہیں ایک برتن میں نکال کر ڈھک لیں تاکہ تمام گوشت فرائی ہونے تک گرم رہے۔

تمام گوشت فرائی ہو جائے تو اس کو لیموں کے قتلوں، پیاز کے پھولوں اور دھنیا کے ساتھ خوب صورتی سے سجائیں، رائتہ اور نان کے ساتھ پیش کریں۔

باربی کیو بوٹی

ضروری اشیاء:

گوشت — ایک کلو
پپیتا پیسٹ — تین کھانے کے چمچے
نمک — حسب ذائقہ
دہی — آدھا کپ
مرچیں، ہرا دھنیا (پسا ہوا) — دو کھانے کے چمچے
لہسن، ادرک پیسٹ — دو چائے کے چمچے
سرخ مرچ پاؤڈر — ایک کھانے کا چمچہ
گرم مسالا پاؤڈر — ایک چائے کا چمچہ
سفید زیرہ — ایک کھانے کا چمچہ (کٹا ہوا بھنا ہوا)
ناریل پاؤڈر — دو چائے کے چمچے
تیل — حسب ضرورت

ترکیب:

گوشت کو دھو کر اس کے درمیانے سائز کی بوٹیاں بنالیں اور اسے دھو کر خشک کرلیں۔ اس کے بعد اس میں پپیتا پیسٹ، نمک، دہی، مرچیں، ہرا دھنیا، لہسن، ادرک پیسٹ، سرخ مرچ پاؤڈر، گرم مسالا پاؤڈر، سفید زیرہ، ناریل پاؤڈر اور آدھا کپ تیل ڈال کر مکس کریں اور چھ۔ آٹھ گھنٹوں تک اسے میرینیٹ ہونے کے لیے رکھ دیں۔ میرینیٹ کی ہوئی بوٹیوں کو سیخوں میں پرو کر باربی کیو کرلیں اور اس دوران تیل کا چھارا بھی لگاتی جائیں۔ اگر آپ اسے باربی کیو نہیں کرنا چاہ رہی ہیں تو ساس پین میں دو کھانے کے چمچے تیل گرم کرکے اس میں میرینیٹ کیا ہوا گوشت ڈال کر فرائی کریں اس کے بعد (بنا پانی شامل کیے) گوشت کے گلنے تک پکالیں اور آخر میں کوئلے کا دھواں دے کر دم پر لگا دیں۔ مزے دار باربی کیو تکہ بوٹی تیار ہے سرونگ ڈش میں نکال کر گارنش کرکے گرم گرم سرو کریں۔

گڈی کباب

ضروری اشیاء:

قیمہ — آدھا کلو
دہی — چار چائے کے چمچے
لہسن پیسٹ — ایک چائے کا چمچہ
پیاز (پیس لیں) — ایک عدد
لال مرچ پاؤڈر — دو چائے کے چمچے
ادرک پیسٹ — ایک چائے کا چمچہ
ہرا دھنیا (چوپ کیا ہوا) — ایک کھانے کا چمچہ
چینی — آدھا چائے کا چمچہ
نمک — حسب ذائقہ
بریڈ سلائس (بھگو کر نچوڑ لیں) — دو عدد
میدہ — چار چائے کے چمچے
زیرہ (بھنا اور پسا ہوا) — ایک چائے کا چمچہ
انڈے (پھینٹ لیں) — دو عدد
بریڈ کرمز — حسب ضرورت
تیل — تلنے کے لیے
کھیرا — دو عدد (کیوب میں کٹا ہوا)
ٹماٹر (گول قتلے کاٹ لیں) — گارنش کے لیے

ترکیب:

ایک پیالے میں قیمہ، دہی، لہسن، ادرک پیسٹ، پیاز، ہرا دھنیا، لال مرچ پاؤڈر، نمک، چینی کو مکس کریں دو گھنٹے تک میرینیٹ کریں۔ اس میں بریڈ سلائس، میدہ اور زیرہ ڈال کر مکس کریں اس کے بیضوی شیپ کے کباب بنائیں اور اسے انڈے میں ڈبوئیں۔

بریڈ کرمز میں رول کریں اور گرم تیل میں ڈیپ فرائی کریں گولڈن براؤن کرکے ڈش میں نکال لیں کھیرے کے کیوب اور ٹماٹروں سے گارنش کرکے چلی گارلک ساس کے ساتھ سرو کریں۔

☆ ☆

محمود بابر فیصل نے یہ شگفتہ سلسلہ 1978ء میں شروع کیا تھا۔ ان کی یاد میں یہ سوال و جواب شائع کیے جا رہے ہیں۔

ذوالقرنین

عبدالمیعاد

سائرہ۔۔۔۔ فیصل آباد

س ۔ ذوالقرنین صاحب! کل رات میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک نہایت بھدی عورت بڑی بڑی آنکھیں، کھچڑی سے بال ہاتھ میں بیلن پکڑے آپ کے پیچھے پیچھے دوڑ رہی ہے۔ میں تو ڈر ہی گئی۔ ویسے سنا ہے صبح کے خواب حقیقت پر مبنی ہوتے ہیں؟

ج ۔ اپنی بھابی کے بارے میں تمہاری رائے بڑی غلط ہے۔

ثمینہ اشرف۔۔۔۔ کوٹلہ

س ۔ زندگی اتنی حسین دلفریب چیز ہے لیکن لوگ اس کی قدر نہیں کرتے۔ آخر کیوں؟

ج ۔ یہ آپ سے کس نے کہہ دیا جسے زندگی کہتے ہیں اسی کی قدر کرتے ہیں۔

روبینہ ظفر۔۔۔۔ کبیروالا

س ۔ اگر راہ چلتے کوئی حسین سی دوشیزہ تمہارا دامن تھام کر بولے کہاں جاتے ہو رک جاؤ، تو تم کیا کرو گے؟

ج ۔ پہلے تو دامن کی گرد جھاڑوں گا پھر بتا دوں گا کہ ملک عدم کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔

نصرت۔۔۔۔ مردان

س ۔ نین بھیا! میں نے تو سنا ہے کہ روزوں میں شیطان کو باندھ دیا جاتا ہے تو پھر آپ۔۔۔۔؟

ج ۔ ابھی اتنی ترقی نہیں ہوئی کہ شیطان کہلاؤں۔

بینارانی۔۔۔۔ آزاد کشمیر

س ۔ عید آئی ہے اے ذوقی بھیا تجھے کیا کیا بھیجوں
بھابھی کے لیے چوڑیاں کانچ کی تجھے گجرا بھیجوں؟

ج ۔ پہلے بھابھی تو بھیج دو۔

روبینہ ظفر۔۔۔۔ کبیروالا

س ۔ پردیس میں محبوبہ زیادہ یاد آتی ہے یا گھر والی؟

ج ۔ اگر محبوبہ ہی گھر والی ہو تو دونوں۔

بیلا عرفان۔۔۔۔ کراچی

س ۔ اگر چاند پر شتر مرغ اور زمین پر گھوڑے رہنے لگیں تو نین جی آپ کہاں رہنا پسند کریں گے؟

ج ۔ کبھی چاند پر کبھی زمین پر۔

سحر اسلم راہی۔۔۔۔ لطیف آباد

س ۔ اگر زندگی ایک امتحان ہے تو جلدی سے اپنا رول نمبر بتایئے؟

ج ۔ ہمیں اس امتحان کا ایڈمٹ کارڈ ابھی نہیں ملا

سیدہ نرگس زار۔۔۔۔ ڈیرہ غازی خاں

س ۔ بھیا! سبز باغ دکھانا کو جملے میں استعمال کریں؟

ج ۔ اگر باغ کا سبزہ کھانے کو جملے میں استعمال کرنے کا حکم دیں تو کچھ یوں لکھتے۔ آج باغ کا سارا سبزہ ہم نے ہضم کر لیا۔

زید علی عمران۔۔۔۔ رحیم یار خان

س ۔ پردیس جانے والے لوٹ کر کیوں نہیں آتے اور کیا انہیں بلانے کا کوئی طریقہ ہے؟

ج ۔ بھئی ہم تو ہر دفعہ پردیس جا کر خود ہی لوٹ آتے ہیں۔

ع۔ بٹ۔۔۔۔ کراچی

س ۔ ساس کی آمد کب اچھی لگتی ہے؟

ج ۔ جب وہ بیگم کو ساتھ لے جانے ہی آئیں۔

رخسانہ صغیر۔۔۔۔ کراچی

س ۔ کھب گئے دو نینوا کے تیر مارے من مادیا ناچے
اب تیری ہی تصویر نینوا !
کیا خیال ہے اے نین۔

ج ۔ یہ ضرور بتائیں کہ مونچھوں والی تصویر نینوں میں ناچتی ہے یا بغیر مونچھوں والی۔

بیناشازی ملک۔۔۔۔ لاہور

س ۔ سانپ سو سال کا ہو جائے تو انسان بن جاتا ہے۔ انسان سو سال کا ہو کر کیا بنتا ہے؟

ج ۔ اری نادان! آپس کا کس سے مقابلہ کر رہی ہو۔ پیچھے مڑ کر دیکھو تمہارا کوئی بزرگ کھڑا ہے شاید۔۔۔۔؟

آرونا اقبال۔۔۔۔ ملتان

س ۔ عورتوں کو جن لوگوں نے زیادہ بولنے میں بدنام کر رکھا ہے۔ کیا آپ ان سے اس کا ثبوت مانگ سکتے ہیں؟

ج ۔ ارے ہم سے یعنی ہم سے کچھ مانگ رہی ہو کیا کر رہی ہو نادان لڑکی۔۔۔۔ ہم نہیں دیتے ثبوت کیوں نہیں دیتے۔ اس لیے کہ ہم خود ثبوت ہیں زیادہ بولنے کا پرچار کرنے میں۔

عینی علی عباس۔۔۔۔ دستگیر کراچی

س ۔ ہم تم ایک جنگل سے گزریں اور شیر آجائے سوچو کبھی ایسا ہو تو کیا ہو؟

ج ۔ آپ کو کھانے کے بعد منہ میرے جسم سے پونچھ لے گا بس ذرا گدگدی سی ہو گی۔ ہی۔۔۔۔ ہی۔۔۔۔ ہی۔

شاہدہ رحمٰن مغل۔۔۔۔ بہاول پور

س ۔ ذوالقرنین بھیا کیا رسالے سے ریٹائر ہونے کا ارادہ ہے جو اپنا کالم دلچسپ نہیں بناتے؟

ج ۔ ابھی تک تو نہیں ہے۔ اس دفعہ کے جوابات غور سے پڑھنا۔

کلثوم۔۔۔۔ کراچی

س ۔ محبت کرنے والے آخر اتنے دیوانے کیوں ہوتے ہیں؟

ج ۔ بھئی ہم نے تو سنا ہے کہ دیوانے ہی محبت کا غم پالتے ہیں۔

==

سانحہ ارتحال

ہمارے ڈسٹرکٹ نیوز "بٹ نیوز ایجنسی، جہلم" کے جناب ناصر بٹ کے والد جناب پرویز بٹ مرحوم رضائے الٰہی سے رحلت فرما گئے ہیں۔
ادارہ خواتین ڈائجسٹ دلی افسوس کا اظہار کرتے ہوئے دعا گو ہے کہ اللہ تعالیٰ جناب پرویز بٹ مرحوم کو جوار رحمت میں جگہ دے اور بلند درجات عطا فرمائے اور مرحوم کے اہل خانہ کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین

شازیہ ہاشم صبو۔۔۔ قصور

پہلی دفعہ کرن میں خط لکھ رہی ہوں۔ پلیز اس کو ردی کی ٹوکری کی زینت نہ بنانا۔ سب سے پہلے حمد و نعت سے دل کو روشن کیا۔ اس کے بعد سلسلے وار ناول "دست کوزہ گر" اور "در دل" پڑھا۔ پلیز یہ بتائیں کہ زری اور علیزے کا آپس میں کیا ریلیشن ہے۔

اس کے بعد "نایاب ہیں" پڑھا۔ جس میں سارے کیریکٹرز ہی قابل ستائش اور قابل تحسین تھے۔

اس کے علاوہ ناول سارے ہی زبردست تھے اور "وہ اک پری ہے" میں مجھے "اذان" کا رول اچھا لگتا ہے۔ بہرحال کرن کا ہر سلسلہ ہی زبردست ہے۔ آپی اس خط کو ضرور شائع کیجیے گا۔ اب میں ایک شعر کے ساتھ اجازت چاہوں گی۔

ظلم سے کام تیغ کا اگر کبھی لیا نہ ہو
تو مجھ سے سیکھ لے یہ فن اور اس میں بے مثال بن

انیقہ انا۔۔۔ چکوال

کرن اس بار قدرے تاخیر سے ملا۔ یعنی سترہ اکتوبر کو' کہاں بارہ یا تیرہ کو ہی مل جاتا' پر خیر ہم نے دو دن میں پڑھ لیا۔ ان دنوں مصروفیت از حد ہے نا۔

آپی کرن کے سرورق پر فوکس ہمیشہ چہرے پر ہی کیوں ہوتا ہے؟ کبھی کبھار روایت سے ہٹ کر مکمل لباس بھی دکھایا جائے تو اچھا لگے گا نا۔ آخر "تبدیلی قانون فطرت ہے۔"

ماہ ستمبر کا شمارہ جتنا بمباسٹک تھا' ماہ اکتوبر کا شمارہ کچھ خاص نہیں لگا۔ ارے خفا مت ہوں جامع تبصرہ کرنے لگی ہوں نا۔

"دست کوزہ گر" میں زوبیہ کا مسئلہ نفسیاتی نہیں' جناتی ہے۔ اب اس چیز کو سائنس مانے نہ مانے۔۔۔ ہم مسلمان ہونے کے ناتے ضرور مانتے ہیں۔ (اگرچہ کچھ مسلمان بھی نہیں مانتے۔) اب بے چاری زوبیہ اتنا بھی جھوٹ نہیں بولتی۔ کمال ہے' مجھے یہ جادو' جنات والا خیال پہلے کیوں نہ آیا اور دوسری جانب شکر ہے کہ الیان پر رومیلہ کی سچائی تو آشکار ہوئی۔ کچھ تو راہ کے خار کم ہوئے' اب آگے دیکھیے۔

"در دل" پر ہمارا تبصرہ ہنوز وہی ہے۔ لہٰذا آگے چلتے ہیں۔ شفق افتخار کا "نایاب ہیں ہم" کچھ خاص نایاب نہ لگا۔ کہانی کا اختتام من و عن وہی تھا جو ہم نے سوچ رکھا تھا۔ "ساوا چڑیا" سنان اور نیروہ کی جدائی نے از حد ملول کیا۔ مجھے تو لگتا ہے ساری چال رحاب اور جنید کی ہی تھی۔ کامیاب کھیل کھیلا دونوں نے اور سکندر کا رویہ گھر والے عجیب و غریب سے لگے۔ بہرحال دوسری قسط کا شدت سے انتظار رہے گا۔

"عنیقہ محمد بیگ" تو دن بہ دن مقام بناتی چلی جارہی ہیں۔ (اللہ کرے زور قلم زیادہ) کیسے کیسے لوگوں سے دنیا بھری پڑی ہے۔ ذرا جو خدا کا خوف باقی رہا ہو۔ پر دنیا بھی آخر مکافات عمل ہے۔ لیکن یہ تو بتائیے کہ پانچ لاکھ حق مہر لکھوانے والے باپ نے بیٹی کو پلٹ کر پوچھا تک بھی نہیں؟ کمال ہے۔

ایسے ہی ایک بات ناولٹ "محبت رخت سفر" میں یہ لگی کہ تسخیر نے محض بھائیوں کے انکار اور ان کی غرض کی وجہ سے گھر چھوڑ دیا اور اماں جی نے بجائے گھر سے بیٹی کو رخصت کرنے کے۔ خاموشی سے جانے دیا۔ بہت عجیب سی بات لگی۔

نجمہ جبیں۔۔۔ غالباً "نئی مصنفہ ہیں۔ اگر نئی ہیں تو ان کی پہلی کاوش خوب رہی۔ صوفیہ کے عزم و حوصلے نے بہت متاثر کیا۔

ریحانہ امجد کا ناولٹ یقیناً "بہت لمبا چلے گا نا۔ فرزان کی صحت کے بارے میں دعا گو ہیں۔۔۔ افسانے اس بار خوب رہے۔ سب سے بہترین "زاد راہ" رہا۔ ویلڈن تیلم رضا' ویلڈن مصنفین سندس' ثانیہ اور فوزیہ احسان نے بھی خوب لکھا۔

اس بار "مسکراتی کرنیں" کہاں غائب تھا؟ مستقل سلسلے خوب صورت کرنیں بکھیرتے نظر آئے۔

"نامے میرے نام" میں سب سے پہلے اپنا نام دیکھ کر سیروں خون بڑھ گیا۔ (میرا مان بڑھانے کا شکریہ آپی) بہت سے پرانے قارئین کی کمی محسوس ہوئی پر نئے ساتھیوں کا اضافہ بھی خوب رہا۔ فوزیہ ثمر کا تبصرہ ہمیشہ کی طرح بھرپور تھا۔ آپی آپ پلیز خطوط کے جواب کرن میں بھی دیا کریں نا پلیز اور یہ ہماری نایاب جیلانی کہاں گم ہیں؟ نایاب جی! جلد از جلد خوب صورت سے ناول کے ہمراہ تشریف لائیے۔

فائزہ شاہد۔۔۔ کراچی

اکتوبر کا کرن ہاتھوں میں ہے۔ سرورق کچھ خاص متاثر نہیں کر پایا' شاید اس لیے کہ یہ پیلے پیلے کلرز گرمیوں میں ہی اچھے لگتے ہیں' سردیوں میں نہیں۔۔۔ محمود بابر فیصل کی برسی کے موقع پر ان کی یادیں اداس کر گئیں۔ اقبال آرزو کی حمد و نعت کا انتخاب خوب صورت تھا' لیکن جہاں جہاں لفظ میری یا میرا لکھا گیا ہے وہاں مرا اور مری ہونا چاہیے' پروف ریڈنگ پر خصوصی توجہ ہونی چاہیے' کیونکہ شاعری میں ایسی غلطیاں کلام کا اصل حسن غارت کر دیتی ہیں۔

نبیلہ آپی اور فوزیہ یاسمین جی کی ریس برابر جاری ہے اور دونوں ہی ناول اپنی جگہ دلچسپیوں کے انوکھے جہان سمیٹے ہوئے ہیں۔ اب دیکھیں جیت کس کے حصے میں آتی ہے؟ نفیسہ سعید روایتی موضوع' لیکن دلچسپ انداز تحریر کے ساتھ آئی ہیں' لیکن آخر میں باقی آئندہ نے مزا کرکرا کر دیا' اب دیکھیں اگلے حصے میں نیروہ کے ساتھ کیا ہوتا ہے؟

افسانوں میں سندس جبیں' ثانیہ رزاق اور تیلم رضا کے افسانے اچھے لگے۔ فوزیہ احسان رانا کے "کرب نارسائی" نے کچھ خاص متاثر نہیں کیا۔ البتہ آخر میں میسج اچھا تھا۔

ریحانہ امجد بخاری کے ناولٹ "وہ اک پری ہے" کی چھٹی قسط بھی ہمیشہ کی طرح آؤٹ کلاس تھی۔ میرے خیال میں شاعری' فلسفہ اور انداز تحریر کے حساب سے دیکھا جائے تو اس تحریر میں بہت خوب صورت ادبی ٹچ موجود ہے جو یقیناً "باادب لوگوں کو ہی سمجھ آسکتا ہے۔ بہرحال اس قسط میں کہانی ایک نیا موڑ لیتی ہوئی نظر آرہی ہے جو حیرت انگیز ہے۔ خصوصاً "قسط کا اختتام تو حیران ہی کر گیا۔ اب دیکھیں کہ آگے فرزان کے ساتھ کیا ہوتا ہے؟

مستقل سلسلے ہمیشہ کی طرح اچھے تھے۔ "یادوں کے دریچے" میں راشدہ مریم اور فرزانہ کا انتخاب اچھا لگا۔

فوزیہ ثمر بٹ۔۔۔ گجرات

اکتوبر کا شمارہ اس بار چودہ تاریخ کو ہی مل گیا تھا۔ ٹائٹل سو سو تھا۔ کوئی چیز ماڈل کی متاثر نہ کر سکی۔ حسن و صحت میں بالوں کے متعلق کوئی ایسا نسخہ بتائیں کہ سفید بال کالے ہو جائیں' پھر ہم بھی کرن کتاب کو مان جائیں گے۔

"نامے میرے نام" حسب عادت سب سے پہلے پڑھا۔ اپنا خط ڈھیروں خون بڑھا دیتا ہے اور بے تحاشا پیار کرن پہ اُمڈ اُمڈ آتا ہے۔ (کیا کروں ہر کام میں شدت پسند واقع ہوئی ہوں۔)

انیقہ انا خاصی دیر سے آتی ہیں' مگر ان کا تبصرہ جامع ہوتا ہے۔ مزا آتا ہے کرن کے متعلق ان کی رائے جان کر۔ اس بار مستقل سلسلے کے صفحات بھی کم تھے۔

"یادوں کے دریچے سے" میں ماہ دولت غائب تھے۔ ہائے اتنی ستم ظریفی سہی نہیں جاتی۔ ہر مہینے اپنی مف لائف سے ٹائم نکال کر کرن میں اپنی حاضری لگواتی ہوں۔ مگر ہائے آپ نے میری قدر کرنا چھوڑ دی ہے۔ مگر ہم نہیں چھوڑنے والے آپ کو......

شفق افتخار کے ناول کا بقیہ حصہ سو سو ہی رہا۔ بغیر کسی تنقید یا تعریف کے کہانی اپنے انجام کو پہنچی۔ مجھے تو یہ خاندانی سیاست زہر لگتی ہیں' جو انسانوں کی زندگیوں کو نگل جاتی ہیں۔

"بدلتے رشتے" اچھی تحریر تھی۔ رحیم اور اس کی لالچی ماں پہ غصہ آیا۔ کمینی فطرت کے انسان تھے۔ پیسے کے لیے زندگی سے کھیلنے والے' اس ہستی کو بھول کر جو سب کے ساتھ انصاف کرنے والا ہے۔ بے شک انسان ظلم کی انتہا پر جا سکتا ہے' مگر ایک ذات ہے' جو مظلوم کی آہ کو سننے والا ہے۔ کرن کے ساتھ تو جو ہوا اس کی قسمت تھی۔ مگر رحیم اور اس کی ماں کو ان کے لالچ کرنے کے برے سلوک کا صلہ رب رحیم نے بہت اچھا دیا۔ لوگ کہتے ہیں

معاف کرنے والا عظیم ہوتا ہے۔ مگر معاف کرنے والا جانتا ہے۔ دل لہو ہو جاتا ہے۔ اپنے احساسات پتھر کرنے پڑتے ہیں۔ تب اپنے پہ ظلم کرنے والوں کو معاف کیا جاتا ہے۔ رحیم اور اس کی ماں کے ساتھ جو ہوا شاید اس کو مکافات عمل کہتے ہیں۔

ثمینہ سید کا محبت "رخت سفر" بھی اچھی تحریر تھی۔ مگر شروع میں ہیرو کو اتنا شان دار پرسنالٹی والا سادہ طبیعت بتا کر برا پیش کر دیا۔ بے چاری تسخیر اپنی تقدیر سے دھوکا کھا گئی۔ زمران شاید سائیکی انسان تھا یا پھر بد فطرت مرد..... جو بھی تھا۔ تسخیر کے ساتھ تو برا ہوا نا۔ تسخیر کے بھائیوں پہ غصہ آیا کتنے مطلب پرست اور لالچی تھے شاید۔ شادی کے بعد سب بھائی ایسے ہی ہو جاتے ہیں۔ زبان تو بھائیوں کے ہوتی ہے مگر لفظ کسی اور کے ہوتے ہیں ان کے منہ میں۔

افسانوں میں مجھے "سنہری بارش" پسند آئی۔ ہلکی پھلکی نہ کوئی لڑائی جھگڑا' نہ کوئی ہنسی مذاق' بس اک گھریلو ٹائپ سنجیدہ سی تحریر مالا اور شہزاد کی خاموش محبت پسند آئی۔

"محبت جیت ہوتی ہے" اب علی بے چارے کا کیا قصور تھا۔ اس کے باپ کے کرموں کی سزا اس بے چارے کو ملی۔ لوگ پتا نہیں کس ذہنیت کے ہوتے ہیں۔ کسی کے عیبوں کی سزا دوسرے کے کندھوں پہ ڈال دیتے ہیں۔ یہ کوئی انصاف والی بات' علی نے اچھا فیصلہ کیا۔ محبت کا کیا ہے وہ کوئی زندگی میں ایک بار تھوڑی کرتا ہے مرد' یہ تو اس کا بار بار کا فعل ہے۔ ہاں عزت کے بنا جینا ذرا مشکل ہوتا ہے اور علی نے ایک درست فیصلہ کیا۔

زاد راہ بھی اچھی کاوش تھی۔ سمیرا کی ساس اور نند کا اتنا برا سلوک لوگ کتنے بے درد بے حس ہوتے ہیں۔ اف میرا تو اتنا جگرا نہیں سمیرا کی ساس جیسے لوگ گرفت میں آتے ہیں تو سارے اعمال نامے سامنے آجاتے ہیں۔ خیر سزا یا جزا کا فیصلہ کرنے والا تو اوپر والا ہے۔ بہر حال ایک اچھی بہو ہونے کے ناتے سمیرا نے اپنے فرض کی ادائیگی کو نبھایا اور اپنی آخرت سنوار لی۔

مکمل ناول ساڈا چڑیا دا چنبا..... ابھی شروع کیا تھا۔ باقی آئندہ دیکھ کر چھوڑ دیا۔ اگلے ماہ اس کے بارے میں کچھ کہوں گی۔

آپ نے عیدالاضحی کے متعلق سوال کیے ہیں۔ ٹائم ملا تو حاضری لگوا دوں گی "تاخیر زندگی" اجازت آپ سب کو چٹ پٹی مزے دار عید مبارک ہو کہ رب رحیم ہم سب مسلمانوں کو صحیح اور جائز طریقے سے اس اہم فریضہ کی ادائیگی کی توفیق نصیب فرمائے اور ہاں میری پیاری اور اکلوتی بھانجی جو کہ 9 اگست کو پیدا ہوئی تھی۔ آپ نے 19 اگست شائع کر دیا۔ اس نے مائنڈ کیا ہے۔ پلیز اس کی ڈیٹ آف برتھ درست فرما کر اسے خوش ہونے کا موقع دیں۔ شکریہ۔

مس اختر تارڑ..... منڈی بہاؤالدین

اگر ڈائجسٹ پڑھنے کا حساب و کتاب کیا جائے تو بہت ہی پرانا کھاتہ نکلتا ہے تقریباً" دس یا بارہ سال۔ ہم بہت سی کزنز ہیں جو کہ مل کر پڑھتی ہیں اور ہر ماہ پانچ رسالے ہیں جو کہ ہم باقاعدگی سے پڑھتی ہیں۔ شعاع' خواتین' حنا اور کرن مگر کئی بار دل چاہا کہ آپ کو خط لکھا جائے' مگر نہیں لکھ سکی۔ وجہ ہمارا بہت ہی سخت قسم کا ماحول ہے۔

مگر جس تحریر نے ہمیں بغاوت پر اکسایا ہے وہ ہے نبیلہ آپی کی تحریر "دردل" میری چھوٹی سسٹر رانی اور باقی میری کزنز نوشی' مون' ماروی' ارم اور بھانی ہیں۔ میری سسٹر رانی اس کا ووٹ علیزے کی طرف ہے۔ وہ کہتی ہے کہ دل آور شاہ کو علیزے ملے گی۔ مگر میں اور میری باقی کزنز کا ووٹ زری کی طرف ہے۔ خط لکھنے کی وجہ نبیلہ آپی سے اپیل ہے کہ پلیز' پلیز آپی یہ دیکھیں ہم آپ کے سامنے ہاتھ جوڑتی ہیں کہ خدا کے لیے زری کو دل آور شاہ سے جدا مت کرنا۔

آپ کے ذہن میں جو بھی پلان ہے یقین ہے بہت اچھا ہوگا مگر ہمیں بھی آپ مایوس مت کرنا۔ میں نے اور میری کزنز نے فیصلہ کر لیا ہے کہ ایسا نہ ہو سکا زری دل آور شاہ کو نہ ملی تو ہم نے رسالہ پڑھنا چھوڑ دینا ہے۔ اگر آپ میری ریکوئسٹ مان لیں تو میں ریئلی آپ کو ہر ماہ خط لکھا کروں گی۔ رانی کہتی ہے کہ علیزے آفندی اور اس کے گھر والے بے قصور ہیں' یہ سب کچھ جو دل آور شاہ کے ساتھ ہوا زری کے خاندان والوں نے کروایا ہے اور علیزے' دل آور شاہ کی ہے۔ ہمارا یہ خط ضرور' ضرور شائع کرنا۔ میری فرینڈز نیناں' ناوی' سدری' فوزی' فہمیدہ ان سب کو بیسٹ وشز۔

سونیا ربانی..... قاضیاں محلہ بالا

کرن کے لیے قلم اٹھا کر یوں محسوس ہو رہا ہے کہ جیسے برسوں بیت گئے اس رشتے کو ٹوٹے۔ خیر کرن سے رشتہ تو نہیں ٹوٹا ہے۔ ہاں یوں ہے جولائی کا کرن اگست میں تو اگست کا ستمبر میں ہاتھ آتا ہے یا پھر جب کبھی خود شہر جاؤں تو واپسی پہ تین' چار ڈائجسٹ ہاتھ میں ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ لکھنے کا اور یوں بات کرنے کا رشتہ نہ رہ سکا' مگر مجھے دکھ ہے کہ کسی نے سوہنی کی کمی محسوس ہی نہ کی۔

دائم آباد رہے گی دنیا
ہم نہ ہوں گے کوئی ہم سا ہوگا

خیر ماہ ستمبر ہمیں بھی جاتے جاتے کسی کے نام کر گیا۔ یعنی ہم بھی اب خیر سے منگنی شدہ ہو چکے ہیں۔ 13 ستمبر کو ہماری منگنی تھی۔ اس پیارے آنگن میں اب چار ماہ ہی باقی ہیں۔ نبیلہ جی نے کبھی بور نہیں ہونے دیا ہے۔ دیکھتے ہیں دل آور شاہ اب علیزے کے ساتھ کیا کرتا ہے اور اتنی نفرت کے پیچھے جو وجہ ہے اس کا انتظار بھی ہے کہ کب سامنے آتی ہے؟

"دست کوزہ گر" میں زوبیہ اور شائستہ خالہ کی روح بور کرنے لگی ہے اور خرم کے نام سے چڑ ہونے لگی ہے۔ خیر ابھی تو اندر اگست' ستمبر کے کرن رکھے ہیں جو آج ملے ہیں۔ ابھی صرف جولائی کے شمارے پہ ہاتھ صاف کیا ہے۔ افسانوں میں مدثر کے ابا نے دل جیت لیا۔ مکمل ناول میں فرح بخاری کی تحریر دل کو لگی۔ وقت کم اور باتیں زیادہ ہیں' جگہ مل گئی تو پھر حاضر ہوں گے۔ ہاں ہم 14 اگست کو پھوپھو بن گئے 'اک پری کے۔ سودہ' آپی "دو مبارک باد آپ پہ ادھار ہیں خوش رہو اللہ حافظ۔

ثانیہ مغل..... تلہ گنگ ضلع چکوال

یہ میرا کسی بھی خواتین کے رسالے میں پہلا خط ہے۔ میرا نام ثانیہ ہے اور میرا تعلق تلہ گنگ سے ہے۔ میں صحافت کی طالبہ ہوں اور باقاعدہ اس کی تعلیم حاصل کر رہی ہوں۔ اس سے قبل میں مختلف مقامی روزناموں میں کالم لکھ چکی ہوں اور ان کے ساتھ باقاعدہ کام کر رہی ہوں۔ خواتین کے لیے میں نے پہلی دفعہ قلم اٹھایا۔ آپ کے ماہنامے کا معیار دیکھتے ہوئے میری خواہش ہے کہ میں آپ کے ادارے کے ساتھ باقاعدہ ناول نگار کے طور پر کام کروں۔ امید ہے کہ میری خواہش کو قابل غور سمجھا جائے گا۔

میری ناقص معلومات کے مطابق کسی بھی ماہنامے میں سلسلہ وار تحریر لکھنے کے لیے ادارے کی تحریری اجازت درکار ہوتی ہے۔ میں آپ کو ایک تحریر ارسال کرنا چاہوں گی جو دور حاضر کے فتنوں کی عکاسی کرتی ہے۔ یہ تحریر طویل ہونے کے باعث بہت سی اقساط پر مشتمل ہو سکتی ہے۔

میری دلی خواہش ہے کہ میں اپنی تحریر "ماہنامہ کرن" کو ارسال کروں اور مجھے امید ہے کہ میرے ساتھ مکمل تعاون کیا جائے گا۔ علاوہ ازیں میں ماہنامہ کرن کے معیار کو سراہتے ہوئے چند تنقیدی پہلو بھی سامنے رکھنا چاہوں گی۔

ماہنامہ کی تحریریں پڑھ کر وقتی طور پر ہی سہی خوش گواریت کا احساس ضرور ہوتا ہے۔ مگر میرے خیال کے مطابق ناول اور افسانوں میں دور حاضر کے بارے میں بھی کچھ مواد ہو' یہ صرف رومانوی تخیلات پر مبنی نہ ہوں۔ مستقل سلسلے خواتین کے لیے بہترین ہیں' مگر میری رائے ہے کہ اس میں نفسیات سے متعلق ایک چھوٹے سے مضمون کا اضافہ کیا جائے تو اس کے اثرات مثبت ہوں گے۔

ج - آپ اپنی تحریر ہمیں روانہ کر دیں۔

خالدہ بشیر..... ترنڈہ محمد پناہ

بہت ساری دعاؤں کے ساتھ پہلی بار خط لکھ رہی ہوں۔ امید ہے کہ آپ میرے خط کو کرن میں جگہ دیں گی۔ میں کرن ڈائجسٹ بہت شوق سے پڑھتی ہوں۔ کرن ہاتھ میں آتے ہی ایسا لگتا ہے جیسے کوئی خزانہ ہاتھ آگیا ہو۔ ناولٹ "وہ اک پری" بہت زبردست ہے۔ فرزان کا رول بہت بیسٹ ہے۔ کبھی کبھی فرزان پر غصہ بھی آتا ہے اور پیار بھی۔ اس کے علاوہ باقی تمام افسانے بیسٹ ہیں۔ میری آپ سے گزارش ہے کہ مصنفہ نادیہ جہانگیر کو پھر سے کرن ڈائجسٹ میں جگہ دیں۔ وہ میری پسندیدہ مصنفہ ہیں اور میں ان کی بہت فین ہوں۔ مختصر لکھ رہی ہوں' اس امید کے ساتھ کہ میرا خط آپ کرن میں شامل کریں گی اگلی بار تفصیل سے لکھوں گی۔ شکریہ

مہوش علی..... جہلم

قارئین! میں امید کرتی ہوں کہ آپ خیریت سے ہوں

گے اور میری دعا ہے کہ آپ ہمیشہ خیریت سے رہیں۔
اصل میں کرن بہت شوق سے پڑھتی ہوں۔ لیکن ہمیشہ اپنی ایک دوست سے لے کر پڑھتی ہوں۔ لیکن اب میری دوست نے کرن ڈائجسٹ پڑھنا چھوڑ دیا۔ اس لیے اب میں چاہتی ہوں میں اپنا ڈائجسٹ خود خرید کر پڑھوں۔ اس لیے میری آپ سے گزارش ہے کہ آپ ہرماہ مجھے پسندیدہ ڈائجسٹ میرے گھر ارسال کریں اور یہ بھی میرے خط کا جواب دے کر بتائیں کہ سال کے مکمل یعنی ہرماہ کے علیحدہ علیحدہ ڈائجسٹ کی قیمت کتنی ہے' تاکہ میں آپ کو ایک دفعہ ہی منی آرڈر کروں۔ ایک دفعہ پھر آپ میری گزارش پر ضرور عمل کریں۔ نظرانداز مت کیجیے گا اور اگر اس مہینے کا رسالہ اگر قابل ارسال ہے تو مجھے ضرور ارسال کردیں۔ ڈاک پوسٹ کے ذریعے آپ کو آپ کے ڈائجسٹ کی قیمت بھیج دی جائے گی۔

ج: کرن کی سالانہ خریدار بننے کے لیے 600روپے درج ذیل ایڈریس پر منی آرڈر کردیں۔
مکتبہ عمران ڈائجسٹ 37۔ اردو بازار کراچی۔

آبشار احمد۔۔۔۔للیانی

کرن اسٹاف' رائٹرز اور قارئین کے لیے الفتوں بھرا سلام اور ہزاروں دعائیں اگست کا شمارہ پڑھا بڑا مزا آیا۔ کوئی تحریر ایسی نہیں تھی جو پڑھ کر انسان محظوظ نہ ہوا ہو۔ پھر ہر ایک کی اپنی نیچر ہے' ہر کسی کی اپنی پسند۔ ورنہ کوئی بھی رائٹر یہ نہیں سوچتا کہ اس کی کہانی کی تعریف نہ ہوگی وہ تو اپنی طرف سے پوری کوشش کرتے ہیں ہر طرح سے کہانی کو الفاظ اور ان کے اتار چڑھاؤ سے لوگوں کی دھڑکنیں تیز کرنے کے لیے کہانی کو تخلیق کرتے ہیں۔ خاص طور پر کہانی کے الفاظ کا اتار چڑھاؤ کہانی کو چار چاند لگادیتے ہیں۔ سب کہانیاں اک دوسرے سے بڑھ کر تھیں ۔یہ کوئی ڈائیلاگ نہیں حقیقت ہے۔
جب ستمبر کا شمارہ پڑھا' کیا بات تھی۔ بڑا مزا آیا۔ سب کہانیاں ویری ویری بیوٹی فل تھیں۔ یہ شمارہ پڑھ کر مجھ سے رہا نہیں گیا۔ سوچا اگر تعریف نہ کی جائے تو یہ صرف زیادتی نہیں بلکہ بہت بڑی زیادتی ہوگی۔
میری اک گزارش ہے کہ میرا یہ خط ضرور ضرور شائع کیا جائے۔ میرا کسی بھی ڈائجسٹ میں پہلا خط ہے۔ خط طویل سے طویل تر ہوتا جارہا ہے۔ اللہ' کرن اسٹاف' اس کے رائٹر اور قارئین کو لمبی زندگی عطا کرے اور ان کو دن دگنی رات چگنی ترقی دے۔ (آمین)

ارم حنیف۔۔۔ منڈی بہاؤالدین

پہلی دفعہ آپ کی محفل میں قدم رکھا ہے امید ہے جگہ ضرور ملے گی۔ ہر رسالہ پڑھنے کے بعد سوچا کہ تبصرہ ضرور بھیجوں' لیکن عمل نہ کرسکی' وجہ گاؤں میں رہنا' خراب بھی خط لکھنے کی وجہ کرن سے محبت ہے۔
نبیلہ جی آپ بہت اچھا کرن کا ساتھ نبھارہی ہے۔ شفق افتخار کا ناول بھی بہت اچھا تھا۔ دو کے پہاڑے میں سلمیٰ اظفر بہت اچھی لگیں۔ افسانوں میں سب ہی افسانے اچھے تھے۔ پہلا خط ہے اس لیے تبصرہ لکھ رہی ہوں۔ میری دوست ایمان فاطمہ نے ایک تحریر لکھی تھی۔ اسے پوسٹ کیے ہوئے دو ماہ ہوگئے ہیں۔ پلیز پلیز میری دوست کی خوشی کی خاطر ہمیں بتائیں کہ وہ آپ کو کیسی لگی یا پھر وہ آپ کو ملی یا نہیں۔ پلیز تحریر کے بارے میں کچھ بتائیں۔ ہمیں بے چینی سے انتظار رہے گا۔ ایمان کی تحریر کا نام ہے۔ "رشتوں کی امان میں" دعا ہے کرن اپنی کرنیں یوں ہی بکھیرتا رہے۔ (آمین)

انجم فاروق۔۔۔ لاہور

امید ہے آپ اور ادارے کے دیگر احباب بخیروعافیت ہوں گے۔ کرن کا ٹائٹل اس بار سادہ' مگر جاذب نظر تھا۔ حمد اور نعت دونوں میں اقبال آرزو کا کلام خوب تھا۔
محمود بابر فیصل مقبول شخصیت تھے۔ اداکار محمد تقی کا انٹرویو دلچسپ تھا۔ "دست کوزہ گر" اور ورد دل دونوں اچھے چل رہے ہیں۔ افسانوں میں "سنہری بارش' کرب نارسائی' زادراہ" بھی خوب تھا۔ البتہ تھوڑی طوالت کم ہوتی تو تاثر زیادہ ابھرتا۔ "محبت جیت ہوتی ہے" درمیانے درجے کی کاوش تھی۔
ناولٹ میں "بدلتے رشتے" خاصا منفرد اور جان دار ناولٹ تھا۔ البتہ نسرین کے والدین ایک بار بھی اس کے گھر ملنے' دیکھنے نہ آئے' نہ نسرین نے بدلتے حالات کی انہیں اطلاع کی۔ موبائل کے دور میں ہربات کی اطلاع ہوتی رہتی ہے۔
مکمل ناول ابھی زیر مطالعہ ہیں۔ "یادوں کے دریچے" میں انتخاب' خوب تھا۔